

امثال الافتاءوى

فتاوى

حضرت حكيم الامت مولانا اشرف علي تھانوی رحمہ اللہ علیہ

مترتب

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب رحمہ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان
ظیف اہل حکم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ علیہ

جلد بیست و نواں حصہ ششم

سنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

خادم الافکار والحدیث جامعہ قادیانیہ

مدرسہ شریعتیہ امروہہ آباد، الہند

۲

بقیۃ الصلوٰۃ، من باب التجوید إلى
الباب السابع عشر، الجمعة والعیدین

ناشر:

زکریا بک ڈیوانڈیا الہند

امثال ابي الفتاوى احمد

فتاوى

حضرت بکرم الدین مولانا ابشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان
خلیفہ اہل بکرم الدین مولانا ابشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ مطبوعہ عالمیہ: ————— مفتی شمس الدین محمد علی تھانوی

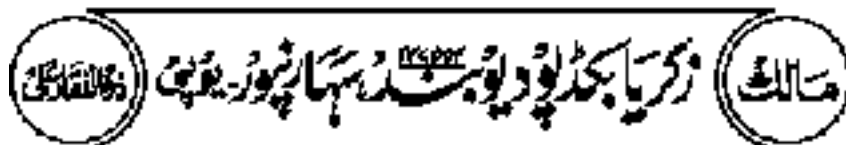
جميع حقوق الطبع محفوظة

محشی: ————— شبہ احمدی الناسی 9412552294

مالک: ————— مکتبہ زکریا — 01336-223223

ZAKARIA BOOK DEPOT DEOBAND

فون: 01336-223223 مکان: 01336-223223 فکس: 01336-223223



ZAKARIA BOOK DEPOT
DEOBAND SAHARANPUR (U.P.)

P.O. (01336) 223223 (O) 225223

Fax: (01336) 225223

Mob.: 03957352223, 09315861123

www.besturdubooks.com



اجمالى فهرست ايك نظر مين

رقم المسألة	عنوانات	
المجلد الأول	٢٣١ - ١	مقدمة التحقيق ، الطهارة ، بجميع أبوابها ، الصلاة ، من باب المواقيت إلى الباب الرابع ، القراءة .
المجلد الثاني	٥٢٢-٢٣٢	بقية الصلاة من باب التجويد إلى الباب السابع عشر ، الجمعة والعيدين .
المجلد الثالث	٨٣٥-٥٢٥	بقية الصلاة ، الزكوة .
المجلد الرابع	١١٢٢-٨٣٦	بقية الزكوة بجميع أبوابها ، صدقة الفطر ، الصوم بجميع أبوابها ، الحج بجميع أبوابها ، النكاح من الباب الأول ، النكاح الصحيح والفساد ، الجهاز والمهر .
المجلد الخامس	١٢٨٥-١٢٨٠	بقية النكاح ، المحرمات ، الأولياء والكفاءة ، الطلاق ، فسخ نكاح ، خلع ، ظهار ، إيلاء ، عدة ، رجعة ، نسب ، حضانة ، نفقات ، حدود ، تعزيز ، أيمان ، نذور ، الوقف .
المجلد السادس	١٨١٣-١٢٨١	بقية الوقف ، أحكام مسجد ، كتاب البيوع ، إقالة ، سلم ، صرف ، بيع فاسد ، يهلون كي بيع ، بيع الوفاء ، كتاب الربو .

- المجلد السابع ١٨١٢-٢٠٩٥ بقية الربوا، وكالة، كفالة، حوالة، وديعة، ضمان، عارية، إجارة، دعوى، صلح، مضاربة، قضاء، شهادة، شفعة، غصب، رهن.
- المجلد الثامن ٢٠٩٤-٢٢٠٣ بقية الرهن، هبة، شركة، قسمة، مزارعة، شرب، ذبائح، أضحية، صيد، عقيقة، الحظر والإباحة.
- المجلد التاسع ٢٢٠٢-٢٢٠٨ بقية الحظر والإباحة، وصايا، فرائض.
- المجلد العاشر ٢٢٠٩-٣٠٠٦ بقية الفرائض، مسائل شتى، ما يتعلق بتفسير القرآن.
- المجلد الحادى عشر ٣٠٠٤-٣٣٣٢ بقية ما يتعلق بتفسير القرآن، ما يتعلق بالحديث، سلوك، رؤيا، بدعات، عقائد وكلام.
- المجلد الثانى عشر ٣٣٣٥-٣٥١٢ بقية كتاب العقائد والكلام.





فہرست مضامین

صفحہ نمبر

مسئلہ نمبر

فصل: في التجويد	□
-----------------	---

۲۱	تحقیق ”ضاد و طاء“	۲۳۲
۲۵	ایضاً	۲۳۳
۲۷	ایضاً	۲۳۴
۴۲	الفتویٰ المتعلقة بالضاد فيه كلام في مواضع	۲۳۵
۴۵	ایضاً	۲۳۶
۴۶	ایضاً	۲۳۷
۵۰	ایضاً	۲۳۸
۵۱	ایضاً	۲۳۹
۵۲	ایضاً	۲۴۰
۵۳	ایضاً	۲۴۱
۵۷	عوام کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے خطرہ کے وقت قراءت سبعہ میں غلو کی ممانعت	۲۴۲
۵۹	بیان القرآن کی عبارت پر شبہ کا جواب اور ابن مسعود کی قراءت کو دوبارہ نقل کرنا	۲۴۳
۶۰	”ذائقا“، ”قالا الحمد“ وغیرہ تثنیہ میں الف کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کی تحقیق	۲۴۴
۶۰	ایضاً	۲۴۵
۶۱	تحقیق اخفاء	۲۴۶
۶۲	”إذ ظلموا“ کے طاء میں ادغام کی تحقیق	۲۴۷
۶۲	بعض اوقاف پر شبہ کا جواب	۲۴۸
۶۷	علم تجوید و قراءت کے وجوب کی تحقیق	۲۴۹

- ۲۵۰ کلام مجید کے اوقاف کا ثبوت ۶۹
- ۲۵۱ ایضاً ۷۱
- ۲۵۲ موضع وقف میں وقف نہ کرنا ۷۱
- ۲۵۳ حرف مشد پر وقف کرنے کا طریقہ ۷۲
- ۲۵۴ سورہ انعام کی دو آیتوں کے وقف پر شبہ کا جواب ۷۲
- ۲۵۵ قراءت سبعہ کی ضرورت کے سلسلہ میں رسالہ ”الامداد“ کی عبارت پر شبہ کا جواب ۷۴
- ۲۵۶ قرآن میں لفظ ابراہیم میں (یا) نہ لکھنے کی وجہ ۷۶
- ۲۵۷ ایضاً ۷۷
- ۲۵۸ سورہ نور میں: ”رجال لاتلہیہم“ کے رجال پر وقف کی تحقیق ۷۷
- ۲۵۹ سورہ یسین شریف میں ”من مرقدنا“ پر وقف لازم صحیح ہے یا سکتہ ۷۸
- ۲۶۰ ”فکانت سراہا“ میں ادغام کی تحقیق ۷۹
- ۲۶۱ جس حرف لین کا ماقبل مفتوح ہو اس میں مد کے سلسلہ میں ”تنشیط الطبع ووجہ المثنائی“ ۷۹
- ۲۶۲ بعض قراءت پر نقص حسنت کے شبہ کا جواب ۸۰
- ۲۶۳ رسالہ ”ضیاء الشمس فی أداء الهمس“ ۸۲
- ۲۶۴ ”کاف“، ”تا“ میں اداء ہمس کی کیفیت کا بیان ۸۳
- ۲۶۴ ضمیمہ جمال القرآن نوشتہ قاری محمد یامین صاحب ۹۳
- ۲۶۴ ”جمال القرآن“ کی عبارات پر سوال کا جواب ۹۳
- ۲۶۵ سورہ روم میں واقع ”ضعف“ کو بالضم پڑھنے سے متعلق سوال کا جواب ۹۳
- ۲۶۵ ایضاً ۹۴
- ۲۶۶ رسالہ ”التدقیق الجلی فی تحقیق النون الخفی“ ۹۵
- ۲۶۷ تصدیق از استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب الہ آبادی ۱۰۴
- ۲۶۷ ”جمال القرآن“ اور ”زینۃ القاری“ کی عبارتوں میں ظاہری تعارض کا دفعیہ ۱۰۴
- ۲۶۸ سورہ فاتحہ میں لفظ ”الصرط“ کی قراءت کی تحقیق ۱۰۸

۲۶۹	صفت مزلقہ اور مصمتہ کی تحقیق	۱۰۹
۲۷۰	سورۃ توبہ کے شروع میں بسملہ کی تحقیق	۱۱۰
۲۷۱	”بسم اللہ“ کے سورت کے جزو ہونے میں امام ابو حنیفہؒ اور امام عاصمؒ کے قول میں تعارض کا رفع	۱۱۱
۲۷۲	ایضاً	۱۱۴

□	۵ / باب الإمامة والجماعة
---	--------------------------

۲۷۳	دوہرے فرش پر نماز اور امام کی موجودگی میں نو وارد عالم کا نماز پڑھانا	۱۱۶
۲۷۴	فرض باجماعت نہ پڑھنے والے کا وتر کی جماعت میں شریک ہو جانا	۱۱۷
۲۷۵	امام کے ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد اقتداء کا حکم	۱۱۹
۲۷۶	فاسق کے پیچھے پڑھی گئی نماز کا اعادہ نہ کرنا	۱۲۰
۲۷۷	برے اخلاق و عادات والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے	۱۲۲
۲۷۸	جس نے عشاء باجماعت نہ پڑھی ہو اس کا وتر باجماعت پڑھنا	۱۲۳
۲۷۹	جس کی بیوی بے پردہ پھرے اس کی امامت	۱۲۵
۲۸۰	ایضاً	۱۲۷
۲۸۱	امام راتب دوسروں سے امامت کا زیادہ حقدار ہے	۱۲۹
۲۸۲	ایضاً	۱۳۲
۲۸۳	امرد اور نابالغ کے پیچھے نماز کا حکم	۱۳۴
۲۸۴	ایضاً	۱۳۵
۲۸۵	امامت کی اجرت لینا درست ہے	۱۳۸
۲۸۶	امام بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو مقتدی کیا کرے؟	۱۳۹
۲۸۷	مسجد میں جماعت ثانیہ کی کراہت کا مفصل بیان	۱۴۱
۲۸۸	جماعت ثانیہ	۱۴۹
۲۸۹	صحن مسجد میں جماعت ثانیہ کا حکم	۱۵۲
۲۹۰	شارع عام کی مسجد میں تکرار جماعت کا حکم	۱۵۵

۲۹۱	حکم جماعت ثانیہ.....	۱۵۷
۲۹۲	مقتدی جائے نماز پر ہوا اور امام فرش زمین پر یا اس کے برعکس ہو، اس کا حکم.....	۱۵۸
۲۹۳	نوافل کی جماعت کا حکم.....	۱۵۹
۲۹۴	ایضاً.....	۱۶۰
۲۹۵	غیر مقلد و بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم.....	۱۶۲
۲۹۶	ایضاً.....	۱۶۳
۲۹۷	ایضاً.....	۱۶۴
۲۹۸	غیر مقلد کی اقتداء کا حکم.....	۱۶۷
۲۹۹	ایضاً.....	۱۶۸
۳۰۰	غیر مقلد کے پیچھے نماز کا حکم.....	۱۷۳
۳۰۱	ایضاً.....	۱۷۴
۳۰۲	پابند نماز کا غیر پابند نماز کی اقتداء کا حکم.....	۱۷۵
۳۰۳	جس کے ثنایا علیانہ ہوں، اس کی امامت کا حکم.....	۱۷۶
۳۰۴	اثغ کی امامت کا حکم.....	۱۷۷
۳۰۵	جو شخص راء کے تلفظ پر قادر نہ ہو اس کی امامت کا حکم.....	۱۷۹
۳۰۶	مسابوق کا صف کے بیچ میں سے کسی کو کھینچ کر پیچھے لے آنا.....	۱۸۰
۳۰۷	نماز پڑھے ہوئے کا ظہر و عشاء کی جماعت میں شرکت کرنا.....	۱۸۲
۳۰۸	بغیر عمامہ کے امامت کا جواز.....	۱۸۳
۳۰۹	ایضاً.....	۱۸۴
۳۱۰	ایضاً.....	۱۸۵
۳۱۱	ایک خط مشتمل بر سوال و جواب ذیل آیا.....	۱۸۶
۳۱۲	ایضاً.....	۱۸۸
۳۱۳	رعایا کے قلوب میں رعب کی قلت کے خطرہ سے ترک جماعت کا عدم جواز.....	۱۹۰
۳۱۴	امام و خطیب کی بعض کوتاہیوں کے احکام.....	۱۹۱

۳۱۵	لنگڑے کی امامت کا حکم	۱۹۶
۳۱۶	بعذر اُکڑو بیٹھنے والے کی امامت	۱۹۷
۳۱۷	عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھنے والے کا کھڑے ہونے والوں کی امامت کا جواز	۱۹۸
۳۱۸	پابندی جماعت کے لئے بالغ لڑکے کو مارنے کا حکم	۱۹۹
۳۱۹	امام کی نماز کی کراہت مقتدیوں کی نماز کو متعدی ہوتی ہے	۲۰۰
۳۲۰	عذر منقطع ہو جانے کی حالت میں معذور کی امامت کا حکم	۲۰۲
۳۲۱	مقتدی کے تشہد پوری کرنے سے پہلے امام کھڑا ہو جائے یا سلام پھیر دے تو کیا کریں؟	۲۰۳
۳۲۲	مقتدی کے امام سے پہلے سلام پھیر دینے کا حکم	۲۰۴
۳۲۳	کبڑے امام کی اقتداء کا حکم	۲۰۵
۳۲۴	ولد الزنا عالم کی امامت	۲۰۶
۳۲۵	امام کے لمبی نماز پڑھانے کی کراہت	۲۰۸
۳۲۶	مال ضائع ہونے کے خطرے سے ترک جماعت کا حکم	۲۰۹
۳۲۷	مجبوری میں صحیح خواں کا غلط خواں کی اقتداء کرنا	۲۱۰
۳۲۸	قرآن غلط پڑھنے والے کی اقتداء کا حکم	۲۱۲
۳۲۹	نماز میں ایڑی سے ایڑی ملا کر کھڑے ہونے کا حکم؟	۲۱۳
۳۳۰	ایضاً	۲۱۵
۳۳۱	بڑی مسجد میں فصل کثیر کے باوجود اقتداء صحیح ہے	۲۱۸
۳۳۲	بحالت مجبوری فاسق کے پیچھے ۱۲ اقتداء کا جواز	۲۱۹
۳۳۳	امام کو حدث ہو جانے پر مقتدی کا از خود بڑھ کر خلیفہ بن جانا جائز ہے	۲۲۰
۳۳۴	نماز میں دنیوی و اخروی مقصد کے لئے غیر عربی میں دعا کرنے کی تفصیل	۲۲۱
۳۳۵	سنن قبلہ ادا کئے بغیر فجر، ظہر اور عشاء کی نماز میں امامت کرنا مکروہ نہیں	۲۲۶
۳۳۶	جامع مسجد میں نماز پنجگانہ افضل ہے یا محلہ کی مسجد میں؟	۲۲۶
۳۳۷	اذان کے بعد نمازیوں کو نماز کے لئے بلانا	۲۲۸

۲/ بَقِیَّةُ کِتَابِ الصَّلَاةِ

□	۶/ باب ما یفسد الصلوة وما یکره فیها	□
---	-------------------------------------	---

صفحہ نمبر	مسئلہ نمبر:
۲۳۰	۳۳۸ نماز میں قرآن کریم کو راگ اور خوبصورت لہجہ سے پڑھنے کا حکم
۲۳۱	۳۳۹ مسجد کے محراب کو چھوڑ کر صحن میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا حکم
۲۳۳	۳۴۰ امام کا محراب کے اندر اور مقتدیوں کا در میں کھڑا ہونا کیسا؟
۲۳۴	۳۴۱ امام کا در میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا کیسا؟
۲۳۵	۳۴۲ محراب کے داخل مسجد ہونے کے باوجود اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکرم ہو ہے۔
۲۳۶	۳۴۳ تین آیت کے بعد بھی امام کو قلمہ دینے سے نماز کا فاسد نہ ہونا
۲۳۸	۳۴۴ ایضاً.....
۲۳۹	۳۴۵ نماز میں تحسین صوت کے لئے وکھنکارنا
۲۴۰	۳۴۶ نماز میں آہ، اوہ، ہائے کہنے کا حکم
۲۴۱	۳۴۷ نماز میں کھجلائے کا حکم
۲۴۳	۳۴۸ نماز کے دوران دامن سمیٹنا
۲۴۳	۳۴۹ گندے اور خراب کپڑے میں نماز کا حکم
۲۴۵	۳۵۰ نماز میں استعانت بالرب کا حکم
۲۴۶	۳۵۱ دونوں سجدوں کے بعد قیام سے قبل جلسہ استراحت کا حکم
۲۴۷	۳۵۲ نماز میں بے ترتیب قرآن پڑھنے کا حکم
۲۴۸	۳۵۳ صرف لنگی یا چادر پہن کر نماز کا حکم
۲۴۹	۳۵۴ بین الساریتین اور دروں میں نماز کا حکم
۳۵۲	۳۵۵ امام کا محراب کی سیدھ میں صحن میں کھڑا ہونا اور دروں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟
۲۵۴	۳۵۶ صفوں کے درمیان ستون کا آڑ ہونا

- ۳۵۷ گریبان کی گھنڈیاں اور بٹن وغیرہ کے کھلے ہونے کی حالت میں نماز کا حکم ۲۵۹
- ۳۵۸ نماز میں عورتوں کا کہنیوں تک ہاتھ کھولنے یا ٹخنے کھولنے کا حکم ۲۶۱
- ۳۵۹ نماز میں رونے کا حکم ۲۶۲
- ۳۶۰ چوتھائی عضو کھلے رہنے کی حالت میں نماز کا حکم ۲۶۴
- ۳۶۱ نماز میں عینک لگانے کا حکم ۲۶۵
- ۳۶۲ جاندار کی تصویر والے مصلیٰ پر نماز کی کراہت ۲۶۶
- ۳۶۳ قبر اطہر کے نقشہ کے سامنے نماز کا حکم ۲۶۸
- ۳۶۴ نماز میں یکبارگی دو صفوں تک پیدل چلنے سے فساد نماز کا حکم ۲۶۹
- ۳۶۵ ننگے سر نماز کا حکم ۲۷۱
- ۳۶۶ امام سے قبل مقتدی کا سلام اول کو ختم کرنا مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں؟ ۲۷۳
- ۳۶۷ کیا چادر و رضائی کا لٹکانا اسبال میں داخل ہے؟ ۲۷۴
- ۳۶۸ عطاء کی جگہ عذاب اور عذاب کی جگہ عطاء کے الفاظ پڑھنے سے فساد نماز کا حکم ۲۷۵
- ۳۶۹ مسجد کی چھت پر نماز کا حکم ۲۷۶
- ۳۷۰ مواضع غضب و عذاب میں ممانعت نماز اور اس کی حکمت ۲۷۸
- ۳۷۱ نماز میں دونوں پاؤں پر برابر زور دے کر کھڑا ہونا مکروہ ہے یا ایک ایک پیر پر زور دیکر کھڑا ہونا ۲۸۱
- ۳۷۲ مردار کے اُون سے بنائے ہوئے موزے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم ۲۸۴
- ۳۷۳ سنت یا تراویح میں قعدہ ترک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ ۲۸۵
- ۳۷۴ نماز میں اعرابی غلطی کا حکم ۲۸۷
- ۳۷۵ قنوت کی تکبیر میں امام کو لقمہ دینے کا حکم ۲۸۸
- ۳۷۶ جس کو سجدہ کی حالت میں قطرہ آجاتا ہو اس کی نماز کا حکم ۲۹۰
- ۳۷۷ کسی بھی حال میں امام کو لقمہ دینے سے نماز فاسد نہ ہوگی ۲۹۱

□	۷/ باب صلوٰۃ الوتر	□
---	--------------------	---

- ۳۷۸ نماز وتر میں مخصوص سورتوں کو متعین کر کے پڑھنے کا حکم ۲۹۴
- ۳۷۹ رمضان میں وٹروں کا تہجد کیساتھ پڑھنا افضل ہے یا جماعت کیساتھ تراویح کے بعد ۲۹۵
- ۳۸۰ ایضاً ۲۹۶
- ۳۸۱ ایضاً ۲۹۷
- ۳۸۲ رمضان میں نماز وتر کو جہر و عدم جہر دونوں طرح پڑھنے کا جواز ۲۹۹
- ۳۸۳ وتر کی نماز تہجد کے بعد پڑھنا افضل ہے یا تراویح کے بعد ۳۰۰
- ۳۸۴ غیر رمضان میں وتر کی جماعت کیسی اور رمضان کی خصوصیت ۳۰۲
- ۳۸۵ تراویح کی جماعت ترک کرنے والوں کا وتر کی نماز بغیر جماعت کے پڑھنا ۳۰۳
- ۳۸۶ نماز وتر کی نیت میں لفظ واجب کہنے کا حکم ۳۰۴
- ۳۸۷ ایضاً ۳۰۴
- ۳۸۸ قنوت میں وُخْلَع و نَتْرَک من یُفْشِرْک پڑھنے کی تحقیق ۳۰۶
- ۳۸۹ قنوت نازلہ میں رفع یدین وغیرہ کا حکم ۳۰۶

□	۸/ باب النوافل	□
---	----------------	---

- ۳۹۰ ظہر، مغرب، عشاء کے بعد کے نوافل کھڑے ہو کر پڑھنے کی فضیلت ۳۰۸
- ۳۹۱ وتر کے بعد کی دو رکعتیں کھڑے ہو کر پڑھنے کی فضیلت ۳۰۹
- ۳۹۲ وتر کے بعد دو نفل ۳۱۱
- ۳۹۳ ایضاً ۳۱۱
- ۳۹۴ فرض کی جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد فجر کی سنت پڑھنے کا حکم ۳۱۲
- ۳۹۵ فجر کی جماعت کے دوران سنت پڑھنا ۳۱۴
- ۳۹۶ ایضاً ۳۱۵

۳۹۷	سنت کے دوران تکبیر شروع ہو جائے تو کیا کریں؟	۳۱۷
۳۹۸	قضاء نمازیں پڑھنا بہتر ہے یا نوافل	۳۲۰
۳۹۹	ربا ہش گاہ میں فجر کی سنت پڑھنے کے بعد مسجد میں جا کر تحیۃ المسجد پڑھنا	۳۲۰
۴۰۰	عشاء کی دو رکعت سنت کے بعد نفل کا ثبوت	۳۲۳
۴۰۱	تہجد کی نمازوں کی تعداد رکعات	۳۲۳
۴۰۲	حقیقت صلوٰۃ معکوس	۳۲۴
۴۰۳	عشاء سے پہلے چار رکعت سنت کی تحقیق	۳۲۶

□	۹ / باب التراویح	□
---	------------------	---

۴۰۴	ایک مسجد میں متعدد تراویح کا حکم	۳۲۷
۴۰۵	عذر کی وجہ سے تراویح کی نماز ہاتھی کی سواری پر پڑھنا	۳۲۸
۴۰۶	سفر کی وجہ سے تراویح کی رکعتوں میں کمی کا حکم	۳۲۹
۴۰۷	اجرت لے کر تراویح میں قرآن سنانے کا حکم	۳۳۰
۴۰۸	مختلف طریقہ سے اجرت لے کر حافظ صاحب کا تراویح میں قرآن سنانے کا حکم	۳۳۲
○	توضیح مسئلہ مذکورہ از ترجیح الرائج ص ۲۳۴	۳۳۴
۴۰۹	ایضاً	۳۳۴
۴۱۰	تراویح میں ختم پرا جرت لینے کے لئے باطل حیلہ	۳۳۶
۴۱۱	منفرد تراویح اور تہجد میں قرأت جہریہ کر سکتا ہے	۳۳۷
۴۱۲	شبینہ متعارفہ سے متعلق دو مختلف فتاویٰ کے درمیان تحقیقی جائزہ	۳۳۹
○	حکم شبینہ	۳۳۹
۴۱۳	ایضاً	۳۵۰
۴۱۴	ایضاً	۳۵۳
۴۱۵	کسی خاص شخص کی رعایت سے اس کے فوت شدہ قرآن کو تراویح میں لوٹانا	۳۵۴

۳۵۵	تراویح میں دوسری رکعت پر بیٹھنے کا وجوب	۴۱۶
۳۵۶	تراویح میں ترویجہ (جلسہ) کی مقدار	۴۱۷
۳۵۷	تراویح کی نماز عورت و مرد دونوں پر سنت مؤکدہ ہے	۴۱۸
۳۵۸	دینی مصلحت کے پیش نظر تراویح کا سنت مؤکدہ علی تعین ہونا	۴۱۹
۳۵۹	تراویح کی ایک رکعت میں ”قل ھو اللہ“ کے تکرار کا حکم	۴۲۰
۳۶۲	ایضاً	۴۲۱
۳۶۴	کمزوری کی وجہ سے تراویح کی بیس رکعت کی تعداد میں کمی کی ممانعت	۴۲۲
۳۶۵	تراویح میں دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ جہراً پڑھنے کی تحقیق	۴۲۳
۳۶۸	قرآن سننے پر اجرت لینے کا حکم	۴۲۴
۳۶۹	فوت شدہ تراویح کی رکعتیں وتر کے بعد اداء کریں	۴۲۵
۳۷۰	تراویح میں اجرت لے کر پڑھانے والے کے سامعین کو ثواب ملے گا یا نہیں؟	۴۲۶
۳۷۱	تراویح کی دو رکعت پر قعدہ نہ کر کے چار رکعت پڑھنا	۴۲۷
۳۷۴	تراویح میں ختم قرآن کے سنت ہونے پر دلائل	۴۲۸
۳۷۵	جن بلاد میں رات یا دن بہت بڑے ہوتے ہیں وہاں نماز، روزہ اور تراویح کے احکام	۴۲۹

□	۱۰ / باب إدراك الفريضة وقضاء الفوائت	□
---	--------------------------------------	---

۳۸۰	صاحب ترتیب کی تعریف کی تحقیق	۴۳۰
۳۸۱	قضاء کے وقت نماز کی تعیین کرنا	۴۳۱
۳۸۳	مرد ہونے کی وجہ سے سقوط قضاء کی تحقیق	۴۳۲
۳۸۵	فرض اور وتر کی قضاء لازم ہے سنتوں کی نہیں	۴۳۳
۳۸۷	صرف توبہ سے قضاء نمازوں کا معاف نہ ہونا	۴۳۴
۳۸۹	جس کو فساد نماز کا علم نہ ہو اس کے حق میں سقوط ترتیب کا حکم	۴۳۵
۳۹۰	تہاء مغرب پڑھنے کے دوران جماعت کھڑی ہو جائے تو دو رکعت پڑھنے پر نماز ختم نہ کرنا	۴۳۶

□	۱۱/ باب أحكام اللاحق والمسبق	□
---	------------------------------	---

- ۳۹۲ قعدہ اولیٰ یا اخیرہ میں شریک ہونے والے مسبوق کا تشہد مکمل کرنے کا حکم ۴۳۷
- ۳۹۳ ایضاً ۴۳۸
- ۳۹۴ مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیرنے کا حکم ۴۳۹
- ۳۹۷ امام کے سلام کے بعد مسبوق کے نماز پوری کرنے کا طریقہ ۴۴۰
- ۳۹۹ مسبوق کے حق میں ثناء اور تعویذ پڑھنے کا حکم ۴۴۱
- ۴۰۰ ایضاً ۴۴۲
- ۴۰۱ مسبوق کو رکعات فائتہ میں جہر کا حکم ۴۴۳
- ۴۰۲ جواب سوالات اربعہ متعلقہ بأحكام لاحق ومسبوق ۴۴۴
- ۴۰۹ پھر سوالات ذیل آئے ۴۴۵
- ۴۱۲ الجواب عن السوال المتصلة ۴۴۶
- ۴۱۳ الجواب عن الشبهة على الجواب الاول ۴۴۷
- ۴۱۴ الجواب عن الشبهة على الجواب الثالث ۴۴۸
- ۴۱۵ الجواب عن الشبهة على الجواب الرابع ۴۴۹
- ۴۱۵ طلوع آفتاب کے اندیشہ کے وقت مسبوق کا امام کے سلام کا انتظار نہ کرنے کا حکم ۴۵۰

□	۱۲/ باب السهو في الصلوة وأحكامه	□
---	---------------------------------	---

- ۴۱۸ قعدہ اولیٰ میں سہواً تشہد کے بعد رد و شریف پڑھنے پر سجدہ سہو ۴۴۶
- ۴۱۹ تیسری رکعت میں سہواً بقدر تسبیح بیٹھنے پر سجدہ سہو کا وجوب ۴۴۷
- ۴۲۱ اولیین میں ضم سورت ترک ہونے پر آخرین میں ضم سورت کا حکم ۴۴۸
- ۴۲۳ بھول سے تعدیل ارکان ترک کرنے کا حکم ۴۴۹
- ۴۲۵ خارج صلاۃ شخص کے کہنے پر امام کے عمل کرنے کا حکم اور حدیث ذوالیدین کی تحقیق ۴۵۰

- ۴۵۱ امام کے سہو پر مقتدی کا سبحان اللہ کے علاوہ دوسرے لفظ سے لقمہ دینے کا حکم ۴۳۰
- ۴۵۲ امام مسافر کے اعلان پر مقیم مقتدیوں کا عمل کرنا ۴۳۲
- ۴۵۳ منفرد کی اقتداء کے بعد سورہ فاتحہ کو جہری نماز میں سری پڑھنے کے بعد جہری کے ساتھ ۴۳۴
- ۴۵۴ ایضاً ۴۳۶
- ۴۵۵ سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھنے کا حکم ۴۳۸
- ۴۵۶ تشہد کے بعد سہو کی صورت میں تشہد کے تکرار کا حکم ۴۳۹
- ۴۵۷ ایضاً ۴۴۰
- ۴۵۸ قعدہ اولیٰ میں تشہد کا تکرار موجب سجدہ سہو ہے قعدہ اخیرہ میں نہیں ۴۴۰
- ۴۵۹ نماز میں سجدہ تلاوت کے احکام ۴۴۲
- ۴۶۰ سورت بھولنے والے کو رکوع سے عود کر جانے کا حکم ۴۴۵
- ۴۶۱ تعداد رکعات بھول جانے کی صورت میں امام و مقتدی کے اختلاف کا حکم ۴۴۶
- ۴۶۲ صلوٰۃ ثنائیہ یا ثلاثیہ میں ایک دو رکعت زیادہ ہو جانے کا حکم ۴۴۸
- ۴۶۳ بصورت ترک قعدہ اخیرہ ایک رکعت یا زیادہ کے اختلاف کا حکم ۴۴۹
- ۴۶۴ عیدین و جمعہ میں سجدہ سہو کا حکم ۴۵۱
- ۴۶۵ امام تارک سجدہ سہو کے اعادہ کے وقت اقتداء کا حکم ۴۵۲
- ۴۶۶ تشہد اخیر کے بعد سجدہ تلاوت کے یاد آنے کا حکم ۴۵۳
- ۴۶۷ کسی نے رکعتین اخیرین میں سہو اضم سورت کر لیا اور اس کو موجب سجدہ سہو سمجھ کر سجدہ کیا تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں ۴۵۶
- ۴۶۸ سنن مؤکدہ میں قعدہ اولیٰ ترک کرنے کا حکم ۴۵۷
- ۴۷۹ نماز کے بعد مانع بناء پایا جائے تو سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا ۴۵۹
- ۴۷۰ سجدہ سہو ترک ہو جانے سے نماز کے اعادہ کا حکم ۴۶۰

- ۴۷۱ ایک رکعت کے سجدہ صلاتیہ کے نماز کی دوسری رکعت میں قضاء کا حکم ۴۶۲
- ۴۷۲ قعدہ اولیٰ بھول کر تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے والے امام کی متابعت واجب ہے۔ ۴۶۳
- ۴۷۳ دوبار سورہ فاتحہ پڑھنے پر نماز لوٹانے کا حکم ۴۶۴
- ۴۷۴ نماز میں بکثرت سہو واقع ہونے کا حکم ۴۶۵

<input type="checkbox"/>	۱۳/ باب صلوٰۃ المریض	<input type="checkbox"/>
--------------------------	----------------------	--------------------------

- ۴۷۵ مریض کے لئے اشارہ سے نماز کا حکم ۴۶۸

<input type="checkbox"/>	۱۲ / باب سجدة التلاوة	<input type="checkbox"/>
--------------------------	-----------------------	--------------------------

- ۴۷۶ غیر مصلیٰ سے نمازی کے آیت سجدہ سننے کا حکم ۴۷۰
- ۴۷۷ حدیث موقوف سے رکوع میں سجدہ تلاوت ادا کرنے کا ثبوت ۴۷۰
- ۴۷۸ سجود میں سجدہ تلاوت کا حکم ۴۷۲
- ۴۷۹ ایضاً ۴۷۴
- ۴۸۰ عند الاحناف سورہ حج کے دوسرے سجدہ کی تحقیق ۴۷۶
- ۴۸۱ سجدہ تلاوت کرنے کا مستحب طریقہ ۴۷۷
- ۴۸۲ اشعار میں آیت سجدہ کے ایک دو لفظ پڑھنے سے سجدہ کا واجب ہونا ۴۷۸
- ۴۸۳ سجدہ تلاوت کے لئے قیام کا حکم ۴۸۰
- ۴۸۴ سجدہ تلاوت کی تاخیر کا حکم ۴۸۲
- ۴۸۵ قرآن ختم کرنے کے بعد تمام سجدات تلاوت ایک ساتھ ادا کرنا ۴۸۳
- ۴۸۶ سجدات تلاوت کی تعداد ۴۸۴
- ۴۸۷ متعدد سجدات تلاوت کے ادا کرنے کا حکم ۴۸۵
- ۴۸۸ سجدہ تلاوت ۴۸۶
- ۴۸۹ میت کے ذمہ سجدہ تلاوت ۴۸۸

□	۱۵/ باب صلوة المسافر	□
---	----------------------	---

۴۸۹ سفر کی وجہ سے وطن اقامت کے بطلان کا حکم	۴۹۰
۴۹۱ ایضاً	۴۹۱
۴۹۳ ایضاً	۴۹۲
۴۹۵ ترجیح الراجح متعلقہ مسئلہ مذکورہ بالا	۴۹۳
۴۹۶ حالت سفر میں ریل کے سیٹی کرتے وقت نماز توڑ دینے کا حکم	۴۹۴
۴۹۷ کجاوے میں نماز کا حکم	۴۹۵
۴۹۹ ریل گاڑی میں نماز کا حکم	۴۹۶
۵۰۲ ایضاً	۴۹۷
۵۰۴ ایضاً	۴۹۸
۵۰۵ ایضاً	۴۹۹
۵۰۸ الجواب من المولوی حبیب احمد	○
۵۱۰ ہر وقت سیاحتی پر رہنے والے کے قصر و اتمام کا حکم	۵۰۰
۵۱۲ گھوڑے کی سواری پر نماز کا حکم	۵۰۱
۵۱۳ متفرق مقامات میں اقامت کی نیت کا حکم	۵۰۲
۵۱۴ کشتی کا محل اقامت کی صلاحیت نہ رکھنا	۵۰۳
۵۱۶ ایضاً	۵۰۴
۵۱۹ مسئلہ قصر و اتمام میں اجیر و نوکر کے تابع ہونے کی تحقیق	۵۰۵
۵۲۱ امام کے ساتھ فاسد نماز کے اعادہ کے وقت لزوم قصر کا حکم	۵۰۶
۵۲۲ کیا عورت کو بعد شادی وطن اصلی (میکہ میں) قصر کرنا ہوگا؟	۵۰۷
۵۲۳ جنگل میں رہنے والوں (خانہ بدوش) کیلئے قصر یا اتمام کا حکم	۵۰۸
۵۲۵ ملازمین جہاز کیلئے قصر یا اتمام کا حکم	۵۰۹

۵۱۰	ایضاً.....	۵۲۷
۵۱۱	جب تک کسی دوسری جگہ کو وطن اصلی نہ بنالے پہلا وطن ہی وطن اصلی رہے گا.....	۵۳۲
۵۱۲	اپنے اہل و عیال دوسری جگہ نقل کرنے سے بقاء وطن و زوال وطن کا حکم.....	۵۳۲
۵۱۳	بندھی کشتی پر نماز کا حکم.....	۵۳۶
۵۱۴	ریل میں سجدہ کرنے کی جگہ نہ ہو تو کیا اشارہ سے سجدہ کر سکتے ہیں؟.....	۵۳۸
۵۱۵	سفر میں مسافت کا اعتبار ہے، سرعت رفتار کا نہیں.....	۵۳۹
۵۱۶	اُڑان کے دوران ہوائی جہاز میں نماز کا حکم.....	۵۴۰
۵۱۷	ایضاً.....	۵۴۲
۵۱۸	ہوائی جہاز کے سفر میں مسافت قصر.....	۵۴۶
۵۱۹	ہوائی جہاز کے سفر میں مسافت قصر.....	۵۴۸
۵۲۰	دوران سفر ارادہ سفر ملتی کرنے کا حکم.....	۵۵۰
۵۲۱	اہلکاروں کے دورہ میں نماز قصر کرنے کا حکم.....	۵۵۱
۵۲۲	ایضاً.....	۵۵۱
۵۲۳	ایضاً.....	۵۵۳
۵۲۴	مسافت قصر کا ارادہ نہ ہونے کی صورت میں مسافت قصر طے کرنے سے قصر نہ کرنے کا حکم.....	۵۵۵
○	مسافر کی اقتداء کرنے والے کا چھوٹی ہوئی رکعات کو مکمل کرنے کا طریقہ.....	۵۵۷
۵۲۵	ایضاً.....	۵۵۷

□	رسالہ نافع الإشارة إلى منافع الاستخارة	□
---	--	---

(یعنی ایک شخص کے علی الترتیب چند خطوط کے جوابات)

۵۲۶	خط اول مع جواب.....	۵۶۰
○	خط ثانی مع جواب.....	۵۶۱
○	خط ثالث مع جواب.....	۵۶۱

□	۱۷ / باب صلوة الجمعة والعیدین	□
---	-------------------------------	---

۵۶۴	خطبہ عید کے بعد دعاء کا حکم	۵۲۷
۵۶۵	ایضاً	۵۲۸
۵۶۸	ایضاً	۵۲۹
۵۶۹	ایضاً	۵۳۰
۵۷۱	ایضاً	۵۳۱
۵۷۲	ایضاً	۵۳۲
۵۷۵	امام کے خطبہ کے لئے منبر پر پہنچنے سے پہلے یادوران خطبہ آپس میں سلام و مصافحہ کا حکم	۵۳۳
۵۷۷	خطیب کا منبر پر کھڑے ہو کر سلام کرنا	۵۳۴
۵۷۹	ایضاً	۵۳۵
۵۸۲	عید گاہ میں نماز عید ادا کرنے کی تاکید	۵۳۶
۵۸۴	نماز جمعہ میں مصلیوں کی تعداد کی شرط	۵۳۷
۵۸۷	شہر کے قریب کے قلعہ اور کوٹھی میں نماز جمعہ کا حکم	۵۳۸
۵۸۹	سرکاری دفتر میں نماز جمعہ کا حکم	۵۳۹
۵۹۰	ایضاً	۵۴۰
۵۹۲	منتشر آبادی میں نماز جمعہ کا حکم	۵۴۱
۵۹۴	قصبات میں جمعہ کا جواز	۵۴۲
۵۹۹	بڑے گاؤں میں جواز جمعہ کا حکم	۵۴۳
۶۰۲	بڑے گاؤں میں جواز جمعہ کے متعلق ایک اور سوال	۵۴۴
۶۰۷	اس پر مولانا صدیق احمد صاحب کاندھلوی کا والا نامہ آیا جو ذیل میں منقول ہے	○
۶۱۱	الجواب عن المکتوب السابق	○



فصل: (*) في التجويد

تحقیق ”ضاد و طاء“ (**)

سوال (۲۳۲): قدیم ۲۶۲/۱ - قرآن مجید میں ضاد پڑھنے پر لوگوں نے مختلف ڈھنگ اختیار کئے ہیں، بہت لوگ دوا پڑھتے ہیں، بہت لوگ صاف دال پڑھتے ہیں، بہت لوگ طایا زاپڑھتے ہیں، بہت لوگ عجب خلط کرتے ہیں کہ کہیں تو دوا پڑھتے ہیں اور کہیں صاف دال پڑھ دیتے ہیں، اور ان خلط کرنے والوں کی تعداد دنیا میں بہت معلوم ہوتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے پڑھنے کو خفیوں کے طریقے کے موافق سمجھتے ہیں، باقی پڑھنے والوں کو اپنے زعم میں غیر مقلد جانتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ضاد کو دوا یا دال یا طاء یا زایا ذال پڑھنا سب ہی غلط ہیں، مگر جو شخص جس طرح پڑھتا ہے اسی کو موافق قواعد تجوید

(*) تجوید سے متعلق دو جواب پہلے نمبر: ۲۱۹-۲۲۰ پر گزرے ہیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری
(**) ضاد کے متعلق دس فتوے ہیں (از نمبر: ۲۳۲-۲۴۱، اور نمبر: ۲۱۹ مع اس کے تتمہ نمبر: ۲۲۰ کے) جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

”ضاد“ کا مخرج: - ”ض“ کا مخرج اور اس کی آواز طاء اور دال کے مخرج اور ان کی آوازوں سے ممتاز ہے، مگر اس کی آواز اقرب الی الطاء ہے، یعنی دونوں کی آوازوں میں تشابہ تام تو نہیں ہے؛ بلکہ من وجہ دون وجہ ہے؛ لیکن غالب مشابہت طاء کی آواز کی ہے (اس پر مفصل بحث نمبر: ۲۳۴ کے جواب میں ہے) لہذا ضاد کو صحیح مخرج اور صحیح آواز سے ادا کرنا اور اس کی مشق کرنا ضروری ہے اور عوام جو ضاد کو دال کے مخرج سے پڑھتے ہیں یا غیر مقلدین جو طاء کے مخرج سے پڑھتے وہ محض غلط ہے۔

عاجز کا حکم: - جو شخص باوجود کوشش کے بھی ضاد کو صحیح ادا نہ کر سکتا ہو وہ عاجز ہے، وہ ضاد کو دال یا غیر مقلدین جو طاء کے مخرج سے پڑھتے ہیں، اس کا مفصل بیان نمبر: ۲۳۴ کے جواب پر حاشیہ میں ہے۔

نماز کا حکم: - غیر مشاق کی نماز تو ہر طرح ہو جاتی ہے اور مشاق کی زبان سے بھی اگر بلا قصد غلط نکل گیا تو اس کی نماز بھی ہو جاتی ہے؛ البتہ اگر مشاق ہو کر اسی قصد سے پڑھے کہ میں طاء پڑھتا ہوں یا دال پڑھتا ہوں تو اس کی نماز بلاشبہ فاسد ہوگی (یہ بحث نمبر: ۲۳۴ کے جواب کے آخر میں ہے) ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

جانتا ہے اور دوسرے طریقے سے پڑھنے والوں کو غلطی پر بتاتا ہے اور اس کی نماز کو فاسد خیال کرتا ہے، عوام کی تو کچھ شکایت نہیں ان بیچاروں کا تو شین قاف تک درست نہیں ہوتا، یہ بلا آج کل کے حفاظ اور حضرات علماء میں دیکھتا ہوں۔ اعراب کہیں معروف پڑھتے ہیں، کہیں مجہول۔ وقف کرتے ہیں اور سانس نہیں توڑتے اظہار اور اخفاء بالکل نہیں کرتے۔ ترقیق و تقفیم کے نام سے بھی اچھی طرح واقف نہیں۔ حروف قلقہ واستعلاء وغیرہ کسی سے آگاہ نہیں۔ اس پر یہ حال کہ ایک فریق دوسرے فریق کی نماز کو باطل بتا رہا ہے اور سارا جھگڑا ہیر پھیر کر صرف ضاد ہی پر آ رہا ہے، جس طرح ضاد کو ضاد پڑھنا قواعد تجوید کے موافق ہے، اسی طرح اور باتیں بھی ہیں، مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اور باتوں میں جھگڑا کیوں نہیں کیا جاتا؟

بعض حضرات علماء یہ فرمادیتے ہیں کہ حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنا چاہئے، و بس یہ بات بھی جی کو نہیں لگتی؛ کیونکہ جس طرح حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنا مأمور بہ ہے، اسی طرح تجوید کی اور باتیں بھی مأمور بہ ہیں۔ پھر صرف ایک قاعدہ پر عمل کرنے اور باقی کو ترک کرنے سے نماز کیوں کر صحیح یا کامل ہو جائے گی؟ شاید دونوں کے مأمور بہ ہونے میں کچھ فرق ہو، جس کو میں نہیں جانتا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ضاد کو دواد پڑھنے پر اجماع منعقد ہو گیا ہے۔ یہ بات میرے جی کو نہیں لگتی؛ کیونکہ بعض ماہرین فن کو سنا ہے وہ تو دواد نہیں پڑھتے۔ بعض حضرات ”و د تل القرآن تسریلاً“ کی رو سے فن تجوید سیکھنے کو واجب فرماتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو بڑی مشکل ہے، لاکھوں نمازیں برباد ہوئیں اور ہوتی ہیں اور ہوں گی؛ کیونکہ یہ فن سخت مشکل ہے۔ حضرات علماء میں ہزاروں میں کہیں دو چار مجوید نکلیں گے، مگر جو لوگ واجب فرماتے ہیں یہ نہیں بتاتے کہ کس قدر مقدار واجب ہے؟ بعض زور میں آ کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ حروف کے مخارج کا ادا کرنا اتنی مقدار واجب ہے؛ لیکن ان سے اس بات پر اگر کوئی دلیل نقلی طلب کرے تو فضول باتیں بنانے لگتے ہیں، اپنی ذاتی رائے کے سوا کچھ جواب نہیں بن آتا۔

امید کرتا ہوں کہ ضاد کے متعلق جو عرض کیا گیا ہے غور سے ملاحظہ فرما کر کافی شافی جواب مرحمت ہو، تاکہ قلب کو تسکین ہو اور اس کے مطابق اعتقاد و عمل رکھا جائے۔

الجواب (*): فی فتاویٰ قاضی خان: (وان ذکر حرفاً مکان حرف و غیر المعنی

(*) اس مقام پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ضاد کو دواد اور طاء دونوں طرح پڑھنا ←

فإن أمكن الفصل بين الحرف من غير مشقة كالطاء مع الصاد، فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلوته عند الكل، وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالطاء مع الضاد، والصاد مع السين، والطاء مع التاء اختلف المشائخ فيه، قال أكثرهم: لا تفسد صلوته اه. وفيها أيضا: ولو قرأ والعاديات طبحا بالطاء تفسد صلوته اه. وفيها: وكذا لو قرأ غير المغضوب عليهم بالطاء وبالذال تفسد صلوته، ولو قرأ الظالين بالطاء أو بالذال لا تفسد صلاته، ولو قرأ الدالين بالذال لا تفسد صلوته اه. ولو قرأ ونخل طلعتها هضم قرء بالطاء وبالذال تفسد صلوته اه. وفيها أيضا: ولسوف يعطيك ربك فترضى قرأ فترضى بالطاء تفسد صلوته اه. وفيها: كيدهم في تضليل قرأ بالطاء قال بعضهم: لا تصح اه. وفيها: ومن يضل الله قرأ بالطاء لا تفسد صلوته اه. وفيها: الذى فرض عليك القرآن قرء بالطاء تفسد صلوته اه. وفيها: أء ذا ضلنا قرء بالطاء ظللنا لا تفسد صلوته، وهو قراءة فمن فرض فيهن الحج قرأ بالطاء فرض وبالذال تفسد صلوته اه (۱)۔

ان روایات میں تدبر کرنے سے چند امور معلوم ہوتے ہیں: ایک یہ کہ فساد صلوٰۃ اس وقت ہے جب بلا مشقت دو حرفوں میں تمیز کر سکے اور ضالین کو دال سے پڑھنا مفسد صلوٰۃ اسی بناء پر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح سے ضالین کو اکثر لوگ پڑھتے ہیں وہ دال نہیں ہے، جس سے بلا مشقت امتیاز ممکن ہے؛ البتہ

← غلط ہے؛ لیکن طاء پڑھنے میں علاوہ مفسدہ غلطی کے ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ اس میں تشبہ بفرق ضالہ مثل روافض وغیر مقلدین اور ان کے ہوا کا اتباع ہے، برخلاف دواد کے اس میں صرف مفسدہ غلطی ہے؛ اس لئے عاجز کے لئے بحکم ”إذا ابتليت ببليتین فاختر أھونھما“ دواد پڑھنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ اور طاء پڑھنے سے روکا جائے گا، اسی سے اس کا راز بھی معلوم ہو گیا کہ لوگ ضاد کو طاء پڑھنے والے پر کیوں زیادہ ملامت کرتے ہیں اور ایسا کرنے پر کیوں شور و شغب کرتے ہیں ۱۲۔ واللہ اعلم (تصحیح الاغلاط ص: ۱۸)

(۱) فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیۃ، الصلاۃ، فصل فیما یفسد الصلاۃ، فصل فی القراءۃ خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقراءۃ، قدیم زکریا ۱ / ۱۴۱ - ۱۵۰، جدید زکریا ۱ / ۸۸، ۹۴۔

اگر کوئی شخص خالص دال پڑھے گا تو اس کی نماز کو فاسد کہا جاوے گا۔ اور جس طرح سے اکثر پڑھنا اس کا متعارف ہے گو بوجہ مشق نہ کرنے کے وہ صحیح نہیں ہے، مگر صحیح حرف کو سننے والا اس امر کو پہچان سکتا ہے کہ یہ طریق متعارف اس کے مشابہ ہے، اس طرح کہ تمیز دونوں میں شاق ہے، حتیٰ کہ جس شخص کو ضاد کے مخرج صحیح سے مشق کرائی جاتی ہے اور اس کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے، وہ ادا کرنے کے وقت کبھی کبھی اس متعارف طریق کو ادا کر بیٹھتا ہے اور دونوں میں اس کو تمیز دشوار ہوتی ہے؛ اس لئے اس طریق متعارف کو داخل دال کر کے مفسد صلوٰۃ کہنا بعید ہے۔

دوسرا امر یہ معلوم ہوا کہ ضاد کی جگہ طاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ عند الاکثر نہ کہنا علی الاطلاق نہیں ہے؛ بلکہ اس وقت ہے جبکہ بلا عدم ہو ورنہ وہ بھی مفسد صلوٰۃ ہے، ورنہ ”والعادیات ضبحا“ اور ”مغضوب علیہم“ اور ”هضیم“ اور ”فترضی“ اور ”فرض“ میں طاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ نہ کہا جاتا، چنانچہ مدار عدم فساد کا عدم امکان الفصل الا بمشقة کو ٹھیرانا اس کی دلیل ہے؛ کیونکہ عدا وہی پڑھے گا جو فصل بلا مشقت کر سکتا تھا، پس حاصل اس کا یہ ہوگا کہ جس شخص سے بلا مشقت فصل ممکن نہ ہو اور وہ ضاد پڑھنے کا قصد کرتا ہے، مگر ظانکل گیا اس کی نماز صحیح ہو جاوے گی اور اس کے تمہد کی اجازت کو جزئیات مذکورہ فساد صلوٰۃ کی رد کرتی ہیں۔ فافہم۔

تیسرا امر یہ معلوم ہوا کہ ولا الضالین میں طاء کا پڑھنا جو مفسد نہیں ہے، اس کی بناء یہ نہیں ہے کہ ضاد کی جگہ عدا طاء کا پڑھنا جائز ہے، ورنہ ”مغضوب علیہم“ اور ”ضالین“ میں کیا فرق تھا کہ ”مغضوب علیہم“ میں تو طاء کو مفسد بتا رہے ہیں اور ضالین میں غیر مفسد؛ بلکہ بنی اس کا یہ ہے کہ ضالین میں فساد معنی نہیں ہوتا، جیسا قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظل بالطاء کے معنی لیل اور جنح اللیل اور سواد السحاب کے بھی ہیں، پس ظالین کے معنی مثلاً داخل فی الظلمات ہوں گے جو حاصل ہے ضلال بالاضاد کا یا یہ افعال ناقصہ ظل یظل سے ہوگا بمعنی الکاثرین اور خرم مقدر ہوگی فی ضلال یا فی غضب بقریۃ مغضوب علیہم کے، جیسا ”أء ذا ظللنا“ بالطاء کی قرأت میں بھی یہ توجیہ ہوگی جیسا آگے مذکور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی خان نے ”والعادیات ضبحا“ وغیرہ میں تو طاء کو مفسد کہا۔ اور جہاں جہاں مادہ ضلال کا آیا ہے جیسے ”ومن یضل الله“ اور ”أء ذا ظللنا“ اس میں غیر مفسد کہا، ورنہ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ہر جگہ عدم فساد اسی مادہ

کے ساتھ خاص کیا گیا، چنانچہ ”أء ذا ظلمنا“ میں خود ”ظلمنا“ بالظاء کا ایک قراءت ہونا بھی نقل کیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس قراءت کی رعایت سے ہر جگہ اس مادہ میں تاویل صحت معنی کی گئی ہے، اس وجہ سے مفسد نہیں کہا۔ اور ہر چند کہ تحصیل میں جو اسی مادہ سے ہے، بعض کا قول ”لا تصح“، نقل کیا ہے، مگر اس قول کو اپنی طرف منسوب نہ کرنا بعض مجہول کی طرف نسبت کرنا خود قرینہ ہے کہ یہ ان کا مختار نہیں ہے، پس بناء مذکور پر رائج یہاں بھی عدم فساد ہوگا، فدیہ و تشکر اور تجوید کی مقدار واجب صرف تصحیح حروف اور رعایت وقوف ہے اس طرح کہ تغیر مراد نہ ہو جاوے باقی مستحسن۔

فی فتاویٰ قاضی خان: وإن تغیر المعنی تغیراً فاحشاً نحو أن یقرء: لا اله، ویقف ثم یتبدء بقوله: إلا هو -إلى قوله- قال عامة العلماء: لا تفسد صلوته؛ لما قلنا، وقال بعضهم: تفسد صلوته اه (۱)۔ قلت: الاختلاف في الفساد یوجب الوجوب۔

اس بناء پر اکثر لوگوں نے اس واجب کو حاصل کر رکھا ہے اور بہت سے تارک بھی ہیں مگر نماز ان کی بھی اکثر علماء کے قول پر ہو جاتی ہے البتہ ایسوں کو امامت سے احتراز واجب ہے۔

فی فتاویٰ قاضی خان۔ فإن كان لا ینطق لسانه في بعض الحروف -إلى قوله- لا یؤم غیره، کذا الرجل إذا کان لا یقف في مواضع الوقف اه (۲) واللہ اعلم۔

۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد صفحہ ۱۰۸ ج ۱)

سوال (۲۳۳): قدیم ۱/ ۲۶۷ - ضاد کو کس طرح پڑھنا چاہئے اور اکثر فقہاء کا قول

کیا ہے اور اکثر کتب دینیات میں اس ذکر میں کیا لکھتے ہیں؟

(۱) فتاویٰ قاضی خاں علی الہندیۃ، الصلاة، فصل: فی قراءۃ القرآن خطأ، وفي الأحکام المتعلقة بالقراءۃ، قدیم زکریا ۱/ ۱۵۵، جدید زکریا ۱/ ۹۸۔

(۲) فتاویٰ قاضی خاں علی الہندیۃ، الصلاة، فصل: فی قراءۃ القرآن خطأ، وفي الأحکام المتعلقة بالقراءۃ، قدیم زکریا ۱/ ۱۵۵، جدید زکریا ۱/ ۹۸۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : في الجزرية (*): والضاد من حافظه اذ ولي الاضراس من أيسر أو يمينها (۱)۔

جب مخرج معلوم ہو گیا تو ضاد کے ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے مخرج سے نکالا جاوے۔ اس نکالنے سے بوجہ عدم مہارت خواہ کچھ ہی نکلے عفو ہے اور اگر قصد ادا یا طاء پڑھے وہ جائز نہیں، جیسا کہ بعض نے دال پڑھنے کی عادت کر لی ہے۔ اور بعض نے فقہاء کے کلام میں یہ دیکھ کر کہ ضاد مشابہ طاء ہے طاء پڑھنا شروع کر دیا؛ حالانکہ مشابہت کی حقیقت صرف مشارکت فی بعض الصفات ہے اور مشارکت فی بعض الصفات سے اتحاد ذات لازم نہیں آتا۔ رہا قاضی خان کے اس جزئیہ سے کہ لوقرء ولا الظالین لا تفسد صلوتہ (۲)۔ طاء پڑھنے کی اجازت سمجھ لینا اس کو دوسرے جزئیات قاضی خان کے رد کرتے ہیں۔

وهی هذه: ولوقرء والعادیات طبحا بالطاء تفسد صلوتہ (۳)۔ وکذ لوقرء غیر المغطوب علیہم بالطاء أو بالذال تفسد صلوتہ (۴) وأمثال ذلک من الفروع المتعددة. واللہ اعلم۔

۱۰/ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱۳۶ ج ۱)

(*) شعر کا حاصل یہ ہے کہ ضاد حافظہ لسان (زبان کی کروٹ) اور (اوپر کی) ڈاڑھوں کی جڑ سے نکلتا ہے اور اس میں تعیم ہے کہ بائیں طرف سے نکالو یا داہنی طرف سے؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

(۱) المقدمة الجزرية مع المنح الفكرية، بيان أن الأسنان على أربعة أقسام، مكتبة ارك بازار قندهار افغانستان، ص: ۱۲۔

(۲) فتاویٰ قاضی خاں علی ہندیہ، الصلاة، فصل: في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ۱/ ۱۴۳، جديد زكريا ۱/ ۹۰۔

(۳) فتاویٰ قاضی خاں علی ہندیہ، الصلاة، فصل: في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ۱/ ۱۴۲، جديد زكريا ۱/ ۸۹۔

(۴) فتاویٰ قاضی خاں علی ہندیہ، الصلاة، فصل: في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ۱/ ۱۴۳، جديد زكريا ۱/ ۹۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (*) (۲۳۴): قدیم ۱/۲۶۸۔ بخد مت مخدومی مکرمی جناب مولانا دام مجد ہم۔

بعد سلام مسنون التماس ہے: مکررین بفضلہ تعالیٰ بخیریت ہے اور آپ کے مزاج کی خیریت مطلوب ہے، یہاں ضاد اور طاء کا بہت جھگڑا ہے۔ ایک فریق ضاد پڑھتا ہے اور دوسرا طاء اور اس میں اس قدر غلو ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا، ضاد والے بہت سی فقہ کی روایتوں کے موافق طاء پڑھنے سے نماز فاسد کہتے ہیں۔ طاء والے ضاد کو محض غلط حرف اور تراشیدہ عوام سمجھ کر اس کے پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے عرب میں آپ نے بھی دیکھا ہے کہ سب ضاد پڑھتے ہیں اور طاء کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ پھر یہ بات بھی نہیں کہ عوام اور ناواقف پڑھتے ہوں؛ بلکہ واقفین فن بھی ضاد ہی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اکثر قراء عرب اور مصر وغیرہ کو اسی طرح پڑھتے سنا۔

استاذ قاری عبداللہ صاحب جو اس فن سے اچھی طرح واقف ہیں، ان کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور کچھ مشغلہ تجوید کا بھی رہا۔ وہ بھی ضاد ہی پڑھتے ہیں، کوئی جھگڑا اس معاملہ میں عرب میں نہیں پایا یہاں آکر یہ جھگڑا دیکھا، تو بعض قرأت اور صرف وغیرہ کی کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا جس سے ایک خلجان طبیعت میں ہے؛ اس لئے کہ اکثر کتب فقہیہ اور قرأت سے معلوم ہوا کہ ضاد کی صورت ظ اور ز وغیرہ سے مشابہ ہے اور جس طرح پر کہ ہم لوگ اور عرب وغیرہ پڑھتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ اکثر کتب فقہیہ قاضی خان وغیرہ میں لکھا ہے کہ جن درحرفوں میں تمیز مشکل ہو جیسا کہ ضاد اور ظ ان میں سے اگر ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھے تو نماز درست ہوتی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض صوت میں ظ کے مشابہ ہے اور اس کا صحیح تلفظ ظاد ہے۔ پھر انھیں کتب فقہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ بہت

(*) خلاصہ سوال:- سائل ”ضاد“ کو ”طاء“ کے ساتھ متحد الصوت ہونا ثابت کرنا چاہتا ہے، اس

دلیل سے کہ ”ضاد“ اور ”طاء“ میں تمام صفیتیں مشترک ہیں، بجز صفت استطالت کے کہ وہ ضاد میں ہے۔ اور ”طاء“ میں نہیں ہے اور ضاد کا دال سے مشابہ ہونا باطل ہے؛ کیوں کہ دونوں میں اکثر صفتوں میں اختلاف ہے۔ سائل نے اپنے مذکورہ دعویٰ کے اثبات میں کتب تجوید سے کثیر نصوص پیش کی ہیں؛ لیکن سائل کے دعویٰ پر قوی اشکال شافیہ اور جار بردی کی تحقیق سے ہوگا؛ کیوں کہ ان کی تحقیق میں ضاد کو طاء کے مشابہ یا بین بین پڑھنا مستحسن (فتیح) اور غیر صحیح ہے؛ لیکن سائل ان کی تحقیق کو یہ کہہ کر ٹال جائے گا کہ دلائل قاطعہ کے مقابل صاحب شافیہ و جار بردی کا قول قابل سماعت نہیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

جگہ ض کی جگہ ظ یا ظ کی جگہ ض پڑھے گا تو نماز درست نہ ہوگی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بالکل مغائر ہیں، یہ بظاہر تعارض کی صورت معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا جواب تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عدم جواز صلوٰۃ اس جگہ ہے جہاں پر معنوں میں تغیر فاحش ہوتا ہو اور جہاں پر تغیر نہ ہوتا ہو وہاں نماز درست ہے، پھر قرأت کی کتابوں کو دیکھا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ میں بہت سی صفات مشترک ہیں، حرف ض میں استطالت ہے، ظ میں نہیں باقی مطبقہ اور مصمۃ اور مستعلیہ رخوہ مجہورہ ہونے میں دونوں مشترک ہیں، بخلاف دال کے جس کے مشابہ ض پڑھا جاتا ہے کہ ض اور د میں اکثر صفات مخالف ہیں، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ قریب المخرج اور متحد الصوت ہیں، اگرچہ قریب المخرج ہونے سے اتحاد صوت لازم نہیں آتا، مگر ائمہ قرأت کی تصریحات سے متحد الصوت ہونا معلوم ہوتا ہے، مثلاً ’رعاۃ‘ میں جو امام ابو محمد کی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے مذکور ہے:

الضاد حرف يشبه لفظه في السمع بلفظ الظاء الخ (۱)۔

پھر ضاد کا جو مخرج لکھا ہے کہ حافہ لسان اضر اس کو لگا کر نکالا جاوے اس سے بھی ظاد نکلتا ہے، ض اگر نکالا جاتا ہے، تو اطراف لسان ثنایا علیا کو لگ جاتی ہے، جو لام کا مخرج ہے، ٹھیک طور پر مخرج سے نکالا جاتا ہے تو ظاد نکلتا ہے، پھر ض کی صفات میں سے ایک رخوت بھی ہے؛ حالانکہ ضاد نکالا جاتا ہے تو رخوت یعنی جریان صوت اس میں پیدا نہیں ہوتا، جیسا کہ اور حروف رخوہ مثلاً س ز ط وغیرہ میں بلکہ ض کے ادا کرنے میں صوت بند ہو جاتی ہے اور بطور شدیدہ کے ادا ہوتا ہے، بخلاف اس کے جس وقت ظاد ادا کیا جاتا ہے، یعنی ہمزہ مفتوح اس کے اول میں لگا کر جو مخرج کے دریافت کرنے کا طریقہ ہے صوت نکالی جاتی ہے، تو اس میں رخوت یعنی جریان صوت برابر ہوتا ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ ضاد صوت میں مشابہ ظ کے ہے پھر ’رعاۃ‘ میں لکھا ہے:

فليحفظ بترقيق الذال في اللفظ، فإن دخلها تفخيم، فيؤدي إلى الاطباق فيصير

عندها ظاء أو ضادا؛ لأنها أخت الظاء في المخرج، وقرينة من الظاء. (۲)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ذ اور ظاء صوت میں مشابہ ہیں۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے:

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

إلا أنه حصل في الضاد انبساط لأجل رخاوتها، وبهذه السبب يقرب مخرجه من مخرج الظاء. (۱)

شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں: ”بدانکہ فرق میان مخرج ضاد و ظا بسیار مشکل است“ (۲)۔ شرح قصیدہ نونیہ میں ہے:

لأن الظاء تشارك الضاد في الأوصاف المذكورة غير الاستطالة، فلذلك اشتد شبهة به، وعسر التمييز واحتاج القاري في ذلك إلى الرياضة لاتصال بين مخرجيهما (۳)۔
پھر تمہید میں لکھا ہے: لولا الاستطالة واختلاف المخرجين لكانت ظاء۔

دوسری جگہ کہتے ہیں: فمثال الذي يجعل الضاد ظاء كالذي يبدل الصاد سينا۔
ایسے ہی امام محمد عرشی کے رسالہ جہد المقل وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر ضاد کو صحیح طور پر ادا کیا جاوے گا تو اس کی آواز ظا کے مشابہ ہوگی، پھر جہد المقل اور رعایہ میں صاف تصریح ہے کہ:

الضاد والظاء والذال والزاء المعجمات الكل متشاركة في الجهر والرخاوة متشاركة في السمع۔

شعلہ شرح شاطبی میں لکھا ہے: أن هذه الثلاثة أي الضاد والظاء والذال متشابهة في السمع، والضاد لا تفترق عن الظاء إلا باختلاف المخرج وزيادة الاستطالة في الضاد ولو لاهما لكانت إحداهما عين الأخرى. (۴)

ان سب سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ض کی آواز ظ کے مشابہ ہے جس طرح پرہم پڑھتے ہیں جس کو دال مطبقہ کہنا چاہئے اس کا کسی کتاب میں ذکر نہیں ہے طوالت کے خوف سے بہت سے دلائل چھوڑ دیئے ورنہ بہت صاف طور پر سب کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ ض کی صوت ظ کے مشابہ ہے۔

(۱) التفسير الكبير للإمام الفخر الرازي، الباب الأول: في المسائل الفقهية المستنبطة من

قولنا: (أعوذ بالله من الشيطان الرجيم) مكتبة دار الكتب العلمية طهران ۱/ ۶۳ -

(۲) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۳) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۴) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

شہاد صاحب تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں: ”بدانکہ فرق مخرج ضاد و طاء بسیار مشکل است“ (۱)۔ یہ اشکال اسی وقت ہوتا ہے جبکہ ض کو مشابہ طاء پڑھا جاوے اور جس طرح پر اس کا پڑھنا متعارف ہے اس طرح پر اگر پڑھا جاوے تو فرق کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ شیخ جمال کئی اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ ضاد کو طاء پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

فثبت بما ذكرنا أن المشابهة بين الضاد والطاء شديدة، وإن التميز عسر، وإذا ثبت هذا فنقول: لو كان هذا الفرق معتبراً لوقع السؤال عنه في زمان رسول الله ﷺ أو في أزمنة الصحابة لاسيما عند دخول العجم في الإسلام، فلما لم ينقل وقوع السؤال عن هذه المسئلة علمنا أن التمييز بين هذين الحرفين ليس في محل التكليف انتهى مختصراً (۲)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ظ اور ض میں فرق کرنے کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ”احیاء العلوم“ میں فرماتے ہیں:

وفرقة اخرى تغلب عليهم الوسوسة في إخراج حروف الفاتحة، وسائر الأذكار من مخارجها فلا يزال يحتاط في التشديد، والفرق بين الضاد والطاء وتصحيح مخارج الحروف في جميع صلواته لايهمه غيره، ولا يتفكر فيما سواه ذاهلاً عن معنى القرآن الخ. (۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کوئی جدید نہیں؛ بلکہ علماء ہمیشہ سے ضاد کو مشابہ طاء کے پڑھتے ہیں اور ان میں فرق کرنے کو فضول سمجھتے ہیں یہ ضاد مروج کوئی جدید ایجاد ہے، پچھلی کتابوں میں اس کا کہیں پتہ نہیں آخر یہ کہاں سے آیا اور پھر تمام امت اس غلطی میں کیسے مبتلا ہوئی۔ عامیانہ جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ تمام عرب اور مکہ اور مدینہ والے سب اس طرح پڑھتے ہیں، مگر ایک محقق آدمی اس قدر تصریحات کتب جدیدہ و قدیمہ کے سامنے اس امر کو کیسے تسلیم کر سکتا ہے، خصوصاً اس وقت کہ عربوں کی زبان نہایت خراب ہو گئی ہے اور بجائے ق کے گ اور اسی طرح بہت سے غلط الفاظ بولتے ہیں اگرچہ قرآن شریف میں عرب لوگ غلطی

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) التفسیر الکبیر للإمام الفخر الرازی، الباب الأول: فی المسائل الفقہیة المستنبطة من

قولنا: (أعوذ بالله من الشيطان الرجيم) مكتبة دار الكتب العلمية طهران ۱/ ۶۳ -

(۳) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

نہیں کرتے، مگر ترکوں کو خود سنا ہے کہ قرآن شریف میں بھی ک کی جگہ چ بولتے ہیں، اگر ضاد مروجہ صحیح ہو تو پھر اس کے کیا معنی؟ صاحب نشر لکھتے ہیں:

ليس في الحروف ما يعسر على اللسان مثله فإن السنة الناس فيه مختلفة وقل من يحسنه فمنهم من يخرجه ظاء ومنهم من يمزجه بالذال الخ. (۱)

یہ دشواری اسی وقت ہو سکتی ہے جس وقت کہ ض کو مشابہ ظاء پڑھا جاوے ورنہ ضاد پڑھنے میں کچھ بھی دشواری نہیں۔ صاحب ”جهد المقل“ کہتے ہیں:

منهم: من يجعلها أي الضاد ظاء الخ، هذا ليس بعجيب لثبوت التشابه، وعسر التمييز بينهما، فإنه يشارك الظاء في صفاتها كلها، ويزيد عليها بالاستطالة فلولا اختلاف المخرجين والاستطالة في الضاد لكانت ظاء. (۲)

ملا علی قاری علیہ الرحمہ ”شرح جزریہ“ کے اس شعر کے تحت میں والضاد باستطالة ومخرج ☆ میز عن الظاء وكلها تجئى تحریر فرماتے ہیں: لما كان تمييزه عن الظاء مشكلة بالنسبة إلى غيره أمر الناظم بتمييزه نطقاً. ۱۲ (۳)

شرح ”کیمیائے سعادت“ میں امام غزالی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ: فرق درمیان ضاد و ظاء بجا آورد و اگر نتواند روا باشد (۴)۔

غرض ان تصریحات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ میں صرف استطالت کا فرق ہے اور مخرج کا، ورنہ دونوں متحد الصوت ہیں۔ اور دوسرے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظ اور ض میں ایسا فرق ہے

(۱) النشر في القراءات العشر، مواضع تفخيم كل حرف وترقيقه، مكتبة مصطفى محمد

بمصر ۱/ ۲۱۹ -

(۲) جهد المقل، مطبوعة أحمدیه، ص: ۹۸، مكتبة الصديق ڈابھیل ص: ۱۱۰ -

(۳) المنح الفكرية شرح متن الجزرية، باب اللامات، مطبوعه مصر ص: ۳۸ -

(۴) إمداد المرتاد للرد على من قرأ الدال مكان الضاد مع البيان الحزيل في الترتيل، مطبع

علوی محمد علي بخش، ص: ۵ -

جیسا کہ س اور ص میں اورت اور ط میں، پھر کیا وجہ ہے جو بلوائے عام کے طور پر کوئی بھی اس طرح نہیں پڑھتا؛ بلکہ و مطبقہ پڑھتے ہیں، جس کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوتا، غیر مقلدین اس طرح پر پڑھتے ہیں اور یہ دلائل ان ہی لوگوں کے ہیں اور بظاہر قوی معلوم ہوتے ہیں، میں یہ نہیں عرض کر سکتا کہ واقع میں یہ دلائل قوی ہیں یا ضعیف ہیں؟ میں اپنی محدود واقفیت کی بناء پر عرض کرتا ہوں، آپ کو فقط اسی غرض سے لکھتا ہوں کہ آپ اس فن سے بھی واقف ہیں اور کتب فقہ سے خوب واقف ہیں۔ چونکہ ان لوگوں کے یہ دلائل ہیں اور بظاہر قوی معلوم ہوتے ہیں اور ص جس طرح پر کہ ہم اور آپ پڑھتے ہیں اس کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوتا۔ یہ حوالے اکثر کتب قراءت کے تھے، اب فقہ کی کتابوں کی طرف خیال فرمائیے۔ صاحب درمختار لکھتے ہیں:

ولو زاد كلمة أو نقص كلمة أو حرفاً أو قدمه أو بدله باخر إلى ان قال: إلا ما يشق

تمییزہ كالضاد والطاء، فاکثرهم لم یفسدها۔ (۱)

فتاویٰ عالمگیریہ اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

فإن ذكر حرفاً مكان حرف وغير المعنى، فإن كان الفصل بين الحرفين بلا مشقة كالطاء مع الصاد، فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلوته عند الكل، وإن كان لا يمكن الفصل إلا بمشقة كالضاد مع الطاء، والصاد مع السين، والطاء مع التاء اختلف المشائخ فيه، قال أكثرهم: لا تفسد۔ (۲)

علیٰ ہذا اکثر کتب فقہ سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جن دو حرفوں میں فرق کرنا آسان ہے، ان کے آپس میں بدل جانے سے اگر معنی بگڑ جاویں گے تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جاوے گی۔ اور جن میں فرق کرنا مشکل ہے، ان کے آپس میں بدل جانے سے نماز نہیں ٹوٹی۔ اس بناء پر اگر ضاد کی جگہ دال

(۱) الدر المختار مع الشامی، الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا

دیوبند ۲/ ۳۹۵-۳۹۶، کراچی ۱/ ۶۳۲۔

(۲) فتاویٰ قاضی خاں علیٰ الہندیۃ، الصلاة، فصل فی قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام

المتعلقة بالقراءة، قدیم زکریا ۱/ ۱۴۰، جدید زکریا ۱/ ۸۸، فتاویٰ ہندیۃ، الصلاة، الباب الرابع: فی صفة الصلاة، الفصل الخامس: فی زلة القاري، قدیم زکریا ۱/ ۷۹، جدید زکریا ۱/ ۱۳۶۔

پڑھی جاوے جیسا کہ اکثر لوگ پڑھتے ہیں نماز فاسد ہو جانی چاہئے، پھر علمائے حرمین شریفین کے بعض فتویٰ بھی اسی مضمون کے دیکھے گئے۔ چنانچہ شیخ احمد وحلان مرحوم شیخ العلماء مکہ معظمہ تحریر فرماتے ہیں:

ولو أبدل الضاد بغير طاء لم تصح قراءة ته قطعاً.

اسی فتویٰ میں شیخ جمال حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ: محمد بن سلمة قال: لا تفسد؛ لأنه قل من

يفرق بينهما.

مفتی عنایت احمد صاحب نے ”البيان الجزيل في الترتيل“ (۱) میں لکھا ہے کہ: ایک بلائے عام اس زمانہ میں یہ ہو گئی ہے کہ ضاد کو بصوت دال پڑھتے ہیں، مشتبہ الصوت دال کا اس کو کر دیا ہے کہ دال پڑ نہیں پڑے۔ سو یہ بات جملہ کتب قراءت اور تفسیر کے خلاف ہے، سب کتابوں میں ض کا مشتبہ الصوت ہونا طاء سے ثابت ہے نہ دال سے۔ مفتی صدر الدین صاحب مرحوم کا ایک فتویٰ ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں:

از مدتے در میان مسلمانان این شهر و مضافات آن نزاعی در ضاد و معجمہ افتادہ است بعضے ضاد معجمہ را مشابہ دال مٹھمہ می خوانند بعضے مشابہ طاء معجمہ بلکہ اکثر عوام ہند ضاد معجمہ را در قرآن بہ نیجے ادا می کنند کہ مشابہ حرف بلکہ عین دال میشود و فرق از دال این قدر می کنند کہ ضاد را بصوت دال مٹھمہ و آواز پر می برارند و این خود خطا و غلطی فاحش است بچند وجوہ۔ اس کے بعد چند وجوہ اس کی غلطی کے لکھ کر فرماتے ہیں:

پس ازیں صاف و ہوید گردید کہ ضاد معجمہ همان ست کہ با طاء معجمہ مشابہت دارد نہ آنکہ مخرج آن قریب مخرج دال ست چنانچہ عوام مردم ہندوستان بلکہ بعضے از خواص ہم می خوانند چہ دال با ضاد متخالف و بتائن تمام وارد و در صفات و فرق در میان این برو سہل است مشکل و دشوار نیست بخلاف طاء معجمہ الخ۔

اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ ض کو مشابہ ط کے پڑھنا چاہئے۔ ایک دوسرا فتویٰ اور ہے، جس پر نواب قطب الدین خان صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب کے دستخط ہیں۔ اس میں بھی یہی لکھا ہے۔ چنانچہ مفتی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔ وساکنان این دیار در دال و ضاد فرق نمی کنند و جاہل اندو بے تمیز۔ پھر ایک فتویٰ عذر سے پہلے کا ہے، جس پر مولوی نوازش علی صاحب اور میر محبوب علی صاحب اور خواجہ ضیاء الدین

صاحب اور مولوی عبدالرب صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی مہریں ہیں، اس میں بھی یہی ہے کہ ض بہت مشابہ ظ سے اور دال کے نہیں۔ ایک فتویٰ مولوی عبدالحی صاحب کا بھی میں نے دیکھا ہے جس میں لکھا ہے کہ ض کو مشابہ د پڑھنے سے نماز میں خلل ہوتا ہے اور اس کو مشابہ ظاء پڑھنا صحیح ہے، میں نے بہت وقت آپ کا ضائع کیا آپ معاف فرمائیں؛ چونکہ یہاں پر اس کا بہت زیادہ چرچا ہے اور صرف اسی کی وجہ سے عداوت دشمنی اور پارٹی قائم ہو گئی اور ہر ایک نے دوسرے کے پیچھے نماز ترک کر دی، اسی وجہ سے محض اپنے اطمینان کے واسطے آپ کو تحریر کیا گیا۔ آپ کو تکلیف تو بیشک ہوگی، مگر بہت لوگوں کا نفع ہوگا، آپ بہت مفصل اور مدلل جواب اس کا تحریر فرماویں۔ اگر کوئی رسالہ اس کا مرتب ہو جائے تو غالباً بہت لوگوں کو فائدہ ہوگا، کچھ زیادہ جلدی نہیں بآسانی جب آپ تحریر فرمائیں مگر بہت محقق اور مدلل بات ہونی چاہئے، جس کو مخالف بھی تسلیم کرے، میں تو بیشک جو کچھ آپ تحریر فرمائیں گے اس کو تسلیم کروں گا، مجھے اب تک اپنے مفید مطلب صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ شافیہ جار بردی وغیرہ میں ایسے ض کو جو مشابہ ظاء یا بین بین پڑھا جاوے مستجن اور غیر صحیح لکھا ہے یہ بات بیشک ایسی تھی کہ دل کو لگتی، مگر اس قدر تصریحات اور دلائل قاطعہ کے سامنے یہ بات کیسے پیش کی جاسکتی ہے؟ پھر وہ لوگ کہتے ہیں کہ مستجن اس وقت ہو سکتا ہے جس وقت اس کے مخرج اور صفات کا پورے طور پر لحاظ نہ کیا جاوے، اگر اس کے مخرج اور صفات سے ادا کیا جاوے تو مستجن نہیں ہوگا اور علی سمیل التسلیم ض مستجنہ بھی ضاد ہے، بخلاف اس کے کہ مشابہ دال پڑھا جاوے؛ اس لئے کہ وہ ضاد ہی نہیں بہر نہج ض مستجنہ دال اور مشابہ دال سے بہتر ہوگا، اگر آپ کے نزدیک بھی مشابہ دال پڑھنا غلط ہے تو جو از صلوة اس سے بلوائے عام کی بنا پر ہوگا یا کیسے؟ اگر بلوائے عام اس میں ہے تو عوام کے سوا جو لوگ اس کو صحیح پڑھ سکتے ہیں، وہ اس کو کس طرح پڑھیں؟ حرین اور عرب کا اتباع کر کے ضاد پڑھیں یا دلائل قویہ کو دیکھ کر ضاد پڑھیں؟ اگرچہ اس دفتر بے معنی کے پڑھنے میں آپ کا بہت سا وقت خرچ ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی کام کے واسطے بنایا ہے کہ آپ خلق اللہ کو ہدایت کریں اس ض اور ظ کی دلدل میں بہت مخلوق پھنسی ہوئی ہے، آپ ضرور سہارا لگائیں اور مظلوموں کی مدد کریں، بہت سی باتیں میں نے بخوف طوالت چھوڑ دیں جو خود آپ کو ادنیٰ توجہ سے معلوم ہو جائیں گی، میں نے اس خلیجان کو رفع کرنے کے واسطے اپنے دل سے بہت مشورہ لیا، مگر آپ کے سوا دوسری طرف طبیعت رجوع نہیں ہوئی؛ اس لئے حتی الوسع آپ میرے خلیجان کے رفع کرنے میں دریغ نہ فرماویں گے۔ فقط والسلام

اس کے بعد سائل نے جو عبارتیں ضاد اور ظاء کے متحد الصوت ہونے پر پیش کی ہیں، ان پر بحث فرمائی ہے اور ان کا اپنے مخالف نہ ہونا بیان کیا ہے؛ لیکن شافیہ اور جار بردی والا اشکال ہنوز باقی ہے۔ حضرت مجیب قدس سرہ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ بین بین ہونا وہ ہے جو مخرج کے اعتبار سے ہو وہ فنیج اور نادرست ہے؛ لیکن ہماری مخرج صورت میں ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کیا جاتا ہے؛ البتہ صفات میں اشتراک کی وجہ سے غالب مشابہت ظاء کی پیدا ہو جاتی ہے؛ لہذا یہ شافیہ اور جار بردی کے ”بین بین“ یا ”مشابہ ظاء“ میں محسوب نہ ہوگا (یہ بحث آگے سوال نمبر: ۲۳۷ کے جواب میں آرہی ہے) ۱۲ سعید احمد پالسن پوری۔

حرف کے مخرج سے نکلنا عادتہ محال ہے۔ اور بعض نے اختلاف میں صورت دوم اور پنجم کو لے رکھا ہے اور یہ لوگ اہل اختلاف میں محقق شمار کئے جاتے ہیں اور تامل کرنے سے یہ دونوں صورتیں بھی صحیح نہیں معلوم ہوتیں؛ کیونکہ ان پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی۔ اور مطلق تشابہ تشابہ تام میں منحصر نہیں؛ بلکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے، چنانچہ خود سوال ہی میں جہد المقل سے نقل کیا ہے:

لثبوت التشابه، وعسر التمييز بينهما. (۱)

اور عسر تمیز خود بتلار ہا ہے کہ تمیز تو ہے، مگر عسر ہے، ورنہ عسر تمیز نہ رہے گا؛ بلکہ عدم التميز ہو جاوے گا۔ ہف اور جب طاء سے تمیز ہے باوجود یکہ دونوں صفات کثیرہ و قرب مخرج میں مشارک ہیں تو دوسے بدرجہ اولیٰ تمیز ہوگا کیونکہ عسر تمیز کو جہد المقل میں معطل اس علت کے ساتھ کیا ہے۔

فإنه يشارك الطاء في صفاتها كلها.

اور ارتفاع علت علت ہے ارتفاع معلول کی، پس عدم مشارکت دال کی صفات میں دلیل ہوگی عدم عسر تمیزی، پس تشابہ تام منفی ہو گیا، و ہذا ہوا المطلوب۔ اب صورت سوم و ششم باقی رہ گئی، جن میں تردد ہو سکتا ہے؛ لیکن سوم حق معلوم ہوتا ہے کہ صوت میں تمیز ہے، مگر بہ نسبت دال وغیرہ کے اشبہ بالطاء ہے، تمیز کے لئے جہد المقل کا عسر تمیز کا حکم کرنا اور اشبیہیہ کے لئے اس کو مشارک الصفات کہنا دلیل کافی ہے، جیسا ابھی دونوں کی تقریر گزر چکی ہے۔ جب ان سب صورتوں میں سے صورت سوم کا حق ہونا متعین ہو گیا، تو اب سوال میں جس قدر شبہات لکھے ہیں، ان میں سے کوئی اس صورت کو مضر نہیں۔ چنانچہ قاضی خان میں عسر تمیز کو لکھا ہے، سو اس میں خود تمیز کا اثبات ہے اور عسر کا سبب اشبیہیہ ہے، آگے کتب قراءت سے اشتراک فی الصفات ثابت کیا ہے، اس سے بھی اشبیہیہ ثابت ہوتی ہے نہ کہ اتحاد۔ آگے رعایہ کی عبارت لکھی ہے: یشبہ لفظہ فی السمع الخ سو اس کا تحقق مطلق اشبیہیہ سے بھی ہو سکتا ہے، تشابہ تام و اتحاد لازم نہیں، آگے مخرج سے نکالنے پر دعویٰ خاد نکلنے کا کیا ہے یہ مسلم نہیں؛ البتہ اشبہ بالطاء نکلتا ہے آگے رخوت سے استدلال ہے یہ بصوت دال نکالنے کو مضر ہے نہ مطلق تمیز عن الطاء کو آگے رعایہ کی عبارت نقل کی ہی فلیحفظ الخ۔ اس سے بھی مطلق تشابہ ثابت ہوتا ہے، نہ اتحاد فی الصوت اور اگر شاید اس تردد سے شبہ ہو

”فیصیر عندها ظاء أو ضادا“۔ سواس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تھیم ذال میں مخرج کی پوری حفاظت کی تب تو ظاء بن جاوے گی اور اگر مخرج بھی محفوظ نہ رہا بجائے طرف لسان کے حافہ لسان ہو گیا تو ضاد بن گیا، چنانچہ اس تردید کے بعد اس کا یہ کہنا: ”لأنها أخت الظاء في المخرج الخ“ مؤید اس کا ہے۔ آگے تفسیر کبیر کی عبارت ہے: ”إلا أنه حصل الخ“ اس میں بھی اتحاد پر کوئی دلالت نہیں اور مشابہت کا انکار نہیں۔ آگے شاہ صاحب کا قول ہے۔ ”سو عسرتیز خود مسلم ہے، مگر اتحاد کو غیر مستلزم۔ آگے شرح قصیدہ نونیہ کی عبارت ہے، اس میں بھی عسرتیز و اشتداد شبہ مذکور ہے جو مضمر نہیں۔ آگے تمہید کی عبارت ہے اس میں صرف استطالت و اختلاف مخرجین فارق ہونا بیان کیا ہے سو یہی مبنی ہے تمیز بینہما کا اس سے تمیزی فی الصوت کی نفی کہاں ہوئی اسطرچ دوسری عبارت میں مشابہت کا اثبات ہے تمیزی کی نفی نہیں۔ آگے عرشی کا مضمون ہے اس میں بھی مطلق مشابہت کا حکم ہے۔ آگے جہد المقل اور رعایہ سے جو نقل کیا ہے اسمیں بھی مطلق تشابہ فی السمع مستلزم نفی تمیزی کو نہیں۔ آگے شرح شاطبی کی عبارت ہے اس میں مطلق تشابہ فی السمع افتراق فی المخرج والاستطالت کا اثبات ہے اس سے بھی اتحاد صوت لازم نہیں آتا اور اگر نفی و استثناء دال علی الحصر سے شبہ ہو کہ اسمیں افتراق فی الصوت کی بھی نفی ہوگئی ورنہ حصر نہ رہیگا۔ سو جبکہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ (الشی إذا ثبت ثبت بلوازمہ) سو جو شخص افتراق فی المخرج کو ملزم افتراق فی الصوت کا مانے گا وہ کہہ دے گا کہ اس حصر میں مجموعہ ملزم و لازم کے غیر کی نفی ہے نہ کہ لازم کہ شاہ صاحب کا قول سوال میں مکرر ہو گیا ہے اس کا جواب اوپر گزر چکا۔ آگے شیخ جمال و امام غزالی کے اقوال سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ضاد و ظاء میں فرق کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اول تو یہ تصریحات کتب فن کے خلاف ہیں چنانچہ خود سوال ہی میں جزریہ کا شعر و الضاد الخ منقول ہے جس میں تمیزی کا امر کیا ہے و در منہاج التجوید از رعایہ آورده:

ولا بد للفقاري من التحفظ بلفظ الضاد حيث وقعت إلى أن قال: ومتى فرط في ذلك أتى بلفظ الظاء أو الذال اه. وازنشر گفته فليحذر من قلبه إلى الظاء، وازاحياء العلوم در ربع اول آورده ويجتهد في الفرق بين الضاد والطاء، وازشرح مقدمه جزري أن الضادا عسر الحروف على اللسان، فليحسن برعايتها أي لا تكون مشابهة بالطاء والذال والزاء اه (۱)۔

وملا علی قاری در شرح مقدمه جزری گفته لیس فی الحروف مایعسر علی اللسان مثله وألسنة الناس فيه مختلفة، فمنهم من یخرجه طاء، ومنهم من یخرجه دالا مهملة او معجمة، ومنهم من یخرجه طاء، ومنهم من یخرجه مهملة، ومنهم من یشبهه دالا، ومنهم من یشبهه بالطاء المعجمة لكن لما كان تمییزه من الطاء مشکلا بالنسبة إلى غیره امر الناظم بتمییزه لفظا اه (۱)۔

ان تصریحات کے مقابلہ میں ان حضرات کا قول کہ خود متابعین اہل فن سے ہیں ائمہ فن سے نہیں ہیں حجت نہ ہوگا۔

علاوہ ازیں امام غزالی علیہ الرحمہ کا مقصود یہ نہیں ہے کہ ضاد اور طاء میں تمییز نہ کی جاوے اور اسکی ضرورت نہیں؛ بلکہ ان کا مقصود ان لوگوں پر انکار ہے جنہوں نے تصحیح حروف ہی کو مقصود نماز بنا لیا ہے اور تدبر و تفکر فی المعانی وغیرہ کو جو کہ مغر صلوٰۃ ہیں، بالکل چھوڑ دیا ہے اور دلیل اسکی علاوہ ان کے دیگر عبارتوں کے خود یہی عبارت ہے؛ کیونکہ انہوں نے جس طرح فرق بین الضاد والطاء کو قابل اعتراض بتایا ہے، یوں ہی تصحیح مخارج حروف کو محل اعتراض ٹھہرایا ہے۔ پس اگر اعتراض اول کا مقصود یہ ہوگا کہ ضاد اور طاء میں فرق ضروری نہیں تو اعتراض ثانی کا مقصود یہ ہونا چاہئے کہ جیم اور خاء دال اور سین میں بھی امتیاز ضروری نہیں ولا یقول به أحد فثبت ما ذکرنا۔

دوسرے آگے سوال میں خود غزالی علیہ الرحمہ کا قول نقل کیا ہے، فرق در میان ضاد و طاء بجا آرد یہ قول سابق کے معارض ہے، تیسرے محمول ہو سکتا ہے معذور پر چنانچہ رازی نے اول لکھا ہے:

أن المشابهة شديدة وأن التمييز عسير ”پھر“إذا ثبت“ (۲) کہہ کر اس کو ممتنع کیا ہے اور کیمیائے سعادت میں عبارت بالا کے بعد کہا ہے۔ واگر نتواند روا باشد۔ آگے نشر اور جہد المقتل وغیرہما کی

(۱) المنح الفكرية على المقدمة الجزرية، باب اللامات، مطلب: إدغام المتجانسين،

مکتبہ ارگ بازار قندھار افغانستان، ص: ۳۸۔

(۲) التفسير الكبير للإمام الفخر الرازي، الباب الأول: في المسائل الفقهية المستنبطة من

قولنا: (أعوذ بالله من الشيطان الرجيم) مکتبہ دارالکتب العلمیہ طهران ۱/ ۶۳۔

عبارت ہے ان سے یہی عسرتیز معلوم ہوتا ہے نہ کہ عدم تمیز بلکہ جزریہ میں تو امر بالتمیز کی تصریح ہے آگے دال پڑھنے کی وجہ پوچھی ہے سو ہم خود اس صورت کو صحیح نہیں کہتے ہیں؛ اس لئے ہم کو مضرب نہیں آگے غیر مقلدین کے پڑھنے کی نسبت لکھا ہے اگر مقصود ان کے پڑھنے کی تصحیح ہے تب تو جہاں تک دیکھا سنا ہے یہ لوگ اول صورت پڑھتے ہیں یعنی طاء خالص کے مخرج سے پڑھتے ہیں جس کا غلط ہونا اوپر گزر چکا ہے اور نیز اس کا غلط ہونا قاضی خان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں غیر المغضوب میں طاء پڑھنے کو مفسد صلوة لکھا ہے اور نیز رسالہ محو الفساد، ص: ۴۴ میں امام ابو عمر ودانی سے نقل کیا ہے:

وقد كان بعض الفقهاء من أصحابنا لا يقرء الصلوة خلف من لم يميز الضاد من الطاء وذلك كذلك لانقلاب المعنى وفساد المراد. (۱)

بلکہ اکثر بجائے مخرج طاء کے مخرج زاء سے پڑھتے ہیں؛ بلکہ خود طاء کو بھی مخرج زاء سے پڑھتے ہیں، جس کا غلط ہونا اور زیادہ ظاہر ہے۔ اور اگر مقصود ترجیح دینا ہے سو صورت چہارم پر ترجیح مسلم ہے اور پنجم و ششم پر غیر مسلم؛ کیونکہ ان دونوں میں مخرج تو صحیح ہے اور طاء خالصہ میں تو مخرج ہی باقی نہیں رہا۔ اور ظاہر ہے کہ حقیقت حرف میں مخرج کو بہت زیادہ دخل ہے۔ آگے درمختار و عالمگیری و قاضی خان کی عبارتیں ہیں، ان میں دو حکم ہیں: اول عسرتیز سو یہ مسلم ہے مگر نفی تمیز کو مستلزم نہیں، دوسرا حکم فرق درمیان حروف عسیر التیز و حروف یسیر التیز کے صحت و عدم صحت صلوة میں، سوال تو بعض جزئیات اس کے معارض ہیں۔ چنانچہ ”مغضوب علیہم“ میں طاء کا مفسد صلوة ہونا قاضی خان سے گزر چکا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف عسیر التیز میں بھی تبدیل مفسد ہے اور نیز قاضی خان میں ہے:

ولو قرء يعوذون برجال يعدون بالذال لاتفسد صلوته. (۲) اور تھوڑی دور بعد ہے:

ولو قرء وما هو على الغيب بذنين بالذال لاتفسد صلوته. (۳)

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) فتاویٰ قاضی خان علی الہندیۃ، الصلاة، فصل فی قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقرآن، قدیم زکریا ۱/ ۱۴۲، جدید زکریا ۱/ ۸۹۔

(۲) فتاویٰ قاضی خان علی الہندیۃ، الصلاة، فصل فی قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقرآن، قدیم زکریا ۱/ ۱۴۳، جدید زکریا ۱/ ۹۰۔

جب ض اور ذ بضنین میں عدم فساد میں مساوی ہوئے اور دال اور ذال یعوزون میں عدم فساد میں مساوی ہوئے اور مساوی کا مساوی مساوی ہے، پس د اور ضا د مساوی ہو گئے، پس یہاں حروف یسیر التمزیز میں بھی تبدیل مفسد نہ ہوئی اور قطع نظر قیاس مساوات سے بلا واسطہ بھی یعوزون میں دال اور ذال کی تبدیل کو مفسد نہ کہنا مستلزم ہے، اس حکم کو کہ حرف یسیر التمزیز کی تبدیل بھی مفسد نہیں ہوتی؛ کیونکہ د اور ذ میں تمیز بہت آسان ہے، پس یہ جزئیات اس قاعدہ کے سراسر خلاف ہوئیں۔ دوسرے بعض فقہاء نے حروف یسیر التمزیز میں بلوئی عامہ کی وجہ سے فتویٰ جواز کا دیا ہے، چنانچہ شامی نے زلۃ القاری میں تصریح کی ہے، پس تبدیل ض بال دال میں بھی حکم فساد کا متیقن نہیں ہو سکتا، اس کے بعد شیخ احمد وحلان کا قول ہے: ”لم تصح الخ“ یہ بناء علی بعض الاقوال ہے، جس کا التزام لازم نہیں۔ آگے محمد بن سلمہ کا قول ہے، اس کا مضمر نہ ہونا ظاہر ہے۔ آگے علمائے دہلی و لکھنؤ کے اقوال ہیں، سو صورت سوم کو کچھ مضمر نہیں جس کی صحت کا التزام کیا گیا ہے۔ رہا قصہ استہجان کا اس پر یہ شبہ تو نہایت ضعیف ہے کہ تصریحات کے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں، اگر اس کی دلالت مقصود پر تسلیم کر لی جاوے تو اس شبہ کا جواب بہت صاف ظاہر ہے کہ یہ احکام ماخوذ ہیں ائمہ عربیت سے اور قراء ان احکام میں خود ان ائمہ کے تابع ہیں اور شافعیہ و جابر دی وغیرہ میں اقوال ائمہ عربیت کے جمع کئے گئے ہیں؛ اس لئے اس کو سب پر ترجیح ہوگی اور دوسروں کے اقوال کو اس کی طرف راجع کریں گے۔ اسی طرح یہ عذر کہ جب مخرج و صفات کا لحاظ نہ ہو تب مستحسن ہے یہ بھی نہایت بار د ہے؛ کیونکہ اس وقت تو یہ ماہیت ض ہی سے خارج ہو جاوے گا نہ کہ ض مستحسن رہے؛ کیونکہ منجملہ مسلمات ہے: ”ثبوت الشیء للشیء فرع ثبوت المثبت لہ“ اور جب مثبت لہ یعنی ض ہی باقی نہ رہا تو اس کے لئے استہجان کیسے ثابت ہوگا اور آخر کا عذر مبنی ہے عذر اول پر، چنانچہ تصریحاً کہا گیا ہے کہ ض مستحسنہ بھی ض ہے الخ۔ سوئی کا انہدام ابھی ہو چکا ہے۔ اور اگر تقریر کو اس طرح بدلا جاوے جس طرح بعضوں نے کہا ہے کہ طاء کو اس لئے ترجیح ہے کہ وہ کوئی حرف تو ہے اور دال مفتوم کوئی حرف ہی نہیں یہ البتہ کسی قدر معقول امر ہے؛ لیکن اس کا معارضہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ دثمہ گو کوئی حرف نہیں، مگر دوسرے حروف طاء وغیرہ سے ممتاز تو ہے اور اس لازم میں ض کا شریک ہے اور طاء وغیرہ میں تو امتیاز بھی نہیں اور امتیاز خود فی نفسہ مطلوب ہے؛ اس لئے اس کو طاء پر ترجیح ہوگی تو اس معاوضہ کا جواب مرجع اول کے ذمہ رہیگا اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ ہم

اس کی ترجیح کے قائل ہیں، صرف دلیل کا حال دکھانا مقصود ہے ورنہ ہمارا مسلک تو صورت سوم ہے جیسا اوپر بیان ہوا، پس دلیل استہجان پر ان شبہات میں سے کوئی شبہ واقع نہ ہو سکا؛ البتہ خود مجھ کو یہ شبہ ہے کہ شاید بین بین باعتبار مخرج کے ہو، یعنی اگر حافظ لسان و اضراس سے استتظالت کے ساتھ ادا ہو تو وض فصح ہے اور اگر طرف لسان و ثنایا سے ادا ہو تو طاد ہے۔ اور اگر حافظ و اضراس سے بلا استتظالت ادا ہو تو ضاد مستحسن ہے؛ کیونکہ اس صورت میں یہ مخرج بین مخرج الضاد الفصیح و بین مخرج الظاء ہوگا تو یہ بین بین مخرج میں ہو نہ صوت میں اس لئے مدعاء پر دال نہیں اس شبہ کا جواب میں نے بہت سوچا، مگر نہ کوئی کتاب پاس ہے نہ کوئی ماہر فن قریب ہے اور میں خود ماہر نہیں اس لئے اس شبہ کو ماہرین کے حوالہ کرتا ہوں۔ بہر حال اب تک جس قدر نظر و فکر نے کام دیا اس سے صورت ثالثہ کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ اور عوام کو دے مخرج سے پڑھنا اور غیر مقلدین و غیر ہم کا ظاء کے مخرج سے پڑھنا محض غلط ثابت ہوتا ہے۔ رہا معاملہ جواز و فساد صلوة کا سو ہر چند کہ اسمیں روایات فقہیہ سخت متخالف و متعارض ہیں، مگر ظاہراً ان سب کی نماز ہو جاتی ہے؛ کیونکہ قصد سب کا قص ہی ادا کرنے کا ہے، صرف غلطی طریق ادا کے سمجھنے میں ہے، متاخرین فقہاء کے قول سے اسی طرح کی وسعت معلوم ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اپنی قدرت کے موافق مشق تو کرے تیسری صورت کی، باقی نماز غیر مشاق کی تو ہر طرح ہو جاتی ہے اور مشاق کی زبان سے بھی اگر بلا قصد غلط نکل گیا اس کی بھی نماز ہو جاتی ہے؛ البتہ اگر مشاق ہو کر اس قصد سے پڑھے کہ میں ظاء پڑھتا ہوں یا دال پڑھتا ہوں اس کی نماز بلا شبہ فاسد ہے۔

في الشامية عن الخزانة الأكمل قال القاضي خان أبو عاصم: إن تعمد ذلك تفسد، وإن جرى على لسانه أو لا يعرف التمييز لا تفسد، وهو المختار حلية، وفي البزازية وهو أعدل الأقاويل وهو المختار اهـ. (۱) واللہ اعلم و علمہ اتم والحکم۔

۱۴/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱۲۶ جلد ۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۳۹۶، کراچی ۱/ ۶۳۳۔

وقال القاضي خان أبو عاصم: إن تعمد ذلك تفسد، وإن جرى على لسانه أو كان لا يعرف التمييز لا يفسد، وهو أعدل الأقاويل وهو المختار. (بزازية على الهندية، الصلاة، الفصل الثاني عشر: في زلة القاري، قديم ۴/ ۴۲، جديد زکریا ۱/ ۳۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الفتویٰ المتعلقة بالضاد فیہ کلام فی مواضع

وضاحتی مسئلہ: (۲۳۵): قدیم ۱/۲۸۵ - الاول قوله فی الجواب عن السؤال الاول ضاد معجمه را با تیز مخرج خود مائل بصوت طاء معجمه تلفظ باید کرد قلت اگر مراد این ست که امتیاز در میان این هر دو محض باعتبار مخرج است و در صوت اصلاً تماز نیست۔

وضاحتی مسئلہ کا ترجمہ: الاول قوله فی الجواب عن السؤال الاول: ضاد معجمه کو خود اپنے مخرج سے امتیاز کرنے کے ساتھ طاء معجمہ کے ساتھ آواز مائل کرنا چاہئے، میں کہتا ہوں: اگر ان دونوں کے درمیان امتیاز صرف مخرج کے اعتبار سے ہے اور آواز میں اصل کے اعتبار سے تمیز نہیں ہے (فلا دلیل الخ) اور اگر مراد یہ ہے کہ آواز میں بھی امتیاز ہوتا ہے تو یہ عبارت اس مقصود کے لئے کافی نہیں ہے، خاص طور پر بعض عوام کے اعتبار سے کہ وہ خالص طاء کے پڑھنے کو چاہتے ہیں، یہاں اس عبارت کو اپنی خواہش کے مطابق رکھا ہے۔ الثانی: قوله الخ ضاد اور دال کے درمیان امتیاز کرنا دشوار نہ ہونے کے باعث بالاتفاق نماز فاسد ہونا چاہئے۔ قول فی رد المحتار ما نصہ فی التاتر خانہ الخ: لہذا حکایت میں اتفاقی کلام ہے اور شک نہیں ہے اس میں کہ بعض عوام ضاد معجمہ کو خالص طاء کے ساتھ بدلنے میں مبتلا ہیں، اسی طرح بعض عوام بلکہ بہت سارے ضاد کو دال کے ساتھ بدلنے میں مبتلا ہیں، پس عموم بلوی دونوں جگہ مشترک ہے اور رد المحتار کی روایت کے مطابق دونوں فاسد نہ ہونے میں برابر ہیں۔ اور قاضی خاں میں جو فساد نقل کیا گیا ہے وہ دال کے ساتھ بدلنے کی صورت میں ہے، خود قاضی خاں نے ”مغضوب علیہم“ اور ”والعیاذ باللہ“ میں ضاد کو طاء کے ساتھ بدلنے کو مفسد کہا ہے؛ لہذا دونوں برابر ہو گئے۔ الثالث الخ: بغیر ارادہ اور بغیر اختیار کے عین طاء زبان پر جاری ہوتا ہے یا فرق نہیں ہوتا ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح ہے؛ لیکن عوام کا ایک ہی وجہ پر اکتفاء کرنا نقصان دہ ہے کہ اہل طاء قصداً اور اختیاراً طاء پڑھتے ہیں، یہاں ارادہ اور اختیار نہ ہونے کی قید سے قطع نظر کرتے ہوئے خالص طاء پر پڑھتے ہوئے ٹھہرنا اگر دوسری شق (وجہ) بھی صراحت کے ساتھ ذکر ہوتی جو کہ ارادہ کے حال میں زمانہ کے عوام اس کو کرتے ہیں جائز نہیں؛ لہذا ضاد میں طاء اور دال کے درمیان اشتراک کے فرق نہ پہچاننے کی وجہ سے اس نقصان کا احتمال باقی نہیں رہا؛ لہذا تلفظ کے اشتراک کے ساتھ نماز صحیح ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ میرے عدم مہارت کی وجہ سے ان تمام باتوں کا منشا تجوید کے اندر ہو اور ممکن ہے کہ اس سارے کلام کا منشا احقر کو تجوید میں مہارت نہ ہونے پر ہے؛ لیکن دستخط نہ کرنے کے لئے میرا یہی عذر کافی ہے۔

فلا دليل عليه والحكم بالتشابه في كتب القراءة لا يستلزم الحكم بالتشابه التام بل يمكن تحقيقه في ضمن التشابه الغير التام.

و اگر مراد اینست که در صوت هم امتیازی آید کرد پس عبارت برائے ایں مقصود کافی نیست (*)
بالخصوص باعتبار بعضی عوام که شیفته طاء خالصه خواندن هستند ایشان ایں عبارت را بر موافق هوای خود محمول خواهند داشت الثانی قوله فی الجواب عن السؤال الثانی باعث عدم تعسر امتیاز در میان هر دو یعنی ضاد و دال بالاتفاق مفسد صلوة خواهد شد الخ۔

قول في رد المحتار مانصه، وفي التاتر خانية عن الحاوي حكى عن الصفار: أنه كان يقول الخطاء إذا دخل في الحروف لا يفسد؛ لأن فيه بلوى عامة الناس لأنهم لا يقيمون الحروف إلا بمشقة اه. وفيها إذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج، ولا قربه إلا أن فيه بلوى العامة كالذال مكان الضاد أو الزاي المحض مكان الذال والطاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ اه. قلت: فينبغي على هذا عدم الفساد في ابدال الثاء سينا والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا، فإنهم لا يميزون بينهما، ويصعب عليهم جدا كالذال مع الزاء، ولا سيما على قول القاضي أبي عاصم، وقول الصفار (ا)۔

پس در حکایت اتفاق کلام است و شک نیست که بعضی عوام چنانکه در ابدال ضاد مجمر بطاء خالصه مبتلا هستند هم چنین بعضی بلکه اکثر در ابدالش بدال گرفتار اند پس عموم بلوی در هر دو جا مشترک است و حسب روایت رد المحتار هر دو در عدم فساد مساوی اند و از آنچه از قاضی خان و غیره فساد در ابدال بدال نقل کرده شده

(*) فی نفس عبارت کافی است زیرا که مفتی مائل بصوت طاء گفته نه که (متحد) بصوت طاء نعم مظنه غلط فہمی عوام است کہ ایں چنین باری کہار نمی فہمند یا براہ تعصب از اں غض بصری نمایند بنا بر ایں تخصیص ایں ضروری می بود کہ بصوت طاء تلفظ نمی باید کرد۔ ۱۲ (تصحیح الاغلاط ص: ۲۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مسائل زلة

القاری، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۳۹۶-۳۹۷، کراچی ۱/ ۶۳۳۔

است خود قاضی خان در مغضوب علیہم، والعادیات ضبحا“ ابدال ضاد بظاد را مفسد گفته (۱) فکان الابدالان متساویین، الثالث قوله فی الجواب عن السؤال الثالث بلا قصد واختیار عین طاء بر زبان جاری شود یا فرق نمی شناسد الخ۔ اقول ای صحیح است لیکن اکتفاء بر ذکر شق واحد عوام را بایں وجه مضراست کہ اہل طاء قصد اختیار طاء میخوانند ایشان از قید عدم قصد و اختیار قطع نظر کرده بر طاء خالصہ خواندن تمسک خواهند کرد آری اگر شق ثانی ہم تصریح مذکور بودے کہ در حالت قصد چنانکہ عوام زمان می کنند جائز نیست پس احتمال ایں اضرار نماندی باز فرق نشناختن مشترک است میان دال و طاء از ضاد پس صحت صلوة حکم مشترک می باید بود و ممکن است کہ منشاء ایں ہمہ کلام عدم مہارت احقر در تجوید باشد لیکن برائے دستخط نہ کردن عذری کافی ست۔

قال اللہ تعالیٰ: ولا تقف ما لیس لك به علم (۲)۔ وقال ﷺ: لا تشهد حتی تری مثل الشمس۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

۷/ رجب ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱۲۹ ج ۱)

- (۱) خانیاة علی الہندیة، الصلاة، فصل فی قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۴۲، جديد زكريا ۱/ ۸۹۔
- (۲) سورة بني إسرائيل، آيت: ۳۶۔
- (۳) تفصيلی حدیث ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباس -رضي الله عنهما- قال: ذكر عند رسول الله صلى الله عليه وسلم الرجل يشهد بشهادة، قال: لي يا ابن عباس! لا تشهد إلا على ما يضي لك كضياء هذا الشمس، وأوماً رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده إلى الشمس. الحديث (المستدرک علی الصحیحین، کتاب الأحکام، مکتبہ نزار مصطفى الباز مکه المکرمة ۷/ ۲۵۱۹، رقم: ۷۰۴۵، السنن الكبرى للبيهقي، کتاب الشهادات، باب التحفظ في الشهادة والعلم بها، مکتبہ دار الفکر بیروت ۱۵/ ۱۸۰، شعب الإيمان، باب في الجود والسخاء، دار الكتب العلمية بیروت ۷/ ۴۵۵، رقم: ۱۰۹۷۴)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۲۳۶): قدیم ۱/۲۸۷۔ چہ می فرمایند علمائے دین و شرع متین دریں مسئلہ بروز عید الفطر نماز بوجہ نزاع لفظ ض بمشابه دُ وَاذ وض بمشابه ظ درد و مقام علیحدہ علیحدہ نماز شدہ اعنی دو جماعت اول ض بمشابه دُ وَاذ علیحدہ جماعت دوم ض بمشابه ظ علیحدہ مابین فریقین نقیض است کہ نماز شمار دست نشدہ یکے با دیگرے متنازع اند (۱)۔ اجیبوا و بیوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: قاضی خان: وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين الالبمشقة كالطاء مع الضاد الخ وفيه لوقرء غير المغضوب بالطاء او بالذال تفسد صلوته ولو قرء الظالين بالطاء او بالذال لا تفسد صلوته ولو قرء الدالين بالذال تفسد صلوته. (۲)

از روایت اولی معلوم شد کہ ضا د شبہ است بطاء از دال۔ و از روایت ثانیہ مفہوم گشت کہ قصدا طاء خواندن و ہم چنان دال خواندن جائز نیست۔ پس واجب است کہ قصد صحیحش کرده شود و با وجود قصد صحیح خواندن غلطی عفو ست لعموم البلوی۔ پس مفسدہ نزاع ازیں مفسدہ افتح و اشنع است چنیں امور را موجب تفریق بین المسلمین نمودن و بال عظیم است۔ (*) اما امام را باید کہ از خواندن طاء احتراز نماید کہ در آں

(*) یہاں پر عبارت میں تصحیح الاغلاط ص: ۲۱ سے ترمیم کی گئی ہے۔ ۱۲ منہ۔

(۱) ترجمہ سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عید الفطر کے دن نماز لفظ ضا د سے متعلق جھگڑے کی وجہ سے جو کہ دُ وَاذ کے مشابہ ہے اور طاء کے مشابہ و جگہ الگ الگ ہوئی، اس سے میری مراد دو جماعتیں ہوئیں، پہلی جماعت ضا د الگ کے مشابہ الگ اور دوسری جماعت ضا د، طاء کے مشابہ، دونوں فریقین کے درمیان جھگڑا یہ ہے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں، جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) فتاویٰ قاضی خاں علی الہندیۃ، الصلاة، فصل فی قراءۃ القرآن خطا، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قدیم زکریا ۱/ ۱۴۱، جدید زکریا ۱/ ۸۸، و کذا فی الدر المختار مع الشامی، الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۳۹۶، کراچی ۱/ ۶۳۳، و کذا فی خلاصۃ الفتاویٰ، الصلاة، الفصل الثانی عشر: فی زلۃ القاری، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۰۶، و کذا فی البزازیۃ علی الہندیۃ، الصلاة، الفصل الثانی عشر فی زلۃ القاری، قدیم زکریا ۴/ ۴۲، جدید زکریا ۱/ ۳۰۔

علاوہ غلطی کہ مشترک است میاں دال خواندن ہر دو تشبہ بابل اہواء مثل روافض خذہم اللہ وغیر مقلدین واتباع ہوائے ایشان و ترویج بدعت ایشان ست واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم واحکم (۱)۔

۹/ شوال ۱۳۲۳ھ (امداد صفحہ ۱۴۰ ج ۱)

سوال (۲۳۷): قدیم ۱/ ۲۸۷ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جو شخص حرف ض معجم کو اس کے مخرج سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو وہ شخص حرف مذکور کو بصورت طائے منقوطہ کہ دونوں حرف مفتح اور مشتبہ الصوت ہیں جیسا کہ کتب قراءت و تفسیر وفقہ مثل جزری و فتح العزیز و اتقان و فتاویٰ قاضی خان و فتح القدیر وغیرہ میں مصرح ہے اور صفات میں بھی مانند رخوہ و استعلاء و اطباق وغیرہ متحد کما بحث عنہ فی موضعہ پڑھے یا بصورت دال مہملہ کو جو مرقد وغیرہ مشتبہ الصوت و بعض صفات متضادہ ضاد معجمہ مثل شدت و انخفاض و انفتاح کے ساتھ متصف ادا کرے جیسا کہ فی زمانہ اکثر اشخاص پڑھتے ہیں۔ بینوا تو جروا۔

الجواب: یہ تو ظاہر ہے کہ تغایر مخارج تغایر حروف خارجہ پر دلالت کرتا ہے اور تغایر مخارج ضاد و دال و ذال و ظا مجمع علیہ اور مصرح بہ ہے کما لا تنفکی۔ پس یہ دلیل ہے اس پر کہ ذات ضاد اور ہے اور ذات ظا و دال اور۔ جب تغایر ذاتی ثابت ہو گیا تو اب ضاد کو ظا یا دال پڑھنا ایسا ہے جیسا باکوتا، ٹا کو جیم، حا کو خا و ہذا باطل بالاجماع فلذا ذلک اور اتحاد صفات سے اتحاد موصوف لازم نہیں جیسا جیم اور دال کو صفات جہر و شدت و انفتاح و انخفاض و اصمات و قلقلہ میں متحد ہیں باوجود اتحاد اوصاف مذکورہ کے پھر ان دونوں

(۱) الجواب: ”قاضی خاں: وإن کان لا یمکن الفصل الخ“ پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ ضاد ظاء کے زیادہ مشابہ ہے دال کے مقابلہ میں۔ اور دوسری روایت سے یہ سمجھ میں آیا کہ جان بوجھ کر ظاء پڑھنا اور اسی طرح دال پڑھنا جائز نہیں ہے؛ لہذا اس کی تصحیح کا ارادہ ضروری ہے اور صحیح پڑھنے کے ارادہ سے غلطی معاف ہے عموم بلوی کی وجہ سے، لہذا اس جھگڑے کا فساد اس مفسدہ سے زیادہ برا ہے، ایسے کاموں کو مسلمانوں کے درمیان تفریق کا موجب بنانا بڑا خسارہ ہے، بہر حال امام کو چاہئے کہ ظاء کے پڑھنے سے احتراز کرے کہ اس میں غلطی کے علاوہ جو مشترک ہے دال پڑھنے کے درمیان دونوں میں باطل فرقوں سے مشابہت ہے، جیسا کہ روافض - اللہ ان کو ذلیل و رسوا کر دے - اور غیر مقلدین اور ان کے باطل عقیدہ کا اتباع کرنا اور ان کی بدعت کو بڑھاوا دینا ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

میں زمین آسمان کا تفاوت ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ اور علاوہ ازیں یہ کہ جیسا ضاد وطاء میں تشابہ تام ہے اور صرف تغارنی الخرج واستطالت فارق ہے۔ اسی طرح ضاد و دال میں تقارب یلغ ہے کہ محض (*) تغارنی الخرج واطباق فاصل ہے۔

كما صرح به في المفتاح الرحماني في علم القراءة: لو لا الاطباق فيها لكان الصاد سيناء والطاء تاء، والطاء ذالا، والصاد دالا. انتهى (۱)۔

اس سے ثابت ہوا کہ ظا کو ذال کے ساتھ اور ضاد کو دال کے ساتھ قرب تام ہے کہ فقط اطباق ممیز ہے بلکہ باعتبار الخرج کے ضاد کو دال کے ساتھ زیادہ قرب ہے بہ نسبت طاء کے جیسا شافیہ میں ہے والصاد المعجمة أول حافة اللسان وما يليها من الاضراس، واللام مادون طرف اللسان إلى منتهاه وما فوقه، والراء منهما ما يليها، والنون منهما ما يليها، والطاء والذال المهملتين، والتاء المثناة طرف اللسان، وأصول الثنايا العليا، والصاد والزاء والسين طرف اللسان والثنايا السفلى، والطاء والذال والتاء طرف اللسان وطرف الثنايا العليا إلى أن قال كل مخرج قدم ذكره فهو أقرب إلى الصدر مما بعده، وكذا كل حرف سبق ذكره فهو أقرب إليه مما بعده. انتهى (۲)۔

پس جس وقت ضاد کے بعد دال کا ذکر کیا اور دونوں کے درمیان چار حرف یعنی لام، راء، نون، طاء مذکور ہیں۔ اور طاء کا سب کے بعد ذکر کیا اور درمیان اس کے اور ضاد کے تو حرف یعنی لام، راء، نون، طاء، دال، تاء، صاد، زاء، سین مذکور ہیں۔ معلوم ہوا کہ ضاد (**) و دال میں زیادہ قرب ہے بہ نسبت ضاد و طاء کے، پس متحقق ہوا کہ جیسا ضاد کو طاء کے ساتھ تشابہ ہے ویسا ہی یا زیادہ دال کے ساتھ ہے اور جیسا دال کے ساتھ تغاریزاتی ہے ویسا ہی طاء کے ساتھ، پس ضاد کو طاء و دال دونوں کے ساتھ اقل درجہ برابر نسبت ہوئی اور دونوں جواز و عدم جواز میں (***) تساوی الاقدام ہیں، اگر ضاد کو طاء پڑھنا جائز تو دال بھی پڑھنا

(*) حصر اضافی ہے، اس سے نفی استطالت کی نہ سمجھی جاوے۔ ۱۲ منہ۔

(**) یعنی باعتبار اداء التعمد کے۔ ۱۲ منہ۔

(***) یعنی باعتبار قربیت مخرج کے نہ کہ صفات و صورت کے۔ ۱۲ منہ۔

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

جائز اور اگر دال پڑھنا جائز نہیں تو ظا پڑھنا بھی جائز نہیں۔ اور اول یعنی ضاد کو بصوت دال و ظا پڑھنا بالاجماع باطل ہے، پس ثانی متعین ہو گیا کہ کسی کی صوت میں پڑھنا جائز نہیں و نیز بتقریح ائمہ قراءت یہ ضاد محض مشابہت (*) ظاء سے حروف مستجنہ میں سے ہو جاتا ہے۔

في الشافية: والضاد الضعيفة فمستهجنة انتهى. وفي النظامية شرح الشافية: والضاد الضعيفة، أى التي تكون بين الضاد والطاء، وقال في الكفاية شرح الشافية: والضاد الضعيفة بين الضاد والطاء انتهى (۱)

اور حروف مستجنہ کا قرآن شریف میں پڑھنا جائز نہیں: کما فی رسالۃ تبعید الضاد عن صوت الطاء: كانت تلك الضاد ضعيفة مستهجنة محرمة في القراءة والتلاوة انتهى (۲)۔
پس ہر گاہ بوجہ استعجان کے مشابہ ظا کے پڑھنا جائز نہیں تو بعینہ ظاء پڑھنا کیونکر جائز ہوگا بلکہ اگر عمداً پڑھے گا تو اسکی نماز کی صحت و فساد میں اختلاف ہے اور مفتی بہ فساد صلوٰۃ ہے۔

قال في الخانية والخلاصة: الأصل فيما إذا ذكر حرفا مكان حرف، وغير المعنى إن أمكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد ولا يمكن إلا بمشقة كالطاء مع الضاد المعجمتين، والضاد مع السين المهملتين، والطاء مع التاء، قال أكثرهم: لا تفسد، وفي خزانة الاكمل قال القاضي أبو عاصم: إن تعمد ذلك تفسد، وإن جرى على لسانه أو لا يعرف التمييز لا تفسد، وهو المختار حلية، وفي البزازية: وهو أعدل الأقاويل، وهو المختار انتهى (۳)۔

(*) یعنی مشابہت مع تبدیل مخرج سے ورنہ مخرج سے ادا ہونے سے مشابہت صوت لازم ہے۔ ۱۲ منہ۔

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۳) الدر المختار مع الشامی، الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۳۹۶، کراچی ۱/ ۶۳۳، و کذا فی خانۃ علی الہندیۃ، الصلاة، فصل فی قراءۃ القرآن خطأ، و فی الأحکام المتعلقة بالقراءۃ، قدیم زکریا ۱/ ۱۴۱، و کذا فی خلاصۃ الفتاوی، الصلاة، الفصل الثاني عشر: فی زلۃ القاری، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۰۶، جدید زکریا ۱/ ۸۸، و کذا فی البزازیۃ علی الہندیۃ، الصلاة، الفصل الثاني عشر: فی زلۃ القاری، قدیم زکریا ۴/ ۴۲، جدید زکریا ۱/ ۳۰۔

پس تحقیق مذکور سے واضح ہو گیا کہ ضاد کو دال یا ظا پڑھنا ناجائز و تحریف صریح ہے۔

وقد ورد فيه ما ورد قال الله تعالى: يحرفون الكلم عن مواضعه الآية.

بلکہ حتی الوسع اس کے مخرج سے نکالنے کا قصد کرے خواہ نکلے یا نہ نکلے صحیح نکلے یا غلط طاء نکلے یا دال مہملہ یا غیر، ان دونوں کا شرعاً وہ معذور اور مصیب ہوگا لقولہ تعالیٰ: لا يكلف الله نفسا الا وسعها. الاية (۱)۔ بلکہ باوجود تکلف اور مشقت کے اگر ادا نہ ہوگا تب بھی دو اجر ملیں گے اجر مشقت و اجر قرأت۔ عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الماهر بالقرآن مع السفارة الكرام البررة،

والذي يقرأ القرآن ويتتبع فيه، وهو عليه شاق له أجران. متفق عليه (۲)

لیکن اس کے سیکھنے میں کوشش کرنا ہمیشہ واجب ہے۔ لقولہ تعالیٰ: ”ورتل القرآن ترتیلاً“ اور تفسیر حسینی تحت اس آیت آوردہ و از مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ نقل کردہ اند کہ مراد بترتیل حفظ و توقف ست و ادائے حروف انتہی۔ اور رتل وجوب کے لئے ہے اس کی تعمیل میں سعی کرنا واجب ہے اور اگر جہد و طلب میں کوتاہی کریگا گنہگار ہوگا۔

لما مر من الأمر المذكور، ولما في الدر المختار في بحث عدم جواز اقتداء غير الألفج بالألفج هكذا، وحرر الحلبي وابن الشحنة: أنه بعد بذل جهده دائما حتما كالأمي، وفي الشامي قوله: دائما أي في آناء الليل وأطراف النهار، فما دام في التصحيح والتعلم، ولم يقدر عليه فصلوته جائزة، وإن ترك جهده فصلوته فاسدة، كما في المحيط وغيره، قوله: حتما، أي بذلا حتما فهو مفروض عليه. انتهى (۳)۔

(۱) سورة البقرة: ۲۸۶ -

(۲) بخاري شريف، كتاب التوحيد، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الماهر بالقرآن مع الكرام البررة، النسخة الهندية، ۲/ ۱۱۲۶، رقم: ۷۲۴۳، ف: ۷۵۴۴، مسلم شريف، كتاب فضائل القرآن وما يتعلق به، باب فضل الماهر في القرآن والذي يتتبع فيه، النسخة الهندية ۱/ ۲۶۹، بيت الأفكار، رقم: ۷۹۸ -

(۳) الدر المختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مطلب: في الألفج، مكتبة زكريا

ديوبند ۲/ ۳۲۸، کراچی ۱/ ۵۸۲ -

یہ حکم تھا الٹخ کا جو قاعدہ نہ ہو تکلم سین وراء پر اور یہی حکم ہے اس شخص کا جو کسی خاص حرف مثل ضاد وغیرہ کے تلفظ پر قاعدہ نہ ہو۔

لما في الدر المختار: وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف اه (۱). وفي الكلام سعة لا يتحملة المقام، والله الهادي إلى الصواب، وهو المنعم. فقط

۲۶/ رجب روز یکشنبہ ۱۳۰۳ھ (امداد صفحہ ۱۴۲ ج ۱)

سوال (۲۳۸): قدیم ۱/۲۹۱- تجوید کی رو سے حرف ضاد کا مخرج حافنی اللسان اور دونوں ڈاڑھوں میں سے ہے، اگر ضاد اصل مخرج سے نکالا جاتا ہے، تو ضاد بصوت طاء ادا کیا جاتا ہے اور مخرج مروجہ سے یعنی اگلے دانتوں کے مسوڑھے سے یعنی دال کے مخرج سے حسب معمول نکالا جاتا ہے تو ضاد بصوت دال مخمہ ادا ہوتا ہے۔ کتب فقہاء سلف سے تو ضاد بصوت طاء ثابت ہوتا ہے اور رواج بصوت دال ہے؛ چونکہ اس کا مخرج درحقیقت دشوار ہے اور تجوید کی رو سے ضاد اور طاء مجملہ صفات میں یکساں ہیں، صرف طول اور قصر کا فرق ہے۔ اور دال سے بہت تفاوت ہے۔ لہذا اب التجاہیہ ہے کہ ہم ناواقفوں کو کیا کرنا چاہئے؟ ضاد بصوت طاء جائز ہوگا یا ضاد بصوت دال مخمہ جائز ہوگا؛ چونکہ اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے علماء موجود ہیں، پھر ہم کو پریشانی اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے، جہاں تک کتابوں سے تحقیق کیا ہے وہاں تک ضاد بصوت طاء معلوم ہوا ہے۔ اب آنجناب اسکی تحقیق سے مطلع فرما کر معزز فرماویں۔

الجواب: اس میں جو دو عادتیں ہو گئی ہیں ایک مخرج دال سے نکالنا دوسرے مخرج طاء سے نکالنا، دونوں غلط ہیں، مخرج صحیح سے نکالنا چاہئے۔ اس سے صوت مشابہ ظ کی پیدا ہوگی نہ عین ظ کی (۲)۔ مشاق کے ادا کرنے میں ذاورض اور ظ میں فرق تمیز ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولی ص ۴۴)

(۱) الدر المختار مع الشامی، الصلاة، باب الإمامة، مطلب: في الألتغ، مکتبہ زکریا دیوبند

۳۲۹/۱، کراچی ۵۸۲ -

(۲) شعر: والضاد باستطالة ومخرج ☆ مِيز من الطاء وكلها تجي. (مقدمة) وفي

شرحها: وليس في الحروف ما يعسر على اللسان مثله، وألسنة الناس فهي مختلفة، فمنهم من يخرج طاء، ومنهم من يخرج دالا مهملة أو معجمة، ومنهم من يخرج طاء مهملة ←

سوال (۲۳۹): قدیم ۲۹۲/۱ - حرف ضاد معجمہ کو زید مشابہ دال یا ظاء کے پڑھتا ہے اور اگر سیکھ تو صحیح سیکھ سکتا ہے، مگر سیکھتا نہیں جیسے غیر مقلد ظاء پڑھتے ہیں اور پنجابی دیہاتی دال موٹا کر کے پڑھتے ہیں اور اگر سیکھیں تو صحیح سیکھ سکتے ہیں۔ جو ضاد کو ادا کر سکتا ہے، وہ یوں نہیں کہتا ہے کہ ان کی نماز نہیں ہوتی اور نہ ان کے پیچھے پڑھنی درست ہے۔

الجواب: اس حرف کو جو غلط بظن صواب و بقصد صواب پڑھیں، جیسا ابتلاء عام ہے؛ چونکہ عموم بلوی موجبات تسیر و تخفیف سے ہے؛ اس لئے میرے نزدیک سب کی نماز درست ہو جاتی ہے (۱)۔

← كالمصريين، ومنهم من يشمه ذالا، ومنهم من يشير بها بالطاء المعجمة، لكن لما كان تمييزه عن الظاء مشکلا بالنسبة إلى غيره أمر الناظم بتمييزه عنه نطقا. (المنح الفكرية على المقدمة الجزرية، باب اللامات، مطلب إدغام المتجانسين، مكتبة ارگ بازار قندهار افغانستان، ص: ۳۸)

ومنهم من يجعل الضاد المعجمة ظاء معجمة مطلقا؛ لأنه يشارك الظاء في صفاتها كلها، ويزيد عليها بالاستطالة فلو لا الاستطالة، واختلاف المخرجين لكانت ظاء وهم أكثر الشاميين، وبعض أهل الشرق، فهذا ليس بعجب لثبوت التشابه، وعسر التمييز بينهما. (جهد المقل، بيان الفرق بين حروف الصغير، مكتبة الصديق ذابيل، ص: ۱۱۰)

ثبت بما ذكرنا أن المشابهة بين الضاد والطاء شديدة، وأن التمييز عسر. (التفسير الكبير للإمام فخر الدين الرازي، الباب الأول في المسائل الفقهية، ترتيل القرآن، دار الكتب العلمية طهران ۶۳/۱، وكذا في الاتفاق في علوم القرآن، فصل مهمات تجويد القرآن، دار الفكر بيروت ۱/۱۴۳)

(۱) وفي التاتارخانية عن الحاوي: حكى عن الصفار: أنه كان يقول: الخطاء إذا دخل في الحروف لا يفسد؛ لأن فيه بلوى عامة الناس؛ لأنهم لا يقيمون الحروف إلا بمشقة، وفيها: إذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج، ولا قربه إلا أن فيه بلوى العامة كالذال مكان الصاد أو الزاي المحض مكان الذال، والطاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ. قلت: فينبغي على هذا عدم الفساد في إبدال الثاء سينا، والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا، فإنهم لا يميزون بينهما، ويصعب عليهم جدا كالذال مع الزاء، ولا سيما على قول القاضي أبي عاصم، وقول الصفار، وهذا كله قول المتأخرين، وقد علمت أنه أوسع، ←

یہ دوسری بات ہے کہ صحیح سیکھنے کی کوشش نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے (۱)۔ واللہ اعلم۔

۶/ رزی الحج ۳۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۴)

سوال (۲۴۰): قدیم ۱/۲۹۳ - ایک سوال آیا تھا، جس کا حاصل یہ تھا کہ دالین پڑھنا یا

ظالین ہر ایک کو ایک ایک فرقہ مفسد صلوٰۃ کہتا ہے۔ یہاں سے یہ جواب دیا گیا۔

الجواب: ضاد کی جگہ دال پڑھنا بھی غلط۔ ظا پڑھنا بھی غلط (۲)۔ قصد غلط پڑھنا گناہ ہے گو بوجہ

← وأن قول المتقدمين أحوط. (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۹۶-۳۹۷، کراچی ۱/ ۶۳۳، التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثاني، مسائل زلة القاري، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۹۴، رقم: ۱۸۳۷، الخانية على الهندية، الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ۱/ ۱۴۱، جديد زكريا ۱/ ۸۸، خلاصة الفتاوى، الصلاة، الفصل الثاني عشر: في زلة القاري، مكتبة أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۰۶، بزازية على الهندية، الصلاة، الفصل الثاني عشر: في زلة القاري ۴/ ۴۲، جديد زكريا ۱/ ۳۰)

(۱) والأخذ بالتجويد حتم لازم ☆ من لم يجد القرآن آثم. (المقدمة الجزرية مع

المنح الفكرية، مطلب بيان تحتم الأخذ بالتجويد، مكتبة ارگ بازار قندهار افغانستان، ص: ۱۹)

(۲) ومنهم من يجعل الضاد المعجمة طاء معجمة مطلقاً؛ لأنه يشارك الطاء في صفاتها كلها، ويزيد عليها بالاستطالة فلو لا الاستطالة، واختلاف المخرجين لكانت طاء وهم أهل الشاميين، وبعض أهل الشرق، فهذا ليس بعجب لثبوت التشابه، وعسر التمييز بينهما. (جهد المقل، بيان الفرق بين حروف الصغير، مكتبة الصديق ذابھیل، ص: ۱۱۰)

والضاد باستطالة ومخرج ☆ ميز من الطاء وكلها تجي. (مقدمة) وفي شرحها:

وليس في الحروف ما يعسر على اللسان مثله، وألسنة الناس فهي مختلفة، فمنهم من يخرج طاء، ومنهم من يخرج دالا مهملة أو معجمة، ومنهم من يخرج طاء مهملة كالمصريين، ومنهم من يشمه ذالا، ومنهم من يشير بها بالطاء المعجمة، لكن لما كان تمييزه عن الطاء مشكلاً بالنسبة إلى غيره أمر الناظم بتمييزه عنه نطقاً. (المنح الفكرية على المقدمة الجزرية، باب اللامات، مطلب إدغام المتجانسين، مكتبة ارگ بازار قندهار افغانستان، ص: ۳۸)

عموم بلوی کے نماز دونوں کی فاسد نہیں ہوتی (۱) کسی ماہر تجوید سے مشق کر کے صحیح پڑھنے کی کوشش کرے اس پر بھی اگر غلط نکل جاوے تو معذوری ہے (۲)۔

۱۰/۱ صفر ۱۳۳۹ھ (تمہ خامسہ ص ۱۷۵)

سوال (۲۴۱): قدیم ۱/۲۹۳- بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذي خلق صوت كل حرف من الحروف متخالفا ومتغيرا، وإن كان اشتراك بعضها مع البعض في الصفات ظاهرا، والصلوة والسلام على من لا ينطق عن الهوى، إن هو إلا وحى يوحى، وعلى صحبه الذين من تابعهم فقد اهتدى، ومن خالفهم فضل و غوى. أما بعد فأقول أولا:

آنکہ باوجود اختلاف مخارج حروف مع اشتراک بعضی از صفات اتحاد صوت یا تشابہ آں بیک دیگر لازم آید یا نہ چنانچہ مخرج دال و جیم کہ مختلف است و بچند صفات مثلاً در جہر و شدۃ و انفتاح و انخفاض و اصمات و جرس و قلقلہ مشترک اند۔ و ہم چنین کاف و تائے فوقانیہ مع تخالف مخارج در صفت ہمس و شدت و انفتاح و انخفاض و اصمات و جرس و سکونت مشترک الصفات۔ پس آیا صوت دال و جیم و ہکذا صوت کاف و تائے فوقانیہ متحد و یکساں است یا مختلف و دیگر گوں۔

ثانیاً: آنکہ آنچہ اہل تجوید و ارباب قراءت فیما بین مخرج ضاد و طاء متخالف و تفارق بیان فرمودہ اند صحیح و درست است یا نہ۔

(۱) وإن لم يمكن إلا بمشقة كالطاء مع الضاد، والصاد مع السين، فأكثرهم على عدم الفساد لعموم البلوى. (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مطلب: مسائل زلة القاري، مكتبه زكريا ۲ / ۳۹۴، كراچی ۱ / ۶۳۱، وكذا في الخانية على الهندية، الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قدیم زكريا ۱ / ۱۴۱، جدید زكريا ۱ / ۸۸، وكذا في البزازیة على الهندية، الصلاة، الفصل الثاني عشر: في زلة القاري، قدیم زكريا ۴ / ۴۲، جدید زكريا ۱ / ۳۰)

(۲) لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا. (سورة البقرة: ۲۸۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ثالثاً: آنکہ حروف مفردہ تنجی کہ کلام عرب از انہا ترکیب یافتہ است بحسب انحصار قراء عرب درست و نہ حروف منحصر اندیانہ۔

رابعاً: آنکہ حرفے از انحصار قراء عرب زائد است چہ نام دارد و مخرجش کدام است۔

خامساً: آنکہ با وجود تخالف مخارج و تغائر اصوات حروف اگر کسے عمدہ نماز یک حرف را بصوت دیگر حرف ادا می کند مثلاً ”ولا الضالین“ را ”ولا الظالین“ بظاء معجمہ میخواند پس آیا نمازش صحیح و درست است یا نہ و اگر نمازش صحیح است پس آنچہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی در رسالہ الدلیل الحکم در صفحہ ۲۱ ارقام فرمودہ است کہ جناب من جیسے کہ بے کی جگہ تے اور دال کہ جگہ ذال اور ہا کے بدلے خا اور شین کے عوض سین اور عین کے مقام غین اور لام کے مکان میم نہ کوئی پڑھتا ہے اور نہ کوئی جائز سمجھتا ہے۔ ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظاء پڑھنا بھی خلاف عقل و نقل ہے یہ بات عقل و نقل کی رو سے منجملہ تحریف ہے جس کی برائی خود کلام اللہ میں موجود ہے پھر معلوم نہیں آجکل کے عالم کس وجہ سے ایسی نامعقول بات تسلیم کر لیتے ہیں مگر شاید عوام فتوؤں کی مہروں کو دیکھ کر بچل جاتے ہیں اور یہ کون جانے کہ کتابوں کا سمجھنا ہر کسی کو نہیں آتا انتھیں چہ معنی دارد و قاری ظاء بجائے ضاد عمدہ امر تکبیرہ است یا نہ۔ وایں چنین تعلیم او کہ بشاگردان خود میدہد از روئے شریعت غراء باعث ثواب است یا عقاب (۱)۔ بینوا تو جروا۔

(۱) ترجمہ سوال: بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذي خلق صوت كل حرف من الحروف الخ۔ حمد و صلاۃ کے بعد میں پہلے یہ کہتا ہوں کہ حروف کے مخارج کے اختلاف کے باوجود بعض صفات کے اشتراک کے ساتھ آواز کا ایک جیسا ہونا یا ایک دوسرے کے مشابہ ہونا لازم آتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ دال اور جیم کا مخرج الگ الگ ہے اور چند صفات مثلاً جہر اور شدت اور انفتاح اور انخفاض اور اصمات اور جرس اور قلقلہ میں مشترک ہیں۔ اور اسی طرح کاف اور تائے فوقانیہ اپنے مخرج میں الگ ہونے کے ساتھ ساتھ صفت ہمس اور شدت اور انفتاح اور انخفاض اور اصمات اور جرس اور سکونت میں مشترک الصفات ہیں؛ لہذا دال اور جیم کی آواز اور اسی طرح کاف اور تائے فوقانیہ کی آواز متحدہ اور ایک جیسی ہیں یا اس سے مختلف۔ دوسری بات یہ ہے کہ اہل تجوید اور ارباب قراءت ضاد اور ظاء کے مخرج کے درمیان اختلاف اور فرق بیان فرماتے ہیں یہ صحیح اور درست ہے یا نہیں؟ تیسری بات یہ ہے کہ حروف مفردہ تنجی جن کی کلام عرب میں ترکیب بنی ہوئی ہے ←

الجواب: الکلی الإجمالی. **أما عن الأول:** اتحاد باطل است اجماعاً وتشابہ نہ لازم است مُمتنع بلکہ تابع دلیل است ودلیل تشابہ در ضا یا طاء از ماہرین فن منقول است نہ در ضا یا دال۔

وعن الثاني: در صحت آل چہ شبہ است۔

وعن الثالث والرابع: بدرجہ احتمال ہم باطل است لیکن غرض ایں سوال بذہن نیامدہ تا ہم ایں محذور در خواندن ضا بصورت دال مٹم الزم است نہ در خواندنش بصورت طاء اگر چہ محذور دیگر مثلاً تحریف لازم باشد کما سیاتی۔

وعن الخامس: صحت و فساد صلوٰۃ تابع صحت و فساد معنی است لیکن معصیت در ہر صورت مشترک و ایں حکم مخصوص نیست بتغییر ضا و بظاء معجمہ بلکہ عام است۔ تغیر ضا بدال را ہم و کلام مولانا محمول است بر معصیت چنانچہ آل را تحریف نامیدند و تعرض بفساد صلوٰۃ نہ فرمودند و ہر تحریف ناشی از شبہ مستلزم فساد صلوٰۃ نیست چنانچہ اگر کسے بجائے ذلک الکتب لاریب فیہ بسبب شبہ ہذا الکتب لاریب خواند نماز فاسد نشود و ایں تغیر ضا ناشی ست از شبہ باقی تشخیص کبیرہ یا صغیرہ بودن و طیفہ مجتہدست و ظاہرست کہ تعلیم معصیت نیز معصیت است لیکن ہم چنین بلا دلیل معصیت را بر کسے چسپانیدن و فاعل تشابہ را فعل اتحاد قرار دادن ہم معصیت است بہر حال ضا حرف مستقل است نہ عین طاء است نہ عین دال گو مشابہ الصوت است بظاء۔ لیکن مفہوم مشابہت خود مستلزم است امتیاز را زیرا کہ مشابہ بودن چیزے بذات خود معنی

← عرب کے قاریوں کے انحصار کرنے کے مطابق ۲۹ حروف میں منحصر ہیں یا نہیں؟ چوتھی بات یہ ہے کہ جو حروف عرب کے قاریوں کے انحصار کرنے سے زائد ہیں، ان کا نام کیا ہے؟ ان کا مخرج کہاں ہے؟ پانچویں بات یہ ہے کہ مخرج میں اختلاف اور حروف کی آواز میں تغائر ہونے کے باوجود اگر کسی نے جان بوجھ کر نماز میں ایک حرف کو دوسرے حرف کی آواز میں پڑھا، مثلاً ”ولا الضالین“ کو ”ولا الظالین“ طاء معجمہ کے ساتھ پڑھا، آیا اس کی نماز صحیح اور درست ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کی نماز صحیح ہے، تو اس کے متعلق مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے رسالہ ”الدلیل المحکم“ میں ص: ۲۱ پر جو تحریر فرمایا ہے: کہ جناب! جیسے کہ بے کی جگہ تے اور دال کی جگہ ذال الخ، اس کے کیا معنی ہیں؟ اور جان بوجھ کر ضا کی جگہ طاء پڑھنے والا کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کی تعلیم اپنے شاگردوں کو دینا روشن شریعت کی رو سے ثواب کا باعث ہے یا سزا کا؟

ندارد۔ مشابہت درمتغائرین می باشد۔ پس امتیاز صوت را علما یا عملا رفع کردن غلو بین است۔ اما ایں امتیاز صوت از کتب مدرک نمی شود تعلق بسمع از ماہر دارد۔ من از قراء پانی پت کہ در ایں فن از دیگران امتیاز خاص دارند ایں حرف شنیده ام در ادائے شاں صریح امتیاز محسوس میشود ہم از طاء و ہم از دال ہذا و جواب خامس تتمہ ہم دارد و آں اینکه حکم بفساد و صلوة برفوتوی متاخرین عام نیست بلکہ مخصوص است بہ قادر بر ادائے صحیح اما غیر قادر پس نمازش و ہم چنین اما متش صحیح خوان را و غلط خوان را در ہر دو صورت صحیح است خواه بصوت دال خواند خواه بصوت طاء۔ کہ آں لغت او گشتہ باز در صورت غلط ادا نمودن آیات ترجیح دال مٹم راست کہ اگر چہ غلط است لاکن ممتاز است بخلاف طاء کہ ممتاز ہم نیست یا طاء معجمہ راست کہ اگر چہ ممتاز نیست لیکن حرف قرآن ست بخلاف دال ایں کلام دیگر است و در ہر دو جانب جماعتی است از اہل علم (۱)۔ ولکل وجہۃ ہو مولیہا۔

۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ (النور صفحہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ)

(۱) الجواب: (کلی اور اجمالی جواب) پہلی شق کا جواب: اتحاد باطل ہے بالا جماع اور تشابہ نہ تو لازم ہے اور نہ منع ہے؛ بلکہ دلیل کے تابع ہے اور تشابہ کی دلیل ضاد یا طاء میں ماہرین فن سے منقول ہے نہ کہ ضاد یا دال میں۔ دوسری شق کا جواب: اس کی صحت میں کیا شبہ ہے۔ اور تیسری اور چوتھی شق کا جواب: احتمال کے درجہ میں بھی باطل ہے؛ لیکن اس سوال کی غرض ذہن میں نہیں آئی ہے، تاہم یہ ممانعت ضاد کو دال مٹم کی صورت میں پڑھنے میں زیادہ لازم ہے نہ کہ اس کے طاء کی صورت میں پڑھنے میں اگرچہ دوسری ممانعت مثلاً تحریف لازم ہوگی، جیسا کہ اس کا بیان آ رہا ہے۔ اور پانچویں شق کا جواب: نماز کا صحیح اور فاسد ہونا معنی کے صحیح اور فاسد ہونے کے تابع ہے؛ لیکن معصیت ہر صورت میں مشترک ہے اور یہ حکم ضاد اور طاء معجمہ کے بدلنے کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ عام ہے ضاد کو دال سے بدلنے کے ساتھ بھی۔ اور مولانا کا کلام معصیت پر مبنی ہے، چنانچہ اس کو تحریف کہیں گے اور نماز کے فاسد ہونے کا اعتراض نہ کریں گے اور ہر تحریف جو شبہ سے پیدا ہونے والی ہے نماز کے فاسد ہونے کو مستلزم نہیں ہے، چنانچہ اگر کسی نے ”ذلک الکتاب لاریب فیہ“ کی جگہ ”هذا الکتاب لاریب فیہ“ پڑھ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور یہ ضاد کا تغیر شبہ سے پیدا ہونے والا ہے باقی صغیرہ یا کبیرہ کے ساتھ خاص ہونا مجتہد کا کام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ معصیت کی تعلیم بھی معصیت ہے؛ لیکن اس طرح بغیر دلیل کے معصیت کو کسی کے اوپر چسپاں کرنا اور تشابہ فاعل کو اتحاد کا فعل قرار دینا بھی معصیت ہے، بہر حال ضاد ایک مستقل حرف ہے نہ تو پورا طاء ہے اور نہ تو دال ہے، ہاں آواز میں طاء کے مشابہ ہے؛ لیکن امتیاز کے لئے مشابہت کا مفہوم خود مستلزم ہے؛ ←

عوام کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے خطرہ کے وقت قراءت سبہ میں غلو کی ممانعت

سوال (۲۲۲): قدیم ۱/۲۹۵ - بعض مقامات میں سبہ قراءت کا چرچا حد سے تجاوز کر چکا ہے، بعض حفاظ لڑکوں اور جاہلوں کو مختلف روایتیں یاد کرا کے پڑھاتے اور پڑھواتے ہیں اور اس کو صریحاً بغرض ریا پڑھتے پڑھاتے ہیں، تراویح میں بھی ایسا ہوتا ہے، جس سے سوانمود کے کوئی نفع نہیں۔ کیا اس طرح پڑھنے پڑھانے میں اس زمانہ پر آشوب میں یہ خوف نہیں ہے کہ جہال و مخالفین اسلام ان اختلافات کو سنکر مشوش ہوں گے اور خوف فتنہ نہیں ہے؟ چنانچہ بعض حفاظ نے تو یہ کہا ہے کہ ایک رکعت میں روایت حفص پڑھی، دوسری رکعت میں روایت قالون۔ کسی نے ٹوکا تو کہہ دیا کہ تم نہیں جانتے ایسی صورتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں، کیا یہ فعل قابل روکنے کے نہیں ہے؟ براہ نوازش اگر قابل ممانعت ہے تو اس کا جواب ذرا تفصیل سے ”الامداد“ میں طبع ہو جاوے تو بہتر ہے۔ میرا یہ خیال ہرگز نہیں کہ اس کی تعلیم بند ہو بلکہ زور دیا جاوے کہ تجوید کا نام قراءت ہے اور عوام کو اسی کی ضرورت ہے، اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اس کا اچھا ہو تو اس کو وسیع پڑھائی جاوے۔ سفہاء اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جاوے اور قراءت جاننے والوں کو چاہئے کہ ہر کس و ناکس کو سوائے روایت حفص اور تجوید کے کچھ نہ پڑھایا کریں۔

← کیوں کہ کسی چیز کا مشابہ ہونا بذات خود کوئی معنی نہیں رکھتا، مشابہت تو متغیرین میں ہوتی ہے، پس آواز کے امتیاز کو علماً یا علماً ختم کرنا واضح غلو ہے، بہر حال یہ آواز کا امتیاز کتابوں سے حاصل نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کا حصول ماہرین سے سماع پر موقوف ہے۔ میں نے پانی پت کے قراء حضرات جو کہ اس فن میں خاص امتیاز رکھتے ہیں، خود یہ حرف سنا ہے، ان کی ادائیگی میں صریح امتیاز محسوس ہوتا ہے، طاء سے بھی اور دال سے بھی۔ اور پانچویں شق کا جواب جو دیگر جوابوں کا تہمتہ بھی ہے: وہ یہ ہے کہ متاخرین کے فتویٰ کے مطابق فساد صلاۃ کا حکم عام نہیں ہے؛ بلکہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے، جو صحیح ادائیگی پر قادر ہو اور رہا وہ شخص جو صحیح ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس کی نماز اور اسی طرح اس کا صحیح خواں اور غلط خواں کی امامت کرنا بھی درست ہے، خواہ دال کی آواز سے پڑھے یا طاء کی آواز سے کہ وہ اس کی زبان بن چکی ہے، پھر غلط ادا کرنے کی صورت میں آیا ترجیح دال مخم کو ہوگی جو کہ اگرچہ غلط ہے؛ لیکن ممتاز ہے بخلاف طاء کے جو کہ ممتاز بھی نہیں یا (ترجیح) طائے مجہ کو ہوگی، جو کہ اگرچہ ممتاز نہیں ہے؛ لیکن قرآن کا حرف ہے، یہ گفتگو علیحدہ ہے اور دونوں جانب اہل علم کی ایک جماعت ہے۔

شہیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: قال الله تعالى: ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله
 عدوا بغير علم (۱)۔ في تفسير بيان القرآن۔

اس سے قاعدہ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح (بلکہ مستحب بھی ۱۲ منہ) جب حرام کا سبب بن جائے وہ حرام ہو جاتا ہے الخ۔ (وہذا المبحث كله صالح لأن يلاحظ فيه ۱۲)

وروى البخارى عن عليّ قال: حدثوا الناس بما يعرفون أتحبون أن يكذب الله
 ورسوله (۲)۔ في حقيقة الطريقة۔

بعضے بیباک عوام کے سامنے بے تکلف و دقائق بیان کر بیٹھتے ہیں، بعضے عوام ان کی تکذیب کرتے ہیں
 اور بعضے قواعد مشہورہ شرعیہ کے منکر ہو جاتے ہیں، سو ہر حال میں اللہ و رسول کی تکذیب کا تحقق ہوا۔ والشانہ
 اشد من الأول۔ اس حدیث میں اس عادت کی ممانعت ہے۔

وروى مسلم عن ابن مسعود أنه قال: ما أنت بمحدث قوما حديثا لا يبلغه عقولهم
 إلا كان لبعضهم فتنة (۳)۔ في حقيقة الطريقة۔

اس حدیث سے بھی وہی مضمون ثابت ہوتا ہے جو اس کے قبل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔
 ص: ۸۲ وفي ردالمحتار تحت مسألة كراهية تعيين السورة في الصلوة من
 الدرالمختار: ما نصه حاصل كلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهية في المداومة،
 وهو أنه إن رأى ذلك حتما يكره من حيث تغيير المشروع، وإلا يكره من حيث إيهام
 الجاهل. ج: ۱، ص: ۵۶۸ (۴)۔

.....

(۱) سورة الأنعام، آيت: ۱۰۸۔

(۲) بخاري شريف، كتاب العلم، باب من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لا
 يفهموا، النسخة الهندية ۱/ ۲۴، رقم: ۱۷۳، ف: ۱۷۳۔

(۳) مسلم شريف، مقدمة، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع، النسخة الهندية ۱/ ۹۔

(۴) الدرالمختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/

۲۶۶، کراچی ۱/ ۵۴۴۔

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

آیت اور حدیث اور فقہ سب سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ جس عمل سے عوام و جہلاء میں مفسدہ و فتنہ اعتقاد یہ یا عملیہ قالیہ یا حالیہ پیدا ہو اس کا ترک خواص پر واجب ہے، باقی فتنہ کا حدوث یا عدم حدوث یہ مشاہدہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ سوال میں بعض حالات میں جو فتنہ سبب پر مرتب ہوتا ہوا مذکور ہے وہ مشاہدہ ہے، پس فتویٰ شرعی ہوگا۔ کہ خاص ان احوال میں سبب کا استعمال ممنوع ہوگا۔ اور اگر اس کے ساتھ قاری کی نیت بھی اظہار علم و دعوائے کمال و ریاء و تصنع و تفاخر ہو تو یہ فتنہ اس کے لئے مزید برآں ہے؛ لہذا اس باب میں جو مشورہ سوال میں مذکور ہے۔ واجب الاتباع ہے۔

۱۴ رذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۴۱)

بیان القرآن کی عبارت پر شبہ کا جواب اور ابن مسعودؓ کی قراءت کو دوبارہ نقل کرنا

سوال (۲۴۳): قدیم ۱/ ۲۹۷۔ بیان القرآن کے منہیہ میں ابن مسعودؓ کی قرأۃ علی

الوارث ذی الرحم بلا سند ذکر کیا ہے؟

الجواب: میں نے تفسیر مظہری (۱) سے لیا ہے۔ جس کو نقل کر کے مفسر لکھتے ہیں: کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصل قاعدہ پر عمل کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت سے کتاب کی تخصیص اور اس پر کچھ زیادتی جائز ہے۔ اور ”ہدایہ“ میں بھی اس قراءت کو نقل کیا ہے۔ پس اگر شبہ احقر کی کتاب پر ہے، تو اس کا جواب اس قدر کافی ہے کہ اس کا ماخذ فلاں کتاب ہے۔ اور اگر شبہ ان کتابوں پر ہے، تو اس کی تصریح ہونا چاہئے، تاکہ دوسرا جواب دیا جائے۔

۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس ص ۱۴۹)

(۱) قال أبو حنيفة: وهو الظاهر المتبادر من الآية لا غبار عليه، غير أن أبا حنيفة قيد الوارث بذی رحم محرم، فخرج بهذا القيد العتق وابن العم ونحو ذلك، ووجه التقييد قراءة ابن مسعود، وعلى الوارث ذی الرحم المحرم مثل ذلك فقد ذهب أبو حنيفة على أصله أن قراءة ابن مسعود يجوز به تخصيص الكتاب والزيادة عليه الخ. (تفسير مظہری، سورة البقرة، النسخة الهندية، قدیم ۱/ ۳۲۵، جدید ۱/ ۳۵۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

”ذاقا“، ”قالا الحمد“ وغیرہ تشنیہ میں الف کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کی تحقیق

سوال (۲۴۴): قدیم ۱/۲۹۸ - (الف) تشنیہ کا جیسے: ”الف“ ”ذاقا الشجرة، وقالوا الحمد لله الذی“ کا۔ اور ”واو“ جمع کا جیسے: ”وقالوا الحمد لله وفعولوا الخیر“ کے درج کلام میں ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اسکو پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اس باب میں کوئی معتبر سند (*) میری نظر سے نہیں گزری؛ البتہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب نے اپنے بعض رسائل میں موقع التباس میں الف تشنیہ کے کسی قدر اظہار کو لکھا ہے۔ مگر ”واو“ جمع میں نہیں لکھا، مگر چونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی؛ لہذا اس پر میرا معمول نہیں۔ اور التباس تو بعض جگہ واد جمع میں بھی ہے جیسے: ”قل ادعوا اللہ أو ادعوا الرحمن“ (۱) حالانکہ وہاں کوئی قائل نہیں۔ اور رفع التباس کیلئے قرینہ سیاقیہ کافی ہے۔ واللہ اعلم

۲۵ رجب ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۱۲ ج ۱)

سوال (۲۴۵): قدیم ۱/۲۹۸ - پارہ انیس میں جو رکوع ہے: ”ولقد اتینا داؤد وسليمان علما وقالوا الحمد لله الذی“ عرض یہ ہے کہ لفظ ”قالا الحمد“ میں ”الف“ کھینچا جاویگا

(*) ”خلاصۃ البیان“ ص: ۲۴ میں ہے:

وأما إشباع الحركة بعد حذف المدة في نحو: واستبقا الباب، وقالوا الحمد، فليس بثابت عندنا مع مخالفة العربية، واحد أركان القرآن موافقة العربية. اه
یعنی ”استبقا الباب“ اور ”قالا الحمد“ میں حرف مدہ (الف) حذف کرنے کے بعد الف سے پہلے حرف کے زبر کو تھوڑا سا بڑھا کر پڑھنا ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے، نیز ایسا کرنا قوانین عربیہ کے بھی خلاف ہے اور قوانین عربیت کی موافقت ہی پر قرآن کی بنیاد ہے۔ اه
مزید تفصیل کے لئے رسالہ ”تعلیم القرآن“ ص: ۳۳، مصنفہ قاری محمد اکرم الہی علی گڑھی ملاحظہ فرمایا جائے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

(۱) سورة بني إسرائيل، آیت: ۱۱۰ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یا نہیں؟ ”قالال“ ہے یا ”قال“ ہے؟ تو صیغہ تشنیه کا نہ رہے گا؟ اور اگر ”قالال“ ہے تو اجتماع ساکنین ہو گیا یہاں حافظوں سے معلوم کیا تو اختلاف ہے، کوئی ”قالال“ کہتا ہے۔ اور اکثر ”قال“ کہتے ہیں تو حضور اس کی تصحیح فرمائیں۔

الجواب: میں ”الف“ نہیں پڑھتا ہوں اور نہ آج تک الف پڑھنے کی کوئی دلیل ملی اور یہ شبہ عجیب ہے کہ تشنیه نہ رہے گا، کیا تشنیه کا ”الف“ کسی عارض سے لفظاً ساقط نہیں ہو سکتا ورنہ لازم آتا ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں ”قل ادعوا اللہ“ میں بھی ”واو“ ظاہر کر کے پڑھا کریں، ورنہ جمع نہ رہے گا؛ حالانکہ وہاں واو پڑھنے کا کوئی بھی قائل نہیں، اگر کسی کو شبہ التباس کا ہو تو خصوصیت مقام اس کا دافع ہے، ورنہ ”قل ادعوا اللہ“ میں بھی التباس بمفرد کا اعتبار کرنا چاہئے، اگر سماع عن القراء سے استدلال کیا جاوے تو اس کے خلاف بھی مسموع عن القراء ہے۔

۲۴ / جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۳۸ ج ۱)

تحقیق اخفاء (*)

سوال (۲۴۶): قدیم ۱/ ۲۹۹ - کیا یہ صحیح ہے کہ اخفاء میں نون ساکن یا تنوین کو اس طرح ادا کرے کہ کچھ نون ساکن یا تنوین نکلے اور کچھ وہ حرف نکلے جو نون ساکن یا تنوین کے بعد ہے۔ مثلاً رنگوں اور رنگت وغیرہ؟

الجواب: صحیح ہے؛ کیونکہ حقیقت اخفاء کی بین الاظہار والادغام (۱) ہے۔ اور اظہار میں نون خالص ہوتا ہے (۲) اور ادغام میں بالکل نہیں رہتا گو غنہ ہو سو یہ بین بین ہوگا۔ فقط

۲۵ / رجب ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۱۲ ج ۱)

(*) اخفاء کے طریق اداء سے متعلق مفصل بحث نمبر: ۲۶۴ برسالہ ”التدقیق الجلی“ میں آرہی ہے۔ ۱۲ - سعید احمد پالن پوری

(۱) ثم اعلم أن الإخفاء حال بين الإظهار والإدغام الخ. (المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية، مطلب بيان أن الإخفاء حال بين الإظهار والإدغام، مكتبة ارگ بازار قندهار افغانستان ص: ۴۴)

(۲) يطلق علماء التجويد كلمة إظهار ويريدون بها إخراج الحرف من مخرجه بغير غنة ولا إدغام. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۵ / ۱۷۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

”اذ ظلموا“ کے نطاء میں ادغام کی تحقیق

سوال (۲۴۷): قدیم ۱/۲۹۹ - ”ولو انهم اذ ظلموا“ میں کیا ادغام ذال کا نطاء سے ہوگا؟ بعض قرآن میں نطاء پر تشدید ہے؟

الجواب: ”اذ ظلموا“ میں بالاتفاق ادغام ہے۔ ”كما في غيث النفع المدغم اذ ظلموا للجميع“ (۱)۔ اور چونکہ پہلا حرف ساکن ہے، یہ اصطلاح میں ادغام صغیر کہلاتا ہے۔ یہ بھی ”غیث النفع“ کے مقدمہ میں ہے اور عبارت سابقہ کے بعد جو (ک) لکھا ہے جو رمز ہے ادغام کبیر کا۔ یعنی جہاں حرف اول متحرک ہو یہ مابعد کے مواقع کیلئے ہے۔ یہ تعریف اور اصطلاح بھی مقدمہ میں ہے (۲)۔
(النور صفحہ ۸ محرم ۱۳۵۸ھ)

بعض اوقاف پر شبہ کا جواب

سوال (۲۴۸): قدیم ۱/۳۰۰ - ”اذ يعدون في السبت“ اذ ظرف ہے القریہ کا، یعنی ”واستلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر“ میں جو قریہ ہے اس میں مضاف محذوف ہے ”اذ يعدون“ ظرف ہے اس مضاف کا تو ”اذ“ کو قریہ سے فصل کرنا جائز ہوا، یعنی بحر کو ”اذ“ سے ملا کر پڑھنا چاہئے۔ پھر بحر پر وقف کیا علماء نے بے تحقیق لکھ دیا ہے یا کوئی وجہ ہے، تو بیان کریں۔ یہ تو سورہ اعراف میں ہوا۔ اسی طرح سورہ مؤمنون میں ”اعناب“ پر وقف لازم کہتے ہیں؛ حالانکہ یہ وقف بھی قبیح ہے؛ کیونکہ

(۱) غیث النفع في القراءات السبع، سورة آل عمران، مكتبة دارالعلوم فلاح دارین گجرات، ص: ۸۳ -

(۲) وإذا فرغت من الإمامة أقول: المدغم وأذكر الإدغام الصغير أولاً، ثم أرسم (ک) إشارة إلى الإدغام الكبير، وأذكره بعد ذلك، والصغير ما كان أول الحرفين ساكناً، والكبير ما كان متحركاً. (غیث النفع في القراءات السبع، مصطلح الكتاب، مكتبة دارالعلوم فلاح دارین گجرات: ص: ۱۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

”جنات“ مفعول ہے ”انشانا“ کا یقیناً اور ”و شجرة تخرج“ معطوف ہے جنات پر معطوف اور معطوف علیہ میں فصل کرنا خصوصاً جب مفردات ہوں جملہ نہ ہوں ناجائز ہے، تو ”انشانا“ سے ”للا کلین“ تک وقف کرنا ناجائز ہوا تو ”اعناب“ پر بھی وقف ناجائز ہوا، ناجائز کو لازم کہنا معاذ اللہ سخت گناہ؛ بلکہ اگر دیدہ و دانستہ کہے تو کافر ہو جاوے۔ مثلاً لیس اجنبیہ ناجائز ہے۔ اور اگر کوئی اس کو واجب کہے تو کافر ہو جائیگا باتفاق مسلمین۔

الجواب: اول چند مقدمات سمجھ لینے چاہئیں۔

مقدمہ اول: رؤس آیات کے علاوہ کہ وہ مثل قراءت سبعہ کے توقیفی ہیں اور اس میں جو اختلاف ہے وہ بناء علی اختلاف الروایات ہے اور باقی جتنے اوقاف ہیں، سب امور اجتہادیہ و ذوقیہ ہیں اور ذوق لسانی سے ہر لغت میں یہ فصل وصل مواقع مختلفہ میں استعمال کیا جاتا ہے اور ان میں اختلاف بناء علی اختلاف التفسیر والتأویل والاعراب ہے، مثل اختلاف مسائل قیاسیہ حنفیہ و شافعیہ کے اسی بناء پر اوقاف کے باب میں ائمہ قراءت کی اصطلاح جدا جدا ہیں۔ چنانچہ بعض کے نزدیک یہ انواع ہیں۔ تام۔ اتم۔ کافی۔ اکفی۔ حسن۔ احسن۔ صالح۔ اصلح۔ قبیح۔ اقبح۔ اور امام سجاوندیؒ کی یہ اصطلاحیں ہیں۔ مطلق۔ جائز۔ مجوز۔ مرخص۔ اور اس مطلق کی ایک قسم لازم ہے۔ اور بعض کی یہ اصطلاحیں ہیں تام شبیہ۔ بتام۔ ناقص۔ شبیہ۔ ناقص حسن۔ شبیہ۔ بحسن قبیح۔ شبیہ۔ بقبح، چنانچہ یہ اصطلاحیں منار الہدیٰ میں موجود ہیں، جن کے عنوانات و معنونات و مواضع تعیین سب مختلف ہیں۔

مقدمہ دوم: وقف لازم میں لزوم بمعنی وجوب یا فرضیت نہیں ہے؛ بلکہ بمعنی استحسان مؤکد ہے اور مدار اس لزوم کا ایہام پر ہے، اگر وصل موہم ارادہ غیر مراد ہو وہاں وقف لازم سمجھا جاتا ہے۔

مقدمہ سوم: اسی طرح وقف قبیح میں قبیح بمعنی لزوم کفر یا معصیت نہیں؛ بلکہ بمعنی عدم استحسان ہے اور مدار اس لزوم کا بھی ایہام پر ہے جہاں فصل موہم ارادہ غیر مراد ہوتا ہے وہاں وقف قبیح سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ہر دو مقدمہ کی دلیل منار الہدیٰ میں ہے:

إذا علمت هذا عرف بطلان قول من قال: لا يحل لمن يؤمن بالله واليوم الآخر أن يقف على سبعة عشر موضعاً، فإن وقف عليها وابتدأ ما بعدها، فإنه يكفر، ولم يفصل والمعتمد ما قاله العلامة النكزاي: أنه لا كراهة إن جمع بين القول والمقول؛ لأنه تمام

قول اليهود والنصارى، والواقف على ذلك كله غير معتقد لمعناه إنما هو حكاية قول قائلها حكاها الله عنهم، ووعد الحق الله بالكفار، والمدار في ذلك على القصد وعدمه، وما نسب لابن الجزري من تكفير من وقف على تلك الوقوف، ولم يفصل ففي ذلك نظر نعم إن صح عنه ذلك حمل على ما إذا وقف عليها معتقدا معناه؛ فإنه يكفر سواء وقف أم لا إلى آخر ما قال وأطال، وفيه أيضا القبيح وهو ما اشتد تعلقه بما قبله لفظا ومعنى، ويكون بعضه أقبح من بعض نحو إن الله لا يستحي فويل للمصلين فإنه يوهم غير ما أراده الله تعالى، فإنه يوهم وصفا لا يليق بالباري سبحانه وتعالى، ويوهم أن الوعيد بالويل للفريقين وهو لطائفة مذكورين بعده إلى آخر ما قال: وأطال (۱) وفي الجزرية: وليس في القرآن من وقف واجب، ولا حرام غير ماله سبب، وقال الملا على قاري في شرح البيت: وحاصل معنى البيت بكماله أنه ليس في القرآن وقف واجب يأثم القاري بتركه، ولا وقف حرام يأثم بوقفه؛ لأنهما لا يدلان على معنى فيختل بذهابهما إلا أن يكون لذلك سبب يستدعى تحريمه، وموجب يقتضى تحريمه، وكان يقصد على مامن الله وإنى كفرت ونحوهما كما سبق من غير ضرورة إذ لا يقصد ذلك مسلم واقف على معناه، وإذا لم يقصد لا يحرم عليه لا الوصل ولا الوقف في مبناه (۲)۔ اور بناء علی المقدمة الاولى ممکن ہے کہ اس ایہام میں آراء مختلف ہوں۔

مقدمہ چہارم: امور اجتہادیہ میں اختلاف کرنے سے تفصیل یا تفسیق نہیں ہو سکتی، ورنہ تمام مجتہدین پر عافیت تنگ ہو جاوے گی۔

مقدمہ پنجم: في منار الهدى يظلمون كاف شرعاً جائز (۳)۔ وفيه أيضا:

(۱) منار الهدى في الوقف والابتداء، مطلب: مراتب الوقف، ص: ۹-۱۰۔
(۲) المنح الفكرية على المقدمة الجزرية، مطلب: بيان أن الوقف على رؤوس الآمي سنة، مكتبة ارگ بازار قندهار ص: ۶۲۔

(۳) منار الهدى في الوقف والابتداء، سورة الأعراف، ص: ۱۲۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

واعناب جائز، ومثله كثيرة ومنها: تأكلون كاف على أن قوله: وشجرة منصوب بفعل مضمر تقديره، وأنشأنا شجرة وانبتنا شجرة، وليس بوقف إن عطفت شجرة على جنات، وحينئذ لا يوقف على وأعناب ولا على كثيرة ولا على تأكلون.

مقدمہ ششم (*): ”اذيعدون في السبت“ میں یہ بھی احتمال ہے کہ ”اذ“ ظرف ہو عامل مقدر کا اور یہ کلام متأنف ہو، یعنی جبکہ یہ کہا گیا: ”واسئلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر“۔ ماکان حالہم۔ تو اس پر قدرۃ یہ سوال پیدا ہوا کہ ”متی“ اس کا جواب دیا گیا ”اذ يعدون في السبت“۔ أي كانت تلك الحال ”اذ يعدون في السبت“ اور یہی احتمال سجاوندی کے ذہن میں رائج ہے۔

مقدمہ ہفتم: ”لکم فیہا فواکہ“ میں بھی استیناف کا احتمال قوی ہے؛ کیونکہ جب بطور انعام کے یہ کہا گیا: ”فانشأنا لکم به جنّ من نخيل واعناب“ تو یہاں سوال پیدا ہوا: ای نعمۃ کان لنا فی انشاءہا اس کا جواب دیا گیا ”لکم فیہا فواکہ كثيرة ومنها تأکلون“۔ سجاوندی نے اسی احتمال کو اختیار کیا ہے۔

مقدمہ ہشتم: چونکہ علم ووقوف نہایت دقیق علم ہے، جس میں بہت سے علوم کی ضرورت ہے؛ اس لئے بدوں جمیع ان آلات وعلوم کے محض تھوڑی سی مناسبت درسی علوم کے سبب اس میں کلام جائز نہیں جیسا جمیع اجتہادیات کا حال ہے، بعد تمہید ان مقدمات کے جواب سمجھنا چاہئے کہ سوال کے دونوں

(*) اصل کتاب مطبوعہ مجتہبائی دہلی میں اس جگہ دس مقدمات تحریر ہیں؛ لیکن اسی کے ساتھ ضمیمہ بنام ”تصحیح الاغلاط“ ص: ۱۸ میں اس مقام سے مقدمہ ہشتم نہم کو حذف کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور باقی مقدمات میں اور پھر اصل جواب میں جا بجا ترمیم و اصلاح فرمائی گئی ہے۔ احقر نے ”تصحیح الاغلاط“ کی ہدایات کے موافق دونوں مقدموں کو حذف کر کے اٹھ باقی رکھے اور دوسرے مقدمات پر بھی قابل ترمیم عبارات میں حضرت کی تحریر کردہ ترمیم درج کر دی، صرف تین مقدمات ایسے تھے کہ ان میں ضرورت ترمیم کا تو حضرت نے اظہار فرمایا مگر بعد ترمیم جو عبارت رکھی جائے وہ تحریر نہیں فرمائی؛ اس لئے ان مقدمات کو بعینہ قائم رکھ کر حضرت کی تحریر کو ان مقدمات کو بطور حاشیہ لکھ دیا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ۔

موقوفوں میں جو وقف لازم ہے وہ سجاوندی کے قول پر ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ وصل میں ایہام ”اذ“ کے ”واسئل“ کے متعلقات میں سے ہونے کا اور وہ سجاوندی کے ذہن میں خلاف مراد قرآنی ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک یہ جملہ مستأنف ہے جیسا کہ مقدمہ ششم میں ظاہر کیا گیا؛ اس لئے انھوں نے بحر پر وقف کیا اور ایہام اعناب کے موصوف اور جملہ ”لکم فیہا فواکہ کثیرۃ“ کی صفت ہونے کا الخ۔ یہ ایہام وقف سے مرتفع نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ وقف کسی طرح اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ اعناب کی صفت نہیں ہے؛ بلکہ نخل و اعناب مجموعہ کی یا جنات کی صفت ہے؛ لہذا استدلال یوں کر ناپا چھٹے کہ سجاوندی کے نزدیک یہ کلام مستأنف ہے جیسا کہ مقدمہ ہفتم میں ظاہر کیا گیا ہے اور وصل میں شبہ تھا جنات یا نخل و اعناب کی صفت ہونے کا جو کہ ان کے نزدیک خلاف مراد قرآنی تھا؛ اس لئے انھوں نے وقف کیا۔ رہا شبہ وقف کے قبیح ہونے کا سو وہ بیان بالا سے مندرج ہو گیا؛ کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عدم وقف میں سجاوندی کے نزدیک ایہام خلاف مراد ہے؛ اس لئے وقف ضروری ہوا نہ کہ قبیح۔ اور اگر محض فصل کو موجب قبیح کہا جاوے سو اسے تو یہ تفسیر قبیح کی کسی نے کی نہیں۔ اور اگر اس جدید اصطلاح کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو وقف کرنے ہی پر کیا موقوف (*) ہے خود موضوع ثانی میں فاصل ہونا اتنے بڑے کلام کا ”لکم فیہا فواکہ کثیرۃ و منها تآکلون“ لزوم قبیح کے لئے کافی ہونا چاہئے (بحکم مقدمہ ہشتم) بلکہ ایسا قبیح تو قرآن مجید میں صدہا (**) جگہ لازم آئے گا، مثلاً آیت مذکورہ وقیلہ میں کہ بنا بر قراءت نصب کے جو کہ قراءت متواترہ ہے حسب

(*) یہ اعتراض سائل پر وارد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ وہ ”لکم فیہا“ کو ”جنات“ وغیرہ کی صفت کہتا ہے، پس یہ فصل بالا جنبی نہیں ہے؛ لہذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے ۱۲۔ منہ

تصحیح الاغلاط میں اس جگہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کو ساقط لکھا ہے، مگر عبارت کتاب کی تغیر کی صورت نہیں لکھی؛ اس لئے احقر نے عبارت کو بعینہ قائم رکھ کر تصحیح کی عبارت کو حاشیہ بنا دیا، اسی طرح اس صفحہ کے دوسرے حواشی کا حال ہے۔ ۱۲۔ تصحیح غفی عنہ۔

(**) یہ اعتراض بھی سائل پر وارد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ جملہ معترضہ کا فصل فصل نہیں سمجھا جاتا، برخلاف لازم کے اس کی توضیح اس سے ہو سکتی ہے ”قتلت الیہود لعنہم اللہ تعالیٰ و اذا قہم عذاب الحریق الانبیاء“ بالاتفاق جائز ہے۔ اور ”قتلت الیہود و الانبیاء“ میں یہود پر وقف لازم صحیح نہیں؛ لہذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے۔ ۱۲۔ (تصحیح الاغلاط ۱/۱۹)

اختیار خفش جو نحو میں امام جلیل ہے قیلہ کا عطف ”سرهم و نجواهم“ پر تجویز کیا گیا ہے کہ جس میں عامل معمول میں سات آیات توقیفیہ اجماعیہ فاصل ہیں اور حسب قول زجاج ساعۃ پر عطف تجویز کیا گیا ہے کہ جس میں دو آیات کا فصل ہے (بحکم مقدمہ نم) پس اگر فصل مطلقاً موجب فتح ہو تو ان ائمہ اجلہ نے اتنی قبائح کا لزوم قرآن میں کیسے گوارا کیا۔ علاوہ (*) اس کے جو بناء شبہات کی ہے کہ ”اذیعدون“ میں ”اذ“ ظرف ہے، اس مضاف کا الخ یا شجوة مفعول ہے انشاءنا کا الخ اس میں خود کلام ہو سکتا ہے؛ اس لئے کہ یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ عامل ”اذ“ کا محذوف ہو، مثلاً ”کانت حاضرة“ یا ”وقعت القصة“ یا مثل اس کے جیسا قرآن میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں۔ پس بہر حال لزوم فتح کا کوئی مبنی نہیں پایا جاتا اور بعد اللّٰتیا واللّٰتیا اگر خواہ مخواہ کوئی فتح کا قائل ہی ہو اور کسی کو اس میں شرح صدر ہی ہو تو اس کی یہ تحقیق اپنے نفس پر حجت ہو سکتی ہے۔ قائلین باللزوم پر جن کا مستند دلیل صحیح ہے حجت نہیں (بحکم مقدمہ اول) پھر لمس اجنبیہ پر جو کہ حرام قطعی اجماعی ہے قیاس کرنا امر اختلافی اجتہادی کا اول تو غفلت ہے معنی لازم و فتح سے، پھر بوجہ فارق قطعیت و اجتہادیت کے کس طرح صحیح ہوگا (بحکم مقدمہ چہارم) چنانچہ صاحب منار نے کانت حاضرة البحر پر وقف ہی قرار نہیں دیا اور اعناب پر وقف جائز مانا (بحکم مقدمہ پنجم) لیکن اس قسم کا اختلاف جیسا صاحب منار نے امام سجاوندیؒ کے ساتھ کیا ہے ہم جیسوں کو کہ نہ اس قدر علم ہے اور نہ وہ ذکا نہ وہ سلامت نظر جائز نہیں۔ (بحکم مقدمہ دہم)۔ فقط واللہ اعلم۔

(کیم شعبان ۱۴۲۱ھ)۔ (امداد ص ۱۱۳ ج ۱)

علم تجوید و قراءت کے وجوب کی تحقیق

سوال (۲۴۹): قدیم ۳۰۵/۱۔ مدرسہ قراءت کی خدمت کیا کیا فضیلتیں رکھتی ہیں اور یہ علم

آیا واجب ہے یا مستحب؟

(*) یہ صحیح ہے مگر اس میں اتنا اضافہ اور ہونا چاہئے کہ سجاوندی نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے اور اسی بنا

پر وقف لازم کیا ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ ۱۲ منہ (فتح الاغلاط ۲۰/۱)

الجواب: قال الله تعالى: "وتعاونوا على البر والتقوى" (۱)۔ اس سے ہر امر خیر کی اعانت کا امر اور فضل ثابت ہے؛ البتہ احیاناً خیر میں شر منضم ہو جاتا ہے، اس کی اصلاح واجب ہے اور اس علم کے تین شعبے ہیں، تصحیح حروف بقدر امکان و رعایت وقوف بایں معنی کہ جہاں وقف کرنے سے معنی میں فساد و اختلال ہو وہاں وقف نہ کرے اور اضطرار میں غفویہ؛ لیکن ایک دو کلمہ کا اعادہ کر لینا احوط ہے یہ دونوں امر تو واجب ہیں علی العین اور جس کو سعی کرنے پر بھی حصول سے یاس ہو جاوے وہ معذور ہے۔ اور ایک شعبہ اختلاف قراءت ہے یہ مجموع امت پر واجب علی الکفایہ ہے، اگر بعضے جاننے والے موجود ہوں یا بعض ایک قراءت کے حافظ ہوں، بعض دوسری قراءت کے تو یہ واجب سب کے ذمہ سے ادا ہو جاتا ہے۔ ایک شعبہ ادغام و تخفیم و اظہار و اخفا وغیرہا کی رعایت ہے یہ مستحب ہے (۲)۔

یظهر هذا كله من المراجعة إلى كتب الفقه والقراءة. فقط والله اعلم

۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۱۴۰ ج ۱)

(۱) سورة المائدة، آیت: ۲ -

(۲) لاخلاف في أن الاشتغال بعلم التجويد فرض كفاية، أما العمل به فقد ذهب المتقدمون من علماء القراءات والتجويد إلى أن الأخذ بجميع أصول التجويد واجب يأثم تاركه، سواء أكان متعلقاً بحفظ الحروف مما يغير مبنائها أو يفسد معناها أم تعلق بغير ذلك مما أورده العلماء في كتب التجويد كالإدغام ونحوه، قال محمد بن الجزري في النشر نقلاً عن الإمام نصر الشيرازي: حسن الأداء فرض في القراءة، ويجب على القاري أن يتلو القرآن حق تلاوته، وذهب المتأخرون إلى التفصيل بين ما هو واجب شرعي من مسائل التجويد، وهو ما يؤدي تركه إلى تغيير المبنى أو فساد المعنى، وبين ما هو واجب صناعي أي أوجبه أهل ذلك العلم لتمام اتفاق القراءة وهو ما ذكره العلماء في كتب التجويد من مسائل ليست كذلك الإدغام والإخفاء الخ، فهو النوع لا يأثم تاركه عندهم، قال الشيخ علي القاري بعد بيانه: أن مخارج الحروف وصفاتها ومتعلقاتها معتبرة في لغة العرب، فينبغي أن تراعى جميع قواعدهم وجوبا فيما يتغير به المبنى، ويفسد المعنى واستحباً فيما يحسن به اللفظ، ويستحسن به النطق حال الأداء الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ←

کلام مجید کے اوقاف کا ثبوت

سوال (۲۵۰): قدیم ۱/۳۰۶۔ یہ جو رموز اوقاف قرآن شریف میں موجود ہیں اور معمول بہا قراء کے ہیں، ان کا کہیں سے ثبوت مثل آیت وسنت واجماع و قیاس ہے یا نہیں؟ اور جو شخص ان پر قصدِ عمل نہ کرے اس کے حق میں کیا حکم ہے؟

الجواب: آیات (*) و اوقاف کلام مجید کے کتاب وسنت واجماع و قیاس سے ثابت ہیں۔

أما الكتاب فقال الله تعالى: ورتل القرآن ترتيلاً (۱)۔

فرمایا حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے کہ معنی ترتیل کے یہ ہیں کہ تجوید حروف کی اور پہچاننا و قفوں کا (از مختصر التجوید مصنفہ قاری قادر بخش مرحوم) فی الصراح ترتیل ہموار خواندن و آرمیدہ و پیدا خواندن۔

وقال الله تعالى: ولقد اتيناك (**) سبع آيات. وهي الفاتحة. (بيضاوی ۱۲)

أما السنة فعن أم سلمة رض قالت: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقطع قراءته يقرأ الحمد لله

رب العلمين، ثم يقف، الرحمن الرحيم. ثم يقف. (ترمذی، ج: ۲، ص: ۱۳) (۲)۔

وعن أبي هريرة رض عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم أن سورة من القرآن ثلاثون آية شفعت لرجل حتى

(*) اس بحث میں احقر کی ایک تحریر مبسوط ہے جو رسالہ ”اثبات وقف لازم“ کے اخیر میں

چھپی ہے۔ ۱۲ منہ۔

(**) آیت بھی وقف بالمعنی الاعم میں داخل ہے۔ ۱۲ منہ۔

← ۱۰/ ۱۷۸-۱۷۹، وكذا في المنح الفكرية على المقدمة الجزرية، مطلب بيان تحتم الأخذ بالتجويد، مكتبة ارگ بازار قندهار افغانستان، ص: ۱۹-۲۰، وكذا في نهاية القول المقيد في علم التجويد، الفصل الأول في بيان حكم التجويد و حقيقته و موضوعه، مطبع المكتبة العلمية لاهور، ص: ۷-۸، وكذا في النشر في القراءات العشر، التجويد، مطبوعه مصطفى محمد مصر ۱/ ۲۱۱

(۱) سورة المزل، آیت: ۴۔

(۲) ترمذی شریف، أبواب القراءة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية

۱۲۰-۱۲۱، دار السلام، رقم: ۲۹۲۷۔

غفرله، وهي تبارك الذي بيده الملك. (ترمذی، جلد: ۲، ص: ۱۲۶) (۱)۔

وفي الحديث (*): من ضمن أن يقف على عشر مواضع في القرآن ضمنت له بالجنة كذا في الدرّة.

از ”نہایت البیان“ مصنف قاری سید محمدی دہلوی مرحوم۔ اور اجماع اس لئے کہ آج تک سلف وخلف میں سے کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا؛ بلکہ ہمیشہ اس فن میں تصنیفات فرماتے رہے۔ کما یعلم من مطالعة رسائل القراءۃ۔ اور قیاس یہ کہ کلام میں مواضع ومواقع وصل وفصل ہوا کرتے ہیں، تو منجملہ رعایات حسن کلام کے اس کی بھی رعایت ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ اہل زبان کو اس میں کچھ تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اور غیر زبان والے کو دشواری پڑتی ہے؛ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاجت اس کی تعلیم وتعلم کی نہ تھی جب قرآن شریف تمام ملکوں میں پھیلا اور ان کی زبان عربی نہ تھی؛ اس لئے خلط ملط کرنے لگے اور بے موقع اور غلط پڑھنے لگے، ان کے لئے علماء سلف نے اعراب قرآن و رموز اوقاف تجویز فرمائے اور ضبط کئے، تاکہ ان کو سہولت ہو، پس ثبوت اس کا ادلہ اربعہ شرعیہ سے ہے اور حتی الوسع اس کی رعایت ضروری ہے کہ بعض جا خلاف کرنے سے معنی بگڑ جاتے ہیں، چنانچہ سورہ براءت میں آیت: ”وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ“ (۲)۔ پڑھنا لازم ہے۔ اور اگر یہاں نہ ٹھہریں اور ”الذین امنوا وھاجر وھاجر“ کے ساتھ ملاویں تو بالکل معنی فاسد ہو جائیں گے۔

”کما لا یخفی وکفی قدوة بما قال النبی ﷺ ما رآہ المسلمون حسنا فهو عند اللہ حسن“ (۳)۔ اور جو قصد اُس کے خلاف کرے وہ مخالف جماعت ہے۔ واللہ اعلم۔

محرم ۱۳۰۷ھ (امداد ص ۱۴۱ ج ۱)

(*) یہ حدیث کتب حدیث میں نظر سے نہیں گذری۔ ۱۲ منہ۔

(۱) ترمذی شریف، أبواب فضائل القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب

ما جاء في سورة الملك، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۷، دار السلام، رقم: ۲۸۹۱۔

(۲) سورة التوبة، آیت: ۱۰۹۔

(۳) المعجم الأوسط، دار الفكر بیروت ۲/ ۳۸۴، رقم: ۳۶۰۲، مسند أحمد بن حنبل

بیروت ۱/ ۳۷۹، رقم: ۳۶۰۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۲۵۱): قدیم ۳۰۷/۱ - صرف یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں یہ (لا) علامت ہو، اس جگہ وقف کرنا یا نہ کرنا؟ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وقف فرماتے تھے، یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے (۱) لیکن علماء و حفاظ گجرات وقف سے یہاں منع کرتے ہیں؛ لہذا حضور سے دریافت کیا گیا۔

الجواب: نہ کرنا اولیٰ ہے مگر جہاں منقول ہو وہاں کرنا اولیٰ ہے۔

۹/ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۱)

موضع وقف میں وقف نہ کرنا

سوال (۲۵۲): قدیم ۳۰۷/۱ - وقف قراءت قرآن مجید موضع اوقاف میں بحر داسکان حروف موقوف علیہا بلا قطع انفس گزر جانا جیسے کہ عادت اکثر حفاظ کی ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شرعاً جائز ہے، یعنی گناہ نہیں لیکن عربیت و فن قراءت کے خلاف ہے (۲)۔ فقط۔

۹/ محرم ۱۳۳۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۴۲)

(۱) عن أم سلمة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقطع قراءته بقرأ: الحمد لله رب العلمين، ثم يقف: الرحمن الرحيم. ثم يقف، وكان يقرأها ملك يوم الدين. (ترمذي شريف، أبواب القراءة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۱۲۰/۲، دار السلام، رقم: ۲۹۲۷)

(۲) اللزوم والوجوب في محل الوقف عرفي كوجوب سائر أصول العربية الواجبة، فإن الوصل وكذا ضده الفصل أي الوقف من أحكام اللسان العربية، ومن ثم لا يجب ولا يحرم وقف ولا وصل شرعاً. (خلاصة البيان، الوقف، مطبوعه إمداديه ديوبند ص: ۲۸)

فالوقف على آية آية في الآيات الطوال أحسن وأفضل، والله أعلم، ولا دلالة في الحديث على وقفه صلى الله عليه وسلم كذلك فيما سوى الفاتحة مطلقاً، ولا على أنه كان لا يقف في أوساط الآيات أبداً، وإن سلمنا أنه صلى الله عليه وسلم كان يقف على آية آية فوجهه الدلالة على مقاطع الآيات دون لزومه، وأنه أفضل من الوصل مطلقاً. ←

حرف مشدد پر وقف کرنے کا طریقہ

سوال (۲۵۳): قدیم ۱/۳۰۷ - حروف مشدد پر وقف سکون کے ساتھ کیا جائے یا بلا اشارہ تشدید اور اس حکم میں (را) و (نون) اور باقی حروف میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: قدرے تشدید کا اثر ظاہر ہونا چاہئے خواہ کوئی حرف ہو۔ فقط۔

۹ محرم ۱۳۲۶ھ (تمہ اولی ص ۴۲)

سورۃ النعام کی دو آیتوں کے وقف پر شبہ کا جواب (*)

سوال (۲۵۴): قدیم ۱/۳۰۸ - اوقاف سجاوندی میں اکثر خلجان ہوتا ہے، پہلے بھی عرض کیا ہے، اس وقت دو جگہ خلجان ہے، اگر خیال مبارک میں کوئی توجیہ آوے یا کسی کتاب میں نظر پڑے تو اعلام فرمادیں۔

(*) اصل کتاب میں یہ عنوان لکھا ہوا ہے: (الأسئلة الموصولة من بعض الأخلاء الأجلة مد فیوضهم).

← (إعلاء السنن، أبواب، باب ماجاء في وجوب تجويد القرآن و معرفة أوقافه و ما يناسبه، دارالكتب العلمية بيروت ۱۵۷/۴)

و أما قول علماء القراءة: الوقف على هذا واجب أو لازم أو حرام أو لا يحل أو نحو ذلك من الألفاظ الدالة على الوجوب أو التحريم، فلا يراد منه ما هو مقرر عند الفقهاء مما يثاب على فعله، ويعاقب على تركه أو عكسه، بل المراد أنه ينبغي للقاري أن يقف عليه لمعنى يستفاد من الوقف عليه، أو لئلا يتوهم من الوصل تغيير المعنى المقصود أو لا ينبغي الوقف عليه، ولا الابتداء بما بعده لما يتوهم من تغيير المعنى أو رداءة التلفظ ونحو ذلك، وقولهم لا يوقف على كذا، معناه أنه لا يحسن الوقف عليه ضاعة، وليس معناه أن الوقف عليه حرام أو مكروه، بل خلاف الأولى، إلا أن تعمد قاصدا المعنى الموهم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰ / ۱۸۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وَقَسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَنْ جَائَتْهُمْ آيَةٌ لِّیُؤْمِنُوْنَ بِهَا قُلْ اِنَّمَا الْآیَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا یَشْعُرُكُمْ اِنَّهَا اِذَا جَاءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۱)۔

جملہ ”وما یشعرکم“ تا ”لا یؤمنون“ برقرارت اَنّ مفتوحہ ماقبل سے منقطع ہے داخل مقولہ قول نہیں معلوم ہوتا۔ اور در صورت عدم وقف شبہ ہو سکتا ہے کہ داخل مقولہ ہو؛ لہذا بظاہر عند اللہ پر وقف لازم ہو، مگر کسی قرآن یا کتاب میں وقف نہیں لکھا۔ حضرت نے اپنی تفسیر شریف میں اس آیت کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی تحریر فرمادیں تو بہت ہی اچھا ہو۔

(۲) الْاِیْمَانُ مِنْ اَفْکِهِمْ لَیَقُولُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَانْهَمُ لَکَاذِبُوْنَ (۲)۔

چونکہ بظاہر جملہ ”وانہم لکاذبون“ ماقبل سے بالکل منقطع ہے اور داخل قول نہیں؛ لہذا وقف لازم ہے؛ حالانکہ سجاوندی میں ”لا“ لکھا ہے تعجب ہے۔ ہاں اگر قول کے نیچے داخل کریں اور خلاف سیاق ضمیر ”وانہم مرسلین“ کی طرف پھیریں تو مضائقہ نہیں، مگر نہایت بعید معلوم ہوتا ہے اور ”منار الہدیٰ“ میں اس جگہ جائز لکھا ہے۔

الجواب: اول مکررہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عامر اور حمزہ نے قراء سبعہ میں سے انہما فتح اَنّ اور لا تو منون بصیغہ خطاب پڑھا ہے، تو اس صورت میں جملہ ”وما یشعرکم“ داخل مقولہ ہو سکتا ہے۔ ویکون المعنی ما یشعرکم اُی لاتعلمون بل یعلم اللہ تعالیٰ اُنہا اِذَا جَاءَتْ لَا تُؤْمِنُوْنَ۔ پس ممکن ہے کہ سجاوندی کی یہی قراءت ہو اور بقیہ قراءت پر بھی ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ قل کا مقولہ کفار نہ ہوں؛ بلکہ کفار کی قسم سن کر جن مسلمانوں کو ان کے ایمان کی طمع اور اس طمع سے تمنا ظہور آیات کی پیدا ہو گئی تھی، ان کو دونوں جملوں سے یعنی ”انما الآیات“ سے بھی اور ”وما یشعرکم“ سے بھی فہمائش کی گئی ہو اور کفار کو بوجہ ان کے معاند ہونے کے قابل خطاب نہ قرار دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

دوم: اس وقت اور بھی چند مواقع یاد آئے کہ جہاں کفار کا قول نقل کر کے اس کو رد کیا ہے اور دونوں کے درمیان وقف لازم نہیں ہے سو اس میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اصل سے عدول کسی نکتہ خاصہ کی وجہ سے ہو تو مضائقہ نہیں اور یہاں اصل وقف ہی تھا مگر نکتہ کی وجہ سے عدول کیا گیا اور وہ نکتہ وہی ہو جو شاید جناب

نے ایک بار فرمایا تھا کہ تجلیل تزیین حق و تجلیل ابطال باطل مقصود ہے۔ واللہ اعلم۔ علاوہ اس کے یہ اوقاف اجتہادی ہیں۔ والاحتیاد یحتمل الخطاء والصواب۔

اور یہ (*) بھی کہا جاسکتا ہے کہ وقف لازم وہاں ہوگا جہاں وقف نہ کرنا موہم خلاف مقصود ہو اور یہاں قرینہ عقلیہ اس ایہام کا قاطع ہے؛ کیونکہ عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ہی شخص ایک امر کا دعویٰ کرے اور خود ہی ساتھ ساتھ تصریحاً و التزاماً اس کا ابطال کرے یہ عادیہً ممنوع ہے۔ پس یہاں ”وانہم لکاذبون“ میں ضمیر تو یقیناً ان ہی قائلین کی طرف ہے۔ پس بناءً مذکور پر یہ ممنوع ہے کہ وہ لوگ ولد اللہ بھی کہیں اور اپنے کو اس میں کاذب بھی کہیں۔ علیٰ ہذا آیت ”وقالوا اتخذ اللہ ولداً سبخنہ“ (۱) میں بناءً مذکور پر یہ ممنوع ہے کہ وہ لوگ ”اتخذ اللہ ولداً“ بھی کہیں اور تزیین بھی کریں۔ پس چونکہ ایہام خلاف مقصود کا نہ تھا؛ لہذا ان مواقع پر وقف لازم نہ ہوا۔ واللہ اعلم

۴ شوال ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۴۲)

قراءت سبوعہ کی ضرورت کے سلسلہ میں رسالہ ”الامداد“ کی عبارت پر شبہ کا جواب

سوال (۲۵۵): قدیم ۱/۳۱۰ - رسالہ ”الامداد“ ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کے ص: ۷۱ کے مضمون کو جو آنحضور نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے پیش کر کے ایک صاحب بہت معترض ہوئے کہ لو تم کہتے ہو کہ فن سبوعہ قراءت کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور سب لوگوں کو کم و بیش ضرور سیکھنا چاہئے تاکہ اس علم دین کے فقدان و انعدام کا گناہ سب پر نہ ہو، میں نے ان کو جواب دیئے مگر ان کے نزدیک جواب اس درجہ کا نہیں ہے کہ قابل اطمینان سمجھا جاوے، احقر کو بھی اس مضمون کے دیکھنے سے ایک درجہ میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب یہ علم دین ہی خاص کر قرآن پاک کا علم ہے، جب عوام کی تشویش کے خیال سے اس کو ترک کیا جاوے گا تو پھر یہ کیوں کر قائم و رائج ہو سکتا ہے یہاں مجمع کثیر اہل علم کا ہے، مگر بوجہ ناواقفی ہی استعجاب تو درکنار اکثر استہزاء و انکار ہی کیا جاتا ہے، تو پھر کیوں کر اسکی بقاء و اجراء کا طریقہ اختیار کیا جائے

(*) اور نیز غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف لازم میں ایہام کفر سے بچنے کا اعتبار کیا گیا ہے، سواگر کفار کوئی بات ایمان کی کہیں تو یہ کفر نہیں؛ اس لئے ایسے مقام پر وقف لازم کا التزام نہیں کیا گیا۔ ۱۲ منہ۔

مثلاً بعض مقام پر تشہد میں اشارہ سبابہ کو بہت برا سمجھتے ہیں، تو ان کی اصلاح کی جاتی ہے اور اس کو مسنون ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ رہا اس جواب کے سوال میں جو خرابیاں ظاہر کی گئی ہیں، بیشک وہ ضرور واجب الاصلاح ہیں، نہ یہ کہ اس کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ ہی محذور قرار دیا جائے۔ قریب قریب ان معترض کے اعتراضوں کا یہی ماحصل ہے، احقر اپنے کمال اطمینان قلبی کے لئے یہ عریضہ ارسال کر رہا ہے۔

الجواب: سائل کے کلام میں صریح مشورہ ہے۔ اور جواب میں اس کی تقریر بھی کی گئی ہے کہ اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اس کا اچھا ہو تو اس کو سبب پڑھائی جاوے، سفہاء اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جاوے الخ۔ اور یہی حال اکثر فروض کفایہ کا ہے، مثلاً تخریج العلوم الشرعیہ کہ فرض کفایہ ہے؛ لیکن اس کے ساتھ یہ حدیث بھی ہے کہ:

واضع العلم في غير أهله كمقلد الخنازير اللؤلؤ والجواهر أو كما قال (۱)۔
اور مشاہدہ بھی ہے کہ بعض لوگ جو بدطینت ہیں اور وہ تحصیل علوم کر کے مقتدا بن گئے، ان سے کیا کیا مفاسد پیدا ہو گئے ہیں اور ان مفاسد کا انسداد بجز اس کے کیا ہے کہ نااہلوں کو اس رتبہ پر نہ پہنچایا جاوے یا منصب قضا کہ احادیث میں اس پر کس قدر وعیدیں آئی ہیں، باوجودیکہ فرض کفایہ ہے۔
وفي حديث أبي داود مرفوعاً: العرافة حق (أي واجب ولو على الكفاية) ولكن العرفاء في النار (۲) (إذا كانوا غير أهل لها)۔

(۱) عن أنس بن مالك - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلب العلم فريضة على كل مسلم، وواضع العلم عند غير أهله كمقلد الخنازير الجواهر، واللؤلؤ، والذهب. الحديث (ابن ماجة شريف، كتاب السنة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، النسخة الهندية، ص: ۲۰، دار السلام، رقم: ۲۲۴)

(۲) عن غالب القطان عن رجل عن أبيه عن جده أنهم كانوا على منهل من المناهل - إلى قوله - وقال: إن أبي شيخ كبير، وهو عريف الماء، وإنه يسألك أن تعجل لي العرافة بعده، فقال: إن العرافة حق ولا بد للناس من العرفاء، ولكن العرفاء في النار. الحديث (أبو داود شريف، كتاب الخراج والفيء والإمارة، باب في العرافة، النسخة الهندية ۲/ ۴۰۷، دار السلام، رقم: ۲۹۳۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور جو لوگ اس فن کے آج کل مخالف ہیں وہ تو نفسِ فن ہی کو فضول بتلاتے ہیں، ہر ایک کیلئے حتیٰ کہ اہل فہم کے لئے بھی اور ہر شعبہ کو حتیٰ کہ تجوید کو بھی فشتانِ بینما غرض منکرینِ مدعی دو کلیہ کے ہیں اور اس جواب میں التزام کیا گیا ہے دو جزئیہ کا اور ظاہر ہے کہ جزئیہ مستلزم کلیہ کو نہیں ہوتا اور سب سے کی فرضیت عامہ کا دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے، جبکہ خود ایک قراءت سے بھی اتمام قرآن کا فرض عین نہیں اور یہ ظاہر ہے۔

شوال ۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۶۷)

قرآن میں لفظ ابراہیم میں (یا) نہ لکھنے کی وجہ

سوال (۲۵۶): قدیم ۳۱۱/۱۔ قرآن شریف فرقانِ جمید میں سورۃ بقرہ میں پختنی جگہ لفظ ”ابراہیم“ آیا ہے، اس میں (ی) نہیں لکھا ہوا ہے، صرف کھڑا زیر (ابراہیم) دیا ہوا ہے اور علاوہ سورۃ بقرہ کے اور جس قدر تمام قرآن میں لفظ ”ابراہیم“ آیا ہے اس میں (ی) لکھا ہوا ہے، عجب مخمضے میں ہوں آیا معنی میں کچھ تفاوت ہے یا قراءت کا باعث ہے۔ امید کہ اس خادم الناس کو جواب سے سرفراز فرما کر ان کے بھید سے آگاہ فرمائے۔

الجواب: مخمضہ کی کوئی بات نہیں بعض مواقع میں ہشام کی قراءت ابراہام ہے (۱) سو بعض جگہ اس کی رعایت سے (ی) نہیں لکھی کہ دونوں قراءت کی رعایت ہو جائے۔ رہا یہ کہ سب مواقع میں یہ رعایت کیوں نہیں؟ سو نکتہ کا اطراد ضروری نہیں۔ فقط۔

۱۹/رمضان ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۴۴)

(۱) ہشام علیہ الرحمہ کی قراءت کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ: قرأ هشام إبراهيم في جميع هذه السورة، وهي خمسة عشر، في النساء، ثلاثة وهي الأخيرة، وفي الأنعام الحرف الأخير، وفي التوبة الحرفان الأخيران، وفي إبراهيم حرف، وفي النحل الحرفان، وفي مريم ثلاثة أحرف، وفي العنكبوت الحرف الأخير، وفي الشورى حرف، وفي الذاريات حرف، وفي النجم حرف، وفي الحديد حرف، وفي الممتحنة الحرف الأول، فذلك ثلاثة وثلاثون حرفاً، وجملة تسع وتسعون، وقرأ ابن ذكوان في البقرة خاصة بالوجهين، والباقيون إبراهيم بالياء في الجميع. (تفسير مظهری، سورة البقرة، آیت: ۱۲۴، قدیم زکریا ۱/۱۲۲، جدید زکریا ۱/۱۳۷-۱۳۸)

سوال (۲۵۷): قدیم ۳۱۱/۱ - بندہ کو اکثر کلام مجید کی تلاوت کرتے خیال ہوا اور ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم مبارک تمام کلام مجید میں ۷۷۱ جگہ پر آیا ہے، منجملہ ۷۷۱ کے ۷۷۱ مقام پر زیر کے ساتھ مرقوم ہے اور ۷۷۱ جگہ یا کے ساتھ، ابتدا میں خیال ہوا کہ کاتب نے اسی طرح لکھا، دس پانچ کلام مجید اور بھی دیکھے سب میں اسی طرح پایا۔ اب حیران ہوں کہ ضرور اس کی وجہ خاص ہوگی؟

الجواب: رسم خط سلف سے یوں ہی چلی آئی ہے جہاں (یا) نہیں ہے، بعض کی قراءت ابراہام ہے عجب نہیں کہ اس کی رعایت سے ابراہیم لکھا ہو، تا کہ دونوں طرح پڑھ سکیں ابراہیم اور ابراہیم (۱)۔ واللہ اعلم
۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۲۷)

سورۃ نور میں: ”رجال لاتلہیہم“ کے رجال پر وقف کی تحقیق

سوال (۲۵۸): قدیم ۳۱۲/۱ - سورۃ نور، رکوع پنجم: ”یسبح لہ فیہا بالغدو والأصال تا ذکر اللہ“ (۲)۔ ایک شخص نے لکھا ہے کہ ”رجال“ کے بعد سجاوندی نے وقف ط لکھا ہے۔ اور اکثر قرآن شریف مطبوعہ میں (لا) بنا ہے، یہ غلط ہے، ابو بکر وغیرہ جو لوگ تسبیح بصیغہ مجہول پڑھتے ہیں، ان کے نزدیک ”الأصال“ پر ط ہونا چاہئے اور ”رجال“ پر ”لا“ اور جو معروف پڑھتے ہیں ان کے نزدیک ”رجال“ پر ”ط“ ہونا چاہئے اور ”الأصال“ پر ”لا“۔ حفص کی قراءت میں رجال پر ”لا“ لکھنا غلط اور سہو کا تب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اکثر قرآن شریف میں رجال پر ”لا“ لکھا ہے اور بعض میں کچھ نہیں جو قریب المعنی ہے ”لا“ کے اور بتاؤ معنی بھی مشعر ہے کہ رجال پر حفص کے لئے بھی وقف فقیح ہو جس کی علامت ”لا“ ہے؛ اسلئے کہ جملہ ”لاتلہیہم“ صفت ہے؛ لہذا رجال پر وقف کرنے سے فصل بین الموصوف والصفة ہوگا جو فقیح

(۱) تفسیر ”روح المعانی“ میں امام ابن عامر علیہ الرحمہ اور ابن الزبیر علیہ الرحمہ کی قراءت ابراہام کے الفاظ کے ساتھ نقل کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وقرأ ابن عامر وابن الزبیر وغیرہما إبراہام، وأبو بکرۃ إبراہیم بکسر الہاء وحذف الیاء. (تفسیر روح المعانی، تفسیر سورة البقرة، آیت: ۱۲۴، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۵۹۰)
(۲) سورة النور، آیت: ۳۶-۳۷ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہے اور آیت بھی نہیں ہے، بس رجال پر ”ط“ بنانا مناسب ہے یا ”لا“ بہر حال تمام قرآن شریف مطبوعہ کا اتفاق موافق قیاس کے معتبر ہوگا۔ اور رسالہ سجاوندی میں رجال پر وقف مطلق سہو کا تب یا اختلاف نسخہ وغیرہ کا محمول ہوگا یا رسالہ سجاوندی معتبر ہوگا۔

الجواب: میرے نزدیک دونوں تو جیہ صحیح ہو سکتی ہیں، مشہور مصاحف کی تقدیر پر تو ظاہر ہے اور سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کی تقدیر پر۔ اس طرح کہ ”رجال“ کو موصوف نہ کہا جاوے؛ بلکہ بمعنی بعض کے لے کر کلام کو ختم کر دیا جائے۔ آگے جملہ استینافیہ بطور سوال کے کہا جاوے کہ وہ رجال کیسے ہیں؟ ایسے ایسے ہیں۔
فارتفع الإشکال۔

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ۔ یوم دوشنبہ (تمہ اولیٰ ص ۲۵)

سورہ یٰسین شریف میں ”من مرقدنا“ پر وقف لازم صحیح ہے یا سکتہ

سوال (۲۵۹): قدیم ۳۱۳/۱۔ سورہ یٰسین میں ”من مرقدنا“ پر اکثر قرآن شریف میں وقف لازم وغیرہ لکھا ہے۔ اور حفصؓ سے سکتہ منقول ہے، تو سکتہ لکھنا صحیح ہے یا وقف لازم ہے بصورت اختلاف رسالہ سجاوندی اور ”منار الہدیٰ“ کون زیادہ قابل اعتبار ہے؟

الجواب: میرے نزدیک دونوں میں تعارض نہیں؛ کیونکہ وقف لازم کا حاصل یہ ہے کہ وہاں فصل ہونا چاہئے بوجہ اس کے کہ وصل سے ایہام فساد معنی ہوتا ہے (۱) اور یہ غرض سکتہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، پس وقف باعتبار قطع نفس کے ضروری نہ ہوگا، اس طور پر تعارض نہ رہا۔

۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۵)

(۱) لأن الوقف والوصل لا يدلان على معنى حتى يختل بذهابهما، والحاصل منهما إيهام خلاف المراد في المواضع التي نهى عن الوقف عليها أو أمر به إنما هو لتوهم السامع استقلال ما بعدها أو اتصاله مع كونه خلاف الواقع، فليس التوهم من ذات الوقف والوصل الخ. (الفوائد التجويدية على شرح المقدمة الجزرية، باب الوقف والابتداء، مكتبه مطابع الرشيد مدينة منورة، ص: ۱۶۶)

وَأما قول علماء القراءة: الوقف على هذا واجب أو لازم أو حرام أو لا يحل أو ←

”فکانت سرابا“ میں ادغام کی تحقیق

سوال (۲۶۰): قدیم ۳۱۳/۱ - ”فکانت سرابا“۔ اس آیت شریفہ کی قراءت کس طرح پر ہے؟ یعنی فکانت کی ت ساکن رہتی ہے یا نہیں یا سین مشدد ہوتی ہے اور متوقف ہو جاتی ہے؟

الجواب: ابو عمرو حمزہ وکسائی کے نزدیک ت کانت کی س سرابا میں مدغم کر کے پڑھی جاتی ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک جن میں امام عاصم بھی ہیں، جن کی قراءت ہندوستان میں پڑھی جاتی ہے بلا ادغام پڑھی جاتی ہے۔ کذا فی المکررہ (۱)۔

۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تمتہ اولیٰ ۴۶)

جس حرف لین کا قبل مفتوح ہو اس میں مد کے سلسلہ میں ”تشطیط الطبع ووجوہ المثانی“ کی عبارت پر شبہ کا جواب

سوال (۲۶۱): قدیم ۳۱۳/۱ - رسالہ ”تشطیط الطبع ووجوہ المثانی“ کے متعلق ایک طالب علم کی یہ تحریر آئی ”تشطیط الطبع“ اور ”وجوہ المثانی“ میں مجھے کچھ شبہ ہے، وہ یہ کہ ”تشطیط الطبع“ ص: ۷ یائی

← نحو ذلك من الألفاظ الدالة على الوجوب أو التحريم، فلا يراد منه ما هو مقرر عند الفقهاء مما يثاب على فعله، ويعاقب على تركه أو عكسه، بل المراد أنه ينبغي للقاري أن يقف عليه لمعنى يستفاد من الوقف عليه، أو لئلا يتوهم من الوصل تغيير المعنى المقصود أو لا ينبغي الوقف عليه، ولا الابتداء بما بعده لما يتوهم من تغير المعنى أو رداءة التلفظ ونحو ذلك، وقولهم لا يوقف على كذا، معناه أنه لا يحسن الوقف عليه ضاعة، وليس معناه أن الوقف عليه حرام أو مكروه، بل خلاف الأولى، إلا أن تعتمد قاصدا المعنى الموهوم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰ / ۱۸۰، وكذا في التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثاني: مسائل زلة القاري، مكتبه زكريا ديوبند ۲ / ۱۰۵، رقم: ۱۸۶۹)

(۱) قوله تعالى: ”فكانت سرابا“ قرأ أبو عمرو وحمزة والكسائي بإدغام تاء التأنيث في السين، والباقيون بالألف. (المكررة فيما تواتر من القراءات السبع، سورة النبأ، مكتبه دار الكتب العربية مصر، ص: ۱۳۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مقدم اور لین مؤخر کے بیان میں یہ لکھا ہے کہ یائی میں فتح ہو تو لین میں طول ہوگا؛ حالانکہ ”غیث النفع“ ص: ۱۵۱ پر ”وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا“ کے تحت میں یوں لکھا ہے:

يَأْتِي عَلَى الْفَتْحِ فِي عَسَى التَّوَسُّطِ وَالطَّوِيلِ فِي شَيْءٍ وَيَأْتِيَانِ أَيْضًا عَلَى التَّقْوِيلِ (۱)۔
اور ”وجہ المثنائی“ ص: ۱۶۸ ”بَابُ الْهَمْزَيْنِ مِنْ كَلِمَةٍ“ میں یہ لکھا ہے: ہمزہ اول مفتوح ہو اور ثانی مکسور ہو، تو قالون و بصری کے لئے ادخال الف ہوگا؛ حالانکہ شاطبی نے ہشام کے لئے بھی خلف کے ساتھ لکھا ہے جیسے کہ ”ومدك قبل الفتح والكسر حجة. بها لذ وقبل الكسر خلف له ولا“ (۲)۔ فرمایا ہے۔ شرح ابن القاصح ص: ۶۱۔ فقط

الجواب: جواب یہ دیا گیا۔ کتاب مقدم ہے یا دیا سرسری مطالعہ پر دونوں مقام کی اصلاح مسلم ہے اگر کوئی صاحب ان رسالوں کو پھر چھاپیں وہاں حاشیہ پر متنبہ کر دیں اور مطلب غیث النفع کا تو ظاہر ہے اور شاطبیہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہمزہ ثانیہ مفتوحہ یا مکسورہ ہو تو بصری و قالون و ہشام جن کے ناموں کی طرف حاو با و لام سے اشارہ کیا گیا ہے اس کے اور ہمزہ اولیٰ کے درمیان میں بقدر ایک الف کے مد کرتے ہیں مگر ہشام سے خاص ہمزہ ثانیہ مکسورہ کی صورت میں ترک مد بھی مروی ہے۔

۲۲ ربیع الثانی جمعہ ۱۳۳۴ھ (ترجیع رابع ص ۷۷)

بعض قراءت پر نقص حسنات کے شبہ کا جواب

سوال (۲۶۲): قدیم ۳۱۴/۱ - فلاں مولوی صاحب نے اپنی کتاب میں بھی لکھا ہے اور وعظ میں بھی فرمایا ہے کہ ابو عبد اللہ محمد ابن شجاع ثلجی سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ میری عادت الحمد شریف پڑھنے میں ”مالک یوم الدین“ والی قراءت پڑھنے کی تھی، ایک دن میں نے ایک بڑے

(۱) غیث النفع فی القراءات السبع، سورة البقرة، مكتبة دارالعلوم فلاح دارین

گجرات، ص: ۵۶۔

(۲) الشاطبية المسمی بحرز الأماني ووجه التهاني في القراءات السبع، باب الهمزتين من

كلمة، مكتبة صوت القرآن، دیوبند ص: ۲۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عربی داں ادیب فاضل عالم سے سنا کہ وہ ”ملک یوم الدین“ بے الف والی قراءت پڑھتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ یہ بے الف والی قراءت نہایت فصیح بلیغ قراءت ہے، اس دن سے میں بھی ”ملک یوم الدین“ پڑھنے لگا وہ قراءت جس میں ایک الف زیادہ تھا موقوف کردی، ایک رات خواب میں دیکھا کہ ہاتف غیب مجھے پکارتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے بندے! تو نے ایک حرف قرآن شریف کا کیوں چھوڑا؟ دس نیکیاں تیری کم ہو گئیں، کیا تو نے فرمان عالی شان جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں سنا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والے کو ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں ملتی ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ وہ قراءت جس میں ”ملک یوم الدین“ ہے نہیں پڑھنی چاہئے؛ کیوں اپنی دس نیکیاں کم کرے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ اگر واقعی کم ہوں تو اس کو پڑھنا چاہئے یا نہیں۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ ”قل هو اللہ احد“ کو ”اللہ الصمد“ سے ملا کر اگر پڑھے یا ”نستعین“ کو ”اهدنا الصراط“ سے ملا کر پڑھے یعنی وصل کر کے پڑھے، تو نیکیاں کم ہوں گی بوجہ ہمزہ گرنے کے دونوں جگہ سے یا نہیں؟

الجواب: قرأتیں ساتوں متواتر اور منقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (۱) منقول کے اتباع میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا۔ حدیث میں آخر قرآنیہ کے باب میں ہے: ”کلھا شاف کاف“ (۲)۔

(۱) عن ابن عباسؓ حدثہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: أقرأني جبرئیل علی حرف فراجعته فلم أزل استزیده حتی انتھی إلى سبعة أحرف. (بخاری شریف، کتاب فضائل القرآن، باب أنزل القرآن علی سبعة أحرف، النسخة الهندیة ۲/ ۷۴۶، رقم: ۴۸۰۰، ف: ۴۹۹۱) فأصحاب القراءات المتفق علی تواترها سبعة، نافع المدنی، أبو عمرو البصری، ابن عامر الشامی، عاصم الکوفی، حمزة الکوفی، الکسائی الکوفی، ابن کثیر. (الموسوعة الفقهیة الكويتیة ۳۳/ ۴۴)

(۲) عن أبي سعيد الخدري -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إن القرآن أنزل علی سبعة أحرف، کلھا کاف شاف. (المعجم الأوسط، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۲۹۶، وكذا في مجمع الزوائد، باب القراءات، وكم أنزل القرآن علی حرف، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۵۲)

 رہا شبہ نقص ثواب بنقص بناء علی الحدیث (۱) سو نقص فی الکم سے نقص فی الکیف لازم نہیں آتا، کیا معلوم نہیں کہ ایک دونی باوجود دو اکئی سے ناقص فی العدد ہونے کے کیف و کمیت میں برابر ہیں۔ رہا خواب۔ سواول تو وہ حجت نہیں (۲)۔

دوسرے ان کو یہ تنبیہ اس لئے کی گئی کہ ایک قراءت کو مفضل سمجھ کر انھوں نے چھوڑا تھا، سوایک اعتبار سے اس کا فاضل ہونا بتلادیا۔ رہا وصل میں ہمزہ وصل کا کم ہو جانا سواول تو اس کا وہی جواب ہے جو ابھی لکھا گیا۔ دوسرے ممکن ہے کہ وہ حکماً ملفوظ ہونے کے سبب مکتوب الاجر ہو۔ واللہ اعلم۔ اشرف علی ۴ رشوال ۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۳۴)

رسالہ ”ضیاء الشمس فی أداء الهمس“ (*)

از قاری محمد یامین صاحب مدرس تجوید مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

(*) تلخیص و تسہیل :- اس رسالہ میں تاء اور کاف میں صفت ہمس ادا کرنے کا صحیح طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ جواب کے شروع میں ایک شبہ اور اس کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ کاف اور تاء کا ذکر مہموسہ اور شدیدہ دونوں میں آیا ہے؛ حالانکہ ہمس میں آواز کمزوری سے ٹھہرتی ہے اور شدت میں قوت سے، پس بظاہر ان دونوں میں ضدین کا اجتماع ہو رہا ہے جو محال ہے۔ اس شبہ کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ہمس کا تعلق سانس سے ہے، یعنی اس میں سانس جاری رہتا ہے اور شدت کا تعلق آواز سے ہے کہ وہ آواز کو بند کر دیتی ہے، پس جب بند ہونے اور جاری رہنے کا تعلق ایک ہی شئی سے نہیں ہے تو ضدین کے جمع ہونے کا خیال بھی صحیح نہیں ہے۔ ←

(۱) عبد اللہ بن مسعود یقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قرأ حرفاً من كتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: أ لم حرف، ولكن ألف حرف، ولام حرف، وميم حرف. (ترمذي شريف، أبواب فضائل القرآن، باب ماجاء في من قرأ حرفاً من القرآن ماله من أجر، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۹، دار السلام، رقم: ۲۹۱۰)

(۲) قال ابن العربي رؤيا الأنبياء حق، ومرادها حق من جملة شرائع الدين، ورؤيا غيرهم في الدين ليس بشيء. (أوجز المسالك، باب بدء الأذان، قديم ۱/ ۱۷۲)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

”کاف“، ”تا“ میں اداء ہمس کی کیفیت کا بیان

سوال (۲۶۳): قدیم ۱/۳۱۵ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و قراء قرآن مبین اس

← دوسرا جواب یہ ہے کہ شدت کے قوی ہونے کے سبب آواز بند ہو جاتی ہے، پھر ہمس کے ضعیف ہونے کے سبب سانس کسی قدر جاری ہو جاتا ہے، پس جب بند ہونا اور جاری ہونا یک وقت نہیں ہے تو تضاد نہ رہا؛ کیوں کہ تضاد کے تحقق کے لئے وحدت زمان شرط ہے (یہ دونوں جوابات عنایات رحمانی شرح شاطبیہ ۳/۵۴۵، میں ہیں) تیسرا جواب یہ ہے کہ کمزوری اور قوت اضافی اور اعتباری ہے، یعنی کاف و تاء میں کمزوری صفت جہر کی بنسبت ہے اور قوت صفت رخوہ کی نسبت ہے؛ لہذا نسبتوں کے بدل جانے سے تضاد ختم ہو گیا؛ کیوں کہ شرائط تضاد میں سے اتحاد نسبت بھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ کاف و تاء میں صفت ہمس تو حقیقی ہے، یعنی ان کے ادا کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسی کمزوری کے ساتھ ٹھہرے گی کہ سانس جاری رہ سکے اور آواز میں پستی ہو جائے؛ لیکن سانس کا جاری ہونا بخوبی نہیں ہوتا؛ بلکہ بہت ہی کم ہوتا ہے، حتیٰ کہ بعض مجودین نے تو ان کو مجبورہ کہا ہے۔

اور سانس کے ضعف کے ساتھ جاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سانس کا جاری ہونا اور بند ہونا صفات عرضیہ میں سے ہے؛ لہذا ان کا ظہور حالت سکون ہی میں ہوگا اور جب حروف متحرک ہوں گے تو یہ سانس کا جاری ہونا اور بند ہونا غایت درجہ خفاء میں ہوگا کہ خود قاری کو بھی اس کا احساس نہ ہوگا؛ بلکہ معدوم کہنا چاہئے، ہاں جب کاف اور تاء ساکن ہوں گے تو اس میں سانس کا جاری ہونا نہایت ضعف کے ساتھ ضرور ہوگا؛ کیوں کہ ان میں صفت شدت بھی ہے؛ لہذا جب آواز ٹھہرے گی تو سانس بھی ضرور ٹھہر جائے گا اور جب آواز اور سانس دونوں بند ہو گئے تو مخرج کو جنبش ہوئے بغیر وہ حروف سننے نہیں جاسکتے؛ اس لئے قطب جد میں جو کہ مجبورہ میں جنبش قوت کے ساتھ رکھی گئی ہے؛ لیکن کاف اور تاء میں چونکہ صفت ہمس ہے؛ اس لئے نہایت ضعف و نرمی کے ساتھ رکھی گئی ہے، تاکہ آواز میں ضعف و خفاء قائم رہے۔

لیکن اس میں پوری احتیاط سے کام لینا چاہئے اور خیال رکھنا چاہئے کہ جنبش ضعیف سے جو سانس جاری ہو اس کے ساتھ آواز جاری نہ ہو جائے؛ کیوں کہ ایسا ہونے سے کاف کے بجائے ”کھ“ اور تاء کے بجائے ”تھ“ ادا ہوگا، پس جو حضرات ”ایا کھ“ اور ”أنعمتہ“ پڑھتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اس طرح کر کے کاف اور تاء کی صفت ہمس کو ادا کرتے ہیں وہ حضرات بالکل غلطی پر ہیں ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

مسئلہ میں کہ حرف کاف و تا جو حروف مہموسہ سے ہیں، ان کی صفت ہمس کے کیا معنی ہیں اور کس طرح ادا کی جاتی ہے؟ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ کاف و تا کی صفت ہمس کسی کو ادا کرنی نہیں آتی اور وہ خود اس طرح ادا کرتے ہیں کہ کاف و تا ساکن و متحرک میں ہاء ہوز کی آواز سنائی دیتی ہے، آیا یہ آواز صحیح ہے یا نہیں؟ نیز وہ صاحب اپنی کیفیت اداء کی تائید میں کتاب ”جہد المقل“ کی عبارت ذیل پیش کرتے ہیں۔

وأما الشديد المهموس فهی حرفان الکاف والتاء المثناة الفوقية فلشدتهما یحتبس صوتهما بالکلیة بل نفسهما أیضاحین احتباس صوتهما؛ لأن احتباس الصوت بالکلیة لا یكون إلا باحتباس النفس بالکلیة؛ لأن حقيقة الصوت هی النفس، ثم ینفتح مخرجاهما، ویجری فیہما نفس کثیر مع صوت ضعیف لیحصل الهمس اه (۱)۔

آیا اس عبارت سے ان صاحب کی اداء کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو یہ قول قابل عمل ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: ہمس مقابل ہے جہر کا، جہر لغت میں آواز قوی و بلند کو کہتے ہیں۔ اور ہمس آواز ضعیف و خفی کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح قراء میں یہ دس حروف جن کا مجموعہ فحشہ، شخص، سکت ہے۔ حروف ہمس اور مہموسہ کہلاتے ہیں؛ کیونکہ ان حروف کے اداء کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ سانس جاری رہتا ہے اور آواز ضعیف و خفی ہوتی ہے، اسی سے جہر کی تعریف اور حروف بھی مقابلہ معلوم ہو گئے۔

كما قال العلامة علي القاري: الهمس في اللغة الخفاء، وسميت حروفه مهموسة لجريان النفس معها لضعفها، ولضعف الاعتماد عليها عند خروجها وضدها المجهورة. اه (۲)۔ (منح الفكرية علی متن الجزرية، مطبوعه مصر، ص: ۲۰)

اور حروف مہموسہ میں سے دو حروف کاف و تا شدیدہ ہیں اور باقی رخوہ ہیں، شدت کے معنی لغت قوت

(۱) جہد المقل مع بیان جہد المقل، صفات الحروف، مکتبۃ الصدیق ڈابھیل ص: ۷۵۔

(۲) المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية، مطلب بیان أن الحروف المهموسة مجمعة

في كلمات مركبة منها: فحشہ شخص سکت، مکتبہ ارگ بازار قندھار افغانستان، ص: ۱۶۔

وختی کے ہیں اور اصطلاحاً یہ آٹھ حروف جن کا مجموعہ ”اجدک قطبت“ ہے، حروف شدت اور شدیدہ کہلاتے ہیں؛ کیونکہ ان کی اداء کے وقت آواز ان کے مخرج پر ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ بند ہو جاتی ہے اور آواز میں قوت و ختی پیدا ہوتی ہے اور چونکہ شدت مقابل ہے رخوت کے؛ لہذا شدت کے معنی لغوی و عربی سے مقابلۂ رخوة کے معنی بھی معلوم ہو گئے اور علاوہ حروف شدیدہ مذکورہ اور پانچ حروف متوسطہ ”لن عمر“ کے باقی سولہ حروف رخوہ کہلاتے ہیں، پس تمہید مذکور سے معلوم ہوا کہ کاف و تاء مہموسہ بھی ہیں اور شدیدہ بھی ہیں؛ لیکن بناء بر تعریف مذکور ہمیں شدت کے اجتماع میں بظاہر اشکال وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہمیں کی تعریف میں ضعف اعتماد و صوت و جریان نفس مذکور ہے اور شدت کی تعریف میں قوت اعتماد و صوت اور احتباس صوت ماخوذ ہے؛ حالانکہ یہ امور ایک دوسرے کے مخالف و ضد ہیں؛ لیکن درحقیقت کچھ اشکال نہیں اس لئے کہ ہمیں وجہ شدت و رخوت کی تعریف میں جو قوت و ضعف اعتماد و صوت اور جریان و احتباس نفس و صوت کہا جاتا ہے یہ امور اضافی و اعتباری ہیں، یعنی ہر ایک صفت میں اس کے مقابل صفت کی نسبت سے قوت و ضعف و جریان و احتباس پایا جاتا ہے، پس کاف و تاء میں من حیث الہمس جو ضعف اعتماد و صوت اور جریان نفس ہے وہ باعتبار حروف مجہورہ کے ہے اور من حیث الشدت جو قوت اعتماد و صوت اور احتباس صوت ہے وہ حروف رخوہ کی نسبت سے ہے۔ فار تفع الاشکال۔

نیز ہر ایک صفت کے حروف میں باہم بھی قوت و ضعف و جریان و احتباس نفس و صوت کا تفاوت پایا جاتا ہے بوجہ دیگر صفات قویہ یا ضعیفہ کی آمیزش کے۔ پس کاف و تاء بہ نسبت صا ضعیف ہیں؛ کیونکہ صا میں تین تین صفت قوی اطباق و استعلاء و صغیر موجود ہیں اور بہ نسبت تاء و حاء و خاء و سین و شین و فاء و ہاء قوی ہیں اور بہ نسبت دیگر حروف شدیدہ ضعیف و خفی الصوت ہیں، مگر صفت شدت کی وجہ سے ان میں جریان نفس کمتر ہے بہ نسبت دیگر حروف مہموسہ کے۔

لأنه في الشدة يوجد احتباس الصوت، واحتباس الصوت يستلزم احتباس النفس
كما في جهد المقل. (۱)

(۱) جهد المقل مع بيان جهد المقل، البحث الثاني: في صفات الحروف، مكتبة الصديق

پس تقریر مذکور سے ثابت ہو گیا کہ کاف و تاء میں ہمس حقیقی یعنی ضعف و خفاء صوت تو بہر حیثیت پایا جاتا ہے، مگر جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا اور چونکہ بہ نسبت دیگر حروف مہموسہ ان میں جریان نفس بہت کم ہوتا ہے، اسی وجہ سے بعض علماء نے ان کے مہموسہ ہونے میں خلاف کیا ہے اور ان کو مجہورہ کہا ہے؛ کیونکہ ایسے جریان نفس قلیل سے تو حروف مجہورہ بھی خالی نہیں، چنانچہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اس خلاف کو ”مخ الفکر یہ شرح جزریہ“ میں شافیہ ابن حاسب سے نقل کیا ہے، نیز دیگر محققین فن تجوید و قراءت کے اقوال سے بھی یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ کاف و تاء میں جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے دیگر حروف مہموسہ سے، چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی تحریر فرماتے ہیں: لیکن جریان نفس در کاف و تاء خوب معلوم نمی شود گو ضعف صوت ہست؛ لہذا بعض علماء در مہموسہ بودن اینہا خلاف کردہ اند آہ (تحفہ نذر یہ مطبوعہ بلالی پریس ساڈھورہ ص ۱۹)۔ (۱)

حضرت قاری محمد علی خان صاحب جلال آبادی تحریر فرماتے ہیں: اما جریان نفس در کاف و تاء کمتر است و در بواقی اکمل آہ (حجۃ القاری مطبوعہ محمود المطالع کانپور ص ۱۶)۔ (۲)

نیز یہ بھی واضح ہو کہ قوت اعتماد یا ضعف اعتماد اور جہر الصوت یا خفی الصوت ہونا تو حروف میں ہر حال میں پایا جائے گا، خواہ متحرک ہوں یا ساکن؛ کیونکہ یہ امور صفات حروف کی تعریف میں منجملہ ذاتیات کے ہیں؛ لیکن جریان یا احتباس نفس یا جریان یا احتباس صوت یہ امور منجملہ عرضیات کے ہیں کہ حالات سکون میں ان کا ظہور ہوتا ہے اور جب حروف متحرک ہوں تو جریان و احتباس نفس و صوت غایت درجہ خفا میں ہوتا ہے۔

کما قال صاحب الرعاية: إن جري النفس في الهمس وحس النفس في الجهر في الساكن زائد من المتحرك، وفي الوقف أزيد من الساكن اه. هكذا قال الجاربردي: وذكر الجاربردي: أن جريان الصوت وعدم جريه عند إسكان الحرف أبين منهما عند تحريكه الخ. (۳)

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۳) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

پس کاف و تاء اگر متحرک ہوں گے تو چونکہ حرف کی ادائیگی افتتاح مخرج کے ساتھ ہوتی ہے؛ لہذا افتتاح کی وجہ سے فی الجملہ صوت کا جریان ضرور ہوگا، جب جریان صوت ہوگا تو اس کے ساتھ جریان نفس بھی ضرور ہوگا، بموجب قاعدہ مسلمہ: جریان الصوت يستلزم جریان النفس كذا في الجهد. (۱)

مگر یہ جریان نفس اول تو بوجہ تحریک حرف کے دوسرے بوجہ صفت شدت قوی کے غایت درجہ خفاء میں ہوتا ہے کہ خود قاری کو بھی اس کا پتہ نہیں لگتا؛ بلکہ معدوم کہنا چاہئے جیسا کہ بقول بعض حروف قلقلہ سے بحالت حرکت بھی صفت قلقلہ منفک نہیں ہوتی اور نون و میم متحرک بھی صفت غنہ سے خالی نہیں، مگر بوجہ عدم ظہور وغیر محسوس ہونے کے قلقلہ و غنہ کا عدم ہوتے ہیں، اسی طرح کاف و تاء متحرک میں بھی گو جریان نفس ہوتا ہے، مگر بوجہ عدم ظہور وغیر محسوس ہونے کے ”لا یعبأ به“ ہے۔ یہ تفصیل تو کاف و تاء متحرک کے متعلق تھی۔ اور اگر کاف و تاء ساکن ہوں تو چونکہ حرف ساکن کی ادائیگی استقرار صوت و التصاق مخرج کے ساتھ ہوتی ہے بالخصوص حروف شدیدہ میں کہ ان میں تصادم جس میں بالقوہ ہوتا ہے؛ لہذا شدت اتصال جسمین کی وجہ سے جب صوت تجتبس ہوگی تو نفس بھی ضرور تجتبس ہوگا ”کما ذکرہ صاحب الجهد“ پس جب صوت و نفس دونوں بند ہو گئے تو جب تک مخرج کو جنبش نہ ہو تب تک کوئی حرف سنائی نہیں دے سکتا، اسی لئے حرف شدیدہ میں سے حروف ”قطب جہد“ میں بوجہ صفت جہر قوی کے بحالت سکون صفت قلقلہ یعنی مخرج میں جنبش قوت کے ساتھ رکھی گئی، تاکہ آواز میں قوت جہر پیدا ہو اس قدر کہ سامع قریب بھی محسوس کر سکے ”لأن أدنى الجهر إسماع الغیر“ (مگر ہمزہ کو اکثر نے قلقلہ سے خارج کیا ہے ”و توجیہہ مذکور فی المطولات“ اور دو حرف کاف و تاء ساکن میں بوجہ صفت ہمس ضعیف کے جنبش نہایت ضعف و نرمی کے ساتھ رکھی گئی، تاکہ آواز میں ضعف و خفاء قائم رہے اس قدر کہ خود قاری اس کو محسوس کر سکے ”لأن أدنى المخاطة إسماع نفسه“ مگر اس جنبش ضعیف سے (کہ صفت ہمس کے اداء کی غرض سے کی جاتی ہے) جو نفس جاری ہوتا ہے اس کے ساتھ کسی قسم کی صوت جاری نہ ہونی چاہئے؛ کیونکہ ہمس کی تعریف میں جریان نفس ماخوذ ہے نہ کہ جریان صوت اور نفس اور صوت میں یہی فرق ہے کہ ہوا خارج از داخل انسان اگر مسموع ہو تو صوت ہے اور اگر غیر مسموع ہو تو نفس ہے۔

(۱) جهد المقل مع بیان جهد المقل، البحث الثاني: في صفات الحروف، مكتبة الصديق

کما قال صاحب الجهد المقل: علم أن النفس الذي هو الهواء الخارج من داخل الإنسان إن كان مسموعاً فهو صوت، وإلا فلا. انتهى ص: ۲۷ (۱)

وقال مؤلف حقيقة التجويد في رسالته المذكورة: فالتنفس يوجد في كل صوت ولا يوجد صوت في كل تنفس بل بعضه مع الإرادة، وإذا خرج الحرف من فم الإنسان بغير إرادته، فلا يطلق عليه الحرف، ولا يراد منه المعنى، فالصوت على قسمين جهري وخفي، والجهري: ما يسمعه الغير، والخفي: ما يسمعه النفس، كما قال الفقهاء: وأدنى الجهر ما يسمعه الغير، وأدنى المخاتمة ما يسمعه النفس في القراءة، والطلاق، والعناق والبيع، والاستثناء، والتسمية على الذبح، ووجوب السجدة بتلاوة آية السجدة وغيرها، والمراد من الأدنى حد الجهر والخفي. اهـ ص: ۱۲ (۲)

پس خلاصہ تقریر مذکور کا یہ ہوا کہ اول تو کاف و تاء میں مطلقاً خواہ متحرک ہوں خواہ ساکن جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا۔ اور دیگر حروف مہموں سے بہت کم ہوتا ہے اور بالخصوص متحرک میں ساکن سے بھی کم ہوتا ہے جیسا کہ دلائل و شواہد اقوال محققین سے ثابت کیا گیا۔ دوسرے صفت ہمس کے اداء کی غرض سے کاف و تاء متحرک میں افتتاح مخرج کے ساتھ اور ساکن میں جنبش ضعیف و خفی کے ساتھ جو کچھ نفس کا جریان ہوتا بھی ہے اس کے صوت کا جاری ہونا ضروری بھی نہیں کیونکہ نفس عام ہے اور صوت خاص اور عام کے تحقق کے ساتھ خاص کا تحقق لازم نہیں۔

نیز صوت کا جاری کرنا درست بھی نہیں نہ عقلاً نہ نقلاً، عقلاً اس وجہ سے کہ اگر صوت جاری کی جاوے گی تو کاف و تاء شدیدہ نہ رہیں گے؛ بلکہ رخوہ ہو جائیں گے؛ کیونکہ جریان صوت رخوہ میں ہوتا ہے نہ کہ شدیدہ میں۔ اور یہ بات ادنی تامل سے ظاہر ہوتی ہے کہ جوشدت باری اور جاری کے با اور جیم میں ہے وہ بھاری اور جہاری کے با اور جیم میں نہیں ہو سکتی۔ اسی قیاس پر جوشدت کا نا اور تانا کے کاف و تاء میں ہے وہ

(۱) جهد المقل، تتمۃ تتعلق بالمخرج والاعتماد، مكتبة الصديق ڈابھیل، ص: ۳۸۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

کھانا اور تھانا کے کاف و تاء میں نہیں پائی جاتی۔ تو ایک صفت ہمیں جو مختلف فیہ ہے اُس کے ادا کرنے کی وجہ سے صفت شدت جو کہ متفق علیہ ہے مفقود ہو جاوے گی اور یہ جائز نہیں اور نقلاً اس وجہ سے کہ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ سے ”کتاب النشر فی القراءات العشر“ میں اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے ”منح الفکرية علی متن الجزرية“ میں اس کا عدم جواز و غلط ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ ”کتاب النشر فی القراءات العشر“ میں ہے:

والتاء يتحفظ بما فيها من الشدة والهمس لئلا يصير رخوة كما ينطق بعض الناس، والكاف فليعن بما فيها من الشدة، والهمس لئلا يذهب إلى الكاف الصماء الثابتة في بعض لغات العجم، فإن ذلك غير جائز في لغات العرب وليحذر من إجراء الصوت معها كما يفعله بعض الأعاجم. (۱)

اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ اجراء صوت اداء أعاجم ہے جو کہ ممنوع و قابل احتراز ہے۔ نیز ملا علی قاری ”منح الفکرية علی متن الجزرية“ میں فرماتے ہیں:

ثم أن النفس الخارج الذي هو صفة حرف أن تكيف كله بكيفية الصوت حتى يحصل صوت قوي كان الحرف مجهور أو إن بقي بعضه بلا صوت يجري مع الحرف كان ذلك الحرف مهموساً وأيضاً، وإذا انحصر الصوت في مخرجه انحصاراً تاماً فلا يجري جرياناً سهلاً يسمى شديداً، وأما إذا جرى جرياناً تاماً، ولا ينحصر أصلاً يسمى رخوة. (۲)

اس عبارت سے بھی ثابت ہو گیا کہ مہموس من حیث ہو مہموس میں نفس بلا صوت یعنی غیر مسموع کا جریان ہوتا ہے۔ اور ”فلا يجري جرياناً سهلاً“ سے شدیدہ میں جریان صوت ضعیف کی بھی نفی ہو گئی،

(۲) النشر فی القراءات العشر، مواضع تفخيم كل حرف وترقيقه، مطبوعه مصر

۱/ ۲۱۷-۲۲۱۔

(۲) المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية، مطلب: بيان أن الحروف المهموسة مجتمعة

فی کلمات مرکبة منها، مکتبه ارگ بازار قندهار افغانستان ص: ۱۶۔

پس چونکہ ”جہد المقل“ کی عبارت مذکورہ فی السوال کا مفہوم بظاہر معارض ہے ”کتاب النشر فی القراءات العشر“ اور ”منح الفکرية“ کی عبارات مذکورہ کے؛ لہذا امام جزریؒ اور ملا علی قاریؒ کے مقابل صاحب ”جہد المقل“ کے قول کا اعتبار نہ کیا جاوے گا۔ علاوہ ازیں ”جہد المقل“ کی عبارت میں کاف و تاء متحرک مراد ہے، ساکن یا طائتہ متحرک تو مراد ہو ہی نہیں سکتا؛ کیونکہ اول تو خود ”جہد المقل“ کی عبارت ص: ۶۰ میں ”حاصلہ انہما ناقصان عند تحریک الحرف“ (۱) اس کے معارض ہے۔

دوسرے یہ کہ حرکت خود افتتاح مخرج سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر ”ثم ینفتح“ کے کوئی معنی نہیں بنتے۔ اور اسی سے مطلق کی بھی نفی ہوگئی؛ کیونکہ متحرک کو بھی شامل ہے، پس لامحالہ مراد ”جہد المقل“ کی عبارت مذکورہ سے کاف و تاء ساکن ہے۔ پس اگر ”جہد المقل“ کی عبارت کے موافق تلفظ کیا جاوے تو کاف و تاء ساکن کے بعد صوت جاری رکھنا چاہئے؛ کیونکہ حرف ”ثم“ ”تعقیب و تراخی“ کے لئے ہے۔ اب اگر یہ صوت کسی حرف کی ہے تو زیادتی فی القرآن لازم آئے گی۔ اور اگر صوت مسموع غیر حرنی ہے تو اس کا عدم جواز اداء اعاجم ہونا شروع سے ثابت ہو گیا۔ پس حکم یہ ہے کہ اگر صوت حرنی پیدا ہو تو لحن جلی ہوگا۔ اور اگر غیر حرنی ہو تو لحن خفی ہوگا۔ اور اگر جری صوت کا وہم و شبہ ہو تو یہ ادا مطابق اداء محققین کے ہے اور یہی ہونا چاہیے۔ اور غالباً مراد ”جہد المقل“ کی یہی ہے؛ لہذا اکثر جگہ اُن کے کلام کی تاویل کرنا پڑے گی۔ اور یا یہ کہا جاوے کہ اُن پر عجمیت غالب تھی۔ اور اس مقام پر اور نیز دیگر مقامات پر جہاں کہیں جریانِ نفس کثیر و صوت ضعیف کہا ہے یہ تو جیہ ہو سکتی ہے کہ مراد ”جہد المقل“ کی جریانِ نفس کثیر سے کثیر بہ نسبت حروف مجہورہ کے ہے۔ گو دیگر حروف مہوسہ کے اعتبار سے قلیل ہو اور مراد صوت ضعیف سے صوت خفی غیر مسموع ہے۔ ”لأن أدنی المخافته هو إسماع نفسه“ تو اس تو جیہ پر ”جہد المقل“ کی عبارت سے یہ صوت مخصوص یعنی کاف و تاء مخلوط بہاء ہو بھی ثابت نہ ہوئی، پس کاف و تاء کے جریانِ نفس میں اس قدر مبالغہ کرنا جس سے ہاء، وؤز کی یا کسی اور حرف کی آواز پیدا ہو (جیسا کہ بعض سین مہملہ کی اور بعض تاء مثلاً کی آواز نکالتے ہیں) اور حروف عربی مخلوط تلفظ حروف عجمی ہو جاویں کا نا کو کھانا اور ابتر کو ابتر پڑھنا ”ثَقُلْتُ“ کو

(۱) جہد المقل مع بیان جہد المقل، البحث الثاني: في صفات الحروف، مكتبة الصديق

”ثَقَّلْتَهُ“ اور ”ذِکْرُک“ کو ”ذِکْرُکھ“ پڑھنا۔ اس طرح کی صفت ہمس ادا کرنا بالکل غلط و بے اصل ہے، نہ کسی ماہر و محقق قاری سے سنا، نہ محققین کی کتب معتبرہ میں اس کا ذکر ہے۔ البتہ بعض اعاجم مثل اہل خراسان و ترکستان و ایران یا بعض اعراب عرب مثل اہل نجد و یمن وغیرہ سے اس قسم کی ادا سنی ہے۔ اور کتب ائمہؒ فن مثل شیخ جزریؒ و ملا علی قاریؒ سے اس قسم کی اداء کی تعلیٰ ثابت ہوتی ہے۔ کما ذکر۔ اس قسم کی ادا مخترع و بے اصل سے تو اُن بعض علماء کے قول پر عمل کرنا بہتر ہو جو کہ کاف و تاء کو مجہورہ کہتے ہیں۔ نیز دیگر محققین قراء کے اقوال سے بھی اس قسم کی ادا کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی ”تحفہ نذریہ“ میں تحریر فرماتے ہیں:

و پیدا باد کہ در مقامہ صفات حروف چناں فساد برپا کردہ کہ اگر بطور قواعد مخترعہ او کلام اللہ خواندہ شود ضرور است کہ کلام اللہ مخترف گردد چہ می گوید کہ دروقف مہموسہ بعد سکون تاء و کاف آواز دیگر پیدا شود چوں معنی این قول از تلامذہ او پرسیدند گفتند کہ در لفظ ”خَلِقْتَ خُلِقْتَ“ باید گفت یعنی بعد سکون تاء آواز سین ساکن باید بر آورد گوا اجتماع ساکنین شود بدون آں صفت ہمس حاصل نمی شود ہم چنین در کاف ساکن دروقف بعد سکون کاف یک سین ساکن با آواز خفیف باید گفت و ہم چنین در حروف قلقلہ و دیگر صفات فساد با اختراع کردہ تعلیم مردم ساختہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ در عبارات کتب قراءت چہ غلط فہمی کرد و کدام علم شریف نجیل مرکب خود فاسد ساختہ انتہی بقدر الحاجت۔ (ص ۸ تحفہ نذریہ مطبوعہ بلالی پریس ساڈھورہ (۱)۔

نیز رسالہ مذکورہ میں دوسرے مقام پر صفحہ ۳۲ میں فرماتے ہیں: کاف را احتیاط کند تا کاف فارسی کہ آں را کاف صماء گویند نگردد خصوصاً وقتے کہ مکرر باشد مانند ”بشر ککم و ما قبل مہموسہ آید مانند تستکشروا بسیار“ احتیاط کند کہ صوت در اں جاری نہ شود، چنانچہ لغت بعضے عجیانست آھ (۲)

حضرت قاری محمد علی صاحب جلال آبادی حجتہ القاری مطبوعہ محمود المطالع کانپور، ص: ۵۳ میں فرماتے ہیں: کاف با کاف فارسی نیا میزدہائے ہوزہم درو پیدا نشود خاصۃً وقتے کہ پیش از حرف مہموسہ در آید

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

”تسکتشروا“ ہم چنیں اگر مکرر باشد ”نحو بشر ککم آہ“ (۱)۔ وقال العلامة الجزري في مقدمته (۲):

وراء شدة بكاف وبتاء ☆ كشر ككم وتتوفى فتننا

فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم وأحكم.

کتبہ العبد المسکین محمد یامین عفی عنہ رب العلمین معلم التجویدی فی مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

اول صفر ۱۳۳۸ھ

جواب نہایت صحیح و مدلل اور متقدمین و متاخرین کی کتب و اداء کے مطابق ہے۔

عبد الرحمن المکی ثم الہ آبادی عفی عنہ۔

حضرت مولانا و مرشدنا تھانوی افاض اللہ تعالیٰ علی برکاتہم نے احقر کو یہ فتویٰ دکھلایا۔ احقر حرف بحرف اس جواب سے متفق ہے۔ احقر سے اکثر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کئے تھے، جن کے مختلف طور سے جوابات دیئے گئے، جو بفضلہ تعالیٰ اس جواب میں مع شے زائد سے مضامین موجود ہیں، احقر بوجہ عدم فرصتی دے سامانی اس حد تک نہیں کر سکا۔ اس تکمیل سے نہایت مسرت ہے۔

کمترین خلائق عبد الوحید الہ آبادی عفا اللہ عنہ۔

خادم درجہ قراءت مدرسہ عالیہ دیوبند ضلع سہارن پور۔

میں مدت سے ایسی تحقیق کا شائق تھا اس رسالہ کو دیکھ کر جوش مسرت میں یہ شعر بے ساختہ قلب میں آیا

للہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر میخواست ☆ آخر آمد ز پس پردہ تقدیر پدید

جزی اللہ تعالیٰ مولفہا خیر الجزاء.

اشرف علی ۷ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ (تمتہ خامسہ ص: ۱۰۷)

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) المقدمة الجزرية مع المنح الفكرية، باب اللامات، مكتبة ارگ بازار قندهار

افغانستان، ص: ۳۵۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ضمیمہ جمال القرآن نوشتہ قاری محمد یامین صاحب

”جمال القرآن“ کی عبارات پر سوال کا جواب

سوال (۲۶۴): قدیم ۱/۳۲۶ - ”جمال القرآن“ میں ایک مقام سمجھ میں نہیں آتا۔ معلوم نہیں مطبع کی غلطی ہے یا سمجھ ناقص خودیم کی ص: ۴۳ و ۴۴ قاعدہ: ۷/ ”لَسْن بَسَطْتُ“ اور ”اَحَطْتُ“ اور ”فَرَطْتُ الْم نَخْلَقُكُمْ“ میں الخ ص: ۴۷ تصحیح اول کے چار لفظوں میں ادغام نامتتام متعین اور پانچویں الخ اس میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ صفحہ ۴۳ و ۴۴ پر کل صرف ۴ ہی لفظ ہیں۔ پس چار اور پانچویں کا جو تصحیح میں ہے کیا مطلب ہوگا۔

سوال ۲: مخرج ض میں حافہ لسان کو مجموعہ بیسوں اضراس سے ملانا چاہئے یا ضوا حک و طوا حن و نوا جذ میں کسی ایک کے ساتھ تماس حافہ لسان کافی ہے۔

الجواب: جواب شبہ اول: صفحہ: ۴۳ و ۴۴ قاعدہ: ۷ میں غالباً مطبع کی غلطی سے ”ما فرطتم“ کے بعد (اور ما فرطت) رہ گیا ہے، پس لفظ مذکور ملا کر چار لفظ ہو گئے کہ ان میں ادغام نامتتام متعین ہے۔ اور ”الْم نَخْلَقُكُمْ“۔ پانچواں لفظ ہے کہ اس میں ادغام تام بہتر ہے۔

جواب شبہ دوم: ضاد کے مخرج میں حافہ لسان کو اوپر کی پانچوں داڑھوں (ضاحک اور ہر سہ طوا حن اور نوا جذ داہنی یا بائیں طرف) کی جڑوں سے ملانا چاہئے۔ صرف ایک دو کے ساتھ ملانا کافی نہیں اور نیچے کے اضراس سے ملانا غلط ہے۔

۲۷ شعبان ۱۳۳۹ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۹۵)

سورہ روم میں واقع ”ضعف“ کو بالضم پڑھنے سے متعلق سوال کا جواب (*)

از مولانا قاری عبدالسلام صاحب پانی پتی عباسی۔

(*) فائدہ متعلقہ بجواب ہذا سورہ روم میں جوتین جگہ لفظ ”ضعف“ واقع ہے، اس کے ضاد کا حفص ←

سوال (۲۶۵): قدیم ۱/۳۲۷۔ اما بعد ”سورة الروم“ کے اخیر کے رکوع میں ”من ضَعْفٍ“ کے ضاد کو ضمہ حفص کی روایت میں لکھا ہے، امام عاصم اس ضاد کو فتح پڑھتے ہیں، جبکہ حفص ان کے راوی ضمہ پڑھیں گے، تو ہر دو روایت کا خلط ملط ہو جاوے گا۔ اور خلط ملط ایک روایت کا دوسری روایت میں ناجائز ہے، اگر ناجائز نہیں ہے تو مطلع فرمادیں؟

الجواب: امام حفص کی روایت اپنے استاد امام عاصم سے فتح ہے اور دوسری روایت امام عاصم کے علاوہ سے ضمہ ہے تو گویا حفص سے ہر دو روایت ہے۔ اور یہ پڑھنا درست ہے۔ اس سے خلط روایت نہیں ہوتا۔

فإن قلت هل يقرأ لحفص بهذا الاختيار؛ لأنه وإن لم يروه عن عاصم فقد رواه عن غيره، وثبتت قراءة به أو لا يقرأ به؛ لأنه خالف شيخه، وخرج عن طريقه وروايته قلت المشهور المعروف جواز القراءة بذلك، قال الداني واختيارى في رواية حفص من طريق عمر وعبيد الأخذ بالوجهين بالفتح والضم فاتابع بذلك عاصم على قراءة به أو وافق به حفصا على الاختيار، قال المحقق وبالوجهين قراءة له وبهما. اخذ غيث النفع (۱) سورة روم (محمد عبد السلام عباسی) (تمتہ ص ۳۶۷)

← نے ضم اختیار کیا ہے؛ حالانکہ عاصم کی قراءت فتح ہے، اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب دونوں قراءت متواتر ہیں تو ایک کو ترجیح کی کیا وجہ ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ضمہ کو لغت قریش ہونے کی وجہ سے ترجیح ہو سکتی ہے۔

وفي المصباح: الضعف بفتح الصاد في لغة تميم وبضمها في لغة قریش خلاف القوة والصحة. (جمل سورة روم)

کتبہ: احقر عبد الکریم عفی عنہ ۲۳ شعبان ۱۴۲۲ھ

(۱) غيث النفع في القراءات السبع، سورة الروم، مكتبته دارالعلوم فلاح دارین

گجرات، ص: ۲۲۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رسالہ ”التدقیق (*) الجلی فی تحقیق النون الخفی“

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سوال (۲۶۶): قدیم ۱/۳۲۸- (الف) الحمد لله الذي هو نعم الوكيل، والصَّلوةُ والسَّلامُ على رسولہ النبی الجلیل، والہ وصحبہ الذین ہم أولو البر والصبر الجمیل۔ مابعد!

نون مخفی کی ادا میں کتابوں سے جہاں تک پتہ چلتا ہے تقریباً نصف صدی سے اب تک قراء اس طرح سے ادا کرتے ہیں اور لکھتے چلے آ رہے ہیں: کہ نون کا مخرج بالکل ادانہ ہو صرف غنہ مابعد کے حرف سے

(*) تلخیص و تسہیل :- نون مخفی ادا کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ نون مخفی کو علاوہ خیشوم کے اپنے مخرج (کنارہ زبان اور تالو) سے کچھ ضعیف سا بھی تعلق ہوتا ہے؛ کیوں کہ اگر کنارہ زبان کوتا لو سے بالکل علیحدہ رکھ کر ادا کیا جائے گا تو جوف اور خلال کی وجہ سے حرف مد پیدا ہو جائے گا، جس کی ممانعت کتب تجوید میں موجود ہے۔ ”عرشی“ میں ہے:

يجب على القاري أن يحتترز في حالة إخفاء النون من أن يشبع الضمة قبلها أو الفتحة أو الكسرة لئلا يتولد من الضمة واوٌ في مثل كنتم، ومن الفتحة ألف في مثل عنكم۔
اور اگر مابعد والے حرف کے مخرج پر زبان کو اعتماد ہوگا تو ادغام کی صورت ہو جائے گی اور اخفاء الحروف فی غیرہ صادق آئے گا جو ادغام کی تعریف ہے؛ حالانکہ اخفاء کی تعریف اخفاء الحروف فی نفسہ لکھی ہے۔ رہی یہ بات کہ کتابوں میں نون مخفی کے متعلق لکھا ہے کہ: ”لا عمل للسان“ تو اس سے مطلقاً عمل لسان کی نفی مراد نہیں ہے؛ بلکہ خاص اس عمل کی نفی مراد ہے جو اظہار کی حالت میں ہوتی ہے، یعنی زبان کو جوتا لو کے ساتھ پورا اور قوی اعتماد ہوتا ہے اس کی نفی کی گئی ہے۔ الحاصل مذکور الصدر طریق اداء پر اخفاء کی تعریف ”حالة بين الاظہار والادغام“ ٹھیک ٹھیک صادق آتی ہے کہ مثل ادغام کے نہ مابعد والے حروف کے مخرج سے نکلا، نہ مثل اظہار کے پورا اور قوی اعتماد نون کے اصلی مخرج پر ہوا؛ بلکہ نہایت ضعیف اعتماد زبان کوتا لو سے رہا اور پورا مخرج غنہ کا خیشوم رہا (تلخیص و تسہیل میں جناب قاری حفظ الرحمن صاحب کے حاشیہ تسہیل الفرقان بر جمال القرآن ص: ۲۳ سے مدد لی گئی ہے۔ ۱۲

سعید احمد پالن پوری

ممزوج ہو کر نکلے۔ جیسے اُردو میں پنکھا جنگ و سنگ اور یہ ادا اتنی شائع ذائع ہوئی کہ عرب و عجم مہرہ و غیر مہرہ سب اس میں مبتلا ہو گئے؛ حالانکہ اس ادائیگی میں اور ادغام ناقص کی اداء میں مثل من یقول من وال کے کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ مجھے اس اداء اخفاء میں تحصیل تجوید کے ایام ہی سے برابر اشکال رہا؛ لیکن اللہ کریم کا صد لاکھ شکر کہ اما العصر، وحید الدہر، رئیس القراء، استاذ الاساتذہ، الحضرة شیخی و سیدی مولنا الحاج الحافظ المقری عبدالرحمان المکی الہ آبادی مدظلہم العالی کو نہ معلوم کیسے توجہ ہوئی کہ یکا یک ایک مضمون ارقام فرمایا۔ کہ جس میں یہ ثابت کیا گیا کہ اداء اخفاء مروجہ (جو اس طرح ہوتی ہے کہ زبان کو ذرہ بھر دخل نہیں ہوتا۔ صرف صوت خیشومی مابعد کے حرف سے مل کر ادا ہوتی ہے) صحیح نہیں؛ بلکہ اس طرح ہونی چاہئے کہ نوک زبان نون ہی کے مخرج میں نہایت ضعف کے ساتھ لگے، یعنی اتصال جس میں نہایت ہی ضعیف ہو۔ چنانچہ اس کا اثبات مع دلائل و علل فرما کر اس مضمون عالی کو اپنے اس ناچیز خادم کے پاس بھی ارسال فرمایا۔ وہ مضمون عالی بتمامہ نہایت ہی معمولی توضیح و تشریح اور مختصر تغیر لفظی کے ساتھ اور وہ بھی ملقطاً حسب ذیل ہے۔

لا يقال لابد من عمل اللسان في النون والشفيتين في الميم مطلقاً حتى في حالة الإخفاء والإدغام بغنة، وكذا اللخيشوم عمل حتى في حالة التحريك والإظهار فلم هذا التخصيص؛ لأنهم نظروا للأغلب، وحكموا له بأنه المخرج، فلما كان الأغلب في حالة إخفائهما أو إدغامهما بغنة عمل اللخيشوم جعلوا مخرجهما، وإن عمل اللسان والشفستان أيضاً، ولما كان الأغلب في حالة التحريك والإظهار عمل اللسان والشفستان جعلواهما المخرج، وإن عمل اللخيشوم حينئذ أيضاً كما أفاده البعض عن العلامة الشبراملسي.

اور ان کے ارشد تلامذہ علامہ احمد مدنی طی اپنی کتاب ”اتحاف فی القراءات الاربعہ عشر“ میں لکھتے ہیں:

يجب على القاري أن يحترز من المد عند إخفاء النون في نحو إن كنتم، وعند الاتيان بالغنة في النون، والميم في نحو: ان الذين، وإما فداء، وكثيرا ما يتساهل في ذلك من يبالي في إظهار الغنة فيتولد منها واو وياء فيصير اللفظ كونتم، أين، أيما، وهو خطأ قبيح وتحريف، وليتحرز أيضا من إلصاق اللسان فوق الثنايا العليا عند

إخفاء النون فهو خطأ أيضاً، وطريق الخلاص منه أن تجا في اللسان قليلاً عن ذلك الخ مع الاختصار (۱)۔

اور ”نہایۃ القول المفید“ میں ہے:

قال في المرعشي: يجب على أن يحترز في حالة إخفاء النون من أن يشيع الضمة قبلها أو الفتحة أو الكسرة، وليحترز أيضاً من المد عند الإتيان بالغنة في النون والميم في نحو: إن، وأما فإن ذلك خطأ صريح، وزيادة في كلام الله تعالى، وليحترز أيضاً من إلصاق اللسان فوق الثنايا العليا عند إخفاء النون فهو خطأ أيضاً، وطريق الخلاص منه أن يجا في اللسان قليلاً من ذلك. انتهى مع الاختصار (۲)۔

اور امام جزری ”النشر في القراءات العشر“ میں لکھتے ہیں:

المخرج السابع عشر: وهو الغنة، وهي تكون في النون والميم الساكنين حالة الإخفاء، أو مافي حكمه من الإدغام بالغنة، فإن مخرج هذين الحرفين يتحول في هذه الحالة عن مخرجها الأصلي على القول الصحيح، كما يتحول مخرج حروف المد من مخرجها إلى الجوف على الصواب (۳)۔

پھر آگے ”أحكام النون الساكنة والتنوين“ کی تنبیہات میں لکھتے ہیں:

الأول مخرج النون والتنوين مع حروف الإخفاء الخمسة عشر من الخيشوم فقط، ولا حظ لهما معهن في الفم؛ لأنه لا عمل للسان فيهما كعمله فيهما مع ما يظهران أو ما يد غمان فيه بغنة. (۴)

(۱) اتحاف فضلا البشر في القراءات الأربع عشر، الفصل السادس: في أحكام النون

الساكنة والتنوين، مطبوعة مصر، ص: ۳۳۔

(۲) نہایۃ القول المفید فی علم التجوید، قبیل الفصل الخامس: فی الکلام علی المیم

الساكنة، مطبوعه لاهور، ص: ۱۶۰-۱۶۱۔

(۳) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۴) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

اور ملا علی قاری علیہ الرحمہ ”منح الفکرية“ میں لکھتے ہیں:

وأن النون المخففة مركبة من مخرج الذات، ومن تحقق الصفة. (۱)

اور امام مکی علیہ الرحمہ ”کتاب الرعایہ“ میں لکھتے ہیں:

الإخفاء إنما هو أن تخفى الحروف في نفسه لا في غيره، والإدغام إنما هو أن تدغم السين وأخفيت النون عند السين، ولا تقول خفيت في السين، ولا أخفيت في السين، وتقول: أدغمت النون في الواو، ولا تقول: أدغمتها عند الواو. (۲)

امام شبراہمسی احمد دمیاطی مرعشی، امام جزری، ملا علی قاری، امام محمد مکی ان سب ائمہ کے اقوال سے ثابت ہو گیا کہ نون مخفی میں اصلی مخرج کو دخل ہے۔ لیکن ضعیف اعتماد کے ساتھ جس کو کہ ہر ایک نے مختلف عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً شبراہمسی نے مقلوب سے، دمیاطی اور مرعشی نے تجانی قلیل سے اور جزری نے کعملہ کی قید سے اور پہلے قول میں بتحول کے لفظ سے اور محمد مکی نے فی نفسه لا فی غیرہ سے اور ملا علی قاری نے مرکبۃ من مخرج الذات سے۔ اب جبکہ کلام ائمہ کے سیاق و سباق سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ صوت خیشومی بدون اعتماد محقق بایں قدر کہ پیدا نہیں ہو سکتی اور پہلے یہ لوگ یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ نون مخفی اپنے اصلی مخرج سے خیشوم کی طرف متحول ہو جاتا ہے۔ اور ذات نون باطل ہو جاتی ہے۔ اور الصاق لسان سے بھی احتراز کا حکم ہے۔ تو لامحالہ اس سے تولید حرف مد لازم آوے گی۔ کیونکہ جب نہ تو ذات نون باقی اور نہ زبان کا کسی مقام پر الصاق تو صوت خیشومی محض جوف سے ادا ہوئی اور یہی تولید مدہ ہے۔ جو کہ محذور اور ممنوع ہے۔ اور زیادہ فی کلام اللہ ہے۔۔۔ تو پھر اس سے خلاص کا طریقہ اور چھٹکارا کہ نون خفی بھی ادا ہو جاوے اور تولید حرف مدہ بھی نہ ہو اور الصاق لسان بھی نہ ہو یہی ہے۔ کہ اعتماد اپنے مخرج اصلی پر ضعیف ہو جس کو کہ ہر ایک نے مختلف عنوان سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ اوپر گزرا۔ اب تعارض بین الاقوال بھی نہ رہا۔ اور اختلاف حقیقی کی صورت بھی رفع ہوئی۔ صرف نزاع لفظی کی صورت ہو گئی۔ اب جبکہ یہ امر ثابت ہو گیا کہ نون مخفی میں مخرج

(۱) المنح الفکرية شرح المقدمة الجزرية، مطلب بيان أن الأسنان على أربعة أقسام،

مکتبہ ارگ بازار قندھار افغانستان، ص: ۱۵۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

اصلی کو دخل ہے۔ اور اس پر اعتماد ضعیف ہوتا ہے تو نون مخفی کے ادا کرتے وقت مابعد کے حرف کے مخرج پر اعتماد کرنا مثل سنگ و جنگ وغیرہ کے بالکل باطل ہو گیا۔ اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ حالانکہ ہم لوگ عموماً و خصوصاً اس میں مبتلا ہیں۔ ثانیاً یہ کہ اگر اعتماد مابعد کی کچھ اصل ہوتی تو تحول الی الخیشوم لکھنے کی ضرورت نہیں تھی؛ بلکہ تحول الی مخرج مابعد الحرف لکھتے۔ علاوہ بریں نون مخفی کے عند الجمہور پندرہ حروف ہیں اور امام جعفرؑ کے نزدیک سترہ ہیں تو تعجب ہے کہ اہل فن ذرہ ذرہ تجوید کے دقائق اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں، مگر اتنے مخرج والے حروف کو چھوڑ دیتے اور کہیں اشارہ بھی اعتماد مابعد الحروف کو ذکر نہ کرتے۔ ثالثاً یہ کہ چونکہ نون مخفی کی اداء میں تولید حرف مدہ کو مظنہ ہوتا ہے۔ لہذا اگر لسان کو یعنی مخرج اصلی کو کچھ دخل نہ ہو تو حرف مدہ پیدا ہونا چاہیے۔ جیسے کہ ماسبق کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔ حالانکہ اعتماد مخرج مابعد سے اس کا مظنہ بھی نہیں ہوتا۔ پس مظنہ تولید مدہ سے معلوم ہوا کہ اعتماد مابعد الحرف پر صحیح نہیں ہے۔

سوال (۲۶۷): قدیم ۳۳۲/۱ - (ب) اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ تولید حرف مدہ تو مبالغہ فی الغنة کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ لکھتے ہیں: ویبالغ فی الغنة.

جواب: اس کا یہ ہے کہ حرف مدہ سے غنہ کی تقویت نہیں ہوتی۔ بلکہ اور مانع عن الغنة ہوتا ہے۔ جیسا کہ اکثر غیر مشاق سے ”اتحاجونی“ وغیرہ میں غنہ ادا نہیں ہوتا۔ اگر مدہ غنہ کا مؤید ہوتا تو یہ دقت نہ ہوتی۔ تو عبارت مذکور کا مطلب یہ ہے کہ: ”أن یبالغ فی الغنة، أي فی إخراج حرف الغنة من الخیشوم۔“

رابعاً یہ ”جہد المقل“ میں ہے:

فلیحذر القاري عن إطباق أقصى اللسان إلى الحنك عند التلفظ بالغة قبل القاف، والكاف (۱)۔

اس تحذیر سے صاف ظاہر ہو گیا کہ غنہ یعنی نون مخفی قبل القاف و الکاف کے ادا کرتے وقت أقصى لسان کا حنک اعلیٰ سے اطباق نہ ہونا چاہئے، جیسا کہ اردو میں پنکھا اور سنگ وغیرہ میں ہم لوگ کرتے ہیں۔

خامساً یہ کہ امام جعفرؑ کے یہاں خاء اور غین میں بھی اختفاء ہوتا ہے۔ اور یہاں اعتماد مخرج مابعد کی کوئی صورت نہیں۔ سوائے اس کے کہ ادنیٰ حلق سے صوت خیشومی مٹم نہایت دقت سے ادا ہوا؛ بلکہ اس میں غین و خاء کی کچھ بو و شائبہ بھی مسموع ہو، اسی کی کیا خصوصیت ہے؛ بلکہ اکثر حروف میں نون مخفی کے ادا کرتے وقت آئندہ والے حرف کا شائبہ ہوتا ہے۔ خصوصاً حروف مستعلیہ میں غنہ مٹم ادا ہوتا ہے۔ اور یہ ممنوع و منہی عنہ ہے، جیسا کہ ”نہایۃ القول“ میں حروف فرعیہ کے بیان میں ہے۔

قال الحلبي في شرحه: وزاد القاضي اللام المفخمة، والنون المخففة، وهو وهم إذ ليس فيهما شائبة حرف آخر، ولم يقعا بين مخرجين. (۱)
اور ملا علی قاری علیہ الرحمہ ”شرح شاطبی“ میں لکھتے ہیں:

وأن النون المخففة ليس فيها شائبة حرف آخر، ولم تقع بين مخرجين، وكونها ذات مخرجين لا يلزم بينيتها. (۲)

حلبی اور ملا علی قاری نے تصریح کر دی کہ نون مخفی میں شائبہ دوسرے حرف کا نہیں ہوتا اور نہ دو مخرج سے ادا ہوتا ہے؛ کیونکہ مخرج تو خیشوم قرار دیا گیا ہے۔ اور مخرج اصلی بوجہ اعتماد ضعیف اور تجانی قلیل کے کا لعدم سمجھا گیا تو اب دوسرا مخرج کہاں جو نون مخفی کو حرف فرعی کہا جاوے۔ اور اگر اعتماد مابعد کے حرف پر صحیح ہوتا تو ”لم يقع بین مخرجین“ نہ لکھتے؛ بلکہ ”وقع بین مخرجین“ لکھتے۔ اور نون کو حرف فرعیہ میں داخل کرتے؛ کیونکہ نون مخفی کے لئے ایک مخرج تو خیشوم تھا ہی۔ دوسرا حرف مابعد کا مخرج ہو جاتا، پس حرف فرعی کی تعریف ”ما تردد بین المخرجین“ صادق ہو جاتی۔

سوال: (۲۶۱): قدیم ۳۳۳/۱- (ج) چونکہ یہ ثابت ہو گیا کہ نون مخفی کا مخرج خیشوم ہے۔ اور زبان کو بھی دخل ہے تو حرف فرعی کی تعریف ”ما تردد بین المخرجین“ تو صادق آگئی، تو پھر حلبی اور ملا علی قاریؒ نے ”لم يقع بین مخرجین“ کیوں لکھا؟

(۱) نہایۃ القول المفید فی علم التجوید، الباب الأول، الفصل الأول: فی بیان ما يتعلق بمخارج الحروف الخ، المكتبة العلمية لاهور، ص: ۳۷ -
(۲) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔
شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جواب: یہ ہے کہ یہاں صفت محذوف ہے، یعنی ”لم يقع بین مخرجین متغائرين حرفا هما“ اور حرف مابعد کے اعتماد یعنی مثل سنگ کی ادائیگی پر صادق آوے گا ”وقع بین مخرجین متغائرين حرفا هما“ اور ”وقوع بین مخرجین متغائرين حرفا هما“ کو لازم ہے تردد بین المخرجین جیسا کہ الف ممالہ صادمہ ہمزہ مسہلہ ہوتا ہے؛ حالانکہ یہ علم ہو چکا کہ نون خفی میں دوسرے حرف کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ پس اسی واسطے حلبی نے اس کی فرعیت سے انکار کر دیا۔ لیکن چونکہ ملا علی قاری نے حرف فرعی کی تعریف ہی دوسری لکھی ہے، یعنی ”ما عدل عن مخرجہ الأصلي أو الصفة الذاتية“ (۱)۔ لہذا اس تعریف کے بموجب نون خفی ولام مقحم بھی فرعی ہی رہے گا۔

سادساً: یہ کہ حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی ”درة الفرید“ میں اخفاء کی تعریف وغیرہ کے بعد لکھتے ہیں کہ: ”ولا يخفى ما فيه من اللطف والدقة“ (۲)۔ اگر یہی اعتماد مابعد الحرف معتبر ہوتا یعنی مثل پنکھا وغیرہ کی ادا کے تو دقت کیا تھی دقت اس میں ہے کہ اظہار والا بھی اعتماد نہ ہو اور ادغام والا بھی اعتماد نہ ہو۔ علاوہ بریں شیخ کو اخفاء ہی کے لئے یہ کہنے کی کیا خصوصیت تھی جبکہ ادغام ناقص اور اخفاء میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سابعاً: یہ کہ جمیع اہل فن سلفاً وخلفاً یہ لکھتے ہیں کہ مخفی میں تشدید نہیں ہوتی اور مدغم میں تشدید ہوتی ہے یہ فرق سب لکھتے ہیں۔ اور تشدید کی یہ تعریف کرتے ہیں: هو شدة اتصال الحرفين مع امتزاجهما في السمع بحيث يرتفع اللسان ارتفاعاً واحداً (۳)۔

اب ہم لوگ جو مابعد کے حرف پر زور دے کر اخفاء ادا کرتے ہیں۔ اس میں تشدید پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تعریف مذکور صادق آ جاتی ہے۔ مگر تشدید ناقص جیسا کہ احطت اور بسطت کے ادغام میں تشدید ناقص ہوتی ہے۔ ثامناً یہ کہ مرثی وغیرہ لکھتے ہیں کہ جو حروف اخفاء نون سے بعید المخرج ہیں ان میں نون اقرب الی الاظہار ہوگا۔ اور اقرب الی الاظہار جب ہی ادا ہوگا جب نون کو اپنے اصلی مخرج سے تعلق ہو۔ اور اعتماد زیادہ ہو حالانکہ اخفاء کی مروجہ ادا میں حرف فاء وقاف وکاف میں مخرج اصلی کو کچھ ذرہ بھر بھی دخل نہیں ہوتا۔ لہذا

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۳) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

ان تمام ادلہ اور نقول سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ اعتماد مابعد الحرف اور اداء مروجہ باطل اور بے اصل ہے اور اس کے رواج کی وجہ محض مہرہ تجوید کی بے توجہی اور قلت ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ اصعب میں اسهل جذب ہو جاتا ہے کیونکہ طبیعت کا اہتمام اصعب کی طرف ہوتا ہے جس سے اسهل میں خرابی آ جاتی ہے۔ تو چونکہ نون ساکن قبل حروف اخفاء ثقیل علی اللسان ہے۔ اس واسطے نون ساکن مابعد کے حرف میں جو سہل الخروج ہے جذب ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ اعتماد مابعد الحرف مروج ہو گیا۔

سوال: (۲۶۶): قدیم ۳۳۴/۱- (د) اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ اخفاء کی تعریف ہے: ”حالة

بین الإظهار والإدغام عار من التشدید“ اور بینیت جب ہی ہوگی جب مابعد سے بھی لگاؤ ہو؟
جواب: یہ ہے کہ ”عار من التشدید“ بمنزلہ فصل کے ہے۔ اور اس لگاؤ یعنی اعتماد سے مثل ادغام ناقص کے ہو جاوے گا۔ جس میں کہ تشدید بھی ناقص ہوتی ہے۔ حالانکہ اخفاء میں کسی قسم کی تشدید بھی نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ نون مخفی و نون مدغم وغیرہ قسم ہیں نون مطلق کی اور مقسم کی قسموں میں بتاؤں ہوتا ہے۔ اور اس اعتماد سے مخفی و مدغم با دغام ناقص میں مثل من بقول کے کچھ ٹھوڑا ہی سا فرق ہوتا ہے، جس سے ادغام کی تعریف صادق آ جاتی ہے۔

حالت بین الإظهار والإدغام کے معنی یہ لکھتے ہیں: ”لا إظهار فيه، ولا إدغام“ اظہار کے معنی ہیں اپنے مخرج اصلی اور صفات اصلیہ کے ساتھ ادا کرنا۔ اور ادغام کے معنی ہیں خلط حرف ”بحرف بحیث یرتفع اللسان ارتفاعا واحدا مع شدة الاتصال فیہما“۔ اور خلط کی تین صورتیں ہیں یا تو خلط ساتھ قلب ذات مع جمیع صفات کے ہوتا ہے۔ جیسے قل رب میں ہے یا قلب ذات مع بقاء صفت غنہ کے جیسے: من یقول ومن وال میں ہے۔ یا خلط مع شدة اتصال ساتھ انعدام بعض صفت کے جیسے احطت میں ہوتا ہے۔ اب تعریف مذکور کا مطلب سمجھ لیجئے۔ اخفاء میں ذات نون کامل طور پر اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتی؛ اس لئے اظہار نہ ہوا۔ اور چونکہ کچھ مخرج کو بھی دخل ہے اور صفت غنہ بھی باقی ہے؛ لہذا کچھ اظہار بھی ہوا اور ادغام میں ستر ذات یا صفت کا ہوتا ہے اور یہ ستر اخفاء میں بھی ہے، مگر ادغام خلط اور شدة الاتصال کے ساتھ ہوتا ہے اور اخفاء میں یہ بات نہ ہونی چاہئے۔ لہذا اب اخفاء کی تعریف: ”بین الإظهار والإدغام“ بھی صادق آ گئی۔ اور ”الإظهار والإدغام“ بھی صادق آ گیا۔ اسی واسطے تو محققین نے

ادغام اخفاء کی یوں تفریق بیان کی ہے: ”الإخفاء إخفاء حرف في نفسه عند غيره لا في غيره في نفسه“ کے معنی ”أي في مخرجه“ اور ”عند غيره“ کے معنی ”أي عند حروف الإخفاء لا غير“۔ ”لا في غيره“ کے معنی ”أي لا في مخرج غيره“۔ اور ادغام میں لکھتے ہیں: ”هو إخفاء الحرف في غيره، أي في مخرج غيره“ اس تفریق کے بعد معلوم ہو گیا کہ اعتماداً ما بعد سے لازم آوے گا: ”إخفاء الحرف في غيره، وهذا خلاف ما صرح حواہ“۔

سوال: (۲۶۶): قدیم ۱/۳۳۵- (۵) دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام سخاویٰ و امام دائی نے یاء اور واو میں ادغام ناقص کو لکھا ہے کہ حقیقت ادغام نہیں بلکہ وہ اخفاء ہے؟

جواب: یہ ہے کہ ان حضرات نے مطلقاً ادغام کی کہیں نفی نہیں کی بلکہ تمام کی نفی کی ہے؛ کیونکہ تیسیر میں لکھتے ہیں:

والبا قون يد غمون فيهما، أي في الواو والياء لكن القلب الصحيح ممتنع فيهما. (۱)

اس آخری جملہ سے معلوم ہو گیا کہ نفی قلب کامل کی ہے۔ باقی ادغام ناقص کو اخفاء لکھنا اس کا یہ منشاء ہے کہ اخفاء کی تعریف ہے: ”حالة بين الإظهار والإدغام“ اس تعریف سے اخفاء اور ادغام میں جو کہ باہم تقسیم ہیں؛ چونکہ قدر مشترک ثابت ہوتی ہے؛ لہذا ایک کا دوسرے پر اطلاق کر دیا گیا۔ ورنہ حقیقتاً دونوں جُدا جُدا مستقل ہیں۔ اور متبائن؛ کیونکہ اتنی عبارت بین الإظهار والإدغام تو بمنزلہ جنس کے ہے اور اس سے آگے کی عبارت عار من التشديد بطور قید کے جس کی دائی و سخاویٰ نے بھی تصریح کی ہے، یہ بمنزلہ فصل کے ہے۔ اس قید سے اخفاء ادغام سے نکل جاتا ہے؛ بلکہ اخفاء اور ادغام کی تعریف جو اوپر بیان کی گئی ہے اس سے تو اخفاء ادغام ہے چاہے ناقص ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ مناسبت ہی نہیں ہے، صرف لغوی معنی میں اشتراک ہے، یعنی محض مطلقاً استتار۔ اسی واسطے امام جزری اور ملا علی قاری وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ اطلاق دانی و سخاویٰ کا ادغام ناقص کو اخفاء لکھنا صحیح نہیں ہے۔ یا یہ کہا جاوے کہ ان حضرات کی اصطلاح ہی جُدا ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں:

”الإخفاء ما بقيت معه الغنة“۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے حرف کا جہاں کچھ اثر باقی رہے وہ اخفاء ہے، مگر پھر تفصیل بھی ان ہی کے اقوال سے ثابت ہوتی ہے کہ اخفاء کے اقسام میں کہیں بلا قلب و خلط

 و بلا تشدید جیسا کہ حروف اخفاء میں ہوتا ہے۔ اور کہیں مع القلب والخلط والتشدید مع الغنہ جیسا کہ من یقول
 اور من وال میں ہوتا ہے۔ اور کہیں خلط بلا قلب مع التشدید جیسا کہ اخطت میں ہوتا ہے۔ اب ان ہی کی
 تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ادغام ناقص اور اخفاء دونوں غیر ہیں۔ اور وہ اطلاق محض اصطلاحی ہے۔

حاصل ساری تحریر کا یہ ہے کہ نون مخفۃ نون مظہر کے مخرج سے ساتھ قرع ضعیف کے ادا کیا جائے اور
 مابعد کے حرف کا اس میں شائبہ بھی نہ ہونہ اُس کے مخرج پر اعتماد ہو۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب
 العلمین۔ عبد اللہ مراد آباد مدرسہ امدادیہ المنصف ۱۳۴۵ھ فقط

تصدیق از استاذ الاساتذۃ حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب الہ آبادی

ان هذا لهو الحق، والحق أحق أن يتبع عبد الرحمن بن محمد بشير خان الإله آبادي
 (تمتہ خامسہ ص: ۶۶۰)

”جمال القرآن“ اور ”زینۃ القاری“ کی عبارتوں میں ظاہری تعارض کا دفعیہ

سوال (۲۶۷): قدیم ۱/۳۳۷- (الف) ”جمال القرآن“ صفحہ: ۲۰، قاعدہ: ۴۵/۴۵ میں
 لکھا ہے: نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرف باء آوے تو اس باء کو میم سے بدل کر الخ۔ پس اگر باء کو میم
 سے بدل دیا جاوے تو ”من بعد“ سے ”من معد“ ہو جاوے گا۔ اور کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ نون ساکن
 اور تنوین کے بعد اگر حرف باء آوے تو اس نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدل دیا جاوے تو اس صورت میں
 ایسا ہوگا، یعنی ”من بعد“ سے ”مم بعد“ ہو جائے گا۔ آیا عبارت جمال القرآن کی صحیح ہے۔ یا میری کم فہمی
 کے سبب سمجھ میں نہیں آتا؟

الجواب: واقعی جمال القرآن کی عبارت میں لغزش ہوئی۔ یوں لکھنا چاہیے تھا کہ اس نون کو میم سے
 بدل کر: ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس ص: ۶)

سوال (۲۶۷): قدیم ۱/۳۳۷- (ب) گزارش یہ ہے کہ احقر نے رسالہ ”زینت
 القاری“ اُردو کا مطالعہ کیا۔ بعض مضامین رسالہ ”جمال القرآن“ کے خلاف پائے۔ لہذا جناب والا سے

.....

استفسار کرتا ہوں۔ اُمید کہ جواب شافی سے ممنون فرما دیں گے۔ فی الحال صرف تین سوال ارسال خدمت ہیں؛ چونکہ جناب کا قاعدہ مقررہ ہے کہ دو تین سوال سے زائد ایک بار میں دریافت نہ کئے جائیں؛ لہذا باقی سوال آئندہ انشاء اللہ ارسال کروں گا؟

الجواب: السلام علیکم! چونکہ فنِ قراءت کے متعلق سوالات تھے؛ اس لئے میں نے جواب کے لئے قاری محمد یامین صاحب مدرس مدرسہ ہذا کے سپرد کر دیئے، چنانچہ ذیل میں، منقول ہیں۔

سوال (۲۶۷): قدیم ۱/۳۳۸- (ج) ”جمال القرآن“ میں لُحْن جلی کی صورتوں میں سے ایک یہ لکھی ہے کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا۔ اور لُحْن خفی کی تعریف میں لکھا ہے کہ حرفوں کے حسین ہونے کے جو قاعدے مقرر کئے ہیں، اُن کے خلاف پڑھنا (صفحہ: ۳۰ و ۲۷) اور ”زینت القاری“ میں صورت مذکورہ لُحْن جلی میں نہیں لکھا؛ بلکہ یہ لکھا ہے کہ لُحْن جلی کہتے ہیں: اعراب پُورے کئے کو یا لفظ میں اُس کے اصل سے کچھ زیادہ کم کرنے کو۔ اور لُحْن خفی کہتے ہیں: حرف کے مخرج چھوڑنے کو، اس طرح پر کہ حرف اپنے مخرج سے نہ ادا ہو۔ انتہی (ص: ۱۰، مطبوعہ مجیدی کان پور)

پھر بعض مشتبہ الصوت حروف کی مثالیں لکھی ہیں۔ پس مشتبہ الصوت میں ایک کی جگہ دوسرا پڑھنے سے ”جمال القرآن“ کے مطابق لُحْن جلی ہوگا۔ اور ”زینت القاری“ کے مطابق خفی اور خلاف قواعد حسن پڑھنے کو لُحْن نہیں لکھا۔ محقق امر سے مطلع فرمادیں؟

الجواب: امر ظاہر و مسلم ہے کہ متعارض اقوال میں اسی قول کو ترجیح ہوگی جس کے مؤید و موافق علماء اکابر و سلف معتبرین کے اقوال ہوں۔ اس بناء پر ”جمال القرآن“ کا قول محقق اور درست معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ ملا علی قاری شارح ”مقدمۃ الجزریہ“ اور مرثی صاحب ”جہد المقل“ یہ دونوں حضرات فنِ تجوید و قراءت کے بڑے محقق و ماہر و مستند عالم اور مسلم ہیں۔ ان دونوں کے کلام کا خلاصہ لُحْن جلی و خفی کے متعلق ”نہایۃ القول المفید فی علم التجوید“ مطبوعہ مصر (کہ فنِ تجوید میں بہتر تصنیف ہے۔ اور مقبول و متداول بین القراء و المجو دین ہے) صفحہ: ۲۲ میں اس طرح منقول ہے:

وهو (أي اللحن) نوعان: جلي، وخفي، ولكل واحد منها حد يخصصه، وحقيقة يمتاز بها عن صاحبه، فأما الجلي فهو خطأ يطرأ على الألفاظ، فيخل بالعرف أعني عرف

.....

.....

القراء، و سواء اخل بالمعنى أم لم يخل، وإنما سمي جلياً؛ لأنه يخل إخلا لا ظاهراً يشترك في معرفته علماء القراءة وغيرهم، وهو يكون في المبنى أو الحركة أو السكون، والمراد من المبنى حروف الكلمة، ومن الخطأ فيه تبديل حرف بآخر كتبديل الطاء دالا بترك اطباقها واستعلاؤها أو تاء بتركهما وبإعطائها همسا، وأما اللحن الخفي فهو خطأ يطرأ على اللفظ فيخل بالعرف، ولا يخل بالمعنى، وإنما سمي خفياً؛ لأنه يختص بمعرفة علماء القراءة، وأهل الأداء، وهو يكون في صفات الحروف كذا اطلق لكن ينبغي أن يقيد الخطأ بما لا يؤدي إلى تبديل حرف بآخر كترك الإدغام، وأما إذا أدى إليه كترك الاطباق في الطاء، وترك استعلاؤها فهو من اللحن الجلي. (۱)

پس اس عبارت کا مدلول مطابق ہے ”جمال القرآن“ کی مدلول کے۔ دوسری بات یہ ہے کہ لحن جلی کی تعریف میں فیما بین ”جمال القرآن و زینت القاری“ کچھ تعارض نہیں؛ کیونکہ ”زینت القاری“ میں لحن جلی کی چار صورتوں میں سے تین بیان کی گئی ہیں اور ایک چھوٹ گئی، سوا یک کے چھوڑ دینے سے تعارض نہیں ہو سکتا۔ اور لحن خفی کی تعریف خود مصنف زینت القاری مولانا کرامت علی صاحب جو پوری اپنے دوسرے رسالہ ”شرح ہندی جزری“ میں ”جمال القرآن“ کے مطابق بیان کر رہے ہیں۔ ص: ۲۴ پر لکھتے ہیں: دوسرا طور یہ کہ معنی نہیں بدلتا، جیسے باریک کو پر کیا یا پر کو باریک یا اظہار کے مقام میں ادغام کیا یا اخفاء کیا، اس لحن خفی کہتے ہیں۔ اس غلطی سے معنی تو نہیں بدلتے، مگر قرآن کی رونق میں خلل ڈالتی ہے اور اس کی خوبی و دلچسپی کو کھودیتی ہے۔

سوال (۲۶۷): قدیم ۳۳۹/۱- (د) ”جمال القرآن“ میں ”ل“، ”ن“، ”ز“ کو زلقیہ اور ظ، ذ، ث کو لثویہ لکھا ہے۔ (ص: ۹، لمعہ ۴) اور زینت القاری میں لکھا ہے حروف زلقیہ یعنی جو زبان کی تیزی سے یعنی نوک سے نکلتے ہیں ظ، ذ، ث اور لثویہ یعنی جو مسوڑھوں سے نکلتے ہیں ل، ز، ن انتہی (ص: ۱۸) یہ بالکل عکس ہے، سو کوئی بات ٹھیک ہے۔ تحریر فرمایا جاوے؟

(۱) نہایۃ القول المفید فی علم التجوید، الفصل الرابع فی بیان اللحن الجلی والخفی،

وحدہما و حکمہما، مطبوعۃ المکتبۃ العلمیۃ لاہور، ص: ۲۸ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: ”جمال القرآن“ کا قول ٹھیک ہے؛ کیونکہ فن تجوید و قراءت کتب متداولہ مذکورہ و شرح ملا علی قاری علی المقدمة الجزریہ المسمی ”منح الفکر“ و دیگر کتب مستندہ زینت القاری کی موافقت نہیں کرتیں۔ غالباً ناخین کی یہ غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اور ”جمال القرآن“ کا قول کتب تجوید کے موافق ہے۔ فظہر الأمر للمقدمة المذكورة۔

سوال (۲۶۷): قدیم ۱/۳۴۰۔ ”جمال القرآن“ میں راء کی صفت تکریر کے متعلق لکھا ہے کہ اس سے بچنا چاہیے۔ اگرچہ اس پر تشدید بھی ہوا لُح (ص: ۱۷، لمعہ ۵) اور ”زینت القاری“ میں لکھا ہے ”ر“ کو ایسا ادا کرے کہ اس کی صفت تکرار کی نہ جاتی رہے۔ پُر بھی ہو اور صفت تکرار کی بھی باقی رہے۔ خاص کر جب مشدد ہو۔ (ص: ۱۲) یہ صریح تعارض ہے، اُمید کہ جواب شافی سے جلد مشرف فرمائیں گے، تاکہ دوسرے سوالات جلد ارسال خدمت کر سکوں۔

الجواب: ”جمال القرآن“ کا قول محقق ہے۔

كما قال المحقق ملا علي في منح الفكرية على المقدمة الجزرية المطبوعة في مصر، ص: ۲۳. ما نصه في شرح قول المتن وبتكرير جعل، والمعنى أن الراء يوصف بالتكرار أيضاً، كما وصف بالإنحراف والتكرار إعادة الشيء، وأقله مرة على الصحيح، ومعنى قولهم أن الراء مكرر هو أن الراء له قبول التكرار لارتعاد طرف اللسان به عند تلفظه. كقولهم لغير الضاحك إنسان ضاحك يعني أنه قابل للضحك، وفي الجعل إشارة إلى ذلك، ولهذا قال ابن الحاجب لما تحسه من شبه ترديد اللسان في مخرجه، وأما قوله: ولذلك جرى مجرى حرفين في أحكام متعددة فليس كذلك، بل تكريره لحن فيحب معرفة التحفظ عنه للتحفظ به، وهذا كمعرفة السحر ليجتنب عن تضرره، ويعرف وجه رفعه قال الجعبري، وطريقة السلامة أن يلصق اللافظ ظهر لسانه با على حنكه لصقا محكما مرة واحدة، ومتى ارتعد حدث في كل مرة راء قال مكي: لا بد في القراءة من إخفاء التكرير، وقال

 واجب علی القاری: أن یخفی تکریره، ومتی أظهر فقد جعل من الحرف المشدد حرفاً، ومن المخفف حرفین (۱)۔ انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ترجیح خامس ص ۱۰۵)

سورۃ فاتحہ میں لفظ ”الصراط“ کی قراءت کی تحقیق

سوال (۲۶۸): قدیم ۳۴۰/۱۔ احقر اس وقت تیسیر کا مطالعہ کر رہا تھا۔ ایک مقام میں شک واقع ہوا۔ فدوی نے اس مقام کو وجہ المثانی میں نکال کر دیکھا؛ لیکن اطمینان نہیں ہوا، اس وجہ سے حضور کی خدمت میں عرض ہے کہ حضور والا جواب تحریر فرمائیں کہ کس عبارت پر عمل کیا جاوے؟ شک یہ ہے: مطلب عبارت ”تیسیر الصراط“ میں خلف الصاد کو باشام الزائے پڑھتے ہیں اور خلا بھی خاص سورۃ فاتحہ میں صاد کو باشام الزائے پڑھتے ہیں، مطلب عبارت ”وجہ المثانی الصراط“ میں صاد کو خلف باشام الزائے پڑھتے ہیں اور قبل بالسنین اور باقی قراء صاد خالص پڑھتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلا بھی اس کو صاد پڑھتے ہیں؛ حالانکہ خلا خاص کر اس میں اشام بالزائے کرتے ہیں۔ یعنی سورۃ فاتحہ میں۔ امید کہ حضور جواب باصواب سے معزز و ممتاز فرمائیں گے۔

الجواب: میں نے کمرہ سے یہ رسالہ مرتب کیا ہے۔ اس وقت میں نے اس کی طرف مراجعت کی۔ معلوم ہوا کہ اس کی عبارت میں اس وقت غور سے کام نہیں لیا گیا تھا۔ اس کا اور تیسیر کا ایک ہی مطلب ہے۔ چنانچہ میرے رسالہ ”تنشیط“ میں تیسیر کے موافق ہے۔ اب اس کی عبارت میں اس طرح ترمیم کرتا ہوں:

قوله تعالى: الصراط الأول المعروف فيه قراءة الأولى بالإشمام، وهو أن ينطق القاري بحرف متولد بين الصاد والزاء لحمزة، والثانية بالسين لقنبل كجميع القرآن، والثالثة بالصاد الخالصة للباقيين كجميع قوله تعالى: صراط الثاني المنكر فيه قرائتان الأولى بالإشمام لخلف كجميع القرآن، والثاني بالسين لقنبل كما ذكر، والثالثة بالصاد الخالصة للباقيين. (ومنهم خلا)

(۱) المنح الفكرية على المقدمة الجزرية، قبيل مطلب بيان تحتم الأخذ بالتجويد، مكتبة

شمیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ارگ بازار قندھار افغانستان، ص: ۱۸ -

اگر اس عبارت میں بھی شبہ ہو تو میں زیادہ غور کر کے مکرر درست کر دوں۔ اگر شبہ نہ ہو تو حاجت جواب نہیں۔ مکرر آنکہ سوال کی عبارت قابل توضیح ہے، اس طرح قولہ غلام بھی خاص سورہ فاتحہ کے لفظ الصراط بلام التعریف میں الخ۔ وکذا قولہ: حالانکہ غلام خاص کر اس میں الی قولہ یعنی سورہ فاتحہ میں الخ۔ یہ اس طرح ہونا چاہیے خاص کر اس میں یعنی سورہ فاتحہ کے الصراط اول میں۔

۲۴ رجب ۱۳۳۵ھ (ترجیح خمس ص ۲۲)

صفت مزلقہ اور مصمتہ کی تحقیق

سوال (۲۶۹): قدیم ۳۴۲/۱۔ بفضلہ تعالیٰ ”جمال القرآن“ کا ترجمہ سندھی زبان میں کر چکا ہوں۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس کے فضل سے چھپنے کا بھی بندوبست ہو جاوے گا۔ ”جمال القرآن“ کے ص: ۱۵/صفت ۱۰ میں ارقام ہے کہ (مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ وہ حروف زبان اور ہونٹ کے کنارے سے نہ ادا ہوں گے۔ اور مزلقہ کے سوا سب حروف مصمتہ ہیں) معروض یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ حروف مصمتہ میں زبان اور ہونٹ کے کنارے کا دخل نہ ہوگا؛ حالانکہ اوپر ص: ۹ میں مرقوم ہے کہ (مخرج ۱۳ طا اور ذال اور ثاء کا ہے۔ اور وہ زبان کا کنارہ اور ثایا علیا کا سرا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ مخرج ۱۳ میں زبان کے کنارہ کا دخل ہے؛ حالانکہ یہ حروف مصمتہ ہیں نہ مزلقہ۔ حضرت یہ میرا شبہ صحیح ہے۔ یا غلط میری اصلاح فرمادیں؟

الجواب: مجھ کو (*) اس فن کے مسائل متخضر نہیں۔ کہیں سے دیکھ کر لکھا ہوگا۔ آپ کسی ماہر سے مستقل تحقیق کر کے اسی کو اصل سمجھیں۔ (ترجیح خامس، ص: ۸۳)

(*) سائل کا شبہ صحیح ہے ”جمال القرآن“ میں صفت اصمات کے بیان میں تسامح ہوا تھا، بعد میں اصلاح کر دی گئی ہے، اب ”جمال القرآن“ کی عبارت اس طرح ہے: ”مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ یہ حروف اپنے مخرج سے مضبوطی اور جماء کے ساتھ ادا ہوتے ہیں، آسانی اور جلدی سے ادا نہیں ہوتے۔ اور مزلقہ کے سوا سب حروف مصمتہ ہیں۔“ (جمال، ص: ۱۵) ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

سورہ توبہ کے شروع میں بسملہ کی تحقیق

سوال (۲۷۰): قدیم ۳۴۲/۱ - سیدی و مولائی دام ظلکم العالی! السلام علیکم۔ عرض یہ ہے کہ جناب نے ترک بسملہ کو ابتداء تلاوت برأت سے ہو ”اغلاط العوام“ میں داخل کیا ہے۔ اور مکررہ میں ہے: وأجمع القراء على ترك البسملة في أول براءة سواء ابتداء بها أو وصلها بالأنفال۔ (۱) ایسا ہی شاطبیہ میں ہے؛ لہذا جناب کے قول اور مکررہ میں جو صورت تطبیق ہو، تحریر فرمائیں؟

الجواب: واقع میں ان دونوں قولوں میں تطبیق نہیں ہو سکتی، مگر یہ مسئلہ فن قراءت کا نہیں؛ اس لئے میرے نزدیک اس میں قاری کا قول حجت نہیں۔ قواعد فقہیہ (*) کا مقتضا میرے نزدیک وہی ہے جو میں نے لکھا ہے (۲)۔ واللہ اعلم

(*) یعنی تلاوت کے شروع میں بسم اللہ برکت کے لئے پڑھی جاتی ہے؛ لہذا جس طرح سورہ برأت کی درمیان کی آیتوں سے تلاوت شروع کرتے وقت بسم اللہ برکت کے لئے پڑھتے ہیں، اسی طرح سورہ برأت کے شروع سے تلاوت شروع کریں تو بھی برکت کے لئے بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔

تکرہ (أي البسملة) في أول سورة براءة إذا وصل قراءتها بالأنفال، كما قيده بعض المشايخ. اهـ (رد المحتار اول، ص: ۸ في تنمة الكلام حول الحمدلة، تقديم المؤلف حول البسملة والحمدلة، مكتبة زكريا ديوبند ۸۰ / ۱، کراچی ۹ / ۱)

جو لوگ منع کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سورت کے شروع میں بسم اللہ لکھی ہوئی نہیں ہے، پس اگر پڑھیں گے تو رسم و اجماع کے خلاف ہوگا؛ لیکن مجوزین کی دلیل قوی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

(۱) المکررہ فیما تواتر من القراءات السبع، باب البسملة، مطبوعه دار الكتب الغریبة الكبرى بمصر ص: ۶، شاطبیہ المسمى بحرز الأمانی ووجه التهانی فی القراءات السبع، باب البسملة، مكتبة صوت القرآن ديوبند ص: ۱۷ -

(۲) حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سوال پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا جواب ذیل میں درج کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباس قال: قلت لعثمان بن عفان: ما حملكم إن عمدتم إلى الأنفال وهي من الشماني وإلى براءة وهي من المئين، فقرنتم بينهما ولم تكتبوا بينهما سطر بسم الله ←

بعد تحریر یہ طور ہذا ایک وجہ تطبیق کی جو مجھ کو بہت لطیف معلوم ہوتی ہے خیال میں آگئی۔ وہ یہ کہ ابتداء بسورۃ توبہ میں بسم اللہ پڑھنے کی دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت ابتداء بمطلق القراءة کی، دوسری حیثیت ابتداء بالسورۃ کی۔ پس ”اغلاط العوام“ میں اول کا اثبات ہے۔ اور مکررہ و شاطبیہ میں ثانی کی نفی ہے۔ فلا تعارض واللہ اعلم۔ (ترجیح خامس ص ۱۰۳)

”بسم اللہ“ کے سورت کے جزو ہونے میں امام ابو حنیفہؒ اور امام عاصمؒ کے قول میں تعارض کا رفع

سوال (۲۷۱): قدیم ۳۴۳/۱ - خاکسار نے ”الاداء“ میں ایک عبارت بعنوان سوال وجواب بسم اللہ کے بارے میں دیکھی تھی، جس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ المسلمین کے یہاں جزو ہر سورت نہیں۔ اور شاطبی کا جو شعر ہے:

وبسمل بین السورتین بسنة ☆ رجال نموها دريته وتحملا (۱)

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ المسلمین کے یہاں جزو ہر سورت ہے؛ بلکہ یہ ثابت ہوتا

← الرحمن الرحيم، ووضعتموها في السبع الطوال ما حملكم على ذلك؟ فقال عثمان: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم مما يأتي عليه الزمان وهو ينزل عليه السورة ذوات العدد، فكان إذا نزل عليه الشيء دعا بعض من كان يكتب فيقول: ضعوا هؤلاء الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا، فإذا نزلت عليه الآية فيقول: منعوا هذه الآية في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا، وكانت الأنفال من أوائل ما نزلت بالمدينة، وكانت برأة من آخر القرآن، وكانت قصتها شبيهة بقصتها فظننت أنها منها، فقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يبين لنا أنها منها، فمن أجل ذلك قرنت بينهما ولم أكتب بينهما سطر بسم الله الرحمن الرحيم، ووضعتها في السبع الطوال. (ترمذي شريف، أبواب التفسير، سورة التوبة، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۹، دار السلام، رقم: ۳۰۸۶)

(۱) شاطبية المسمى بحرز الأماني ووجهه التهاني في القراءات السبع، باب البسملة،

مکتبہ صوت القرآن دیوبند ص: ۱۷ -

ہے کہ انہوں نے ہر سورت کے پہلے بسم اللہ پڑھی ہے۔ بے شک یہ تو صحیح ہے؛ لیکن شاطبی پشاورى جس کے حاشیہ پر دو شرحیں چڑھی ہیں منجملہ اُن کے شرح ”کنز المعانی“ بھی ہے۔ ”کنز المعانی“ کے صفحہ ۳۸ پر اسی شعر کی شرح کی ہے:

ثم المبسمون بعضهم عدھا آية من كل سورة سوى براءة، وهم غير قالون، وعدھا حمزة من التارکين آية من الفاتحة فقط (۱)۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے ابن کثیر اور امام عاصم اور امام کسائی کے یہاں بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے۔ جناب اس تحریر کا جواب فرمائیے؟

الجواب: مجھ کو بھی اس عبارت سے اپنے جواب میں تردد واقع ہو گیا۔ اور جس سوال کا میں نے جواب دیا تھا، وہ پھر محتاج جواب ہو گیا۔ میرے پاس نہ کتب ہیں، نہ وقت۔ دوسرے علماء و قراء سے رجوع کیا جاوے۔ اور کوئی شافی جواب ملے۔ بشرط مہلت مجھ کو بھی اطلاع دیجئے میں اپنے کسی رسالے میں نقل کر دوں گا۔ ایک توجیہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ: وہ سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا نہ پڑھنا تو روایت کے متعلق ہے۔ اور جزو ہونا نہ ہونا اجتہاد کے متعلق ہے۔ روایت میں عاصم کا قول حجت ہوگا۔ اور اجتہاد میں امام صاحب کا، پس میرا اصلی جواب سالم رہا۔ ۱۲ اشوال ۱۳۳۹ھ

مخدوم مکرم: دامت فیوضہم بعد سلام بعد تعظیم کے عرض یہ ہے کہ والا نامہ صادر ہوا۔ جناب قاری عبدالرحمن صاحب محدث انصاری پانی پتی تسمیہ کے بارے میں ائمہ فقہ کے اقوال نقل کر کے یوں لکھتے ہیں: ”وہمہ اقوال حق انداز قبیل اختلاف قراءت ہستند“۔ اور اسی عبارت پر خود ہی منہیہ لکھتے ہیں وہ یہ ہے: ”بدانکہ چوں در جزو بودن و نبودن بسم اللہ از ہر سورت اختلاف قراءت است، پس بر قاری قراءۃ مبسمین در تراویح قراءۃ بسملہ بر سر ہر سورت جہرا واجب شد والا ترک یک صد چہارہ آیت در ختم لازم آید۔ وآل جائز نیست و معمول دیار حنفی المذہب برخلاف آن است، پس سبب اہل ترک و غفلت معلوم نیست۔“

اور دوسرے رسالہ میں جو خاص اس مسئلہ میں ہے یوں لکھتے ہیں: تسمیہ کا مسئلہ اجتہادی بھی نہیں چونکہ منصوصات میں اجتہاد جائز نہیں؛ لہذا ہم چونکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلد مسائل اجتہادیہ میں ہیں نہ

مسائل منصوص میں، تو ہم کو اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ ہم مسائل فقہیہ میں تو امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں؛ کیونکہ وہ امام اور مجتہد مطلق تھے اور قراءت میں مقلد ائمہ قرآن اور راویان قراءت کے ہیں؛ کیونکہ وہ ہر ہر حرف اور ہر ہر نقط کی سند متصل اور متواتر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک رکھتے ہیں۔ اور قراءت میں ابوحنیفہ علیہ الرحمہ بھی مقلد راویان قرآن کے تھے۔ اور احتمال اجتہاد اس مسئلہ میں قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا۔ اور آگے جا کے لکھتے ہیں: دلائل مبہمیں اور تارکین دونوں کے احادیث صحیحہ ہیں۔ یہاں اجتہاد کا کیا دخل ہے؟ دونوں قرآن میں اجتہاد کو دخل نہیں دیتے اگر دخل دیتے ہیں تو بتلاؤ نشان اجتہاد عاصمؒ اور ابوحنیفہؒ کا اگر اجتہاد سے مراد فرض و تحسین ہے تو مقبول نہیں ہوگا۔ اور اگر مراد قیاس فقہی ہے تو یہاں مقیاس اور مقیاس علیہ اور وصف مشترک اور نص اوپر علیہ وصف اشتراک کے کیا ہے۔ انتہی۔

الجواب: في غيث النفع بعد نقل بعض الاختلافات في البسملة تحت عنوان البسملة، وسورة الفاتحة: مانصه وأيضاً فإن المحققين من الشافعية، وعزاه الماوردي إلى الجمهور على أنها آية حكماً لا قطعاً، قال النووي: والصحيح أنها قرآن على سبيل الحكم، ولو كانت قرآناً على سبيل القطع لكفرنا فيها، وهو خلاف الإجماع، وقال المحلي عند قول المنهاج: ففهمهم والبسملة منها، أي من الفاتحة عملاً؛ لأنه صلى الله عليه وسلم عدها آية منها صححه ابن خزيمة والحاكم لا تصح صلوة من لم يأت بها في أول الفاتحة، وهو نظير كون الحجر من البيت، أي في الحكم باعتبار الطواف والصلوة فيه لا له باعتبار أنه من البيت إذ لم يثبت ذلك بقاطع، وإذا قلنا: إنها آية قطعاً لا حكماً كما هو ظاهر عبارة ابن كثير، فيكون من باب اختلاف القراء في إسقاط بعض الكلمات وإثباتها، وكل قرأ بما تواتر عنده، والفقهاء تبع للقراء في هذا، وكل علم يسأل عنه أهله، والمسئلة طويلة الذيل، وما ذكرناه لب كلامهم وتحقيقه. ص: ۱۹ (۱)۔

(۱) غيث النفع في القراءات السبع، باب البسملة وسورة الفاتحة، مكتبة دارالعلوم فلاح

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دارین گجرات، ص: ۲۲۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ میرا قول بھی گنجائش رکھتا ہے اور قاری صاحب کا بھی، دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اگر قاری صاحب کے سب مقدمات تسلیم کر لئے جاویں تو تراویح کی کیا تخصیص ہے یہ مقدمات تو قراءت فی الفرض میں بھی جاری ہیں، تو کیا احناف وجوب جہر بالبسملة فی الفرائض کا التزام کریں گے؟۔ ۲۰ شوال ۱۳۳۹ھ (ترجیح خامس ص ۱۱۹)

سوال (۲۷۲): قدیم ۱/۳۴۶۔ ایک امر قابل دریافت ہے، وہ یہ کہ ”باب البسملة“ میں امام عاصم کے نزدیک بین السورتین بسملہ ضروری ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں تراویح کے اندر ہر سورت پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی تو اب اس صورت میں بروایت حفص عن العاصم الکوفی ختم کلام مجید پورے طور پر کیوں کر ہوگا؟ اس لئے بسم اللہ ایک غیر معین سورت کے اول میں پڑھی جاتی ہے اور باقی ایک سو تیرہ سورت کے اول میں نہیں پڑھی جاتی ختم کلام مجید میں امام عاصمؒ کے قول پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اور اگر امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر عمل کیا جائے تو ختم کلام مجید ناقص ختم ہوتا ہے خارج از نماز امام عاصمؒ کے قول پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں اندر نماز کے بسم اللہ پڑھنا احناف کے نزدیک پکار کر ہر سورت کے شروع میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر احناف کے نزدیک جائز ہے تو اس پر عمل کرنا فی زمانہ کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب: بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قراءت کے متعلق ہے اور ایک فقہ کے متعلق۔ عاصمؒ کا قول اول مسئلہ کی تحقیق ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا قول دوسرے مسئلہ کی تحقیق حاصل مسئلہ اولیٰ کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ سورت کا جزو نہ ہو، مگر باوجود عدم جزئیت روایتاً اُس کا پڑھنا ہر سورت پر منقول ہے۔ پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اس کی قراءت اُس روایت کے موافق نہ ہوئی، گو کوئی جزو متروک نہ ہوا ہو، جب کہ کم از کم ایک سورت پر پڑھ لے۔ اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایتاً ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہو؛ لیکن ہر سورت کا جزو نہیں ہے؛ بلکہ جزو مطلق قرآن کا ہے، اگر ایک جگہ بھی پڑھ لے تو قرآن پورا ختم ہو جاوے گا، گو اُس روایت کے موافق اس کی قراءت نہ ہو، پس امام عاصمؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے قول میں کوئی تخالف نہیں؛ کیونکہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جُدا جُدا ہیں اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے، یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحبؒ کے بھی خلاف نہیں؛ کیونکہ امام صاحبؒ تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے، یہ نہیں کہ جائز نہیں

کہتے۔ درمختار یا درمختار میں ہر سورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے (۱)۔ رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا یہ بلاشبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصم بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ واللہ اعلم وعملہ اتم۔

۶ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد، ص ۷۲)

(۱) ولا تسن بین الفاتحة والسورة مطلقا ولو سرية، ولا تکره اتفاقا. (درمختار) وفي الشامية قوله: ولا تکره اتفاقا، ولهذا صرح في الذخيرة والمجتبی: بأنه إن سمی بین الفاتحة والسورة المقروءة سرا أو جهرا كان حسنا عند أبي حنيفة، ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبي لشبهة الاختلاف في كونها آية من كل سورة. (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: قراءة البسملة بین الفاتحة والسورة حسن، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۱۹۲، کراچی ۱/ ۴۹۰)

”بدائع“ اور ”تاتارخانیہ“ اور ”محیط برہانی“ میں واضح الفاظ کے ساتھ اس بات کی صراحت موجود ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مسنون اور مستحب ہے؛ لیکن سر اُپڑھنا مستحب ہے، جہراً نہیں۔ ملاحظہ ہو:

ثم يخفى بسم الله الرحمن الرحيم، وقال الشافعي: يجهر به الخ. (بدائع الصنائع، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۴۷۴)

وينبغي على هذا أنه لا يجهر بالتسمية في الصلاة عندنا؛ لأنه لا نص في الجهر بها الخ. (بدائع الصنائع، زکریا ۱/ ۴۷۷، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۵۲)

وأما سنن الصلاة: والتسمية والإخفاء بها. (تاتارخانیہ، کتاب الصلاة، سنن الصلاة، زکریا ۲/ ۱۳۴، رقم: ۱۹۵۵)

وأما المخافتة في بسم الله الرحمن الرحيم في أوائل السور فهو عند أصحابنا رحمه الله تعالى، وهو قول الثوري. (المحیط البرہانی، کتاب الصلاة، الفصل الثاني: في الفرائض الخ، المجلس العلمي ۲/ ۴۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



۵ / باب الإمامة والجماعة

دوہرے فرش پر نماز اور امام کی موجودگی میں نو وارد عالم کا نماز پڑھانا

سوال (۲۷۳): قدیم ۳۴۷/۱ - کیا فرماتے ہیں علماء شرع متین ان مسئلوں میں:

- (۱) کہ مسجد میں اگر دوہر فرش مع مقتدیوں و امام کے ہو تو درست ہے یا نہیں؟
 - (۲) ایک امام جامع مسجد ہے اور وہ نماز کے فرائض اور واجبات و سنن و شکندہ (نوافل) وغیرہ بخوبی جانتا ہے اور قرآن شریف صحیح خواں ہے، مگر عالم نہیں۔ ایک عالم وارد ہوا تو نماز وہ امام جی جو ہمیشہ قدیم سے موجود ہے پڑھاوے یا وہ عالم نو وارد پڑھاوے اور وہ عالم بلا اجازت امام جی کے نماز پڑھاوے درست ہے یا نہیں؟ اور نماز بغیر اجازت امام جی کے موجود ہوتے ہوئے عالم کو پڑھانی درست ہے یا نہیں؟ یا امام جی کو بلا اجازت عالم کے نماز پڑھانی درست ہے یا نہیں اور اس صورت خاص میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟
- الجواب:** للسؤال الأول. دوہرے فرش پر نماز درست ہے۔

وأن يجد حجم الأرض، درمختار، تفسیره: أن الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه وأبلغ من ذلك فصيح على طنفسة، وحصير، وحنطة، وشعير، وسرير. (طحطاوی جلد اول، ص: ۲۲۲) (۱)۔

- (۱) طحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ کوئٹہ ۲۲۲/۱۔
- والأصل كما أنه يجوز السجود على الأرض يجوز على ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقر عليه، وتفسير وجدان الحجم أن الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه أبلغ من ذلك، فيصح السجود على الطنفسة، والحصير، والحنطة، والشعير، والسرير. (البحر الرائق، الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۵۸/۱، کوئٹہ ۳۱۹/۱، شامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۰۶/۲، کراچی ۵۰۰/۱، ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الرابع: فی صفة الصلاة، الفصل الأول: فی فرائض الصلاة، قدیم زکریا ۷۰/۱، جدید زکریا ۱۲۷/۱، حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، الصلاة، باب شروط الصلاة وأركانها، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۲۳۰)

الجواب: للسؤال الثاني. صورت مذکورہ میں استحقاق امامت کا امام جی کو ہے، وہی نماز پڑھاوے اُس کو عالم کی اجازت کی کچھ حاجت اور ضرورت نہیں اور اُس عالم کو بغیر اجازت امام جی کے نماز پڑھانا نہ چاہیے۔ اور اگر پڑھاوے تو نماز جائز ہو جاوے گی (*)۔ باقی استحقاق امام جی کو ہے۔

في سنن أبي داود: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ولا يؤم الرجل في بيته، ولا في سلطانه، ولا يجلس على تكرمته إلا بإذنه. ص: ۸۷ (۱)۔ وفيه أيضًا: قال عليه السلام: من زار قوما فلا يؤمهم، وليؤمهم رجل منهم. ص ۸۹ (۲)۔

دخل المسجد من هو أولى بالإمامة من إمام المحلة، فإمام المحلة أولى، كذا في القنية. (عالمگیری ص: ۸۲) (۳)۔ واللہ اعلم (امداد، ص: ۱۷، ج: ۱)

فرض باجماعت نہ پڑھنے والے کا وتر کی جماعت میں شریک ہو جانا

سوال ()** (۲۷۴): قدیم ۳۴۸/۱۔ چہ حکم است اندریں صورت کہ دوسہ مردم

(*) یعنی مع الکراہت؛ البتہ اگر یہ امام جی قرآن غلط پڑھتا ہو اور عالم صحیح پڑھتا ہو تو امام جی کی امامت درست نہیں۔ اور وہ عالم پڑھاوے۔ ۱۲ منہ۔

(**) خلاصہ سوال:- اگر دو تین آدمی فرض نماز ہو جانے کے بعد ایسے وقت مسجد میں آئیں کہ امام جماعت سے تراویح ادا کر رہا ہو تو وہ آنے والے فرض باجماعت ادا کریں یا فرض تنہا تنہا پڑھ کر تراویح کی جماعت میں شامل ہو جاویں؟ نیز وتر امام کے ساتھ پڑھیں یا تنہا، کیوں کہ ان لوگوں نے امام کے ساتھ فرض نماز کی جماعت نہیں پائی ہے؟ ←

(۱) أبو داود شریف، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ۸۶ / ۱، دار السلام، رقم: ۵۸۲۔

(۲) أبو داود شریف، الصلاة، باب إمامة الزائر، النسخة الهندية ۸۸ / ۱، دار السلام، رقم: ۵۹۶، ترمذي شریف، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ۵۵ / ۱، دار السلام، رقم: ۲۳۵، مسلم شریف، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ۲۳۶ / ۱، بيت الأفكار، رقم: ۶۷۳۔

(۳) الفتاویٰ الهندیہ، الصلاة، الباب الخامس: في الإمامة، الفصل الثاني: في بيان من هو أحق بالإمامة؟ قدیم زکریا ۸۳ / ۱، جدید زکریا ۱ / ۱۴۱۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بعد اداۓ نماز فرض کہ امام بجماعت تراویح مشغول است در آں مسجد حاضر شدند آں اشخاص نماز فرض بجماعت ادا نمایند یا علیحدہ علیحدہ خواندہ شامل جماعت تراویح شوند و بازش نماز وتر با امام بخواند یا تنہا؛ چونکہ امام را بجماعت فرض نیافتہ است؟

الجواب: اگر دوسرے مردم بعد اداۓ جماعت فرض کہ امام بتراویح مشغول است در مسجد آمدند فرادے فرادے فرض گذارده شامل امام شوند و نماز وتر با امام خوانند اگرچہ فرض با امام نیافتند۔

ولو تركوا الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح جماعة؛ لأنها تبع فمصلية وحده يصلها معه (در مختار) أما لو صليت بجماعة الفرض، وكان رجل قد صلى الفرض وحده، فله أن يصلها مع ذلك الإمام. (شامي، جلد اول ص ۴۷۶) (۱)۔

ولو لم يصلها أي التراويح بالإمام أو صلاحها مع غيره له أن يصلي الوتر معه بقى لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة فليراجع (در مختار) قوله: فليراجع قضية التعليل في المسئلة السابقة بقو لهم لأنها تبع أن يصلي الوتر بجماعة في هذه الصورة لأنه ليس بتبع للتراويح، ولا للعشاء عند الإمام رحمة الله. انتهى (حلي طحطاوى مصرى جلد اور ص: ۲۹۷) (۲)۔

← خلاصہ جواب:- وہ لوگ علیحدہ علیحدہ فرض نماز پڑھ کر امام کے ساتھ تراویح کی جماعت میں شامل ہو جائیں اور وتر امام کے ساتھ جماعت سے پڑھیں، اگرچہ انہوں نے فرض نماز کی جماعت نہیں پائی ہے (اس بارے میں مفصل بحث سوال نمبر: ۲۷۸ میں آرہی ہے) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدرالمختار مع الشامی، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۴۹۹، کراچی ۲/ ۴۸۔

(۲) طحطاوی علی الدرالمختار، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ کوئٹہ ۱/ ۲۹۷۔

صلی العشاء وحده فله أن يصلي التراويح مع الإمام، ولو تركوا الجماعة في الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح بجماعة، وإذا صلى معه شيئاً من التراويح أو لم يدرك شيئاً منها أو صلاحها مع غيره له أن يصلي الوتر معه هو الصحيح. (هندية، الصلاة، الباب التاسع: في النوافل، فصل: في التراويح، قديم زكريا ۱/ ۱۱۷، جديد زكريا ۱/ ۱۷۶، البحر الرائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۱۲۳، کوئٹہ ۲/ ۷۰، حلي كبير، الصلاة، فصل: في النوافل، مکتبہ أشرفیہ دیوبند ص: ۴۱۰) (۱۰)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ازیں روایت معلوم شد کہ ہر گاہ نماز تراویح کہ تابع فرض است متخلف جماعت فرض را بجماعت گزاردن جائز است، پس وتر کہ نہ تابع تراویح و نہ تابع عشاء بجماعت گزاردن چگونہ روانہ باشد (*)۔
(امداد ص ۲۰ جلد ۱)

امام کے ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد اقتداء کا حکم

سوال (۲۷۵): قدیم ۳۴۹/۱ - زید بعدیک سلام امام کے شریک ہوا تو باقی نماز کے واسطے کب کھڑا ہو کر شروع کرے اور بعد لفظ سلام کے شرکت جماعت کی جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: صورت مسئلہ میں شرکت امام کے ساتھ صحیح نہیں ہوئی۔ پس تحریرہ از سر نو کہہ کر اپنی نماز تنہا پوری کرے۔ تحریرہ اولیٰ باطل ہو گیا؛ کیونکہ اقتداء موضع افراد میں مفسد نماز ہے اور یہ موضع افراد کا تھا
كما في الدر المختار في واجبات الصلوة: وتنقض قُدوة بالأول قبل عليكم على المشهور عندنا، وعليه الشافعية (۱)۔ واللہ اعلم۔ (امداد ص ۲۱ ج ۱)

(*) ونیز در صغیری عبارت صریح ہمیں حکم مذکور است ”وهو هذا وإذ لم يصل الفرض مع الإمام قيل: لا يتبعه في التراويح، ولا في الوتر، وكذا لم يصل معه التراويح لا يتبعه في الوتر، والصحيح أنه يجوز أن يتبع في ذلك كله“۔ (صغیری مطبع مجتبائی دہلی، ص: ۲۱۰) ۱۲ منہ۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۶۲،
کراچی ۱/ ۴۶۸ -

ولفظ السلام (أي من الواجبات) للمواظبة، وأفاد عليكم ليس منه كالتحويل يمينا وشمالا، ولذا لو اقتدى به بعد لفظ السلام قبل قوله: عليكم لا يصح. (النهر الفائق، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۱۹۹)

و (من الواجبات) لفظ السلام، عندنا وفيه إشارة إلى أن الواجب السلام فقط دون عليكم، وإلى أن لفظا آخر لا يقوم مقامه ولو كان بمعناه، وإلى أن المراد السلام الأول؛ لأنه يخرج عن الصلاة بتسليمه عند عامة العلماء. (مجمع الأنهر، الصلاة، باب صفة الصلاة، بيروت ۱/ ۱۳۳، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۲۵، كوئٹہ ۱/ ۳۰۱، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة ←

فاسق کے پیچھے پڑھی گئی نماز کا اعادہ نہ کرنا

سوال (۲۷۶): قدیم ۱/۳۵۰ - ہماری کتب میں ہے کہ اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو نماز کا اعادہ ضروری ہے؛ لیکن جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بلوہ ہوا اور حضرات صحابہ نے بلوائیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو حضرت عثمانؓ سے پوچھا تو آپ نے اجازت دی اور یہ نہیں فرمایا کہ پڑھ کے پھر اعادہ کر لیا کرو؛ حالانکہ بلوائیوں سے زیادہ اور کون فاسق اور بدعتی ہوگا، خصوصاً ایسے بلوائی جنہوں نے خلیفہ برحق امیر المومنین داماد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم داخل عشرہ مبشرہ پر بلوی کیا ہو؟

الجواب: یہ روایت مجھ کو نہیں ملی (*) اگر حوالہ لکھا جاوے تو تحقیق کی جاوے؛ البتہ ”درمختار“ میں یہ قاعدہ لکھا ہے واجبات صلوٰۃ میں: کل صلوٰۃ اذیت مع کراہۃ التحريم تجب إعادتها .

(*) یہ روایت (بخاری شریف، النسخہ الہندیہ ۱/۹۶، رقم: ۶۸۶، ف: ۶۹۵، باب إمامة المفتون والمتبدع) میں ہے۔

ونصہ عن عبيد الله بن عدي بن خيار، أنه دخل على عثمان - وهو محصور - فقال: إنك إمام عامة، ونزل بك ما نرى، ويصلي لنا إمام فتنه، ونتخرج؟ فقال: الصلاة أحسن ما يعمل الناس، فإذا أحسن الناس فأحسن معهم، وإذا أسأوا فاجتنب إسائتهم. اهـ۔

اس روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ نظام جماعت معطل کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے پیچھے جن کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، نماز پڑھ لی جاوے۔ بخاری شریف کے دونوں شارح اس اثر سے یہی مسئلہ مستنبط فرماتے ہیں۔

وفيه أن الصلاة خلف من تكره الصلاة خلفه أولى من تعطيل الجماعة. اهـ (عمدة القاري ۲/۷۶۴، مکتبہ دار إحياء التراث العربی ۳/۲۳۲، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۴/۳۲۳، فتح الباری، مکتبہ دار الریان للتراث ۲/۲۲۲، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۲/۲۴۲)

اس اثر کا مسئلہ مجوٹ عنہا سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

← مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۲۵۱، الفقہ الاسلامی وأدلته، الصلاة، الفصل الخامس: أركان الصلاة، مکتبہ ہدی انٹرنیشنل دیوبند ۱/۷۱۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور ”ردالمحتار“ میں اس کے عموم پر ایک قوی اعتراض (*) کر کے تصحیح کے لئے یہ توجیہ کی ہے:

إلا أن يدعى تخصيصها بأن مرادهم بالواجب والسنة التي تعاد بتركة ما كان من ماهية الصلوة وأجزائها. (۱)

پس صلوٰۃ خلف الفاسق ونحوہ میں اول تو کوئی امر اجزائے صلوٰۃ میں سے مختل نہیں ہوا؛ اس لیے قاعدہ وجوب اعادہ کا جاری نہ ہوگا۔ دوسرے افراد سے ان کے ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے اور اعادہ میں جو غالباً علی الانفراد ہوگا اولیٰ سے غیر اولیٰ کی طرف آنا ہے۔

في الدر المختار: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة، وفي ردالمحتار: أفاد أن الصلوة خلفهما أولى من الأفراد (۲)۔ فقط

۲۷/ محرم ۱۳۲۲ھ۔ (امداد ص: ۴۷ ج: ۱)

(*) اعتراض یہ کیا ہے کہ ”جماعت“ واجب یا کالواجب ہے؛ لہذا جس شخص نے تنہا نماز پڑھی ہو اس کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ اور ”درمختار“ کے قاعدہ کے موافق اس کا اعادہ ضروری ہوگا؛ حالانکہ فقہاء کی تصریح اس کے خلاف ہے؛ لہذا قاعدہ صحیح نہ رہا۔ علامہ شامیؒ نے تصحیح قاعدہ کے لئے جو توجیہ کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ”اعادۃ صلاۃ اس واجب یا سنت کے چھوڑنے سے ضروری ہوتا ہے جو نماز کی ماہیت میں داخل ہو اور جماعت چونکہ نماز کی ماہیت و حقیقت میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ وصف خارجی ہے؛ اس لئے جماعت کے ترک سے اعادہ نہیں ہوگا“۔ ۱۲۔ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مطلب: واجب الصلاۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۱۴۷-۱۴۸، کراچی ۱/ ۴۵۷۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، الصلاۃ، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۳۰۱، کراچی ۱/ ۵۶۲۔

وقال في مجمع الروايات: وإذا صلى خلف فاسق أو مبتدع يكون محرزا ثواب الجماعة لكن لا ينال ثواب من يصلي خلف إمام تقي (مراقی) وفي حاشية الطحطاوي: وفي السراج: هل الأفضل أن يصلي خلف هؤلاء أم الإنفراد؟ قيل: أما في الفاسق فالصلاة خلفه أولى وجزم في البحر بأن الاقتداء بهم أفضل من الإنفراد. (حاشية الطحطاوي على مراقی الفلاح، الصلاۃ، فصل: في بيان الأحق بالإمامة، مکتبہ دارالکتاب، ص: ۳۰۳، البحر الرائق، الصلاۃ، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۶۶۱، کوئٹہ ۱/ ۳۴۸-۳۴۹) شمیم احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

برے اخلاق و عادات والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے

سوال (۲۷۷): قدیم ۱/۳۵۱ - ڈاڑھی منڈانا یا سود کھانا وغیرہ تو ایسے فسق ہیں کہ جو صورت دیکھتے ہی یا سننے یا معاملہ سے معلوم ہو جاتے ہیں، مگر اخلاق ذمیمہ، مثلاً: ریا، بخل، عجب، حسد، حُب جاہ، حُب مال، بغض وغیرہ کا پتہ دوسروں کو مشکلوں سے چلتا ہے اور یہ اخلاق ذمیمہ بھی یقیناً فسق ہیں، کیا اگر کسی شخص میں ان اخلاق ذمیمہ میں سے کوئی خلق ذمیم ہو اور کسی مقتدی کو اس کا پتہ چل جاوے تو مقتدی کو نماز کا اعادہ واجب ہو گا یا نہیں؟

الجواب: اعادہ میں تو اوپر (*) کلام ہو چکا؛ البتہ کراہت کا سوال کرنا چاہیے، سو یہ صفات ذو جہین (**) ہیں؛ اس لئے ان کے موصوف کا فسق یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔ اور اصل مؤمن میں عدم فسق ہے؛ لہذا اُن کی امامت مکروہ نہیں (۱)۔

۲۷ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۴۸ ج ۱)

(*) یعنی اوپر کے سوال کے جواب میں ۱۲ منہ۔

(**) یعنی بعض صفات تو اپنے اندر مدح و ذم کے دونوں پہلو رکھتی ہیں، مثلاً ریا، کہ کسی جگہ محمود ہے اور کسی جگہ مذموم، اسی طرح بغض اوجہ اللہ صفت محمود ہے اور بغیر اللہ صفت مذموم اور بعض صفات کے ڈانڈے صفات محمودہ سے ملے جلے ہیں، مثلاً بخل کے اقتصاد (خرچ میں میانہ روی) سے اور حسد کے غبطہ سے؛ اس لئے ان صفات کے بارے میں فیصلہ دشوار ہے اور ان صفات سے متصف شخص کا فسق یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

سعید احمد پالن پوری

(۱) کسی کے پوشیدہ اخلاق کے بارے میں کھوج کھرید کرنا ممنوع ہے اور شریعت میں مؤمن کے بارے میں حسن ظن رکھنے کا حکم ہے؛ اس لئے اگر مذکورہ امام کے اندرونی اخلاق برے ہیں جن پر وہ خود واقف ہے، دوسرے لوگ اس کی تحقیق کے مکلف نہیں؛ بلکہ حسن ظن کا حکم ہے، جیسا کہ ذیل کی جزئیات اور روایات سے واضح ہوتا ہے:

الأصل أن أمور المسلمين محمولة على السداد والصلاح حتى يظهر غيره. (قواعد

الفقه، مكتبة دار الكتاب ديوبند، ص: ۱۲)

عن أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه قال: ولا تظن بكلمة ←

جس نے عشاء باجماعت نہ پڑھی ہو اس کا وتر باجماعت پڑھنا

سوال (۲۷۸): قدیم ۳۵۲/۱ - کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فرض عشاء تنہا پڑھی ہو، اس حالت میں وہ شخص وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں۔ یا اگر ایک شخص ایسے وقت مسجد میں پہنچا کہ فرض عشاء کی جماعت ہو چکی ہو، وہ شخص وتر جماعت سے پڑھے یا علیحدہ تنہا؟

بہشتی گو ہر میں یہ مسئلہ ایسا ہے تراویح کے بیان میں۔ مسئلہ اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشاء کی نماز ہو چکی ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھ لے، پھر تراویح میں شریک ہو اور اگر اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہو جائیں تو ان کو بعد وتر پڑھنے کے پڑھے اور یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے (درمختار و صغیری)۔ لیکن ”غایۃ الاوطار“ ترجمہ اردو الدر المختار میں باب الوتر والنوافل میں یوں لکھا ہے: اور اگر لوگوں نے جماعت فرض میں شرکت نہ کی ہو تو تراویح کو جماعت سے نہ پڑھیں۔ اس لئے کہ جماعت تراویح کی تابع ہے جماعت فرض کے تو جس شخص نے فرض تنہا پڑھے ہوں وہ تراویح کو امام کے ساتھ پڑھے۔ اور اگر نہ پڑھا تراویح کو امام کے ساتھ یا تراویح کو دوسرے امام کے ساتھ پڑھا تو نمازی کو جائز ہے کہ وتر کو امام کے ساتھ پڑھے مراد اس سے یہ ہے کہ فرض کو جماعت کے ساتھ پڑھا تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ لیکن اگر فرض تنہا پڑھے ہوں تو وتر کو جماعت سے نہ پڑھے۔ کذا فی الثامی یہ عبارت ہے تو اب کیا کرنا چاہیے؟ یعنی فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں؟

الجواب: جس شخص کو فرض کی جماعت نہ ملی ہو ایک قول یہ ہے کہ وہ وتر جماعت سے پڑھے۔

← خرجت من أخيك المسلم إلا خيرا، وأنت تجد لها في الخير محملا. (تفسير ابن كثير، سورة الحجرات، آیت: ۱۲، مکتبہ زکریا دیوبند ۵/ ۶۵۴)

عن عبد الله ابن عمر قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يطوف بالكعبة، ويقول: ما أطيب وأطيب ريحك، ما عظمك وأعظم حرمتك، والذي نفس محمد بيده لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منك ماله ودمه. (ابن ماجه شريف، أبواب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، النسخة الهندية، ص: ۲۸۲، دار السلام، رقم: ۳۹۳۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

في الصغيري شرح المنية: وإذا لم يصل الفرض مع الإمام، قيل: لا يتبعه في التراويح ولا في الوتر، كذا إذا لم يصل معه التراويح لا يتبعه في الوتر، والصحيح أنه يجوز أن يتبعه في ذلك كله كذا كتب إلى بعض ثقات أحبابي. (۱)
اور ایک قول یہ ہے کہ وتر جماعت سے نہ پڑھے۔

كما مر من قوله: قيل لا يتبع في التراويح، ولا في الوتر. اور ظاہر عبارت در مختار کی قول اول کے موافق (*) ہے چنانچہ شامی نے تحت قول در مختار ”فمصلیہ وحدہ یصلیہا معہ“ کہا ہے۔
وبہ ظہر أن التعليل المذكور بقوله: لأنها تبع فيما ترك القوم الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح جماعة لا يشمل المصلي وحده فظهر صحة التفریع بقوله فمصلیہ وحدہ الخ۔ (۲)

(*) کیوں کہ در مختار میں ہے کہ ”فرض کو تنہا پڑھنے والا تراویح جماعت سے پڑھ سکتا ہے“ لہذا وتر بھی پڑھ سکتا ہے؛ کیوں کہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

(۱) صغيري، الصلاة، مكتبة مجتہائی دہلی، ص: ۲۱۰۔

ولو لم يصلها أي التراويح بالإمام أو صلاها مع غيره له أن يصلي الوتر معه، بقي لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة؟ فليراجع (در مختار) وتحت في حاشية الطحطاوي: قضية التعليل في المسألة السابقة بقولهم: لأنها تبع أن يصلي الوتر بجماعة في هذه الصورة؛ لأنه ليس بتبع للتراويح ولا للعشاء عند الإمام رحمه الله. (طحطاوي على الدر، الصلاة، قبيل باب إدراك الفريضة، مكتبة كوئٹہ ۱/ ۲۹۷)

صلى العشاء وحده فله أن يصلي التراويح مع الإمام، ولو تركوا الجماعة في الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح بجماعة، وإذا صلى معه شيئا من التراويح أو لم يدرك شيئا منها أو صلاها مع غيره له أن يصلي الوتر معه هو الصحيح. (هندية، الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، قديم زكريا ۱/ ۱۱۷، جديد زكريا ۱/ ۱۷۶)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۲۳، كوئٹہ ۷۰/ ۲، حلبی كبرى، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، مكتبة أشرفیہ ديوبند ص: ۴۱۰۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند

لیکن درمختار کے آئندہ قول: ولو لم یصلھا الخ کے تحت میں تہستانی سے ایک جزئیہ لکنہ اذلم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر (۱) نقل کر کے درمختار کے قول: ولو لم یصلھا میں تاویل کی ہے۔ ای وقد صلی الفرض معہ۔ البتہ اس میں تعیم کی ہے کہ خواہ اس امام کے ساتھ فرض پڑھا ہو یا کسی دوسرے امام کے ساتھ لیکن اگر تمام قوم نے فرض بلا جماعت پڑھا ہو اس میں سب کے نزدیک تراویح اور وتر بلا جماعت پڑھے صرف اختلاف ایک دو شخص کے جماعت فرض رہ جانے میں ہے لیکن صغیری میں قول اول کو صحیح کہا ہے کما مر منہ۔ لہذا اس کو ترجیح ہوگی (*)۔

۲۲ رمضان ۱۳۴۲ھ (تہمہ خامسہ ص ۳۰۵)۔

جس کی بیوی بے پردہ پھرے اس کی امامت

سوال (۲۷۹): قدیم ۱/۳۵۴۔ جس شخص کی زوجہ یا دختر یا والدہ اور خواہر بلا حجاب و نقاب بازار میں جاتی ہیں، آیا ایسے شخصوں کے ساتھ مشاربت و مواکلہ کرنا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ اور حجاب عامہ مؤمنات کے حق میں بھی واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے فقط؟

(*) حضرت اقدس مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”علامہ شامی نے بے شک تہستانی سے ایسا ہی نقل کیا ہے کہ جس نے فرض امام کے ساتھ نہیں پڑھے وہ وتر بھی اس کے ساتھ نہ پڑھے، یعنی وتر جماعت سے نہ پڑھے۔ ”غایۃ الاوطار“ میں بھی شامی سے اسی طرح نقل کیا ہے؛ لیکن علامہ طحاویؒ کی عبارت سے جواز معلوم ہوتا ہے اور وہی قرین قیاس ہے؛ اس لئے ہمارے حضرات اکابر کا فتویٰ جواز کا ہے..... پس جیسا کہ تراویح کو جماعت سے نہ پڑھنے والا وتر کو جماعت سے پڑھ سکتا ہے، اسی طرح فرض کو تنہا پڑھنے والا بھی وتر کو جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب قدس سرہ سے سنا ہوا یاد ہے کہ فرض کو تنہا پڑھنے والا وتر کو جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ اور ”طحاویؒ“ کی عبارت سے استدلال فرماتے تھے۔

اسی طرح حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ بھی اس کو جائز فرماتے تھے فقط۔ (فتاویٰ دارالعلوم اول و دوم ص:

۲۴۲، قدیم، فتاویٰ رشیدیہ کامل ص: ۳۲۸) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) شامی، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۵۰۰، کراچی ۲/ ۴۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: کتب فقہیہ میں مصرح ہے کہ حرہ کا تمام بدن بجز وجہ اور کفین اور قد میں کے فی نفسہ اور وجہ وغیرہ بعارض فتنہ واجب الستر ہے (۱) اور ترک واجب معصیت ہے (۲) اور معصیت پر باوجود قدرت منع کے سکوت و تسامح مفتی ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، تحریماً علی الارح۔ پس جس شخص کو اپنے جن اقارب پر اس قدر قدرت ہو اور وہ منع نہ کرے تو وہ اس حکم میں داخل ہو جاوے گا (۳) اور اگر

(۱) عن عائشة - رضي الله عنها - أن أسماء بنت أبي بكر دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال: يا أسماء! إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها أن يرى منها إلا هذا وهذا، وأشار إلى وجهه وكفيه. (أبو داود شريف، كتاب اللباس، النسخة الهندية ۲/ ۵۶۷، دار السلام، رقم: ۴۱۰۴)

وأما النظر إلى الأجنبية فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن، وذلك الوجه والكف في ظاهر الرواية وروي الحسن عن أبي حنيفة أنه يجوز النظر إلى قدميها وذلك كله إذا لم يكن النظر عن شهوة، فإن كان يعلم أنه لو نظر يشتهي، وفي الكافي: أوشك الاشتهاء أو كان أكبر رأيه ذلك فليجتنب بجهد. (تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع مكتبة زكريا ديوبند ۱۸/ ۹۵، رقم: ۲۸۱۴۵-۲۸۱۴۶)

تمنع الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة. (شامي، الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۷۹، كراچی ۱/ ۴۰۶)

ہندیہ، کتاب الکراہیہ، الباب الثامن قدیم زکریا ۵/ ۳۲۹، جدید زکریا ۵/ ۳۹۱۔

(۲) وحکم الواجب استحقاق العقاب بترکہ عمداء، وعدم إكفار جاحده والثواب بفعله. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، الصلاة، فصل فی بیان واجب الصلاة، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۲۴۷)

وحكمه أي الواجب استحقاق العقاب بتركة، وعدم إكفار جاحده، والثواب بفعله. (شامي، الصلاة، صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۴۶، كراچی ۱/ ۴۵۶)

(۳) عن أبي سعيد الخدري - رضي الله عنه - قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم

قدرت نہیں یا اس کی زوجہ خواہر وغیرہ سن رسیدہ ہیں کہ کشف وجہ سے خوف فتنہ نہیں یا کپڑا چہرہ پر لٹکا کر نکلتی ہیں تو چونکہ اس طرح نکلتا حوائج کے لئے جائز ہے (۴) اسلئے منع واجب نہیں اور ترک منع فسق نہیں اسلئے امامت میں کچھ حرج نہیں اور یاد رکھنا چاہئے کہ جو صورتیں فسق کی اوپر مرقوم ہوئی ہیں کچھ باہر نکلنے والیوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اُن پردہ نشینوں کے حق میں بھی عام ہیں جو اپنے نامحرم اقارب کے روبرو بے حجاب سامنے آتی ہیں۔ وھذا کله ظاہر۔ فقط

۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۲۵۴ ج ۲)

سوال (۲۸۰): قدیم ۱/۳۵۵۔ جس شخص کے یہاں پردہ نہیں ہے اُس کے پیچھے نماز درست ہے یا کسی قدر کراہت ہے اور پردہ واجب ہے یا فرض؟ اور پردے کا نہ کرنے والا کس درجہ کا گنہگار ہوگا؟

← علیہ وسلم یقول: من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فإن لم یستطع فبلسانہ، فإن لم یستطع فبقلبہ، وذلك أضعف الإیمان. (مسلم شریف، کتاب الإیمان، باب بیان کون النہی من الإیمان، النسخة الهندية ۱/ ۵۱، بیت الأفكار، رقم: ۴۹)

قوله صلى الله عليه وسلم: فليغيره فهو أمر إيجاب بإجماع الأمة، وقد تطابق على وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر الكتاب، والسنة، وإجماع الأمة، وهو أيضا من النصيحة التي هي الدين، ولم يخالف في ذلك إلا بعض الرافضة، ولا يعتد بخلافهم. (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۱/ ۵۱)

(۴) أما العجوز التي لا تشتهي، فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، مكتبة زكريا ديوبند ۹/ ۵۲۹، کراچی ۶/ ۳۶۹)

عن ابن عباس - رضي الله عنه - أمر الله نساء المؤمنين إذا خرجن من بيوتهن في حاجة أن يغطين وجوههن من فوق رؤسهن بالجلابيب، ويبدن عينا واحدة. (تفسير ابن كثير، سورة الأحزاب، تحت آيت: ۵۹، مكتبة دار القرآن الكريم بيروت ۳/ ۱۱۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: جتنا پردہ فرض و واجب ہے اُس کے ترک سے گناہ اور اُس میں بے پروائی کرنے سے امامت میں کراہت ہے ورنہ نہیں اور تفصیل (*) اس کی فقہ کے اُردو رسائل میں موجود ہے (۱)۔
(تتمہ اولیٰ ص ۱۷)

(*) یعنی پردہ کی تفصیل اُردو رسائل میں موجود ہے۔ حضرت مجیب قدس سرہ نے بھی سوال نمبر: ۲۷۹ کے جواب میں تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

(۱) عن عائشة - رضي الله عنها - أن أسماء بنت أبي بكر دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال: يا أسماء! إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها أن يرى منها إلا هذا وهذا، وأشار إلى وجهه وكفيه. (أبو داود شريف، كتاب اللباس، النسخة الهندية ۲/ ۵۶۷، دار السلام، رقم: ۴۱۰۴)

وأما النظر إلى الأجنبية فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن، وذلك الوجه والكف في ظاهر الرواية..... وروي الحسن عن أبي حنيفة أنه يجوز النظر إلى قدميها..... وذلك كله إذا لم يكن النظر عن شهوة، فإن كان يعلم أنه لو نظر يشتهي، وفي الكافي: أو شك الاشتهااء أو كان أكبر رأيه ذلك فليجتنب بجهد. (تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع..... مكتبته زكريا ديوبند ۱۸/ ۹۵، رقم: ۲۸۱۴۵)

عن أبي سعيد الخدري - رضي الله عنه - قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي من الإيمان، النسخة الهندية ۱/ ۵۱، بيت الأفكار، رقم: ۴۹)

قوله صلى الله عليه وسلم: فليغيره فهو أمر إيجاب بإجماع الأمة، وقد تطابق على وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر الكتاب، والسنة، وإجماع الأمة. (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۱/ ۵۱)

وحكم الواجب استحقاق العقاب بتركه عمداً، وعدم إكفار جاحده والثواب بفعله. (حاشية الطحطاوي على المراقي، الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، مكتبته دارالكتاب ديوبند ص: ۲۴۷، الدرالمختار مع الشامی، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبته زكريا ديوبند ۲/ ۱۴۶،

امام راتب دوسروں سے امامت کا زیادہ حقدار ہے

سوال (۲۸۱): قدیم ۱/۳۵۵ - ایک مقام پر شاہی زمانہ کی تعمیر کردہ جامع مسجد ہے، جس کو بادشاہی صوبہ حاکم وقت نے شہر کے آباد کرنے کے ساتھ تعمیر کرایا تھا اور بعد ختم تعمیر جامع مسجد منصب امامت کو ایک مرد صالح کے سپرد فرمایا تھا، چنانچہ اُس زمانہ سے آج تک اُسی امام کی اولاد میں پشت در پشت امامت منتقل ہو کر آئی ہے، مگر عرصہ پانچ سات سال کا تخمیناً گزرتا ہے کہ امام وقت نے کسی اخبار میں کچھ مضامین بہ نسبت انتظامی قواعد طاعون شکایتی چھپوائے تھے، جس کو بعض افسران سرکاری نے دریافت کر کے بعض رؤساء شہر کو ہدایت فرمائی کہ امام مسجد کو بہتر ہوگا کہ علیحدہ کر دیا جاوے، چنانچہ حسب مصلحت وقت اُن کی جگہ اُن کے حقیقی بیچازاد بھائی کو منصب امامت پر مقرر کر دیا، چند سال اُنھوں نے بھی کام کیا؛ لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس کو اپنے حوائج ضروریہ کی وجہ سے اتفاقاً سفر درپیش ہوا جس کی وجہ سے اپنی جگہ پر ایک مولوی صاحب کو قائم مقام کر دیا؛ لہذا اب چند سال سے مولوی صاحب موصوف امامت کرتے ہیں۔ اب کچھ عرصہ کے بعد امام صاحب جامع مسجد نے جنھوں نے مولوی صاحب کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا کسی جمعہ کو قصداً امامت کیا تو یہ امر مولوی صاحب کو سخت ناگوار ہوا، جس پر انھوں نے اپنے چند معتقدین کے ذریعہ سے اس امر کی کوشش کی اور اب تک کر رہے کہ یہ امامت ہم سے نہ نکلے اور ہمارے لئے ہمیشہ کو قائم رہے؛ لیکن اکثر اہل شہر اپنے امام قدیم کو چھوڑنے اور مولوی صاحب کی امامت قبول کرنے سے ناراض ہیں اور کسی طرح اس کو پسند نہیں کرتے گو مولوی صاحب کو بمقابلہ امام قدیم کے علم میں زیادتی ضرور ہے؛ لیکن ان کے نزدیک سوائے اپنے چند ہم خیالوں کے سلف سے اب تک جتنے عالم سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کرنے والے گزرے ہیں اور فی الحال موجود ہیں اور نیز ان کے پیرو عام مسلمان سب وہابی بے دین ہیں، خاص کر آخر زمانہ کے عالم بے مثل مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب شہید دہلوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور علمائے دیوبند اور ندوہ کی شرکت کرنے والے عالموں کو نا جائز الفاظ سے یاد کرنا وظیفہ ہے اور باوجود ان سب باتوں کے بعض صاحبوں نے بنظر رفع شر مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ایک جمعہ کی نماز امام صاحب کے پیچھے پڑھ لیجئے اور آئندہ حسب

دستور امام قدیمی کی جانب سے پڑھاتے رہے، اس کو پسند نہیں کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم کو یزیدی بیعت نہیں ہے؛ حالانکہ امام صاحب کے عقائد اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف نہیں ہیں، پس ایسی صورت میں استحقاق امامت امام قدیم کا ہے یا امامت کے طالب مولوی صاحب کا حق ہے؛ چونکہ اس بارہ میں دونوں طرف سے کوشش ہو رہی ہے کون فرقہ خطا پر ہے اور کون حق پر؟ فقط۔

الجواب : اول تو جب امام اول کے حقیقی بیچازاد بھائی کو شہر کے اہل حل و عقد نے منصب امامت پر مقرر کر دیا تھا تا وقتیکہ وہ معزول نہ کئے جاویں اور معزول کرنے والے بھی شہر کے اہل حل و عقد ہی ہوں، اس وقت تک اگر یہ امام ثانی بمقابلہ ان عالم صاحب یعنی امام ثالث کے باعتبار صفات کے اولیٰ بالامامت بھی نہ ہوتے، تب بھی بوجہ اسبق فی النصب ہونے کے مستحق للامامت یہی تھے؛ کیونکہ اعتبار ان صفات کا وقت نصب کے ہے نہ بعد نصب کے، جیسا کہ رد المحتار میں ہے:

قوله: اعتبر أكثرهم لایظهر هذا إلا فی المنصب (۱)۔

اور کسی کو نائب بنانے سے اصل معزول نہیں ہوتا۔ دوسرے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ثالث بہت سے علمائے حقانی تبعین سنت کو برا کہتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ثالث عقائد میں سنت کے خلاف ہیں، یعنی مبتدع ہیں اور برا کہنا خود عمل فسق ہے اور فاسق اور مبتدع کی امامت مکروہ ہے۔

فی الدر المختار: وفاسق، وأعمی ونحوه الأعمشى نهر إلا أن یکون أی غیر الفاسق أعلم القوم، فهو أولى، ومبتدع أی صاحب بدعة، وهی اعتقاد خلاف

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۲۹۷،

کراچی ۱/ ۵۵۹۔

وإمام المسجد أحق بالإمامة من غیره، وإن كان غیر أفعه وأقرأ وأورع وأفضل منه، إن شاء تقدم وإن شاء قدم من یریده، وإن كان الذی یقدمه مفضولا بالنسبة إلى باقی الحاضرين؛ لأنه سلطانه فیصرف فیہ کیف شاء. (حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، الصلاة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة، دارالکتاب ص: ۲۹۹، مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، فصل فی الجماعة، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۱۶۱-۱۶۲)

المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة (۱)۔

تیسرے سوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اہل شہر مولوی صاحب کی امامت سے ناراض ہیں اور کسی طرح اس کو پسند نہیں کرتے۔ اور وجہ دوم سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مولوی صاحب میں ناراضی کے وجہ بھی شرعی ہیں، تو خود ایسی صورت میں امامت کرنا مکروہ ہے۔

في الدر المختار: ولو أم قوماً وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذلك تحريماً؛ لحديث أبي داود: لا يقبل الله صلوة من تقدم وهم له كارهون، وإن هو أحق لا والكراهة عليهم (۲)۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲ / ۲۹۸، ۲۹۹، کراچی ۱ / ۵۶۰۔

وتكره إمامة العبد، والأعرابي، والأعمي، والفاسق، والمبتدع. (مجمع الأنهر، الصلاة، فصل في الجماعة بيروت ۱ / ۱۶۳)

حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، مکتبہ دارالکتاب ص: ۳۰۲-۳۰۳، النهر الفائق، الصلاة، باب الإمامة والحدث في الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱ / ۲۴۲۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲ / ۲۹۷، ۲۹۸، کراچی ۱ / ۵۵۹۔

عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: ثلاثة لا يقبل الله منهم صلاة: من تقدم قوماً وهم له كارهون. الحديث (أبو داود شريف، الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، النسخة الهندية ۱ / ۸۸، دارالسلام، رقم: ۵۹۳)

ولو أم قوماً وهم له كارهون فهو على ثلاثة أوجه: إن كانت الكراهة لفساد فيه أو كانوا أحق بالإمامة منه يكره، وإن كان هو أحق بها منهم ولا فساد فيه ومع هذا يكرهونه لا يكره له التقدم. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، الصلاة، فصل: في بيان الأحق بالإمامة، دارالکتاب دیوبند ص: ۳۰۱)

چوتھے اگر امام ثالث میں کوئی خرابی نہ بھی ہو تب بھی؛ چونکہ اکثر لوگ امام سابق کی طرف ہیں، ایسی صورت میں اکثر ہی کا اعتبار ہے۔

في الدر المختار: فإن استووا يقرع بين المستويين أو الخيار إلى القوم، فإن اختلفوا اعتبر أكثرهم (۱)۔

رہا امام ثالث کا عالم ہونا سو محض عالم ہونا موجب احقیق امامت نہیں؛ بلکہ اُس میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ شخص مطعون فی الدین نہ ہو، ورنہ وہ اہق للامامت نہیں۔

في الدر المختار: والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوة. وفي رد المحتار: الأعلم بالسنة أولى إلا أن يطعن عليه في دينه؛ لأن الناس لا يرغبون في الاقتداء به (۲)۔
لہذا صورت مسئلہ میں استحقاق امامت کا امام قدیم کو حاصل ہے، ان مولوی صاحب طالب امامت کا کچھ حق نہیں۔ واللہ اعلم

۲ شعبان ۱۳۲۲ھ۔ (۵۳) ج ۱۔

سوال (۲۸۲): قدیم ۱/۳۵۸۔ ایک شخص حافظ سید شریف النسب کسی محلہ کی مسجد کا امام مقرر ہے، اُس کی موجودگی میں اُس کی بلا اجازت اور کوئی دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھائے گا تو نماز بلا کراہت جائز ہوگی یا نہیں؟ اور باطائف الحیل امام مذکور کی آمدنی جو بموقع شادیات وغیرہ مقرر ہیں، یہ شخص لے لے اور امام مذکور محروم رہ جائے تو یہ آمدنی اُس شخص کو لینی جائز ہے یا نہیں؟

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۹۷، کراچی ۱/۵۵۹۔

فإن استووا يقرع بينهم فمن خرجت قرعته قدم أو الخيار إلى القوم، فإن اختلفوا فالعبرة بما اختاره الأكثر. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، الصلاة، فصل: فی بیان الأحق بالإمامة، دارالکتاب دیوبند ۳۰۱)

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۹۴، کراچی ۱/۵۵۷۔

النهر الفائق، الصلاة، باب الإمامة والحدث فی الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۲۴۱،

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدر المختار: واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقاً الخ. وفي رد المحتار: قوله مطلقاً: أى وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه - إلى قوله - فإن قدم واحدا منهم لعلمه وكبره فهو أفضل، وإذا تقدم أحدهم جاز. (ج ۱ ص ۵۸۴) (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ بلا اذن امام راتب کے کسی کا امام بننا مکروہ ہے اور اُن لطائف الحیل کی تفصیل لکھی جاوے تو حکم معلوم ہو سکتا ہے۔

۶ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۷۰)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۲۹۷، کراچی ۱/ ۵۵۹۔

عن أبي مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يؤم الرجل في سلطانه، ولا يجلس على تكرمته في بيته إلا بإذنه. (ترمذي شريف، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ۱/ ۵۵، دار السلام، رقم: ۲۳۵)

مسلم شريف، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۶، دار السلام، رقم: ۶۷۳، أبوداؤد شريف، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ۱/ ۸۶، دار السلام، رقم: ۵۸۲، سنن ابن ماجه، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ص: ۶۹، دار السلام، رقم: ۹۸۰۔

وأولى الناس بالإمامة أعلمهم بالسنة (ملتقى الأبحر) وفي المجمع: أي بما يصلح الصلاة ويفسدها، وقيد في السراج الوهاج تقديم الأعلم بغير الإمام الراتب، أما الراتب فهو أحق من غيره، وإن كان غيره أفقه منه. (مجمع الأنهر، الصلاة، فصل في الجماعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۶۱-۱۶۲)

فصاحب البيت والمجلس وإمام المسجد أحق بالإمامة من غيره، وإن كان الغير أفقه وأقرأ، وأورع، وأفضل منه، إن شاء تقدم وإن شاء قدم من يريده، وإن كان الذي يقدمه مفضولاً بالنسبة إلى باقى الحاضرين؛ لأنه سلطانه فيصرف فيه كيف شاء، ويستحب لصاحب البيت أن يأذن لمن هو أفضل. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، دار الكتاب ص: ۲۹۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

امرد اور نابالغ کے پیچھے نماز کا حکم

سوال (۲۸۳): قدیم ۱/۳۵۸ - امر دڑ کے کے پیچھے نماز فرائض ہو سکتی ہے یا نہیں؟ مراد یہ کہ بالغ تو ہو گیا ہے، مگر دڑھی مونچھ کچھ نہیں آئی، خواہ حافظ ہو یا علم دین کا پڑھنے والا ہو اور مقتدیوں کو بوجہ لڑکپن کے اُس کے امام ہونے میں اختلاف ہے؟

الجواب: اگر وہ خوب صورت ہے اور اُس کو نگاہ شہوت سے لوگوں کے دیکھنے کا احتمال ہے، تب تو وہ اگر حافظ یا طالب علم بھی ہو تب بھی مکروہ ہے۔ اور اگر یہ بات نہیں ہے صرف عوام کی ناپسندیدگی ہے تو اگر وہ سب مقتدیوں سے علم و قرآن میں اچھا ہو تو اُس کی امامت مکروہ نہیں۔ اور اگر اتنی عمر ہوگئی ہو کہ اب دڑھی بھرنے کی اُمید نہیں رہی تو وہ امر نہیں رہا۔

في الدر المختار، باب الإمامة: وكذا تكره خلف أمرد، وفي رد المحتار: الظاهر أنها تنز يهية أيضاً، والظاهر أيضاً كما قال الر حمتى: إن المراد به صبيح الوجه؛ لأنه محل الفتنة، وهل يقال ههنا أيضاً إذا كان أعلم القوم تنتفى الكراهة، فإن كانت علة الكراهة خشية الشهوة وهو الأظهر فلا، وإن كانت غلبة الجهل أو نفرة الناس من الصلوة خلفه فنعم فتأمل، وفيه عن حاشية المدني شخص بلغ من السن عشرين سنة وتجاوز حد الإنبات ولم ينبت عذاره، فهل يخرج بذلك عن حد الأمردية إلى قوله فأجاب بالجواز من غير كراهة اهـ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۵ شعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۶ ج ۱))

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في إمامة الأمر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۱، كراچی ۱/ ۵۶۲، كوئٹہ ۱/ ۴۱۵، مصري ۱/ ۵۲۵۔

يكره تنزيها إمامة الأمرد الصبيح الوجه وإن كان أعلم القوم، إن كان يخشى من إمامته الفتنة والشهوة وإلا فلا كراهة على الأظهر. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلاة، الفصل العاشر أنواع الصلاة، المبحث الثاني في الإمامة مكروهات الإمامة في المذهب، مكتبه

هدى انترنیشنل ديوبند ۲/ ۱۷۷) ←

سوال (۲۸۴): قدیم ۱/۳۳۵۶ - ریاست بھوپال میں تقریباً ۷۵ سال سے یہ سلسلہ

جاری ہے کہ ۹-۱۰ سال کے لڑکے کے پیچھے صرف تراویح پڑھی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس دوران میں بہ لحاظ آبادی بھوپال میں حفظ قرآن کا خاص ذوق رہا۔ علمائے سابقین مولانا ایوب صاحب مرحوم، مولانا عبدالقیوم صاحب مرحوم و دیگر قضاة و مفتیان بھوپال نے ہمیشہ اس فعل کو مستحسن خیال فرمایا، موجودہ زمانہ میں بھی جناب قاضی صاحب ریاست کا فتویٰ جواز بایں الفاظ شائع ہوا نابالغ تمیز دار پسر کی اقتداء تراویح میں اختلافی مسئلہ ہے، اس میں مشائخ فقہائے متاخرین جواز کے قائل ہوئے ہیں اور عاجز و جناب والد صاحب مرحوم و جناب مولانا عبدالقیوم صاحب مرحوم کا مسلک بھی فتوائے جواز کا ہمیشہ رہا ہے؛ البتہ دیگر علماء اس کے ساتھ متفق نہیں ہیں، بچوں کے حفظ قرآن وغیرہ کی ترغیب میں رکاوٹیں نہ ہو جانے کا بھی حسب اصول شرعیہ اسی میں لحاظ ہے۔ دستخط جناب قاضی صاحب۔

اس لئے عرض ہے کہ جناب معظم بھی توجہ عالی مبذول فرما کر مفصل جواب سے شکر گزار فرمادیں اور یہ بھی واضح فرمادیا جاوے کہ حد بلوغ فقہائے احناف علیہم الرضوان کے نزدیک کیا ہے؟ اور اگر ۹ سال سے لے کر ۱۳-۱۴ سال تک کے لڑکے کے پیچھے صرف تراویح پڑھی جائیں تو کیا حسب قواعد شرعیہ و متاخرین فقہاء احناف جائز ہے؟ فقط۔ ۱۰/رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

الجواب: الرواية الأولى: في الدر المختار: ولا يصح اقتداء رجل بالمرأة أو خنثى أو صبي مطلقاً ولو في جنازة ونفل على الأصح، وفي رد المحتار، قال في الهداية: وفي التراويح: والسنن المطلقة جوزه مشائخ بلخ، ولم يجوز مشايخنا - إلى قوله - والمختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها (۱)۔ اھ

← كذلك يكره إمامة أمرد وسفيه ومفلوج وأبرص شاع برصه. (الموسوعة

الفقهية الكويتية ۶/ ۲۱۱)

وتكره الصلاة، خلف أمرد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب

الإمامة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۰۳)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب الواجب كفاية هل يسقط

بفعل الصبي وحده، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۲۱، کراچی ۱/ ۵۷۸ -

الرواية الثانية: أيضًا في الدر المختار: ويكره تحريما جماعة النساء، وفي

التراويح (١) -

الرواية الثالثة: في الدر المختار، في تعليل عدم صحة بعض الاقتداء البناء

القوي على الضعيف (٢) -

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ٢ / ٣٠٥،

كراچی ١ / ٥٦٥ -

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ٢ / ٣٢٤،

كراچی ١ / ٥٧٩ -

وفي التراويح: والسنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ، ولم يجوزه مشايخنا، ومنهم من
 حقق الخلاف في النفل المطلق بين أبي يوسف ومحمد، والمختار أنه لا يجوز في الصلوات
 كلها؛ لأن نفل الصبي دون البالغ حيث لا يلزمه القضاء بالإفساد بالإجماع، ولا يبنى القوي
 على الضعيف. (هداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه أشرفيه ديوبند ١ / ١٢٤)

وأطلق فساد الاقتداء بالصبي، فشمّل الفرض والنفل وهو المختار، كما في
 الهداية، وهو قول العامة كما في المحيط، وهو ظاهر الرواية كما ذكره الإسيبجي
 وغيره؛ لأن نفل البالغ مضمون حتى يجب القضاء إذا أفسده، وNFL الصبي ليس
 بمضمون حتى لا يجب القضاء عليه بالإفساد فيكون نفل الصبي دون نفل البالغ، فلا
 يجوز أن يبنى القوي على الضعيف. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه
 زكريا ديوبند ١ / ٦٢٨، كوئته ١ / ٣٥٩)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان شروط الاقتداء مكتبه زكريا ديوبند ١ / ٣٥٩، كراچی
 قديم ١ / ١٤٣-١٤٤، تاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث عشر: في التراويح، مكتبه زكريا ديوبند
 ٢ / ٣٣٥، رقم: ٢٥٨٦، المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثالث عشر: في التراويح، المجلس
 العلمي ٢ / ٢٦٣، رقم: ١٧١٤، هندية، الصلاة، باب الإمامة، الفصل الثالث: في بيان من يصلح
 إماما لغيره، قديم زكريا ١ / ٨٥، جديد زكريا ١ / ١٤٣ -

روایت اولیٰ میں تصریح ہے کہ باوجود اختلاف کے ترجیح عدم جواز کو ہے۔ اور روایت ثالثہ میں اس ترجیح کا اصول سے مؤید ہونا ثابت ہوتا ہے؛ اس لئے کہ صبی کی تراویح نفل محض ہے اور بالغ کی سنت مؤکدہ ہے۔ دوسرے صبی کی نفل شروع سے واجب نہیں ہوتی اور بالغ کی واجب ہو جاتی ہے، پس صبی کی نماز ضعیف ہوئی، اس پر بالغ کی قوی نماز کا مبنی کرنا خلاف اصول ہونے کے سبب جائز نہیں اور روایت ثانیہ میں جواب ہے مصلحت مذکورہ فی السؤال کا؛ کیونکہ اس میں عورتوں کے لئے حفظ قرآن کی ترغیب میں رکاوٹیں پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اصل یہ ہے کہ احکام کی بناء دلائل پر ہے مصالح پر نہیں۔ علاوہ اس کے یہ ہے کہ صبی میں ان مصالح کے ساتھ مفساد بھی ہیں کہ اکثر وہ احکام طہارت و صلوة سے ناواقف اور متقابل بھی ہوتے ہیں، پس اس کی تجویز میں بالغین کی نمازوں کا فساد بہت غالب ہے، پھر بجائے تراویح کے نوافل میں ان کا پڑھ لینا اس محتمل رکاوٹ کا تدارک ہے، چنانچہ اس کا کافی ہونا مشاہد ہے اور بلوغ کی اگر کوئی علامت نہ دیکھی جاوے تو بقول مفتی بہ پندرہ سال کی عمر میں بلوغ کا حکم کر دیا جاتا ہے، اس وقت اس کے پیچھے تراویح میں اقتداء جائز ہے (۱)۔ واللہ اعلم

(۱۲/ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ (النور ۹ جمادی الاولیٰ ۵۰ھ)

(۱) عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة سنة، فأجازني، قال: نافع: فقدمت على عمر بن عبد العزيز وهو خليفة فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير. الحديث (صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب بلوغ الصبيان، النسخة الهندية ۱/ ۳۶۶، رقم: ۲۵۹۰، ف: ۲۶۶۴، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب سن البلوغ، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۱، بيت الأفكار رقم: ۱۸۶۸)

فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى. (شامي، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۲۶، کراچی ۶/ ۱۵۳) والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد والشافعي وهو رواية عن أبي حنيفة، وعليه الفتوى (تاتارخانية، كتاب الحجر، الفصل الثاني: في بيان أنواع الحجر، مكتبه زكريا ديوبند ۱۶/ ۲۸۰، رقم: ۲۴۹۱۱) ←

امامت کی اجرت لینا درست ہے

سوال (۲۸۵): قدیم ۱/۳۶۱ - امام مسجد کے واسطے مقتدی کچھ مقرر کریں بطور مشاہرہ یا سالانہ بلا تقرر تعین کچھ دیا کریں تو نماز ایسے امام کے پیچھے جائز ہوگی یا مکروہ؟

الجواب: في الدر المختار، باب الإجارة الفاسدة: ويفتي اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والإمامة، والأذان (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام کو شرط کر کے بھی دینا درست ہے اور بلا شرط بدرجہ اولیٰ درست ہے، پس نماز اس کے پیچھے مکروہ نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ (امداد ص ۶۲ ج ۱)

← ولمن بلغ بالسن وهو خمس عشرة سنة على المفتي به في الغلام والجارية. (طحطاوي على المراقي، طهارة، دار الكتاب ديوبند ص: ۱۰۸)

ہندیہ، کتاب الحجر، الباب الثاني في الحجر للفساد، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، قدیم زکریا ۵/ ۶۱، جدید زکریا ۵/ ۷۳ -

الموسوعة الفقهية الكويتية ۸/ ۱۹۱-۱۹۲، ہدایہ، کتاب الحجر، باب الحجر للفساد، فصل في حد البلوغ، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۳/ ۳۵۸ -

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل، زکریا ۹/ ۷۶، کراچی ۶/ ۵۵ -

ویفتی اليوم بالجواز أي بجواز أخذ الأجرة على الإمامة، وتعليم القرآن، والفقه، والأذان، كما في عامة المعتمرات. (مجمع الأنهر، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، دار الكتب العلمية بیروت ۳/ ۵۳۳، مصري قدیم ۲/ ۳۸۴)

وبعض مشايخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم؛ لأنه ظهر التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضییع حفظ القرآن وعليه الفتوى. (ہدایہ، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۳/ ۳۰۳)

أما غير ذلك من القربات التي يتعدى نفعها للغير كالأذان، والإقامة، وتعليم ←

امام بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو مقتدی کیا کرے؟

سوال (۲۸۶): قدیم ۱/۳۶۱۔ اگر کوئی شخص جماعت میں امام کے پیچھے دوسری، تیسری، چوتھی رکعت میں آکر ملا تھا اور امام کو اتفاقاً چار رکعت پوری ہونے کے بعد سہو ہو گیا اور پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور مقتدیوں کو بھی یاد نہ آیا، کسی نے لقمہ نہ دیا اور سب کھڑے ہو گئے۔ اب اس امام کے یاد آنے تک وہ شخص جو بعد میں کسی رکعت میں آکر ملا تھا اس امام کی متابعت کرے یا اپنی پوری رکعتیں کر کے فارغ ہو؟

الجواب: في الدر المختار، باب سجود السهو: وإن قعد في الرابعة مثلاً قدر التشهد، ثم قام عاد وسلم، ولو سلم قائماً صح، ثم الأصح أن القوم ينتظرونه، فإن عاد تبعوه، وإن سجد للخامسة سلموا؛ لأنه تم فرضه إذ لم يبق عليه إلا السلام. (۱) ۱ھ۔

← القرآن، والفقه والحديث وعند الحنفية وهو رواية عن الإمام أحمد لا يجوز أخذ الأجرة على ذلك؛ لأن من شروط صحة هذه الأفعال كونها قربة لله تعالى فلم يجز أخذ الأجر عليها، لكن أجاز متأخرو الحنفية أخذ الأجرة على تعليم القرآن استحساناً، ومثل ذلك الإمامة والأذان للحاجة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۳ / ۱۰۰)

تبیین الحقائق، الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۶ / ۱۱۷، إمداديه ملتان ۵ / ۱۲۴، البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۸ / ۳۵-۳۴، كوئٹہ ۸ / ۱۹-۲۰، ہندیہ، كتاب الإجارة، الفصل الرابع: في فساد الإجارة، قديم زكريا ۴ / ۴۴۸، جديد زكريا ۴ / ۴۸۴۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲ / ۵۵۳، کراچی ۲ / ۸۷۔

ولو قام إمامه لخامسة فتابعه إن بعد القعود تفسد، وإلا لا، حتى يقيد بالخامسة بسجدة (درمختار) وفي الشامية: تفسد أي صلاة المسبوق؛ لأنه اقتداء في موضع الإنفراد؛ ولأن اقتداء المسبوق بغيره مفسد كما مر، وقوله: وإلا أي وإن لم يقعد وتابعه المسبوق ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر امام رابعہ پر بیٹھ کر کھڑا ہوا ہے تو مسبوق منتظر رہے، اگر وہ لوٹ آوے تو اس کے ساتھ سلام تک رہے، ورنہ اپنی نماز پوری کر لے۔ اور اگر وہ رابعہ پر نہیں بیٹھا تو بھی انتظار کرے، اگر قبل سجدہ خامسہ کے لوٹ آوے تو بھی سلام تک رہے اور اگر نہ لوٹا تو سب کی نماز باطل ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۹/ صفر ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۶۹ ج ۱)

← لا تفسد صلاته؛ لأن ما قام إليه الإمام على شرف الرقص ولعدم تمام الصلاة الخ. (الدر المختار مع الشامی، الصلاة، قبیل باب الاستخلاف، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۵۰ / ۲، کراچی ۱ / ۵۹۹)

وإن قعد في الرابعة، ثم قام عاد وسلم ثم قيل: القوم يتبعونه، فإن عاد عادوا معه، وإن مضى في النافلة اتبعوه؛ لأن صلاتهم تمت بالقعدة، والصحيح أنهم لا يتبعونه؛ لأنه لا اتباع في البدعة، فإن عاد قبل تقييد الخامسة بالسجدة اتبعوه بالسلام، فإن قيد سلموا في الحال (وإن سجد للخامسة ثم فرضه وضم إليها سادسة) أي لم تفسد فرضه بسجوده كما فسد فيما إذا لم يقعد هذا هو المراد بالتمام، وإلا فصلاته ناقصة كما سيأتي، وإنما لم يفسد؛ لأن الباقي أصابه لفظ السلام، وهي واجبة. (البحر الرائق، الصلاة، باب سجود السهو، مکتبہ زکریا ۲ / ۱۸۴، کوئٹہ ۲ / ۱۰۴)

ولو قام الإمام إلى الخامسة في صلاة الظهر فتابعه المسبوق إن قعد الإمام على رأس الرابعة تفسد صلاة المسبوق، وإن لم يقعد لم تفسد حتى يقيد الخامسة بالسجدة، فإذا قيدها بالسجدة فسدت صلاة الكل؛ لأن الإمام إذا قعد على الرابعة تمت صلاته في حق المسبوق، فلا يجوز للمسبوق متابعتة. (البحر الرائق، الصلاة، باب الحدث في الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱ / ۶۶۲، کوئٹہ ۱ / ۳۷۸)

و کذا في خلاصة الفتاوى، الصلاة، ما يتصل بمسائل الاقتداء مسائل المسبوق، مکتبہ، أشرفیہ دیوبند ۱ / ۱۶۱-۱۶۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسجد میں جماعت ثانیہ کی کراہت کا مفصل بیان

سوال (۲۸۷): قدیم ۳۶۲/۱ - قول محقق اور معتبر باعتبار موافقت فقہ و حدیث در بابہ جماعت ثانیہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ مگر بحوالہ احادیث اور اقوال فقہاء و نیز بحوالہ کتب تحریر ہو اور نیز قطع نظر حالت موجودہ لوگوں کے بلکہ نفس مسئلہ محقق ہو۔ اور اگر حالت موجودہ لوگوں کے اعتبار سے جماعت ثانیہ کی کراہت ہو تو اس کے لئے علیحدہ ارقام ہو، ہندوستان کے محقق علماء مثل حضرت مولانا مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی و حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری و حضرت مولانا مولوی سعادت علی صاحب سہارنپوری و جناب مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی و جناب مولوی مشتاق احمد صاحب سہارنپوری و جناب مولوی سید جمال الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بلا کراہت جائز فرماتے تھے، مگر غالب گمان یہ ہے کہ جو لوگ جماعت اولی کے پابند ہوں ان کے لئے بلا کراہت فرماتے تھے۔

الجواب: فی جامع الآثار لهذا العبد الحقیر (۱): ہکذا کراہۃ تکرار الجماعة فی المسجد عن أبي بكرة أن رسول الله ﷺ أقبل من نواحي المدينة يريد الصلوة، فوجد الناس قد صلوا فمال إلى منزله، فجمع أهله فصلی بهم. رواه الطبراني في الكبير، والأوسط وقال الهيثمي: رجاله ثقات (۲) قلت: ولو لم يكره لما ترك المسجد، وعن إبراهيم النخعي قال: قال عمر: لا يصلي بعد صلوة مثلها. رواه ابن أبي شيبه (۳) قلت: وأقرب تفاسيره حمله على تكرار الجماعة في المسجد، وعن خرشة بن الحر أن عمر كان يكره أن يصلي بعد صلوة الجمعة مثلها. رواه الطحاوي (۴)

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) المعجم الأوسط دار الفکر بیروت ۵/ ۱۳۲، رقم: ۶۸۲۰، ۳/ ۲۸۴، رقم: ۴۶۰۱،

مجمع الزوائد، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۴۵، رقم: ۲۱۷۷۔

(۳) مصنف ابن أبي شيبه، کتاب الصلاة، من کره أن يصلي بعد الصلاة مثلها، مؤسسة

علوم القرآن ۴/ ۲۹۳، رقم: ۶۰۵۰۔

(۴) شرح معاني الآثار للطحاوي، کتاب الصلاة، باب التطوع بعد الجمعة كيف هو؟

مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۲۳۴۔

وإسناده صحيح، قلت: دل على كراهة تكرار الجماعة خاصة، وفي حاشيته: تابع الآثار وما ورد من قوله عليه السلام: من يتصدق (١) لا يدل على جواز التكرار المتكلم فيه، وهو اقتداء المفترض بالمفترض إذا الثابت به اقتداء المتتفل بالمفترض ولا يحكم بكراهته، بل ورد في جوازه حديث آخر من قوله عليه السلام: إذا صليتما في رحالكما، ثم أتيتما صلوة قوم فصليا معهم، واجعلا صلوتكما معهم سبحة (٢) كما هو ظاهر، وما هو رواه البخاري تعليقا عن أنس (٣) محمول على مسجد الطريق أو نحوه لما نقل فيه أنه أذن وأقام وهو مكروه عند العامة. اهـ

أما الروايات الفقهية في هذا الباب، ففي الدرالمختار: ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق، أو مسجد لا إمام له، ولا مؤذن، وفي ردالمحتار: قوله ويكره، أى تحريما لقول الكافي لا يجوز، والمجمع لا يباح، وشرح الجامع الصغير: إنه بدعة كما في رسالة السندي قوله: بأذان وإقامة عبارته في الخزان

(١) رواه ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، في القوم يجيئون إلى المسجد وقد صلي فيه من قال لا بأس أن يجمعوا، مؤسسة علوم القرآن ٥/ ٥٣، رقم: ٧١٧٣ -
وكذا في سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في الجمع في المسجد مرتين، النسخة الهندية ١/ ٨٥، دارالسلام، رقم: ٥٧٤ -
وكذا في مجمع الزوائد، باب فيمن تحصل بهم فضيلة الجماعة، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٥ -

(٢) ترمذي شريف، الصلاة، باب ما جاء في الرجل يصلي وحده، ثم يدرك الجماعة، النسخة الهندية ١/ ٥٣، دارالسلام، رقم: ٢١٩ -
صحيح ابن حبان، الصلاة، باب إعادة الصلاة، دارالفكر بيروت ٣/ ٣٠٢، رقم: ٢٣٩٣ -
(٣) وجاء أنس بن مالك إلى مسجد قد صلى فيه، فأذن وأقام وصلى جماعة.
(بخاري شريف، كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، النسخة الهندية ١/ ٨٩)

أجمع مما ههنا ونصها يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذا صلى بهما فيه أولاً غير أهله أو أهله، لكن بمخافتة الأذان، ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق جاز إجماعاً، كما في مسجد ليس له إمام ولا مؤذن، ويصلى الناس فيه فوجاً فوجاً، فإن الأفضل أن يصلى كل فريق بأذان وإقامة على حدة، كما في أمالي قاضي خان اه. ونحوه في الدرر: والمراد بمسجد المحلة ماله إمام وجماعة معلومون كما في الدرر وغيرها إلى أن قال: ولأن في الاطلاق هكذا تقليل الجماعة معنى فإنهم لا يجتمعون إذا علموا أنها لا تفوتهم، ثم قال بعد سطر: ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة ولو بدون أذان، ويؤيده ما في الظهيرية لودخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه أهله يصلون وحداناً، وهو ظاهر الرواية. اه. وهذا مخالف لحكاية الإجماع المارة. (ج ١ ص ٥٧٧ (١))

وفيه مانعه، وفي آخر شرح المنية، وعن أبي حنيفة: لو كانت الجماعة أكثر من ثلاثة يكره التكرار وإلا فلا، وعن أبي يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا تكره وإلا تكره وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية، وفي التاتارخانية عن الولوالجية: وبه نأخذ. (ج ١ ص ٤١٠) (٢).

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ٢٨٨-٢٨٩، كراچی ١/ ٥٥٢ -

المبسوط للسرخسي، الصلاة، باب الأذان، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ١/ ١٣٥، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان محل وجوب الأذان، مكتبة زكريا ديوبند ١/ ٣٨٠، كوثته ١/ ١٥٣، بيروت ١/ ٦٥٥ -

المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثاني: في النوافل والواجبات، المجلس العلمي بيروت ١٠٢-١٠٣، رقم: ١٣١٤ -

وكذا في التاتارخانية، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ١٥٥، رقم: ٢٠١٢ -

(٢) حلي كبير، الصلاة، قبيل فصل في مسائل شتى، مكتبة أشرفيه ديوبند ٦١٥، تاتارخانية، الصلاة، الفصل الثاني المتفرقات، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ١٥٥، رقم: ٢٠١٢ -

وفیه قوله: إلا في المسجد على طريق هو ماليس له إمام ومؤذن راتب فلا يكره التكرار فيه بأذان وإقامة، بل هو الأفضل. (حاشیہ، ج ۱ ص ۴۱۰ (۱))
روایات فقہیہ مذکورہ سے چند صورتیں اور ان کے احکام معلوم ہوئے۔

صورت اولیٰ: مسجد محلّہ میں غیر اہل نے نماز پڑھ لی ہو۔ صورت ثانیہ مسجد محلّہ میں اہل نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان بدرجہ اولیٰ (*) نماز پڑھی ہو۔ صورت ثالثہ وہ مسجد طریق (**) پر ہو۔ صورت رابعہ اس مسجد میں امام ومؤذن معین نہ ہوں صورت خامسہ مسجد محلّہ ہو، یعنی اس کے نمازی اور امام معین ہوں اور انہوں نے اس میں اعلان اذان کی صورت سے نماز پڑھی ہو۔ پس صورت اربعہ اولیٰ میں تو بالاتفاق جماعت ثانیہ جائز بلکہ افضل ہے، جیسا کہ افضلیت (***) کی تصریح موجود ہے۔ اور صورت خامسہ (****) میں اگر جماعت ثانیہ بہیئت اولیٰ ہو تب بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ ”در مختار“

(*) یعنی صورت ثانیہ کی ایک شکل تو یہ ہے کہ مسجد محلّہ میں اہل مسجد نے اذان تو دی ہو؛ لیکن آہستہ دی ہو۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ انہوں نے بغیر اذان دئے نماز پڑھی ہو، پس جو حکم شکل اول کا ہے وہی حکم بدرجہ اولیٰ۔ شکل دوم کا بھی ہوگا۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

(**) یعنی جس کا کوئی امام اور مؤذن مقرر نہ ہوں۔ (فتاویٰ دارالعلوم جدید ۲۴/۳) ۱۲ سعید احمد پالن پوری
(***) افضلیت کی تصریح فقط تیسری اور چوتھی صورت میں ہے۔ (کما تقدم في الروايات الفقهية) پہلی اور دوسری صورت میں افضلیت کی تصریح نظر سے نہیں گزری۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔
(****) یعنی صورت خامسہ کی پھر دو شکلیں ہیں:

اول:- جماعت ثانیہ بہیئت اولیٰ ہو، یعنی اذان واقامت اور قیام امام فی الحراب کے ساتھ تکرار جماعت ہو تو یہ بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے، خواہ دوبارہ جماعت اہل مسجد کے علاوہ لوگ کریں یا بعض اہل مسجد کریں۔
إن صلى فيه أهله بأذان وإقامة أو بعض أهله، يكره لغير أهله، وللباقيين من أهله أن يعيدوا الأذان والإقامة. (بدائع الصنائع، الصلاة، تکرار الجماعة في المسجد، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۳۷۸)

(۱) حلبی کبیری، الصلاة، قبیل فصل في مسائل شتی، مکتبہ أشرفیہ دیوبند ص: ۶۱۴۔
إعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب کراهية تکرار الجماعة في مسجد المحلة، بیروت ۴/ ۲۶۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/ ۲۲۹۔

میں تحریمی ہونے کی تصریح ہے۔ اور اگر ہیئت اولیٰ پر نہ ہو پس یہ محل کلام ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک

دوم:- جماعت ثانیہ ہیئت اولیٰ بدل کر ہو۔ ہیئت اولیٰ نام ہے تین چیزوں کے مجموعہ کا، یعنی اذان، اقامت اور قیام امام فی المحراب کا، پس جب یہ تینوں باتیں نہ رہیں گی تو پوری طرح ہیئت اولیٰ بدل جائے گی۔ اور اگر دو باتیں مرتفع ہو جائیں (خواہ وہ کوئی سی دو ہوں، اذان و اقامت ہوں یا اذان و قیام محراب ہوں یا اقامت و قیام محراب ہوں) تو بھی ہیئت اولیٰ بدل جائے گی؛ اس لئے کہ اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے، اسی طرح جب ایک بات مرتفع ہو جائے گی تو بھی ہیئت اولیٰ بدل جائے گی؛ کیوں کہ کسی بھی جزو کے ارتفاع سے ہیئت کلی مرتفع ہو جاتی ہے۔ (القطوف الدانیۃ، ص: ۶-۷ خلاصہ)

بہر حال یہ دوسری شکل محل بحث ہے، پہلی بحث تو یہ ہے کہ اس شکل میں صاحب درمختار نے خزائن الاسرار (جو درمختار کا نقش اول ہے) میں تکرار جماعت کو اجماعاً جائز کہا ہے (خزائن کی عبارت جواب کے شروع میں حضرت مجیب قدس سرہ نقل فرما چکے ہیں) چند دیگر حضرات نے بھی یہی لکھا ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمہ (منحة الخالق علی البحار الرائق، الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۶۰۵، کوئٹہ ۱/ ۳۴۶) میں لکھتے ہیں:

نقل الرملي عن رسالة العلامة السندي عن الملتقط وشرح المجمع وشرح
درر البحار والعباب من أنه يجوز تكرار الجماعة بلا أذان وإقامة ثانية اتفاقاً، وفي
بعضها: إجماعاً. اهـ

لیکن خود علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اس شکل میں تکرار جماعت کو مکروہ کہا ہے۔ کما فی قوله: ومقتضى
هذا الاستدال الخ.

پھر انہوں نے اپنے استنباط کو ظہیر یہ کی روایت سے (جو ظاہر روایت ہے) مؤید کیا ہے۔
دوسری بحث یہ ہے کہ اس شکل کے متعلق خود ائمہ مذہب کی روایات بھی مختلف ہیں۔ امام صاحبؒ سے ظاہر
روایت مطلقاً کراہت کی ہے، جس میں یہ شکل بھی داخل ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کراہت نہیں ہے۔
حضرت مجیب قدس سرہ نے پہلے بحث ثانی پر گفتگو فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر شیخین کے
اقوال میں تعارض مانا جائے تو آداب افتاء کے پیش نظر امام صاحبؒ کے قول پر عمل ہوگا۔ اور اگر تطبیق کی راہ
اختیار کی جائے تو وہ یہ ہے کہ امام صاحبؒ کراہت تنزیہی کا اثبات فرماتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ کراہت
تحریمی کی نفی فرماتے ہیں، کراہت تنزیہی ان کے نزدیک بھی مسلم الثبوت ہے، اسی سے بحث اول کا ←

مکروہ نہیں اور امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے، جیسا ظہیر یہ میں اس کا ظاہر روایت ہونا مصرح ہے؛ البتہ ایک روایت (*) امام صاحب سے یہ ہے کہ اگر تین سے زیادہ آدمی ہوں تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں۔ یہ تو خلاصہ ہوا روایات کے مدلول ظاہری کا۔ اب آگے دو مسلک ہیں یا تو امام صاحبؒ اور امام ابو یوسف کے اقوال کو متعارض کہا جاوے یا دونوں میں تطبیق دی جاوے، اگر متعارض کہا جاوے تو حسب رسم المفتی:

واختلف فيما اختلفوا فيه، والأصح كما في السراجية وغيرها أنه يفتي بقول الإمام على الإطلاق، ثم بقول الثاني إلى قوله - وصح في الحاوي القدسي قوة المدرک الخ، هكذا في الدر المختار (۱)۔

امام صاحب کے قول پر عمل ہوگا، اگر سراجیہ کے قاعدہ کو ترجیح دی جاوے تب تو ظاہر ہے۔ اور اگر حاوی قدسی کے قاعدہ کو ترجیح دی جاوے تب بھی امام صاحب کی دلیل نقلی حدیث ہے جو اول نقل ہوئی ہے۔ اور دلیل قیاسی رد المختار سے ”ولأن في الإطلاق الخ“ معلوم ہو چکی ہے، جس کی قوت ظاہر ہے۔ اور جو حدیثیں امام صاحب کی دلیل سے ظاہر متعارض ہیں، ان سب کا جواب کافی شافی جامع الاثر سے گزر چکا ہے۔

← تصفیہ بھی ہو گیا کہ اصل کراہت میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، پس جنہوں نے جازاً جماعاً کہا ہے، انہوں نے کراہت تحریمی کی نفی کی ہے اور جنہوں نے کراہت ثابت کی ہے ان کی مراد اس سے کراہت تنزیہی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(*) امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ سے بھی قریب قریب ایسی ہی روایتیں مروی ہیں۔

وروي عن أبي يوسف أنه إنما يكره إذا كانت الجماعة الثانية كثيرة، وأما إذا كانوا ثلاثة أو أربعة فقاموا في زاوية من زوايا المسجد وصلوا بجماعة لا يكره، وروي عن محمد أنه إنما يكره إذا كانت الثانية على سبيل التداوى والاجتماع، فأما إذا لم يكن فلا يكره. اه بدائع الصنائع، ۱/ ۱۵۳، مكتبة زكريا ديوبند، الصلاة، تکرار الجماعة في المسجد ۱/ ۳۷۹

۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، مقدمة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۱۶۸-۱۷۱، کراچی ۱/

۷۰-۷۱، شرح عقود رسم المفتی، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۱۰۸۔

اور اگر بعض (*) کی حکایت اجماع (**) علی الجواز سے شبہ ہو کہ امام صاحبؒ نے حکم بالکراہت سے رجوع کر لیا ہوگا تو شامی نے بعد نقل روایت ظہیریہ کے عدم ثبوت اجماع کی تصریح کر دی ہے، پس یہ استدلال قطع ہو گیا۔ اور اگر امام صاحبؒ اور ابویوسفؒ کے اقوال میں تطبیق دی جاوے تو وجہ تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ امام صاحبؒ تو کراہت تنزیہیہ کے مثبت ہیں اور امام ابویوسفؒ کراہت تحریمیہ کے نافی ہیں، قرینہ اس کا یہ ہے کہ ”در مختار“ میں جو مسجد محلہ میں اذان کے ساتھ جماعت ثانیہ کو مکروہ کہا ہے، اس میں شامی نے

(*) اولاً یہ شبہ بے محل ہے؛ کیوں کہ محل نزاع میں اجماع منقول نہیں ہوا؛ بلکہ ان صورتوں میں ہوا ہے، جن کی نسبت فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ بالاتفاق نماز جائز بلکہ افضل ہے۔ اور ثانیاً اس کا جواب کہ شامی نے بعد نقل روایت ظہیریہ عدم ثبوت اجماع کی تصریح کر دی ہے نامناسب ہے؛ کیوں کہ اگر اس تصریح کو مان لیا جاوے تو یہ فتویٰ کے اس دعوے کے مخالف ہوگی جو کہ ان الفاظ سے کیا گیا ہے: ”پس صوراربعہ اولیٰ میں تو بالاتفاق جماعت ثانیہ جائز بلکہ افضل ہے“ آہ۔ کیوں کہ صوراربعہ جن کی نسبت اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے، ان میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسجد محلہ میں اہل محلہ نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان بدرجہ اولیٰ نماز پڑھ لی ہو۔ اور ظہیریہ سے ان صورتوں کی کراہت ثابت ہوتی ہے، پس دعویٰ اجماع صحیح نہ ہوا۔ الحاصل جواب شبہ دعویٰ سابقہ کے مخالف ہے؛ اس لئے یہ جواب مناسب نہیں، پس اس صورت میں شبہ اور جواب دونوں کو ساقط ہونا چاہئے، نیز جن چار صورتوں میں عدم کراہت پر اتفاق نقل کیا ہے ان میں سے دوسری صورت میں اختلاف نقل ہونا چاہئے یا شامی کے قول: ”مقتضی ہذا الاستدلال الخ“، کو رد کرنا چاہئے۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص: ۱۱۔

(**) اس جگہ مولانا رشید احمد صاحب مدرس دارالعلوم کراچی نے ایک حاشیہ لکھا ہے وہ درج کیا جاتا ہے۔ وہ ہوندا: ”ولو کرد اہلہ بدو نہما“ کو جائز بالا جماع کہا گیا ہے؛ حالانکہ اس صورت میں اگر ہیئت اولیٰ پر تکرار ہے، یعنی عدول عن المحر اب نہیں کیا تو بالاتفاق مکروہ ہے اور عدول عن المحر اب کی حالت میں محل نزاع ہے، پس یہ قول کہ محل نزاع میں اجماع منقول نہیں ہوا صحیح نہیں، نیز یہ قول کہ ظہیریہ سے صوراربعہ میں سے صورت ثانیہ کی کراہت ثابت ہوتی ہے صحیح نہیں۔ صورت ثانیہ یہ ہے کہ جماعت اولیٰ بلا اذان یا بغیر اعلان اذان کے ہوئی۔ اور ظہیریہ میں اس کی کراہت مذکور ہے کہ جماعت ثانیہ بلا اذان ہوئی ہو۔ غرض اصل جواب کی عبارت صحیح ہے۔ اور تصحیح الاغلاط کی عبارت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم انتہی۔ ۱۲ محمد شفیع۔

تصریح کردی کہ کراہت تحریمیہ مراد ہے، پس اس کے مقابلہ میں جو دوسری صورتوں میں عدم کراہت کا حکم ہوگا، اسی کراہت مذکورہ کی نفی ہوگی، پس کراہت تنزیہیہ کی نفی محتاج دلیل مستقل ہے، جیسا کہ صوراربعہ اولیٰ میں افضلیت کی تصریح بالاستقلال کراہت تنزیہیہ کی نفی پر دال ہے، پس صوراربعہ اولیٰ میں نفی کراہت سے کراہت تحریمیہ منقشی ہوگئی اور حکم افضلیت سے کراہت تنزیہیہ منقشی ہوگئی اور مندوبیت ثابت ہوگئی، بخلاف صورت متکلم فیہا کے کہ اس میں انتفاء کراہت تحریمیہ کی دلیل تو قائم ہے؛ لیکن انتفاء کراہت تنزیہیہ کی کوئی دلیل نہیں۔ اور ظاہر روایت میں کراہت کا اثبات ہے، پس کراہت تحریم منقشی ہوئی اور کراہت تنزیہیہ ثابت رہی۔ پس امام صاحب کے اثبات اور امام ابو یوسف کی نفی میں کوئی تعارض نہ رہا۔ اور اگر یہ شبہ ہو کہ جاز اور یباح وغیرہ عبارات سے کراہت تنزیہیہ منقشی معلوم ہوتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ جائز کبھی مکروہ کو بھی شامل ہوتا ہے۔ کذا فی رد المحتار صفحہ ۱۲۵ ج ۱ (*)۔

اور جیسا در مختار میں اذان صبی کو جائز بلا کراہت کہا ہے۔ اور شامی نے کہا ہے کہ مراد نفی کراہت تحریمیہ کی ہے اور تنزیہیہ ثابت ہے (***)۔ (صفحہ ۴۰۶ ج ۱) و نیز حکایت اجماع جس میں تقدیر تعارض

یعنی صورت خامسہ کی پہلی صورت: ”ولو كسر أهله الخ“ میں داخل ہی نہیں ہے؛ کیوں کہ جب تکرار اذان و اقامت کے بغیر ہوئی تو ہیئت اولیٰ بدل گئی؛ کیوں کہ ہیئت اولیٰ کی تبدیلی کے لئے عدول عن المحراب ہی ضروری نہیں ہے، جیسا کہ پہلے ”القطوف الدانیہ“ سے بیان ہوا ہے، پس ”ولو كسر أهله الخ“ کے تحت صورت خامسہ کی دوسری صورت کا بیان ہے۔ اور اس میں اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے؛ لہذا مکمل نزاع میں اجماع کا منقول ہونا ثابت ہوا۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(*) و عبارتہ: وقد يقال: أطلق ”الجائز“ وأراد به ما يعم المكروه ففي الحلية عن أصول ابن الحاجب: أنه قد يطلق ويراد به ما لا يمتنع شرعا، وهو يشمل المباح والمكروه والمندوب والواجب. اه (شامی، الطہارۃ، مکتبہ زکریا ۱/ ۲۴۲، کراچی ۱/ ۱۲۰)

۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) و عبارتہما: ويجوز بلا كراهة أذان صبي مراهق (در مختار) قوله: بلا كراهة، أي تحریمیة؛ لأن التنزیہیة ثابتة، لما في البحر عن الخلاصة: أن غیرهم أولى منهم. اه (شامی، کتاب الصلاة، باب الأذان، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۵۹، کراچی ۱/ ۳۹۱) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

پر کلام ہوا ہے، اس تقریر تطبیق پر بحالہارہ سکتی ہے کہ نفی کراہت تحریمیہ پر اجماع ہے اور اگر ثبوت کراہت تفریہ سے قطع نظر بھی کی جاوے اور اباحت بالمعنی المتبادر مان لی جاوے تب بھی چونکہ ندب واستحباب نہ دلیل سے ثابت نہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول؛ اس لئے نفی کراہت سے ثبوت ثواب کا لازم نہ آوے گا جیسا رد المختار میں جماعۃ فی التطوع میں صرف مسنون نہ ہونے سے ثواب کی نفی کی ہے، گو بعض صورتوں میں مباح بھی ہے (*)۔ (صفحہ ۴۱ ج ۱) پس غایۃ مافی الباب ایک فعل مباح ہوا، جس میں نہ ثواب نہ عقاب۔ اور امام صاحب کراہت کے قائل تب بھی اسلم اور احوط اس کا ترک ہی ہوا؛ کیونکہ فعل میں تو احتمال کراہت کا ہے اور ترک میں کوئی ضرر محتمل نہیں حتی کہ حرمان ثواب بھی نہیں۔ پس ترک ہی رائج ہوا، یہ سب تحقیق ہے باعتبار حکم فی نفسہ کے۔ اور اگر مفاسد اس کے امام ابو یوسفؒ کے روبرو پیش کئے جاتے تو یقیناً کراہت شدیدہ کا حکم فرماتے؛ لیکن چونکہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور علماء کے فتوے بھی مختلف ہیں؛ اس لئے کسی کو کسی پر نکیر شدید و طعن زیبا نہیں۔ واللہ اعلم

۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۳ ج ۱)

جماعت ثانیہ

سوال (۲۸۸): قدیم ۱/۳۷۰ - حنفیہ کے نزدیک جماعت ثانیہ مکروہ ہے اور حدیث میں ہے: عن أبي سعيد - رضي الله عنه - قال: جاءني رجل وقد صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: أیکم یتجر علیٰ هذا؟ فقام رجل وصلى معه - (رواه الترمذی ص: ۱۵۹ (۱))

(*) فی الدر المختار: ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان، ای یکرہ ذلك لو علی سبیل التداعی بأن یقتدی أربعة بواحد. اه
قال ابن عابدين: قوله: أربعة بواحد أما اقتداء واحد أو اثنين بواحد فلا یکرہ، وثلاثة بواحد فیہ خلاف بحر عن الکافی: وهل یحصل بهذا الاقتداء فضیلة الجماعة؟ ظاهر ما قدمناه من أن الجماعة فی التطوع لیست بسنة یفید عدمه تأمل. (رد المحتار، قبیل باب إدراک الفریضة، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۵۵۰، کراچی ۲/ ۴۹) سعید احمد پالن پوری

(۱) ترمذی شریف، الصلاة، باب ماجاء فی الجماعة فی مسجد قد صلی فیہ مرة، النسخة

الهندیة ۱/ ۵۳، دار السلام، رقم: ۲۲۰ -

أصح المطابع، وفي البخاري (*) عن أنس تعليقاً: وأبي يعلى موصولاً أنه جاء أنس إلى مسجد قد صلى فيه، فأذن وأقام وصلى جماعة.

لہذا اس حدیث کا کیا جواب ہے اور مسجد محلہ اور مسجد بازار اس حکم میں برابر ہیں یا کچھ فرق ہے؟ اگر فرق ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث (**) میں متطفل نے مفترض کی اقتداء کی۔ اور کلام اس جماعت ثانیہ میں ہے جہاں دونوں مفترض ہوں فلا حجتہ فیہ، اور (***) انس رضی اللہ عنہ کا فعل ممکن

(*) بخاري شريف، النسخة الهندية ۱ / ۸۹، باب فضل صلاة الجماعة، ولفظ رواية أبي يعلى أبو عثمان قال: مر بنا أنس بن مالك في مسجد بنى ثعلبة، فقال: أصليتم؟ فقلنا: نعم، وذلك صلاة الصبح، فأمر رجلاً فأذن وأقام، ثم صلى بأصحابه. اهـ (المطالب العالية ۱ / ۱۱۸) وفي رواية البيهقي: فجاء أنس في نحو عشرين من فتيانہ. اهـ (عمدة القاري ۲ / ۱۸۹، كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، مكتبه دار إحياء التراث العربي ۵ / ۱۶۵، مكتبه زكريا ديوبند ۴ / ۲۳۱، رقم: ۶۴۵) ۱۲ سعيد احمد پالن پوری

(**) یعنی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو تکرار جماعت کا جواز معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ امام فرض نماز ادا کرے اور مقتدی نفل۔ اور یہ صورت تکرار متنازعہ فیہ نہیں ہے؛ بلکہ ”فرض ادا کرنے والے کی نماز فرض ادا کرنے والے کے پیچھے“ متنازعہ فیہ ہے؛ اس لئے یہ حدیث موافق مطلب نہیں ہو سکتی؛ کیوں کہ متطفل کا اقتداء مفترض کے پیچھے بالاتفاق جائز ہے۔

لا يكره جماعة النفل إذا أدى الإمام الفرض. اهـ (طحطاوي بردر مختار، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه كوئٹہ ۱ / ۲۵۳، شامي ۱ / ۵۵۲، الصلاة، باب الإمامة، مطلب في رفع المبلغ صوته زيادة على الحاجة، مكتبه زكريا ديوبند ۲ / ۳۳۸، كراچی ۱ / ۳۹۰، تحت قول الدر المختار، صح اقتداء متطفل بمفترض)

(***) یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فعل کسی راستہ کی مسجد یا اسی قسم کی مسجد پر محمول کر سکتے ہیں؛ کیوں کہ مسجد محلہ میں جماعت ثانیہ اذان و اقامت کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے؛ اس لئے مجوزین جماعت ثانیہ کے لئے یہ اثر نافع نہیں ہو سکتا۔ ←

ہے کہ مسجد طریق میں ہو۔ چنانچہ تکرار اذان اس کا قرینہ ہے؛ کیونکہ مجوزین جماعت ثانیہ بھی تکرار اذان کو منع کرتے ہیں (۱)۔ فقط (امداد ص ۸۶ ج ۱)

← علاوہ بریں خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب صحابہ کرام کی جماعت فوت ہو جاتی تھی تو وہ مسجد میں الگ الگ نماز پڑھا کرتے تھے (کما فی البدائع ورد المحتار) پس ظاہر یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل صحابہ کے عمل کے خلاف نہ ہوگا؛ اس لئے اس کو کسی صالح لمحمل پر محمول کرنا ضروری ہے۔

۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) وأما ثالثا: فأثر أنس فيه اضطراب وتعارض كما تقدم، وأيضا وقع فيه أنه كان في مسجد بني رفاعه، وفي آخر أنه في مسجد بني ثعلبة، وليس هذا المسجد ولا ذلك من المساجد المعروفة في عهد النبوة، وقد بلغ عددها فيما حققه البدر العيني في العمدة، والسمهودي في الوفاء إلى أربعين مسجدا، فيحتمل أن يكون مسجد طريق أو شارع، وممر عام حيث لم يذكر هذا، ولا ذاك أحد فيما ذكروه. (معارف السنن، الصلاة، باب ماجاء في الجماعة في مسجد قد صلي فيه مرة، مكتبه أشرفيه ۲/ ۲۹۰)

ومن دخل المسجد فوجد إمامه قد فرغ من الصلاة، فإن كان المسجد في غير ممر الناس كره له أن يستأنف فيه جماعة عند أبي حنيفة ومالك والشافعي وقال أحمد: لا يكره إقامة الجماعة بعد الجماعة بحال، قلت: واستدل أحمد بما رواه الترمذي عن أبي سعيد قال: جاء رجل وقد صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أيكم يتجر على هذا؟ فقام رجل وصلى معه ولكن لا يتم به الاستدلال، فإن فيه اقتداء المتفل بالمفترض، ولا نزاع فيه، وإنما النزاع في اقتداء المفترض بالمفترض، وأما ما رواه البخاري تعليقا وجاء أنس إلى مسجد قد صلي فيه، فأذن وأقام وصلى جماعة، فهو يحتمل أن يكون المسجد مسجد الطريق أو نحو مما لا يكرهون التكرار فيه، ويرجح هذا الاحتمال تكراره الأذان والإقامة الذي لا يجوز من جواز تكرار الجماعة في مسجد المحلة. (إعلاء السنن، الصلاة، باب كراهية تكرار الجماعة في مسجد المحلة، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة ۴/ ۲۶۱-۲۶۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صحن مسجد میں جماعت ثانیہ کا حکم

سوال (۲۸۹): قدیم ۱/۳۷۱ - بعض صاحبان کا یہ قول ہے کہ اگر اندرون مسجد قریب محراب جماعت ہوگئی ہو تو کچھ آدمی اگر باقی رہ جایا کریں تو جماعت ثانیہ صحن مسجد میں کر لیا کریں، تو کسی نوع سے مکروہ نہ ہوگا؛ کیونکہ یہاں کی ہر ایک مسجد دو مسجد ہے، ایک صفیٰ یعنی صحن مسجد دوسری شتویٰ یعنی اندرون مسجد جو اکثر مسقف ہوتی ہے یا لداؤ کی۔ اور ”در مختار“ میں جماعت کے بارے میں ”ولو فاتتہ ندب طلبہا فی مسجد الخ“ (۱) ظاہر ہے کہ صحن مسجد مسجد آخر ہے؛ لہذا اس میں جماعت ثانیہ کسی نوع سے مکروہ نہ ہوگی، جواب دیا گیا کہ یہاں کی مسجدوں میں صحن مسجد دوسری مسجد نہیں حقیقت میں یہاں کی مسجدیں ایک ایک مسجد ہیں؛ کیونکہ عرف میں بھی ایک ہی مسجد سے تعبیر کرتے ہیں اور نہ بانین مسجد کی نیت دو مسجدوں کی ہوتی ہے؛ بلکہ ایک ہی مسجد کی ہوتی ہے، صحن کو صحن مسجد اور فناء مسجد سے تعبیر کرتے ہیں، دیکھو نفاس اللغات، لغت انگنائی بمعنی صحن خانہ بحر بنی ساحت و سرح و فناء، پس اگر خانہ کی طرف اضافت ہوگی تو صحن خانہ اور مسجد کی طرف اضافت ہوگی تو صحن مسجد و فناء مسجد بولیں گے اور فقہاء بھی اس صحن کو صحن مسجد و فناء مسجد سے تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ واقفین پر ظاہر ہے واقف علم ظاہری و باطنی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے کراہت جماعت ثانیہ یہاں کی مسجدوں کے بارے میں ایک رسالہ (*) تحریر فرمایا اگر یہاں کی مسجدیں دو مسجدیں ہوتیں تو کراہت (**) جماعت ثانیہ آپ مکروہ نہ فرماتے؛ بلکہ جماعت ثانیہ کا ہونا مکروہ فرماتے اور تصریح بھی کر دیتے کہ صحن مسجد دوسری مسجد ہے و نیز حاجیان سے معلوم ہوا کہ مسجد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد حرام میں بھی صحن ہے؛ حالانکہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثواب صلوة اپنی

(*) اس رسالہ کا نام ”القطوف الدانیہ فی تحقیق الجماعۃ الثانیہ“ ہے۔ اور فارسی زبان میں ہے، اردو میں ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) کذا فی الاصل لیکن صحیح عبارت اس طرح ہے: ”دو مسجدیں ہوتیں تو جماعت ثانیہ کو آپ مکروہ نہ فرماتے؛ بلکہ جماعت ثانیہ کا نہ ہونا مکروہ فرماتے الخ“۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۲۹۱، کراچی ۱/ ۵۵۵۔

مسجد اور مسجد حرام میں ”فی مسجدی هذا ومسجد الحرام“ فرمایا۔ ”فی مسجدی ہذین وفي مسجدی الحرام“ نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحن مسجد دوسری مسجد نہیں اور صفی وشتوی مسجدیں اور طرز کی ہوتی ہیں، یعنی ان میں ہر ایک کی محراب جدا گانہ ہوتی ہے، ایک دوسرے کے جب میں واقع ہوتی ہے اور درمیان دیوار قصیر مقدار ایک دو ذراع کے اس میں فرجہ ہوتا ہے جیسا کہ قاضی خان کے صفحہ ۴۶ سے معلوم ہوتا ہے۔

محمول علی ما إذا كان الحائط قصيرا الله مقدار الفرجة بين الصفيين ذراع أو ذراعان كما يكون بين المسجد الصفي والشتوي. (۱)

لہذا حضور والا کو تکلیف دی جاتی ہے کہ جواب مسائل مفصلہ ذیل صاف تحریر فرما کر خاکسار کو ممنون و مشکور فرمائیں۔

(۱) یہ کہ یہاں کی ہر ایک مسجد حقیقتاً صفی وشتوی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ محراب مسجد اصل میں کس جگہ ہے آیا وہ طاق یعنی محراب جو جانب قبلہ دیوار غربی مسجد میں ہوتی ہے یا دوسری جگہ؟

(۳) والسنة أن يقوم الإمام في المحراب. قول شامی منقول از معراج ”تحت قوله: يقف وسطاً“ صفحہ ۳۹۹ مطبوعہ مصر (۲) وقول شامی منقول از تاتارخانیہ ”یکرہ للإمام أن يقف في غير المحراب إلا للضرورة“ صفحہ ۴۵۳ (۳) تحت قوله: لأن العبرة للقدم“ کا کیا مطلب

(۱) قاضي خاں علی الہندیہ، کتاب الصلاة، فصل فیمن یصح الاقتداء به، وفیمن لا یصح، قدیم زکریا ۱/ ۹۴، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۶۱۔

(۲) الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، قبیل مطلب: فی کراہیۃ قیام الإمام فی غیر المحراب، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۳۱۰، کراچی ۱/ ۵۶۸، مصری ۱/ ۵۳۱۔

(۳) الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۴۱۴، کراچی ۱/ ۶۴۵۔

وفي السراجیة: ویکرہ أن یقوم الإمام فی غیر المحراب إلا للضرورة. (الفتاویٰ التاتارخانیة، الصلاة، الفصل الرابع: ما یکرہ للمصلي وما لا یکرہ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۲۱۱، رقم: ۲۱۹۲)

ہے؟ آیا اس ظرفیت سے کمال قرب محراب مراد ہے یا محاذ محراب خواہ قریب ہو یا بعید اگر محاذ مذکور مراد ہے تو فی کا کیا موقع، اور اس میں کیا نکتہ، یا حقیقت میں عین محراب میں کھڑا ہونا مراد ہے، جیسا کہ ظاہر میں فی کا مقتضی ہے، بعض صاحبان کا خیال ہے کہ حقیقت میں کھڑا ہونا محراب کا مراد ہے؛ کیونکہ اصح مذہب طحاوی اور سرحسی رحمہما اللہ کا ہے کہ علت کراہت قیام فی المحراب خفاء امام ہے نہ مشابہت اہل کتاب، اگر خفا ہوگا تو کراہت ہوگی، ورنہ نہ ہوگی، گو مختار سرحسی اول میں مشابہت اہل کتاب کی تھی۔

(۴) گرمی میں یہاں کی مسجدوں میں درآں صورتیکہ مسجد صفی و شتوی نہ ہوں ترک محراب کی ضرورت ہو سکتی ہے (جیسا کہ مسجد صفی و شتوی میں ہوتا ہے کہ گرمی کی وجہ سے صفی میں آجاتے ہیں اور سردی کی وجہ سے شتوی میں چلے جاتے ہیں) یا نہیں اور یہاں کی مسجدوں میں عمل درآمد اس کا کہ جب گرمی ہوتی ہے تو صحن مسجد میں امام بلا تکبیر پڑھا دیتا ہے صحیح ہے یا نہیں؟ اور یہ عمل درآمد کس بناء پر ہے؟

الجواب: ان بعض صاحبان کا قول غلط ہے، مجیب کا جواب بالکل درست ہے؛ البتہ مجیب کی تقریر میں لفظ فناء کی تفسیر میں تسامح ہے؛ کیونکہ فناء اس جگہ کو کہتے ہیں جو مضاف الیہ سے خارج ہو اس کا جزو نہ ہو اور صحن مسجد جزو مسجد (*) ہے۔ باقی سب تقریر نہایت صحیح اور کافی ہے، یہ تمہید کے متعلق عرض کیا گیا، اب جزئی سوالات کے جواب کے متعلق لکھا جاتا ہے: (۱) نہیں (۲) وہ بھی اور اس کے محاذات (**) جو مسقف درجہ کے موخر میں اور غیر مسقف کے مقدم میں ہوتی ہے وہ بھی، (۳) یہاں فی المحراب عبارت ہے فی الوسط سے کیونکہ محاریب وسط میں ہوتی ہیں جب محراب سے مراد وسط ہوا تو فی اپنے حقیقی معنی پر رہا صرف مجاز لفظ محراب میں رہا سو عند القرینہ کچھ مضائقہ نہیں اور قرینہ لفظ وسطا صاف ہے (۴) جب محراب سے مراد وسط ہے تو عدول عن المحراب لازم ہی نہیں آیا، واللہ اعلم

۲۳ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تمہ اولیٰ صفحہ ۳۰)

(*) بلکہ فناء مسجد وہ حصہ ہے جو مسجد سے خارج ہوا اور مسجد کے تعلقات سے ہو، مثلاً وضو کرنے کی جگہ، حوض، جوتے نکالنے کی جگہ وغیرہ وغیرہ، وہاں اہل مسجد کے لئے دوبارہ جماعت کرنا جائز ہے، جب کہ احیاناً ہو عادۃ نہ ہو۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) یعنی محراب سے مراد ”وسط“ (درمیان) ہے؛ لہذا اصل محراب کے محاذی جو جگہ صحن مسجد میں ہے وہ بھی بجگم محراب ہی ہے؛ لیکن اگر صحن ایک طرف بڑھا ہوا ہو تو صحن کے وسط کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم جدید ۳/۳۶۱) اس سلسلہ میں مفصل بحث سوال نمبر: ۳۳۷ کے جواب میں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

شمارع عام کی مسجد میں تکرار جماعت کا حکم

سوال (۲۹۰): قدیم ۱/۳۷ - یہاں بازار میں ایک مسجد ہے، جس میں جمعہ بھی ہوتا ہے اور جماعت کا بھی معقول انتظام ہے، یعنی امام و نائب امام اور مؤذن تنخواہ دار مقرر ہیں، ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض عبارتوں سے (*) جواز معلوم ہوتا ہے:

(*) حضرت مجیب قدس سرہ نے مسئلہ ”بازار کی مسجد“ کو شارع (سرک) اور طریق (راہ) کی مسجد قرار دے کر جواب دیا ہے؛ لیکن اظہر یہ ہے کہ وہ ”مسجد محلّہ“ ہے۔ اور اس میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے (جیسا کہ سوال نمبر: ۲۸۷ کے جواب میں مفصل بحث گزری ہے)

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ”جس مسجد میں امام اور مؤذن مقرر ہوں اور جماعت کا وقت معین اور لوگوں کو معلوم ہو، اس مسجد کو محلّہ کی مسجد کہتے ہیں (شامی) اگر امام اور مؤذن مقرر نہ ہو یا جماعت کا وقت معین اور معلوم نہ ہو تو وہ رہ گزری کی مسجد ہے، محلّہ کی نہیں اھ“۔ (علم الفقہ ۲/۹۰، در حاشیہ للعلہ)

اور (کفایۃ المفتی ۳/۱۰۵) میں ہے: ”حنفیہ کے نزدیک ایسی مسجد میں جس میں پنجوقتہ منظم طریقہ پر جماعت سے نماز ہوتی ہے، پہلی جماعت ہو جانے کے بعد دوسری جماعت مکروہ ہے“ اور مسئلہ ”بازار کی مسجد“ میں امام و مؤذن مقرر ہیں، جماعت کا معقول انتظام ہے، یعنی نماز کے اوقات معین ہیں اور لوگوں کو معلوم ہیں، پس وہ محلّہ کی مسجد ہے۔ اور محلّہ کی مسجد ہونے کے لئے ”جماعت معلومہ“ (معین نمازی) ہونا ضروری نہیں ہے، چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ سندھی (تلمیذ علامہ ابن ہمام) نے حرین شریفین کی مسجدوں میں تکرار جماعت کو مکروہ فرمایا۔ علامہ شریف غزنوی حنفی نے بھی نکیر فرمائی، بعض مالکیہ نے توائمہ اربعہ کے مذہب پر اجماعاً عدم جواز کا فتویٰ دیا۔ علامہ خیر الدین رملی نے بھی ”البحر الرائق“ کے حاشیہ میں کراہت کو تسلیم کیا ہے؛ حالانکہ حرین کی مسجدوں میں جماعت معلومہ نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ ان تمام حضرات کے نزدیک مسجد محلّہ ہونے کے لئے ”جماعت معلومہ“ کی شرط نہیں ہے؛ لہذا علامہ شامی علیہ الرحمہ کا مسجد محلّہ ہونے کے لئے جماعت معلومہ ہونا شرط قرار دے کر مذکور تمام فقہاء پر استدراک فرمانا صحیح نہیں ہے۔

علاوہ بریں آج کل جو بازاروں میں مساجد ہوتی ہیں، ان میں تین طرح کے نمازی ہوتے ہیں: ←

في الدرالمختار: ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة، لا في مسجد طريق أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن، وفي ردالمحتار: ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق جاز إجماعا كما في مسجد ليس له إمام ولا مؤذن الخ. وفيه: والتقيد بالمسجد المختص بالمحلة احتراز من الشارع الخ. وفيه: وأما مسجد الشارع فالناس فيه سواء لا اختصاص له بفريق دون فريق اه. ومثله في البدائع وغيرها ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة، ولو بدون أذان، ويؤيده ما في الظهيرية: لو دخل جماعة المسجد بعدما صلى فيه أهله يصلون وحدانا وهو ظاهر الرواية اه، وهذا مخالف لحكاية الإجماع المارة (۱) اه.

← ایک وہ تاجر جن کی اس مسجد کے قرب وجوار میں دوکانیں ہیں، دوسرے مسجد کے قرب وجوار میں بسنے والے مسلمان، تیسرے وہ لوگ جو بازار میں اپنی کسی ضرورت سے آئے ہوئے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ اگرچہ رات کو دوکان بند کر کے گھر چلے جاتے ہیں؛ لیکن دن کی تمام نمازیں اسی مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے لوگ تو تمام نمازیں اسی مسجد میں ادا کرتے ہیں؛ لہذا ”بازار کی مسجد“ کے لئے بھی جماعت معلوم ہوگئی۔ تیسری قسم کے کچھ لوگوں کے شریک ہونے کی وجہ سے وہ مسجد طریق اور مسجد شارع نہیں بنے گی، جیسا کہ حرین کی مسجدیں۔ واللہ سبحانہ علم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في

المسجد، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۸-۲۸۹، کراچی ۱/ ۵۵۲-۵۵۳۔

وفي الجامع الصغير: رجل دخل مسجدا قد صلى أهله فيه، فإنه يصلي بغير أذان وإقامة؛ لأن في تكرار الجماعة تقليلها بأن كل واحد لا يخاف فوت الجماعة، فيكون مكروها، كذا في القطف الدانية لشيخنا المحدث الكنكوهي، وإنما اختصت الكراهة، بمسجد المحلة لانعدام علتها في مسجد الشارع والسوق ونحوهما، فإن الناس فيه سواء لا اختصاص له بفريق دون فريق، وهذا هو مذهب أبي حنيفة، وإليه ذهب مالك والشافعي كما في رحمة الأمة. (إعلاء السنن، الصلاة، باب كراهة تكرار الجماعة في مسجد المحلة، مكتبة عباس أحمد الباز مكة المكرمة ۴/ ۲۶۱، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان محل وجوب الأذان، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۸۰)

قال الناقل: ولم يتعرض الشامي لمسجد الطريق فبقى حكمه المذكور سالماً عن الخلاف، وفيه لكن يشكل عليه ان نحو المسجد المكي أو المدني ليس له جماعة معلومون فلا يصدق عليه أنه مسجد محلة، بل هو كمسجد شارع، وقد مر أنه لا كراهية في تكرار الجماعة فيه إجماعاً اهـ (ج ۱ ص ۵۷۷، ۵۷۸) (۱)

قال الناقل: بنى الشامي الجواب على كونهما مسجد شارع مع أن لهما إماماً ومؤذنًا معيناً. والله اعلم

۲۳/رب ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ صفحہ ۵۶)

حکم جماعت ثانیہ

سوال (۲۹۱): قدیم ۱/۳۷۶۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد بازار و شارع عام وغیر آبادی وغیرہ کے سوا آبادی کی مسجد جیسے محلہ کی مسجد یا جامع مسجد میں جماعت ثانیہ کا ہونا کیسا ہے؟

الجواب: اختلاف (*) ہے (۲)۔ ۱۳۳۸ھ (حوادث خامس صفحہ ۳۶)

(*) یہ اختلاف اور اس میں تطبیق سوال نمبر: ۲۸۷ کے جواب میں بیان ہوئی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۹، کراچی ۱/ ۵۵۳۔

(۲) حضرت والا تھانویؒ نے سوال نمبر: ۲۸۷ کے جواب میں جماعت ثانیہ کے مکروہ ہونے اور نہ ہونے کی پانچ صورتیں بیان فرمائی ہیں، جن میں سے چار صورتوں میں بالاتفاق جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ افضل ہے اور پانچویں صورت کی دو شکلیں ہیں، ایک یہ کہ جماعت ثانیہ بہیئت اولیٰ ہو۔ دوسرے یہ کہ جماعت ثانیہ بہیئت اولیٰ نہ ہو، پہلی شکل بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ اور دوسری شکل میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور ایک روایت امام صاحب کی پانچویں صورت میں یہ بھی ہے کہ اگر تین سے زیادہ آدمی ہوں تو مکروہ ہے، ورنہ نہیں، حضرت اقدس تھانویؒ نے اختلاف سے اسی پانچویں صورت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس پانچویں صورت پر مع اختلاف و تطبیق حضرت والا تھانویؒ سوال نمبر: ۲۸۷ کے جواب میں مفصل کلام کر چکے ہیں؛ لہذا تفصیل کے لئے سوال نمبر: ۲۸۷ کا جواب ملاحظہ ہو: ←

مقتدی جائے نماز پر ہوا اور امام فرش زمین پر یا اس کے برعکس ہو، اس کا حکم

سوال (۲۹۲): قدیم ۱/۳۷۷ - مقتدیوں کے نیچے جائے نماز اور امام کے نیچے نہ ہو نماز کیسی ہے اور برعکس اس کے ہو تو نماز کیسی ہے؟

الجواب: جزئیہ نظر سے نہیں گزرا؛ البتہ امام نیچا اور مقتدی اونچے کھڑے ہوں اس کو مکروہ تنزیہی کہنے کی وجہ امام کی بے توقیری کو لکھا (*) ہے، اس علت کے اشتراک سے صورت مسئلہ کی شق اول میں

(*) في الدر المختار: وكره عكسه في الأصح، وهذا كله عند عدم العذر اه. قال الشامي: (قوله: في الأصح) وهو ظاهر الرواية؛ لأنه إن لم يكن فيه تشبه بأهل الكتاب لكن فيه ازدراء بالإمام حيث ارتفع كل الجماعة فوقه، أفاده في شرح المنية (إلى قوله) ولعل الكراهة تنزيهية الخ (ردالمحتار ۱/ ۴۷۸، بيان مفسدات صلاة، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة أولى، مكتبته زكريا ۲/ ۴۱۵، کراچی ۱/ ۶۴۶) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة، ولو بدون أذان، ويؤيده ما في الظهيرية، لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه أهله يصلون وحدانا وهو ظاهر الرواية. (الدر المختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، مكتبته زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۹، کراچی ۱/ ۵۵۲)

وعن أبي حنيفة لو كانت الجماعة الثانية أكثر من ثلاثة يكره التكرار وإلا فلا، وعن أبي يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا يكره وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في فتاوى البزازی. (حلبی کبیری، الصلاة قبيل فصل في مسائل شتى، مكتبته أشرفیه دیوبند ص: ۶۱۵)

وتكرار الجماعة يكره إلا إذا كان المسجد على قارعة الطريق، وعن الإمام رضي الله عنه إذا كانوا ثلاثة لا، ولو أكثر يكره، وعن الثاني إذا لم يكن على الهيئة الأولى لا يكره، وإلا فيكره، وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة فيما روي عن الثاني. (بزازية على الهندية، الصلاة، الفصل الخامس عشر: في الإمامة والاقتداء، قديم زكريا ديوبند ۴/ ۵۶، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۳۹)

بھی کراہت کا گمان ہوتا (*) ہے؛ لیکن اگر کوئی عذر ہو تو مضائقہ نہیں ہے (۱)۔

۲۰ جمادی الاول ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۸۷ ج ۱)

نوافل کی جماعت کا حکم

سوال (۲۹۳): قدیم ۱/۳۷۷۔ بلا اہتمام نوافل کی جماعت علاوہ تراویح جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں آدمیوں کی کچھ تعداد شرط ہے یا نہیں؟

(*) لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”کچھ کراہت نہیں ہوتی“۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص:

۲۷۷-۲۸۱، باب ما یکرہ فی الصلاۃ الخ) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) فإن انفرد الإمام عن القوم بالمكان الأسفل اختلف المشايخ فيه، أي في كراهة انفراده به، قال الطحطاوى: لا يكره لعدم التشبه بأهل الكتاب؛ لأنهم لا يفعلونه، وظاهر الرواية الكراهة؛ لأن فيه إزدراء بالإمام حيث ارتفع كل الجماعة فوقه، وذكر عن شمس الأئمة الحلواني أن الصلاة على الرفوف في الجامع من غير ضرورة مكروه، وعند الضرورة بأن امتلاً المسجد لا بأس به، وهكذا يحكى عن الفقيه أبي الليث في الطاق أنه إذا ضاق المسجد عن القوم لا يكره انفراد الإمام في الطاق. (حلبى كبيرى، الصلاة، كراهية الصلاة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۳۶۱)

وأما عكسه وهو انفراد القوم على الدكان بأن يكون الإمام أسفل فهو مكروه أيضاً في ظاهر الرواية وجواب ظاهر الرواية أقرب إلى الصواب؛ لأن كراهة كون المكان أرفع كان معلولاً بعلتين: التشبه بأهل الكتاب ووجود بعض المفسد، وهو اختلاف المكان وهاهنا وجدت إحدى العلتين، وهي وجود بعض المخالفة كذا في البدائع، ومن المشايخ من علل الكراهة في الثانية بما في ذلك من شبه الإزدراء بالإمام وهذا كله عند عدم العذر، أما عند العذر كما في الجمعة والعیدین، فإن القوم يقومون على الرفوف، والإمام على الأرض ولم يكره ذلك لضيق المكان. (البحر الرائق، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۷، كوئٹہ ۲/ ۲۶)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۸۳، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱/ ۱۸۸-

الجواب: في الدر المختار: ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان، أي يكره ذلك لو على سبيل التداعي بأن يقتدى أربعة بواحد، وفي رد المحتار: أما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد فلا يكره، وثلاثة بواحد فيه خلاف بحر^۱ ۵۰ (۱)۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں اگر مقتدی ایک یا دو ہوں تو کراہت نہیں اور اگر چار ہوں تو مکروہ ہے اور اگر تین ہوں تو اختلاف ہے۔

۱۲/رمضان ۱۳۲۴ھ (امداد صفحہ ۸۰ ج ۱)

سوال (۲۹۴): قدیم ۳۷۷/۱ - آپ کی کتاب ”بہشتی گوہر“ مطبوعہ بلالی واقع ساڈھوہرہ کے عنوان ”جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کی شرطیں“ کے تحت میں یہ عبارت موجود ہے کہ: اگر کوئی شخص باوجود نہ پائے جانے ان شرائط کے نماز جمعہ پڑھے، تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ نماز ظہر پھر اس کو پڑھنا ہوگا اور

(۱) الدر المختار مع الشامي، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب: في كراهية الاقتداء في النفل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۵۰۰، کراچی ۲/ ۴۹ -

إن التطوع بالجماعة إنما يكره إذا كان على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقاً. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل العاشر: في التطوع، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۲، رقم: ۲۴۵۹)

عن شمس الأئمة أن هذا فيما كان على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقاً. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، الصلاة، قبيل فصل في بيان النوافل، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۳۸۶)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، تراویح، مكتبة اشرفیه دیوبند ص: ۴۰۸ -

ہندیہ، الصلاة باب في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة، قدیم زکریا ۱/ ۸۳، جدید زکریا ۱/ ۱۴۱ -

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۶۰۴، کوئٹہ ۱/ ۳۴۵ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

چونکہ یہ نماز نفل ہوگی اور نفل کا اس اہتمام سے پڑھنا مکروہ ہے؛ لہذا ایسی حالت میں نماز جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (درمختار) (۱)۔

اس عبارت سے تردد اور خلجان دل کو اس وجہ سے ہوا ہے کہ اس سے تعمیم معلوم ہوتی ہے کہ خواہ کسی مہینے میں اس اہتمام سے نماز جمعہ ادا کی جاوے رمضان ہو یا غیر رمضان عدم شرائط جمعہ کی تقدیر پر نماز جمعہ کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہی ہوگا۔ اور مندرجہ ذیل عبارت سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے:

في الهداية: ولا يصل الوتر بجماعة في غير شهر رمضان عليه إجماع المسلمين والله أعلم، تحته في فتح القدير: لأنه نفل من وجه والجماعة في النفل في غير رمضان مكروه، فلا احتياط تركها فيه. (۲)

اس شبہ کا جواب بھی مفصل دیں۔ اس واسطے کہ بعض عالم بہت ہی چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز حنفی المذہب ہوتے ہوئے پڑھتے ہیں، اور جب ان سے کہتے ہیں تو وہ ان ہی عبارتوں کو لے کر جواب دیتے ہیں کہ ہم تو نفل پڑھتے ہیں اور نفل رمضان شریف کے مہینہ میں جماعت سے پڑھنے میں کوئی قباحت و کراہت نہیں ہے؟

(۱) ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان، أي يكره ذلك على سبيل التداعي بأن يقتدى أربعة بواحد كما في الدرر. (الدر المختار مع الشامى، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۵۰۰، کراچی ۲/ ۴۹)

ولا يصلي التطوع بجماعة إلا في شهر رمضان، وعن شمس الأئمة السرخسي: أن التطوع بالجماعة إنما يكره إذا كان على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد بواحد أو إثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقاً. (تاتارخانية، الصلاة، الفصل العاشر: في التطوع، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۲، رقم: ۲۴۵۹)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، تراویح، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۴۰۸۔

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، الصلاة، قبیل فصل فی بیان النوافل، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۳۸۶۔

(۲) هدایة مع فتح القدير، کتاب الصلاة، قبیل باب إدراك الفريضة، مکتبہ زكريا ديوبند ۱/ ۴۸۷، کوئٹہ ۱/ ۴۰۹۔

الجواب: ”فتح القدر“ کی عبارت: ”والجماعة في النفل الخ“ سے مقصود جواز فی رمضان کا ایجاب کلی نہیں؛ بلکہ جواز فی غیر رمضان کا سلب کلی ہے، یعنی یہ مطلب نہیں کہ رمضان میں ہر نفل جائز ہے؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر رمضان میں کوئی نفل جائز نہیں اور رمضان میں بعض نوافل جائز ہیں، گو وہ من وجہ ہی نوافل ہوں، جیسے وتر اور تراویح (۱)۔

۲۶/رمضان ۱۳۴۲ھ (ترجیح خامس صفحہ ۱۴۴)

غیر مقلد و بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

سوال (۲۹۵): قدیم ۳۹۵/۱ - غیر مقلد کے پیچھے خفی کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور کیسی ہوتی ہے؟

الجواب (*): غیر مقلد بہت طرح کے ہیں، بعض ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے؛ چونکہ پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے؛ اس لئے احتیاط یہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴/جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۰ ج ۱)

(*) غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں حضرت قدس سرہ سے پانچ فتوے (نمبر: ۲۹۳ و ۲۹۶ و ۲۹۸ و ۲۹۹ و ۳۴۹) اور ایک محققانہ تحریر نمبر: (۲۹۷) شامل کتاب ہیں جن میں واضح اور مفصل جواب نمبر: ۲۹۹ ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

(۱) ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان. (الدر المختار مع الشامی، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۰۰، کراچی ۲/۴۹)

واعلم أن النفل بالجماعة علی سبیل التداعی مکروہ علی ما تقدم ما عدا التراویح. (حلبی کبیری، تتمات من النوافل، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۴۳۲)

ویوتر بجماعة استحبابا فی رمضان فقط علیہ إجماع المسلمین؛ لأنه نفل من وجه، والجماعة فی النفل فی غیر التراویح مکروہ. (حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، الصلاة، قبیل فصل فی بیان النوافل، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۳۸۶)

(۲) الحاصل أنه إن علم الاحتیاط فی مذهبنا فلا کراهیة فی الاقتداء به، وإن علم ←

سوال (۲۹۶): قدیم ۱/۹۷۳ - بعض موحدمومن نیت پیچھے بدعتی کے نہیں کرتے یہ کیسا

ہے؟ اور بعض کا قول ہے کہ پڑھ لیوے، مگر دوبارہ نماز اپنی اعادہ کر لیوے؟

الجواب: ہر چند کہ مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کما فی الدر المختار: ومبتدع (۱) مگر تنہا نماز پڑھنے سے جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔

وفي النهر: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة (در مختار) وفي ردالمحتار: أفاد أن الصلوة خلفهما أولى من الإنفراد اه (۲) .

← عدمه فلا صحة، وإن لم يعلم شيئاً كره. (الدر المختار مع الشامي، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۴۴، كراچی ۲/ ۷)

فصار الحاصل أن الاقتداء بالشافعي على ثلاثة أقسام، الأول: أن يعلم منه الاحتياط في مذهب الحنفي فلا كراهة في الاقتداء به، الثاني: أن يعلم منه عدمه فلا صحة الثالث: أن لا يعلم شيئاً فالكراهة ولا خصوصية لمذهب الشافعي بل إذا صلى حنفي خلف مخالف لمذهبه، فالحكم كذلك. (البحر الرائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه مكريا ديوبند ۲/ ۸۱-۸۲، كوئٹہ ۲/ ۴۷)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۲۹۴ -

منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۸۲، كوئٹہ ۲/ ۴۷ -

(۱) الدر المختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۹، كراچی ۱/ ۵۶۰ -

وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع. (النهر الفائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۴۲، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۶۳)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام،

مكتبه زكريا ۲/ ۳۰۱، كراچی ۱/ ۵۶۲ - ←

اور اعادہ ہر چند کہ وقت ترک سنت کے مستحب ہے لیکن بشرطیکہ اعادہ (*) میں ترک سنت لازم نہ آوے اور یہاں اعادہ میں ترک جماعت کہ سنت ہے لازم آتا ہے، پس اعادہ کچھ ضرور نہیں۔

(امداد صفحہ ۱۰۲ ج ۱)

سوال (۲۹۷): قدیم ۱/۳۷۹۔ اگر بعد اذان مغرب کے باوجود (**) موجود

ہونے امام کے چھ سات منٹ توقف کیا جاوے بعدز یا بغیر عذر کے آیا جائز ہے یا نہیں؟

(*) اس وقت یہی ذہن میں آیا اور اصل دلیل یہ ہے کہ جو سنت نماز میں داخل ہے اس کے ترک سے اعادہ ہے (۱) یہاں ایسا نہیں ۱۲ منہ (تفصیل کے لئے سوال نمبر: ۲۷۶ کا جواب ملاحظہ فرمائیں)

۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) عبارت واضح نہیں، اس وقت مطلب یہ سمجھا گیا تھا کہ امام نماز شروع کرادے پھر بھی کوئی شخص علیحدہ بیٹھا رہے یہ کیسا ہے؟ جواب اسی پر منطبق ہے۔ اور اگر سوال کا یہ مطلب ہو کہ امام اور جماعت سب کے سب کسی وجہ سے ٹھہرے رہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک وقت مستحب باقی رہے تاخیر جائز ہے۔ (تفصیل کے لئے سوال نمبر: ۱۶۱ دیکھیں ۱۲ سعید احمد پالن پوری) ←

← وقال في مجمع الروايات: وإذا صلى خلف فاسق أو مبتدع يكون محرزا ثواب الجماعة، لكن لا ينال ثواب من يصلي خلف إمام تقي (مراقى الفلاح) وفي الطحطاوي: وفي السراج: هل الأفضل أن يصلي خلف هؤلاء أم الإنفراد؟ قيل: أما في الفاسق، فالصلاة خلفه أولى وجزم في البحر: بأن الاقتداء بهم أفضل من الإنفراد. (حاشية الطحطاوي على المراقى، الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، دار الكتاب ص: ۳۰۳)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۶۱۱، كوثنه ۱/ ۳۴۸، ۳۴۹، النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة والحدث في الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۲۴۴۔

(۱) وكل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها (درمختار) وفي الشامية: ومقتضى هذا أنه لو صلى منفرداً يؤمر بإعادتها بالجماعة وهو مخالف لما صرحوا به في باب إدراك الفريضة - إلى قوله - إلا أن يدعي تخصيصها بأن مرادهم بالواجب والسنة التي تعاد بتركه ما كان من ماهية الصلاة وأجزائها فلا يشمل الجماعة؛ لأنها وصف لها خارج عن ماهيتها. (الدر المختار مع الشامي، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۴۸،

کراچی ۱/ ۴۵۷)

الجواب: تخلف جماعت سے خواہ مغرب میں ہو یا دوسرے وقت میں بے عذر بہت برا ہے۔
 ”کما ورد لا یتخلف عنها إلا المنافق“ (۱) البتہ اگر کوئی عذر شرعی ہو یا امام موافق المذہب کا انتظار ہو تو جائز ہے۔ مثلاً شافعی امام پہلے پڑھتا ہے اگر حنفی کے انتظار میں بیٹھا ہے کچھ حرج نہیں (*)۔

ولو كان لكل مذهب إمام كما في زماننا، فالأفضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم أو تأخر على ما استحسنته عامة المسلمين، وعمل به جمهور المؤمنين من أهل الحرمين والقدس ومصر والشام، ولا عبرة بمن شذ منهم (شامی ج ۱ ص ۳۷۹) (۲)۔ واللہ اعلم
 ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ (امداد جلد اول صفحہ ۱۰۶ اتئمہ مسئلہ نمبر ۱۲۹ از تمہ اولیٰ صفحہ نمبر ۳۳۵)
خلاصہ سوال: - تاخیر بعد اذان مغرب چھ سات منٹ بعد زیا بلعذر

← مغرب میں بھی اذان سے نماز کا اتصال واجب نہیں۔ ۱۲ منہ (مگر اس جواب پر بھی بعض علماء نے کلام کیا ہے جو کہ ملحقات تتمہ اولیٰ میں درج ہے) (جو یہاں جواب کے بعد درج ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری)
 اور ہم نے اصطلاحات میں اس کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں حکم جواز سے مطلقاً کراہت کی نفی مقصود نہیں ہے؛ بلکہ کراہت تحریمی کی نفی مقصود ہے۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص: ۱۷)
 (*) یہ ایک قول ہے جو اس وقت رائج معلوم ہوا اور بہت سے محققین اس انتظار کو منع کرتے ہیں؛ البتہ انتظار اس وقت ہے جب وہ شافعی مراعات خلائیات کی نہ کرتا ہو۔ ۱۲ منہ (تفصیل کے لئے شامی ۱/ ۳۱۷، مطلب إذا صلى الشافعي قبل الحنفي هل الأفضل الصلاة مع الشافعي أم لا؟ ملاحظہ فرمائیں ۱۲ سعید احمد پالن پوری)

(۱) عن عبد الله في حديث طويل قال: ولقد رأيتنا وما يتخلف عنها إلا منافق معلوم النفاق، ولقد كان الرجل يؤتى به يهادى بين الرجلين حتى يقام في الصف. (مسلم شريف، كتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها، وأنها فرض كفاية، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۲، بيت الأفكار رقم: ۶۵۴)
 أبو داود شريف، الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، النسخة الهندية ۱/ ۸۱، دار السلام، رقم: ۵۵۰۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۴، كراچی ۱/ ۵۶۴۔

خلاصہ جواب منہیہ :- جب تک وقت مستحب باقی رہے تاخیر جائز۔
تساح: در لفظ :- ”جب تک وقت مستحب باقی رہے“۔

اصلاح تساح :- در میان اذان مغرب واقامت فاصلہ خواندن ۳ آیات خورد کرده شود، خواہ در حالت قیام، چنانچہ مذہب امام صاحب علیہ الرحمہ است یا نشستہ قدر سہ آیت گذارد، چنانچہ مذہب صاحبین است۔

ويجلس بينهما إلا في المغرب فيسكت قائما قدر ثلاثة آيات قصار هذا عنده
وعندهما يفصل بجلسة كجلسة الخطيب ۱۲ (در مختار و رد المختار ص ۴۰۴ ج ۱) (۱)
ويسن خطبتان بجلسة بينهما بقدر ثلاث آيات على المذهب ۱۲ (در مختار جلد ۱
ص ۸۴۷ (۲))

وزائدتا خیر از این جلسہ یا سکتہ تا اشتباک نجوم مکروہ تنزیہی است، و مابعد آں مکروہ تحریمی است۔
والمستحب (إلى قوله) وتعجيل المغرب مطلقا، وتأخيرہ قدر رکعتین
یکرہ تنزیہا ۱۲ (در مختار)

(۱) الدرالمختار مع الشامی، الصلاة، باب الأذان مكتبة زكريا ديوبند ۵۶ / ۲،
کراچی ۱ / ۳۹۰۔

ويجلس بينهما إلا في المغرب، أي يجلس المؤذن بين الأذان والإقامة على وجه
السنية إلا في المغرب، فلا يسن الجلوس بل السكوت مقدار ثلاث آيات قصار أو آية طويلة
أو مقدار ثلاث خطوات، وهذا عند أبي حنيفة، وقالوا: يفصل أيضا في المغرب بجلسة خفيفة
قدر جلوس الخطيب بين الخطبتين. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، مكتبة زكريا
ديوبند ۱ / ۴۵۴، كوئٹہ ۱ / ۲۶۱، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الأذان بيروت ۱ / ۱۱۷)

(۲) الدرالمختار مع الشامی، الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳ / ۲۰،
کراچی ۲ / ۱۴۸۔

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱ / ۳۵۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قوله: ويكره تنزيها الخ أفاد أن المراد بالتعجيل أن لا يفصل بين الآذان والإقامة بغير جلسة أو سكتة على الخلاف، وأن ما في القنية من استثناء التأخير القليل محمول على ما دون الركعتين، وأن الزائد على القليل إلى اشتباك النجوم مكروه تنزيها، وما بعده تحريما، إلا لعذر الخ ۱۲ (رد المحتار جلد ۱ ص ۳۸۳ (۱))

ظاہر است کہ بعد اذان مغرب تاخیر سے آیات قصار فاصلہ کردہ جلدی نماز شروع نماید ورنہ مکروه تنزیہی یا تحریمی گردد۔ پس کدام وقت مستحب ممدودست کہ در آن شش و ہفت منٹ گنجائش نماید؟ لازم است کہ جواب این طور داده آید: ”کہ این چنین تاخیر بلا عذر تا اشتباک نجوم مکروه تنزیہی است اگر در کدام صورت دریں اندازہ اشتباک نجوم ظاہر گردد و بعدہ مکروه تحریمی ست، مستحب است کہ اندازہ سے آیت قصیرہ توقف کردہ کہ انداز سوئم حصہ منٹ ہم نباشد بعدہ جلدی نماز شروع نماید، بلا عذر توقف شش و ہفت منٹ کردہ نہ شود کہ جائز و مستحب نیست بلکہ مکروه است فتا مل و تدبر فیہ۔

غیر مقلد کی اقتداء کا حکم

سوال (۲۹۸): قدیم ۱/۳۸۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ کی بابت کہ: آمین بالجہر و رفع الیدین اور نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والے و نیز امام کے پیچھے الحمد پڑھنے والوں کے پیچھے ہم اہل سنت والجماعت کو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب قرآن شریف و حدیث سے ہو۔

الجواب: ان لوگوں کا اختلاف حنفیہ کے ساتھ صرف ان ہی مسائل فرعیہ میں ہے یا عقائد میں بھی اور یہ لوگ امام ہونے کی حالت میں آیا مسائل طہارت میں مراعات خلاف کی کرتے ہیں یا نہیں (۲)۔

(۲۸ شعبان ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ صفحہ ۹۰))

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۲۸-۲۹، کراچی ۱/ ۳۶۹، حلبی کبیری، کتاب الصلاة، الشرط الخامس، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۲۳۴، النہر الفائق، کتاب الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۱۶۴، الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۱۸۳۔

(۲) اگر ان کا اختلاف حنفیہ کے ساتھ صرف مسائل فرعیہ اجتہادیہ میں ہے اور وہ دوران نماز ←

سوال (۲۹۹): قدیم ۳۸۲/۱ - تمہید: مسئلہ اقتداء بالخالف کے باب میں ایک قول کی نسبت علم الفقہ میں یہ عبارت ہے (*)۔ درحقیقت یہ قول بالکل بے دلیل اور نہایت نفرت کی نظر سے

(*) دیکھئے علم الفقہ جلد دوم ص: ۸۴ کا حاشیہ ”باب جماعت کے صحیح ہونے کی شرطیں“۔

۱۲ سعید احمد پالن پوری

← خلافيات یعنی مختلف فیہ مسائل میں حنفی مقتدی کی رعایت کرتے ہیں، تو ان کی اقتداء حنفی کے لئے اسی طرح جائز ہے جس طرح شافعی امام کی اقتداء جائز ہے۔ اور اگر ان کا اختلاف احناف کے ساتھ عقائد اور اجماعی مسائل میں بھی ہے اور وہ متعصب ہیں، یعنی سلف صالحین کو لعن و طعن کرتے ہیں، تو ایسے لوگ فاسق ہیں، ان کی اقتداء کسی حنفی کے لئے جائز نہیں۔ (اس سلسلہ میں حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ کا ایک مفصل جواب سوال نمبر: ۳۰۱ کے ذیل میں آ رہا ہے)

فصار الحاصل أن الاقتداء بالشافعي على ثلاثة أقسام، الأول: أن يعلم منه الاحتياط في مذهب الحنفي فلا كراهة في الاقتداء به، الثاني: أن يعلم منه عدمه فلا صحة الثالث: أن لا يعلم شيئا فالكرهة ولا خصوصية لمذهب الشافعي بل إذا صلى حنفي خلف مخالف لمذهبه، فالحكم كذلك. (البحر الرائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة مكرية ديوبند ۲/ ۸۱-۸۲، كوئٹہ ۲/ ۴۷)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۲۹۴ -

شامي، الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۲، كراچی ۱/ ۵۶۳ -
 ومنهم من قيد جواز الاقتداء بهم كقاضي خان بأن لا يكون متعصبا الخ. (فتح القدير، الصلاة، باب صلاة الوتر، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۴۵۲، كوئٹہ ۱/ ۳۸۱)
 حانية على الهندية، الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به، وفيمن لا يصح، قديم زكريا ۱/ ۹۱، جديد زكريا ۱/ ۵۹ -

البحر الرائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۸۰، كوئٹہ ۲/ ۴۵ -
 وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع. (النهر الفائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۲۴۲)

شامي، الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۹، كراچی ۱/ ۵۶۰ -
 مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۶۳ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دیکھنے کے قابل ہے۔ اگر اس قول پر عمل کیا جاوے تو آپس میں سخت افتراق پڑ جائے گا اور بڑی مشکل پیش آئے گی۔ آہ! اس پر غلاۃ فی البدعات نے غیر مہذب عنوان سے رد لکھا۔ اور مؤلف کے حق میں یہ الفاظ لکھے: نہ سنی ہے، نہ حنفی، نہ اسے امام بنانا حلال، نہ اس کے پیچھے نماز جائز، نہ اس کا وعظ سننا روا (وہ) خود رائے ہے اور کج فہم، وبے ادب، ائمہ کے ساتھ گستاخ اور مسائل شرعیہ کی توہین کرنے والا اور خود اپنے اقرار سے فاسق، معطن، وہابی، غیر مقلد ہے۔ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے اور نہ اس کا وعظ سننا چاہئے۔ وہ عوام الناس کو گمراہ کرتا ہے اور اس کے نزدیک ہر گز نہ جانا چاہئے، ایسے گندم نما جو فروش سے اجتناب چاہئے، اس کو فاسق سمجھیں اس کی مدح نہ کریں کہ فاسق کی مدح سے غضب ذوالجلال اترتا ہے۔ غیر مقلدین کے بعض عقائد کو اچھا سمجھنے کے سبب مستحق کفر ہے۔ آہ! مؤلف کی جماعت (*) نے خانقاہ کی تحریر چاہی اولاً عذر کر دیا گیا ثانیاً مکرر استدعاء پر جواب ذیل دیا گیا۔

(الجواب) مکرری سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! لفافہ حاملہ تین قطعات مطبوعہ اور کارڈ موصول ہوئے، مجھ کو جواب تحریر کرنے کا مکرر مشورہ دیا گیا ہے۔ اتنا لالہ مر کچھ لکھتا ہوں (اور اگر رائے ہو میری طرف سے اس کی اشاعت کی بھی اجازت ہے) جس کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائے گا کہ میں جواب کس عذر کے سبب نہ لکھتا تھا، حاصل اس عذر کا یہ ہے کہ میرا جواب اصل مسئلہ کو من کل الوجوہ مفید نہیں۔ اور میری کیا تخصیص ہے، شاید کسی حنفی سے ایسا جواب ملنے کی توقع نہ ہوگی جو من کل الوجوہ مفید اور موافق ہو۔ گو من وجہ جو ایک اعتبار سے اصل مقصود ہے، ضرور مفید ہے۔

امراول: اس لیے کہ اس مسئلہ فرعیہ میں منجملہ اقوال مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے، جو ”در مختار“ میں ”بحر“ سے نقل کی ہے۔

بقولہ: إن تیقن المراءات لم یکرہ أو عدمها لم یصح، وإن شک کرہ (۱)۔

(*) یعنی ”علم الفقہ“ کے مولف کی جماعت نے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کی تحریر چاہی۔

۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۳۰۲،

کراچی ۱/ ۵۶۳۔

فصار الحاصل أن الاقتداء بالشافعي على ثلاثة أقسام، الأول: أن يعلم منه ←

اور جس کی ترجیح ردالمحتار میں حلبی سے نقل کی ہے بقولہ: هذا هو المعتمد؛ لأن المحققين جنحوا إليه، وقواعد المذهب شاهدة عليه الخ (۱)۔

البتہ اس تفصیل کے جزو ثالث کو میں مؤل و مقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلاف اولیٰ ہے تنقید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور اعراض عن الجماعة وغیرہ کے میسر ہو۔

ومبنى التاويل مانقله في ردالمحتار عن حاشية الرملى على الاشباه الذى يميل اليه خاطرى القول بعدم الكراهة اذا لم يتحقق منه مفسد (۲) آه ووجه التقييد ظاهر. نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں۔

كما في ردالمحتار: أي المراعات في الفرائض من شروط، وأركان في تلك الصلوة، وإن لم يراع في الواجبات والسنن، كما هو ظاهر سياق كلام البحر، وظاهر كلام شرح المنية أيضاً حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلوة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع إنما يختلف في الكراهة (۳) آه. قلت: وفي التمثيل بالشافعي الذي الأصل فيه عدم التعصب خرج

← الاحتياط في مذهب الحنفي فلا كراهة في الاقتداء به، الثاني: أن يعلم منه عدمه فلا صحة الثالث: أن لا يعلم شيئاً فالكراهة ولا خصوصية لمذهب الشافعي بل إذا صلى حنفي خلف مخالف لمذهبه، فالحكم كذلك. (البحر الرائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة مكرىا ديوبند ۲ / ۸۱-۸۲، كوئٹہ ۲ / ۴۷)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۲۹۴۔

(۱) الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۲ / ۳۰۲، کراچی ۱ / ۵۶۳۔

(۲) الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۲ / ۳۰۳، کراچی ۱ / ۵۶۳۔

(۳) الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۲ / ۳۰۲، کراچی ۱ / ۵۶۳۔ ←

من الحكم القائلون بحرمة التقليد المدعون للاجتهاد لأنفسهم الذين الغالب فيهم التعصب، وقد صرحوا بکراهة الاقتداء بالمتعصب (۱)۔

اور چونکہ میں اس کو احوط سمجھتا ہوں اور احتیاط شرعاً محمود و مطلوب ہے، چنانچہ زمعہ کا قصہ صحاح میں مذکور ہے کہ آپ نے ولد کو فراش کا حق فرمایا۔ اور باوجود اس کے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس مولود سے احتجاب کا حکم دیا (۲)۔ جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اس قول کا غیر رائج ہونا بھی ثابت ہو جائے۔ ”وإني لآخذ ذلك“ تب بھی احتیاط کے لیے اس کو اخذ کرنا احفظ للدين ہوگا؛ اس لیے اس قول کو احوط کو بے دلیل، نہایت نفرت کی نظر سے دیکھنے کے قابل اور موجب افتراق شدید و اشکال عظیم قرار دینے کو میں پسند نہیں کرتا؛ بلکہ کسی مسئلہ مجتہد فیہا پر بھی ہم جیسوں کا ایسا حکم کرنا غیر مرضی ہے۔ خصوصاً جب کہ سلف سے ایسا جزئیہ منقول بھی ہو۔ چنانچہ مدونہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

← هل المراد بالاحتياط الإتيان بالشروط والأركان أو ما يشمل ترك المكروه عندنا، كترك رفع اليدين عند الانتقالات، وتأخير القيام عن محله في القعود الأول بسبب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، وظاهر كلام الشيخ إبراهيم في شرح المنية الأول فإنه قال: وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع إنما اختلف في الكراهة. (منحة الخالق على البحر الرائق، الصلاة، زكريا ۲ / ۸۲، كوئٹہ ۲ / ۴۷)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل في الإمامة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۵۱۶ -
(۱) وأما الاقتداء بشفعوي المذهب قالوا: لا بأس به إذا لم يكن متعصبا ولا شاكاً في إيمانه ولا متحرفاً تحريفاً فاحشاً عن القبلة. (قاضي خان على الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لا يصح، قديم زكريا ديوبند ۱ / ۹۱، جديد زكريا ۱ / ۵۹)
ومنهم من قيد جواز الاقتداء بهم كقاضي خان بأن لا يكون متعصبا ولا شاكاً في إيمانه، ويحتاط في موضع الخلاف. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، مكتبه زكريا ديوبند ۱ / ۴۵۲، كوئٹہ ۱ / ۳۸۱)

(۲) بخاري شريف، البيوع، باب تفسير المشتبهات، النسخة الهندية ۱ / ۲۷۶، رقم: ۲۰۰۷، ف: ۲۰۵۳، مسلم شريف، كتاب الرضاع، باب الولد للفراس وتوقي الشبهات، النسخة الهندية ۱ / ۴۷۰، رقم: ۱۴۵۷ -

قال: وسئل مالک عن صلی خلف رجل یقرء بقراءة ابن مسعودؓ قال: یرخرج ویدعه ولا یأثم به، قال: وقال مالک: من صلی خلف رجل یقرأ بقراءة ابن مسعودؓ فلیخرج ولیترکه، قلت فهل علیه أن یعید إذا صلی خلفه فی قول مالک قال ابن القاسم: إن قال لنا یرخرج فأری أنه یعید فی الوقت وبعده (۱) (ص ۸۴)

قلت و ظاهر أن من كان یقرء بقراءة ابن مسعودؓ فهو یعتقدها قرأنا ومع ذلك لم یجوز مالک الصلوة خلفه والمسئلة مجتهد فیها كما یرظهر من مراجعة نیل الأوطار باب الحجة فی الصلوة بقراءة ابن مسعودؓ الخ (۲)۔

اور اس قول کا علم الفقہ کے قول مختار کے ساتھ مغائر ہونا ظاہر ہے۔ اس سے امر اول ثابت ہو گیا کہ میرا جواب اصل مسئلہ کو من کل الوجوہ مفید نہیں۔

امرتانی: کا بیان یہ ہے کہ میں باوجود علم الفقہ کے قول کے قائل نہ ہونے کے اور قول مقابل کی نسبت رائے مذکور پسند نہ کرنے کے پھر بھی صاحب قول مذکور رائے مذکور کی شان میں ایسے فتوؤں کو اور ایسے الفاظ کو جو کہ اشتہار واجب الاظہار میں نقل کیے گئے ہیں، معصیت اور حرام اور غلو اور تعصب سمجھتا ہوں، جس کا نہ اعتقاد جائز نہ نقل جائز الا للرد خصوصاً ان کے محاسن و فضائل و خدمات دینیہ پر نظر کرتے ہوئے ان کے کلام کا محمل صحیح پر حمل واجب ہے، بعض محال اشتہار واجب الاظہار کے جواب میں معہ نظائر پیش بھی کیے گئے ہیں۔ اگر جواب کی ضرورت ہی تھی تو اتنا کافی تھا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور ہمارے نزدیک دوسرا قول رائج ہے اور مجتہد فیہ کی نسبت ایسے الفاظ زیبا نہیں؛ اس لیے مشورہ دیا جاتا ہے کہ گو فتوے سے رجوع نہ کریں۔ گواولی و اوفق بالمصالح العامہ یہ بھی ہے؛ لیکن ایسے الفاظ سے ضرور رجوع فرمالیں کہ اقرب الی

(۱) المدونة الكبرى، كتاب الصلاة، الصلاة خلف أهل الصلاح وأهل البدع ۱/ ۱۴۰،

دار الحديث القاهرة۔

(۲) نیل الأوطار شرح منتقى الأخبار من أحاديث سيد الأخيار، كتاب اللباس، أبواب

صفة الصلاة، باب الحجة في الصلاة بقراءة ابن مسعود، وأبي وغيرهما ممن أثني على قراءة،

بيت الأفكار الدولية، ص: ۳۹۰-۳۹۱، دار الحديث القاهرة ۱/ ۵۹۲-۵۹۳۔

ادب الاحکام والبعدر عن تشویش العوام ہے، اونحوذ لک اس سے امر ثانی ثابت ہو گیا کہ میرا جواب اصل مقصد کے اعتبار سے (کہ وجوب کف لسان ہے مؤلف علم الفقہ کے سب و شتم سے) مفید ہے۔

وفي هذا كفاية إنشاء الله تعالى لمن أنصف، ولم يتعسف. والله أعلم والسلام مع الإكرام خير ختام.

(۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۴۳۵)

غیر مقلد کے پیچھے نماز کا حکم

سوال (۳۰۰): قدیم ۱/ ۳۸۵ - مقلد غیر مقلد امام کے پیچھے از روئے مسئلہ حنفی کسی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھ سکتا ہے تو کس حالت میں، اگر نہیں پڑھ سکتا ہے اور ناواقفیت میں پڑھ لیا تو نماز مقلد مقتدی کی ہوگی یا نہیں؟ اگر نماز نہیں ہوئی تو اعادہ کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ فقط

الجواب: نماز حسب قواعد فقہیہ صحیح ہوگئی (۱) مگر احتیاط اعادہ میں ہے (۲)۔

۲۴/ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (تمتہ اول ص ۲۴)

(۱) فصار الحاصل أن الاقتداء بالشافعي على ثلاثة أقسام، الأول: أن يعلم منه الاحتياط في مذهب الحنفي فلا كراهة في الاقتداء به، الثاني: أن يعلم منه عدمه فلا صحة الثالث: أن لا يعلم شيئاً فالكراهة ولا خصوصية لمذهب الشافعي بل إذا صلى حنفي خلف مخالف لمذهبه، فالحكم كذلك. (البحر الرائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۸۱-۸۲، كوئٹہ ۲/ ۴۷)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۲۹۴ -

شامي، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۲، كراچی ۱/ ۵۶۳ -

(۲) والصلاة جائز في جميع ذلك لاستجماع شرائطها، وتعاد على وجه غير مكروه، وهذا الحكم في كل صلاة أدت مع الكراهة (هداية) وفي فتح القدير: قوله: تعاد، صرح بلفظ الوجوب الشيخ قوام الدين الكاكي في شرح المنار، ولفظ الخبر المذكور ←

***** سوال (۳۰۱): قدیم ۱/۳۸۵ - (*) ماقولکم رحمہم اللہ تعالیٰ فی ہذہ

المسئلة. اقتداء الحنفي خلف غير المقلد جائز أم لا؟ بينوا بالدليل.

الجواب: ()** مبسلاً وحامداً و مصلياً! أقول: التفصيل عندي أن

غير المقلدين هم أصناف شتى، فمنهم من يختلف مع المقلدين في الفروع الاجتهادية فقط، فحكمهم في جواز الاقتداء بهم للحنفية كالشافعية حيث يجوز بشرط المراعات في الخلافات الصلوتية وفاقاً، وعند عدم المراعاة خلافاً، وبالأول أفتى الجمهور، فإن أم الصلوة مما ينبغي أن يحاط فيه. ومنهم من يختلف معهم في الاجماعيات عند أهل السنة كتجوز النكاح مافوق الأربع، وتجوز المتعة، وتجوز سب السلف، وأمثال ذلك، و حكمهم كأهل البدعة حيث يكره الاقتداء بهم تحريماً عند الاختيار وتنزيها عند الاضطرار، وحيث يشبه الحال، فالأولى أن يقتدى بهم دفعاً للفتنة ثم يعيد أخذاً بالأحوط، ولو كانت الفتنة في الاقتداء فلا يقتدى صوناً للمسلمين عن التخليط في الدين، والتجرب على الشرع المتين. واللہ تعالیٰ اعلم، وعنده علم اليقين والحق المبين. ثاني يوم النفر من ذي الحجة، سن ۱۳۲۹ من الهجرة المقدسة. (تمتہ اولی صفحہ ۳۹)

(*) خلاصہ سوال: حنفی کا غیر مقلد امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) ترجمہ جواب: مبسلاً وحامداً و مصلياً (أما بعد) میرے نزدیک مسئلہ میں ←

← أعني قوله: وتعاد، يفيدہ أيضاً علی ما عرف، والحق التفصيل بين كون تلك الكراهة كراهة تحريم، فتجب الإعادة أو تنزيه فتستحب. (فتح القدير، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: ويكره للمصلي الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۲۹، كوئٹہ ۱/ ۳۶۴)

ثم هذا حيث كان النقصان بكراهة تحريم لما في مكروهات الصلاة من فتح القدير أن الحق التفصيل بين كون تلك الكراهة كراهة تحريم، فتجب الإعادة أو تنزيه فتستحب أي تستحب في الوقت وبعده أيضاً. (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب قضاء الفوائت، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۲۲، كراچی ۲/ ۶۵)

پابند نماز کا غیر پابند نماز کی اقتدا کا حکم

سوال (۳۰۲): قدیم ۱/۳۸۷۔ ایک حافظ قرآن صحیح پڑھتا ہے، مگر نماز کا پابند نہ تھا، کبھی پڑھ لیتا اور اکثر چھوڑ دیا کرتا تھا۔ اب وہ ماہ رمضان میں تراویح کی نماز پڑھنا چاہتا ہے، ایسے حافظ کے پیچھے ان لوگوں کی نماز جو برابر نماز کے پابند ہیں بلا کراہت ہوگی یا بکراہت؟ اگر مکروہ ہوتی ہو اور وہ اس وقت توبہ کرے کہ اب نماز ہم نہیں چھوڑیں گے اور جتنی نمازیں قضاء ہوگئی ہیں ان کی قضاء پڑھ لیں گے تو کراہت زائل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: توبہ سے کراہت زائل ہو جاوے گی؛ کیونکہ علت کراہت کی فسق ہے اور توبہ سے فسق زائل ہو جاتا ہے (۱) اور مطالب (*) بالحقوق رہنا موجب فسق نہیں۔ و ہذا ظاہر۔ فقط

۲۴ شعبان ۱۳۲۵ھ۔ (امداد صفحہ ۹۰ ج ۱)

← تفصیل ہے؛ کیوں کہ غیر مقلد بہت طرح کے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ان کا اختلاف مقلدین کے ساتھ صرف مسائل اجتہادیہ میں ہے، ان کی اقتداء کا حکم وہی ہے جو حنفی کے لئے شافعی امام کی اقتداء کا ہے، یعنی اگر وہ نماز میں خلافیات کی رعایت کرتا ہے تو بالاتفاق اقتداء جائز ہے، ورنہ جواز اقتداء میں اختلاف ہے اور جمہور کا فتویٰ عدم جواز کا ہے؛ کیوں کہ نماز کے معاملہ میں احتیاط ضروری ہے۔ اور بعض غیر مقلدین ایسے ہیں کہ ان کا اختلاف مقلدین کے ساتھ ان مسائل میں ہے جو اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک اجماعی ہیں، جیسے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح جائز قرار دینا، متعہ جائز قرار دینا اور سلف صالحین کے لئے سب و شتم (گالی گلوں) روا رکھنا امثال ذلک، ایسے لوگوں کا حکم بدعتی امام کے حکم کے مانند ہے، یعنی بغیر کسی مجبوری کے ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور کسی مجبوری کے وقت مکروہ تنزیہی ہے۔ اور جن غیر مقلدین کا حال مشتبہ ہو، اولیٰ یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے، تاکہ کوئی فتنہ نہ اٹھے اور بعد میں اعادہ کر لے، تاکہ احتیاط پر عمل ہو جائے؛ لیکن اگر فتنہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں ہے تو ان کے پیچھے نماز نہ پڑھے، تاکہ مسلمانوں کو دھوکہ نہ ہو اور وہ دین متین کے بارے میں بے باک نہ ہو جائیں۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

(*) یعنی اگر شبہ یہ ہو کہ اس بے نمازی نے توبہ کر لی ہے؛ لیکن ابھی فوت شدہ نمازیں قضاء نہیں کی ہیں اور جب اس کے ذمہ قضا باقی ہے تو فسق کیسے ختم ہوا؟ تو حضرت مجیب قدس سرہ جواب دیتے ہیں کہ حقوق (مثلاً نماز کی قضا) کا ذمہ پر واجب رہنا فسق کا سبب نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

جس کے ثنایا علیانہ ہوں، اس کی امامت کا حکم

سوال (۳۰۳): قدیم ۱/۳۸۷ - کسی عالم یا حافظ کے ثنایا علیانہ ہوں جو مخرج تا طاء دال کا ہے، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ بر تقدیر اول مع الکراہت یا بلا کراہت جواب مسائل ہذا مع سند کتاب معتبرہ تحریر فرمودہ رفع شک و اختلاف فرمادیں، اگر درست نہ ہو تو جو شخص ان کی اقتداء کرے اس کو اعادہ لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: اختلاف (*) ہے احوط (۱) عدم صحت ہے اور اوسع صحت ہے، میرے نزدیک اس زمانہ میں صحت کو ترجیح ہونا چاہئے۔

۱۵ شعبان ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ صفحہ ۱۵۶)

(*) یہ جواب مذکور شخص کو ائٹھ (وہ شخص جو بعض حروف ادا کرنے پر قادر نہ ہو) قرار دے کر دیا ←

← عن أبي عبيدة بن عبد الله عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (ابن ماجة شريف، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ۳۱۳، دار السلام، رقم: ۴۲۵۰)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لو أخطأتم حتى تبلغ خطاياكم السماء، ثم تبتم لتاب عليكم. (ابن ماجة شريف، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ص: ۳۱۳، دار السلام، رقم: ۴۲۴۸)

بخاري شريف، كتاب المغازي، باب حديث الإفك، النسخة الهندية ۲/ ۵۹۶، رقم: ۳۹۹۲، ف: ۴۱۴۱۔

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الشهادات، باب شهادة القاذف، دار الفكر بيروت ۱۵/ ۱۷۵، رقم: ۲۱۱۵۰۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۰/ ۱۵۰، رقم: ۱۲۵۸۱۔
مسلم شريف، باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبة، النسخة الهندية ۲/ ۳۵۵، بيت الأفكار، رقم: ۲۷۴۸۔

(۱) ولا (أي لا يصح اقتداء) غير الأئمة به أي بالأئمة على الأصح كما في البحر ←

الٹغ کی امامت کا حکم

سوال (۳۰۴): قدیم ۱/۳۸۸ - ایک حافظ الٹغ ہے اور نماز کی پابندی کے باب میں اس

← گیا ہے؛ لیکن حروف نطعیہ کا مخرج ”زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ“ ہے، پس اگر کسی کے ثنایا علیا نہ ہوں تب بھی ان کی صحیح ادائے کی ممکن ہے؛ کیوں کہ جڑ موجود ہے اور جسے خوب پختہ مشق ہو وہ تو بالکل صحیح ادا کر سکتا ہے؛ البتہ عام لوگوں کی ادا ناقص (غیر صاف) ہوتی ہے؛ لیکن جیسا کہ سوال نمبر: ۳۰۵ کے جواب میں آ رہا ہے کہ اگر حرف صاف ادا نہ ہو تو وہ الٹغ نہیں ہے، الٹغ وہ شخص ہے جو کسی حرف کو بالکل ادا نہ کر سکے بدل کر دوسرا حرف ہو جائے؛ لہذا جس کے ثنایا علیا نہ ہوں اگر وہ پختہ مشق ہونے کی وجہ سے حروف نطعیہ کو بالکل صحیح ادا کر لیتا ہے، تو اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے اور اگر صاف ادا نہیں ہوتے تو اس کے پیچھے بھی نماز صحیح ہے؛ لیکن اگر بالکل ادا نہیں کر پاتا یعنی حروف نطعیہ بدل کر دوسرے حروف ہو جاتے ہیں، تب وہ الٹغ ہے اور اس کے پیچھے نماز کی صحت میں اختلاف ہے، احوط عدم صحت ہے الخ۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← عن المجتبیٰ (درمختار) وفي الشامية: قوله: على الأصح، أي خلافا لما في الخلاصة عن الفضلي من أنها جائزة؛ لأن ما يقوله صار لغة له، ومثله في التاتارخانية، وفي الظهيرية: وإمامة الألتغ لغيره تجوز، وقيل: لا، ونحوه في الخانية عن الفضلي، وظاهره اعتمادهم الصحة، وكذا اعتمادها صاحب الحلية، قال: لما أطلقه غير واحد من المشايخ من أنه ينبغي له أن لا يؤم غيره، ولما في خزانة الأكمل: وتكره إمامة الفأفاء ۱ هـ. ولكن الأحوط عدم الصحة كما مشى عليه المصنف ونظمه في منظومته، وأفتى به الخیر الرملي، وقال في فتاواه: الراجع المفتى به عدم صحة إمامة الألتغ لغيره ممن ليس به لثغة. (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألتغ، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۲۷-۳۲۸، كراچی ۱/۵۸۱-۵۸۲)

إمامة الألتغ لغير الألتغ: ذكر الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل: أنها تصح؛ لأن ما يقول صار لغة له، وقال غيره: لا تصح. (خانية على الهندية، الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لا يصح، قدیم زكريا ۱/۹۰، جدید زكريا ۱/۵۸)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر: في الإمامة والاقتداء، في صحة

الاقتداء، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/۱۴۸ - ←

کا حال بھی مثل حافظ مذکور الصدر کے ہے (*)۔ بجائے چھوٹے سین کے بڑے سین اور بجائے جیم کے زیا ذیا بالعکس ان کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ باوجود کوشش مزید کے وہ ادائے حروف مذکورہ پر قادر نہیں، ایسے حافظ کے پیچھے نماز تراویح قرآن صحیح پڑھنے والوں کی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: امامت اشع کی غیر اشع کے لئے مختلف فیہ ہے۔ کما فی الحاشیة الشامیة (۱)۔ پس احقر کے نزدیک فرائض و وتر میں عدم جواز کا حکم احوط ہے اور تراویح میں جواز کا حکم اوسع ہے۔ واللہ اعلم (۲۴ شعبان ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۹۱ ج ۱)

(*) یعنی جو کہ سوال سابق ۳۰۲ میں مذکور ہوا ہے یعنی وہ حافظ جو صحیح پڑھتا ہے، مگر نماز کا پابند نہیں ہے۔

← البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، قبیل باب الحدث فی الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۶۴۲، کوئٹہ ۱/ ۳۶۷۔

التاتارخانیة، الصلاة، الفصل السادس: من یصلح إماما لغيره ومن لا یصلح، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۲۵۸، رقم: ۲۳۵۹۔

(۱) ولا (أي لا یصح اقتداء) غیر الأئمة به أي بالأئمة علی الأصح کما فی البحر عن المجتبیٰ (درمختار) وفي الشامية: قوله: علی الأصح، أي خلافا لما فی الخلاصة عن الفضلي من أنها جائزة؛ لأن ما یقوله صار لغة له، ومثله فی التاتارخانیة، وفي الظهيرية: وإمامة الأئمة لغيره تجوز، وقيل: لا، ونحوه فی الخانية عن الفضلي، وظاهره اعتمادهم الصحة، وكذا اعتمدها صاحب الحلیة، قال: لما أطلقه غیر واحد من المشايخ من أنه ینبغي له أن لا یوم غیره، ولما فی خزانة الأکمل: وتكره إمامة الفقهاء اهـ. ولكن الأحوط عدم الصحة کما مشی علیه المصنف ونظمه فی منظومته، وأفتی به الخیر الرملي، وقال فی فتاواه: الراجح المفتی به عدم صحة إمامة الأئمة لغيره ممن ليس به لغة. (الدرا المختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مطلب فی الأئمة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۳۲۷-۳۲۸، کراچی ۱/ ۵۸۱-۵۸۲)

إمامة الأئمة لغير الأئمة: ذکر الشيخ الإمام أبو بکر محمد بن الفضل: أنها تصح؛ لأن ما یقول صار لغة له، وقال غیره: لا تصح. (خانية علی الهندیة، الصلاة، فصل فیمن یصح الاقتداء به وفیمن لا یصح، قدیم زکریا ۱/ ۹۰، جدید زکریا ۱/ ۵۸)

خلاصة الفتاوى، کتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر: فی الإمامة والاقتداء، فی صحة

الاقتداء، مکتبہ أشریہ دیوبند ۱/ ۱۴۸ - ←

جو شخص راء کے تلفظ پر قادر نہ ہو اس کی امامت کا حکم

سوال (۳۰۵): قدیم ۱/۳۸۸ - جس شخص سے راء نہ نکلتی ہو اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: ولا غير الألف به، أي بالألف على الأصح. وفي رد المحتار: أي خلافا لما في الخلاصة عن الفضلي من أنها جائزة - إلى قوله - وظاهره اعتمادهم الصحة، ثم قال: ولكن الأحوط عدم الصحة، وفيه هو الذي يتحول لسانه من السين إلى الشاء، وقيل: من الراء إلى الغين أو اللام أو الياء زاد في القاموس: أو من حرف إلى حرف، وفيه أنه (أي اللثغة) لو كانت يسيرةً بأن يأتي بالحرف غير صاف لم تؤثر. الخ (ج ۱ ص ۶۰۸ - ۶۰۹ (۱))

← البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل باب الحدث في الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۶۴۲، كوئٹہ ۱/۳۶۷ -

التاتارخانية، الصلاة، الفصل السادس: من يصلح إماما لغيره ومن لا يصلح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۵۸، رقم: ۲۳۵۹ -

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألف، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۲۷-۳۲۹، کراچی ۱/۵۸۱-۵۸۲ -

الألف إذا أم غير الألف ذكر الشيخ محمد بن الفضل: أنه يجوز، وقال غيره: لا تجوز إمامته. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس: من يصلح إماما لغيره ومن لا يصلح، مكتبه زكريا ۲/۲۵۸، رقم: ۲۳۵۹)

إمامة الألف لغير الألف: ذكر الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل: أنها تصح؛ لأن ما يقول صار لغة له، وقال غيره: لا تصح. (خانية على الهندية، الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لا يصح، قدیم زكريا ۱/۹۰، جدید زكريا ۱/۵۸)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر: في الإمامة والاقتداء، في صحة الاقتداء، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/۱۴۸ - ←

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے۔ اگر راء نکلتی ہے لیکن صاف نہیں تو معتبر نہیں (*)۔ اور اگر لام وغیرہ سے بدل جاتی ہے تو اختلاف ہے لیکن جہاں بلوی ہو صحت کا حکم مناسب ہے۔

۱۰/ رمضان ۱۳۳۲ھ ثانیہ ص ۱۶۱

مسبق کا صف کے بیچ میں سے کسی کو کھینچ کر پیچھے لے آنا

سوال (۳۰۶): قدیم ۳۸۹/۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز باجماعت قائم ہے اور پہلی صف تمام ہو چکی ہے۔ اب یہ شخص صف میں کس مقام سے مصلیٰ کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملاوے اگر وسط صف سے کھینچے تو بظاہر: ”ولا تذروا فرجات للشیطان“ (۱) کا خلاف لازم آتا ہے اور جو کنارہ صف سے کھینچے اور وہیں کھڑا ہو جائے تو ”توسطوا الإمام“ (۲) کا خلاف ہوتا ہے اور جو کنارہ صف سے وسط صف میں لاوے تو حرکت زیادہ ہوتی ہے اور نیت باندھ کر کھینچنا بہتر ہے یا خارج نماز سے کھینچے؟ فقط

(*) یعنی ایسا شخص اشغ نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، قبیل باب الحدث فی الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۶۴۲، کوئٹہ ۱/ ۳۶۷۔

(۱) عن أبي شجرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولينوا بأيدي إخوانكم، ولا تذروا فرجات للشیطان، ومن وصل صفا وصله الله، ومن قطع صفا قطعه الله. (أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۹۷، دار السلام، رقم: ۶۶۶)

(۲) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: توسطوا الإمام وسدوا الخلل. (السنن الكبرى للبيهقي، کتاب الصلاة، جماع أبواب موقف الإمام والمأموم، باب مقام الإمام من الصف، دار الفکر ۴/ ۲۶۴، رقم: ۵۳۰۵)

أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف، النسخة الهندية ۱/ ۹۹، دار السلام، رقم: ۶۸۱۔

الجواب: تصریح تو ملی نہیں (*)؛ لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وسطِ صف میں سے کھینچ لے، رہا یہ کہ ”لا تذروا الخ“ کے خلاف لازم آتا ہے، سو فرجات بند کرنے کا حکم اصطفا کے وقت ہے اور اثنائے صلوٰۃ اگر کسی عارض ضروری سے درمیان میں فرجہ ہو جاوے تو ایسے فرجات کی کراہت کی کوئی دلیل نہیں، چنانچہ امام کا اگر وضو ٹوٹ جاوے اور اس کو استتلاف کی حاجت ہو یا کسی مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے اور وہ چلا جاوے ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرجہ موجب کراہت نہیں، اسی طرح صورتِ مسئلہ میں بھی وہ عارض ضروری اقامت ہے سنت کی اور تحرز ہے قیام خلف الصف وحدہ سے؛ لہذا کراہت نہ ہوگی؛ البتہ جو شخص اس کے بعد جماعت میں حاضر ہو، اس کو چاہیے کہ اس فرجہ کو بند کر دے گو مور و پیش مصلیٰ لازم آوے؛ کیونکہ ضرورت شرعی کے وقت یہ بھی مکروہ نہیں، یہ تو تحقیق ہے اس حکم جذب المصلیٰ کی؛ لیکن درمختار و ردالمحتار میں مصرح ہے۔

لکن (**) قالوا في زماننا تركه أولى لغلبة الجهل على العوام، فإذا جره

(*) شامی (الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۳۱۰، کراچی ۱/ ۵۶۸، ۱/ ۵۳۱، در بحث کراہیۃ قیام الإمام فی غیر المحراب) میں تصریح موجود ہے۔

وعبارتہ: انتظر حتی یجیء آخر فیقفان خلفہ، وإن لم یجیء حتی رکع الإمام یختار أعلم الناس بهذه المسألة فیجذبہ، ویقفان خلفہ، ولو لم یجد عالماً یقف خلف الصف بحذاء الإمام للضرورة. اھ۔ ”مجالس الابرار“ مجلس ۵۴/ ص: ۳۰۲ میں ہے:

وإن لم یوجد فی الصف فرجة ینتظر إلی الركوع، فإن جاء واحد یقوم أحدهما فی جنب الآخر بحذاء الإمام، وإلا یجذب واحدا من الصف إلی نفسه، فیقف فی جنبہ، لکن الأولی فی زماننا القیام وحدہ بحذاء الإمام الخ، وکذا فی مبسوط السرخسی (۱/ ۹۳)

حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”آنے والا صف کے دائیں یا بائیں جانب سے جس طرف ایسا آدمی ہو جو اشارہ پانے سے ہٹ آئے، ایک کو لے کر وہیں پر پیچھے دونوں کھڑے ہو جائیں، اسے کھینچ کر درمیان میں نہ لائے، اگر دونوں طرف ایسا آدمی نہ ہو تو تنہا پیچھے کھڑا ہو جائے۔ (کفایت المفتی ۳/ ۱۰۴)

۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) یعنی اس زمانہ میں ناواقفی عام ہے، پس کھینچنے میں احتمال ہے کہ وہ اپنی نماز خراب کریگا ←

تفسد صلوٰتہ۔ ۵۱ (ج ۱ ص ۶۷۶) (۱)

اور کھینچنا نیت باندھ کر اور قبل نیت باندھنے کے ہر طرح درست ہے۔

في العالمگیریة، الفصل الخامس من الباب الخامس من كتاب الصلوة: فجاء ثالث وجذب المؤتم إلى نفسه قبل أن يكبر للافتتاح حكى عن الشيخ الإمام أبي بكر بن طرخال: أنه لا تفسد صلوٰة المؤتم جذبه الثالث قبل التكبير أو بعده الخ (۲). واللہ اعلم
۲۲ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۹۳ ج ۱)

نماز پڑھے ہوئے کا ظہر وعشاء کی جماعت میں شرکت کرنا

سوال (۳۰۷): قدیم ۳۹۱/۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مقتدی کو بعد اداۓ فرائض نماز کے کب تک شرکت مستحب ہے؟

الجواب: بعد اداۓ فرائض کے اگر جماعت پاوے ظہر وعشاء میں شرکت بہتر ہے اور فجر اور عصر اور مغرب میں نہ چاہیے۔

← یا برامانے گا: اس لئے جانے دے نہ کھینچے۔

ولكن في الخزائن: قلت: وينبغي التفويض إلى رأى المبتلى، فإن رأى من لا يتأذى لدين أو صداقة زاحمه أو عالما جذبه وإلا انفرد به. قلت: أى الشامي: وهو توفيق حسن اختاره ابن وهبان في شرح منظومته. اه (ردالمحتار ۱/ ۶۰۵، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۴۱۶، كراچی ۱/ ۶۴۷) ۱۲ سعيد احمد پالن پوری

(۱) الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، قبل مطلب: الكلام على اتخاذ المسبحة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۴۱۶، كراچی ۱/ ۶۴۷۔

(۲) الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الخامس: في الإمامة، الفصل الخامس: في بيان مقام الإمام والمأموم، قدیم زكريا ديوبند ۱/ ۸۸، جدید زكريا ۱/ ۱۴۶۔

التاثر خانیہ، الصلاة، الفصل السابع: في مقام الإمام والمأموم، مكتبة زكريا ۲/ ۲۷۶، رقم: ۲۴۱۳، المحيط البرهاني، کتاب الصلاة، الفصل السابع: بيان مقام الإمام والمأموم، المجلس العلمي ۲/ ۲۰۳، رقم: ۱۵۶۸۔
شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

 في الدرالمختار: ومن صلى الفجر، والعصر، والمغرب مرة فيخرج مطلقاً، وإن
 أقيمت لكرهه النفل بعد الأولين، وفي المغرب أحد المحظورين البتراء أو مخالفة
 الإمام بالإتمام. (۱) آه (امداد ص ۹۹ ج ۱)

بغير عمامہ کے امامت کا جواز

سوال (۳۰۸): قدیم ۳۹۱/۱ - اگر امام کے سر پر عمامہ نہ ہو اور مقتدی کے سر پر عمامہ ہو تو نماز
 میں کراہت ہے یا نہیں؟
الجواب: کراہت نہیں (۲)۔ (تمہ اول ص ۱۷)

.....
 (۱) الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۰۹، کراچی ۵۵/۲ -

وإن كان قد صلى وكانت الظهر والعشاء فلا بأس بأن يخرج؛ لأنه أجاب داعي الله
 مرة إلا إذا أخذ المؤذن في الإقامة؛ لأنه يتهم لمخالفة الجماعة عياناً، وإن كانت العصر أو
 المغرب أو الفجر خرج، وإن أخذ المؤذن فيها لكرهه التنفل بعدها. (هداية، كتاب الصلاة،
 باب إدراك الفريضة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۵۲)

وإن صلى مرة لا يكره إلا في الظهر والعشاء إن شرع المؤذن في الإقامة، فإنه يكره
 الخروج بعد الإقامة لجواز الاقتداء فيهما نفلاً؛ لأنه يتهم بمخالفة الجماعة عياناً بلا عذر،
 وفي غيرهما يخرج وإن أقيمت؛ لأنه إن صلى يكون نفلاً، والنفل بعد الفجر والعصر مكروه
 مطلقاً، وأما في المغرب فإن النافلة لم تشرع ثلاث ركعات كما بينا آنفاً. (مجمع الأنهر،
 كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۱۰)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۱۰، ہندیہ
 كتاب الصلاة، الباب العاشر في إدراك الفريضة قديم زكريا ۱/ ۱۲۰، جديد زكريا ۱/ ۱۷۹ -

(۱) وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة، ولا يكره الاكتفاء
 بالقلنسوة، ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك، وكذا ما اشتهر أن المؤتم ←

سوال (۳۰۹): قدیم ۳۹۱/۱ - مشہور ہے کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ عمامہ موجود ہوتے ہوئے بدون عمامہ کے نماز مکروہ ہے۔ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: صحیح نہیں (۱)۔ البتہ اگر کوئی شخص بدون عمامہ کے گھر سے نہ نکلتا ہو تو ایسے شخص کے لیے خود نماز ہی بلا عمامہ مکروہ ہے، خواہ امام ہو یا نہ ہو۔

.....

← لو كان معتما بعمامة والإمام مكتفيا على قلنسوة يكره. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة بلال ديوبند ۱/ ۱۶۹)

والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص، وإزار، وعمامة، وأما لو صلى في ثوب واحد متوشحابه تجوز صلاته من غير كراهة. (الفتاوى الهندية، الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، قديم زكريا ۱/ ۵۹، جديد زكريا ۱/ ۱۱۶)

قال رضي الله عنه: وفي الأصل: لا بأس بأن يصلي الرجل في ثوب واحد متوشحاه، ويؤم كذلك، والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص، وإزار، وعمامة، وأما لو صلى في ثوب واحد متوشحابه جميع بدنه كإزار الميت تجوز صلاته من غير كراهة. (خلاصة الفتاوى، الصلاة، الباب السادس في ستر العورة، مكتبة أشرفيه ديوبند ۱/ ۷۳)

حلي كبير، الصلاة، شرائط الصلاة، فروع في الستر، مكتبة أشرفيه ديوبند ص: ۲۱۶ - حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، شروط الصلاة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۲۱۱ -

(۱) وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة، ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة، ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك، وكذا ما اشتهر أن المؤتم إن كان معتما بعمامة والإمام مكتفيا على قلنسوة يكره. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة بلال ديوبند ۱/ ۱۶۹)

والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص، وإزار، وعمامة، وأما لو صلى في ثوب واحد متوشحابه تجوز صلاته من غير كراهة. (الفتاوى الهندية، الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، قديم زكريا ۱/ ۵۹، جديد زكريا ۱/ ۱۱۶)

خلاصة الفتاوى، الصلاة، الباب السادس في ستر العورة، مكتبة أشرفيه ديوبند ۱/ ۷۳ - ←

في الدر المختار: وصلوا ته في ثياب بذلة يلبسها في بيته (۱)۔

(۱۲ شعبان ۱۳۳۱ھ ثانیہ ص ۶۲)

سوال (۳۱۰): قدیم ۱/۳۹۱۔ اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ نماز میں عمامہ کو ضروری خیال کر لیا گیا ہے اور ایسا ضروری نہیں ہے اور وہ اسی وجہ سے عمامہ موجود ہوتے ہوئے نہیں باندھتا ہو، تو اس کا یہ فعل برا ہے یا نہیں؟

الجواب: گاہ گاہ ہو تو برائیں۔ نظیرہ ما فی رد المحتار فی تعیین السور: فإن إيهام اللزوم ينتفی بالترك أحياناً (ج ۱ ص ۵۶۸) (۲)۔

۱۲ شعبان ۱۳۳۱ھ ثانیہ ص ۶۵

← حلی کبیری، الصلاة، شرائط الصلاة، فروع في الستر، مکتبه أشریہ دیوبند ص: ۲۱۶۔

حاشیة الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، شروط الصلاة، مکتبه دارالکتاب دیوبند

ص: ۲۱۱۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مکتبه زکریا

دیوبند ۲/۴۰۷، کراچی ۱/۶۴۰۔

وفي ثياب البذلة (أي كره الصلاة فيها) وهي ما يلبس في البيت ولا يذهب به إلى الأكابر؛ لأنها لا تخلوا عن النجاسة القليلة، وعن الأوساخ الكريهة. (مجمع الأنهر، الصلاة،

باب ما یفسد الصلاة، وما یکره فیها، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۱۸۷)

شرح الوقایة، الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مکتبه بلال دیوبند ص: ۱۶۹۔

هندیة، الصلاة، الباب السابع: فيما یفسد الصلاة وما یکره فیها، الفصل الثاني، قدیم زکریا

۱/۱۰۷، جدید زکریا ۱/۱۶۵۔

وأفاد الوالد العلامة في بعض تحريراته: أنه تكرر الصلاة بدونها في البلاد التي عادة سكانها أنهم لا يذهبون إلى الكبراء بل ولا يخرجون من بيوتهم إلا متعممين، أما في البلاد التي لا يعتادون فيها ذلك فلا، وقد اشتهر بين العوام أن الإمام إن كان غير متعمم والمقتدون متعممين فصلاحتهم مكروهة، وهذا أيضا زخرف من القول لا دليل عليه فاحفظ.

(نفع المفتي والسائل، ذكر المكروهات المتفرقة، مکتبه رحیمیہ دیوبند ص: ۷۰)

(۲) الدر المختار مع الشامی، الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۲۶۵،

کراچی ۱/۵۴۴۔ ←

ایک خط مشتمل بر سوال و جواب ذیل آیا

سوال (۳۱۱): قدیم ۳۹۲/۱ - چہ فرماید علمائے دین دریں مسئلہ کہ نماز بکلاہ بدون عمامہ

مکروہ است یا نہ؟

الجواب: مکروہ است در فتاویٰ غرائبی آوردُ رجل صلی مع قلنسوة و لیس فوقها عمامة أو شئی آخر یکره، و عمامہ بر سر بستن مسنون ست خصوصاً در نماز۔ ملا علی قاریؒ در مقالہ عذ بہ روایت می کند ”أنه عليه السلام كان يلبس القلانس تحت العمامة وبغير العمامة“ و در فردوس دلیلی از جابر (*) مرویست ”رکعتان بعمامة خیر من سبعین رکعة بلا عمامة وابن عمر آورده

(*) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سیوطی علیہ الرحمہ نے جامع صغیر (حرف راء) میں ذکر فرما کر ضعیف کا نشان بنایا ہے۔ علامہ مناویؒ نے فیض القدر ۴/۳۷ میں لکھا ہے کہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”هذا الحديث لا يثبت“ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی سیوطی علیہ الرحمہ نے جامع صغیر (حرف صاد) میں ذکر فرمائی ہے اور صحیح کا نشان بنایا ہے؛ لیکن حافظ ابن حجر نے اس کو موضوع کہا ہے۔ سخاوی رحمہما اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی موضوعات کبریٰ اور صغریٰ دونوں میں اس کو موضوع کہا ہے۔ اور ”الموضوعات الکبریٰ“ میں تو سیوطی رحمہ اللہ پر جامع صغیر میں ذکر کرنے پر اعتراض بھی کیا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← أما لو كان للتيسير أو تبركا بالمأثور فلا يكره بشرط أن يقرأ غيرهما أحيانا
کیلا یظن أن غیرهما لا یجوز۔ (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۲۳۴)

أما لو قرأ للتيسير عليه أو تبركا بقراته صلى الله عليه وسلم فلا كراهة لكن بشرط أن يقرأ غيرهما أحيانا لئلا يظن الجاهل أن غيرها لا يجوز۔ (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۵۹۸، کوئٹہ ۱/ ۳۴۲، الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الرابع: في صفة الصلاة، الفصل الرابع: في القراءة، قدیم زکریا ۱/ ۷۸ -

تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۳۳۷، إمدادیہ ملتان ۱/ ۱۳۱ - شمیم احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صلوٰۃ تطوع أو فريضة بعمامة تعدل خمسا وعشرين درجة بلا عمامة وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بلا عمامة.

ونیز در مقالہ مذکورہ می گوید ”اماما أحدثہ فقہاء زماننا من أنهم یأتون المسجد بعمامة كبيرة ثم یضعونها ویلفونها بلفافة صغيرة، ویصلون بغير عمامة فمکروهة غاية الکراهة. انتهى“ واللہ الموفق (فتاویٰ سعدیہ - ص ۱۵)

نتیجہ سوال: جناب عالی گزارش آنکہ مذکورہ جواب سوال مذکورہ کے لیے ”فتاویٰ سعدیہ“ میں مسطورہ بالا کے موافق ہے؛ لیکن ”فتاویٰ رشیدیہ“ میں مذکور مسئلہ کی نسبت مولانا گنگوہیؒ جازن فرماتے ہیں، اس میں کیا بات ہے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ جن کپڑوں سے باہر جانا انسان معیوب سمجھتا ہے، اگر اسی سے وہ شخص نماز پڑھاوے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ یہاں سے اس کا یہ جواب لکھا گیا:

دونوں فتوؤں میں تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ کراہت اس کے لیے ہے جو بلا عمامہ مجامع میں نہ جاتا ہو۔ اور عدم کراہت اس کے لیے جو مجامع میں بلا عمامہ جاسکتا ہو (۱)۔ اسی سے اخیر سوال کا جواب معلوم ہو گیا کہ مکروہ ہے۔ (۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ تتمہ خامسہ ص ۸۴)

(۱) وأفاد الوالد العلامة في بعض تحريراته: أنه تكره الصلاة، بدونها في البلاد التي عادة سكانها أنهم لا يذهبون إلى الكبراء بل ولا يخرجون من بيوتهم إلا متعممين، أما في البلاد التي لا يعتادون فيها ذلك فلا، وقد اشتهر بين العوام أن الإمام إن كان غير متعمم والمقتدون متعممين فصلاتهم مكروهة، وهذا أيضا زخرف من القول لا دليل عليه فاحفظ. (نفع المفتي والسائل، ذكر المكروهات المتفرقة، مكتبه رحيميه ديوبند ص: ۷۰)

وفي ثياب البذلة (أي كره الصلاة فيها) وهي ما يلبس في البيت ولا يذهب به إلى الأكابر؛ لأنها لا تخلوا عن النجاسة القليلة، وعن الأوساخ الكريهة. (مجمع الأنهر، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸۷)

شرح الوقاية، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه بلال ديوبند ص: ۱۶۹۔
وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة، ولا يكره الاكتفاء ←

سوال (۳۱۲): قدیم ۳۹۳/۱ - بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ”رسالة الإمامة بالعمامة“ کی تحریر سے ٹوپی رکھ کر نماز پڑھنا یا پڑھنا مکروہ تحریمی معلوم ہوتا ہے۔ اور کتاب ”نفع المفتی“ صفحہ: ۸۸ (۱) سے مکروہ معلوم نہیں ہوتا، ایسا ہی ”فتاویٰ اشرفیہ“ تتمہ جلد اول صفحہ: ۱۷۰ جو جناب کا تصنیف کردہ ہے میں بھی مکروہ نہیں بتایا۔ مذکورہ ہر دو اول رسائل پیش خدمت کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرما کر جواب با صواب سے مشرف فرماویں، تاکہ تسلی ہو جاوے اور جناب اجر پاویں۔

الجواب: میں نے پورا رسالہ پڑھا کسی دلیل سے کراہت ثابت نہیں ہوتی، چنانچہ بعض استدلالات کا جواب مولانا عبدالحی صاحبؒ کے کلام میں مصرح ہے اور بعض کا جواب ظاہر ہے میں ہر استدلال کا جواب کہاں تک لکھوں ایک رسالہ بن جاویگا۔ آپ کو جو دلیل موجب مدعا معلوم ہوتی ہے اس کو پوچھ لیجئے جس کا جواب مولوی عبدالحی صاحبؒ کی تحریر میں نہ ہو، ان سطور کے لکھنے کے بعد درمختار کی ان روایات پر مکروہات صلوٰۃ میں نظر پڑی۔

وصلوٰتہ حاسرا، أي كاشفا رأسه للتكاسل ولا بأس به للتذلل، وأما لإهانة بها فكفر، ولو سقطت قلنسوته فإعادتها أفضل الخ. وفي ردالمحتار عن الدرر عن التاتارخانية: والظاهر أن أفضلية إعادتها حيث لم يقصد بتركها التذلل على ما مرّ (ج ۱ ص ۶۷۰) (۲)۔

← بالقلنسوة، ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك، وكذا ما اشتهر أن المؤتم لو كان معتمما بعمامة والإمام مكتفيا على قلنسوة يكره. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه بلال ديوبند ۱/ ۱۶۹)

(۱) وأفاد الوالد العلامة في بعض تحقيقاته: أنه تكره الصلاة، بدونها في البلاد التي عادة سكانها أنهم لا يذهبون إلى الكبراء بل ولا يخرجون من بيوتهم إلا متعممين، أما في البلاد التي لا يعتادون فيها ذلك فلا، وقد اشتهر بين العوام أن الإمام إن كان غير متعمم والمقتدون متعممين فصلاتهم مكروهة، وهذا أيضا زخرف من القول لا دليل عليه فاحفظ.

(نفع المفتي والسائل، ذكر المكروهات المتفرقة، مكتبه رحيمية ديوبند ص: ۷۰)

(۲) الدرالمختار مع الشامی، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا

اس سے کئی امر مستفاد ہوئے، ایک یہ کہ بالکل برہنہ سر نماز پڑھنا بھی مکروہ نہیں جب براہ تکاسل نہ ہو تو ٹوپی پر اکتفا کرنے کو جب کہ براہ تکاسل نہ ہو محض بر سیبیل عادت ہو کیسے مکروہ ہوگا؟ البتہ اگر کوئی شخص صرف ٹوپی سے اسواق (بازار) و مجمع احباب میں نہ جاتا ہو تو اس کیلئے صرف ٹوپی پر اکتفا کرنا نماز میں مکروہ ہوگا، جس میں افراد اور اقتداء اور امامت سب برابر ہیں، امام کی تخصیص نہیں؛ کیونکہ ایسے شخص کے لئے صرف ٹوپی ثیاب بذلہ و مہنہ سے ہے، جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے (۱)۔ لیکن اگر عمامہ کی وسعت نہ ہو تو پھر ایسے شخص کیلئے مکروہ نہیں۔ دوسرا امر اس سے یہ مستفاد ہوا کہ ٹوپی کے گر جانے پر اعادہ افضل ہے؛ لیکن اگر قصد تذلل ہو تو اعادہ نہ کرنا افضل ہے۔ یہ جزئیات اس شخص کے حق میں ہو سکتا ہے جو صرف قلنسوۃ یعنی کلاہ سے نماز پڑھ رہا تھا، پھر اس جزئیہ کو ذکر کر کے اس کے ساتھ یہ نہ کہنا: ”الا انہ یکرہ بقاعدة والسکوت عن البیان فی موضع الضرورة بیان“ دلیل واضح ہے عدم کراہت کی۔

۱۱/ رجب ۱۳۴۰ھ تتمہ خامسہ ص ۲۲۱

← وتكره الصلاة حاسرا رأسه إذا كان يجد العمامة، وقد فعل ذلك تكاسلا وتهاونا بالصلاة، ولا بأس به إذا فعله تذلا وخشوعا بل هو حسن كذا في الذخيرة. (هندية، الصلاة، الباب السابع، الفصل الثاني: فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، قديم زكريا ۱/ ۱۰۶، جديد زكريا ۱/ ۱۶۵)

وحاسر الرأس لا تذلا (ملتقى الأبحر) وفي المجمع: قوله: وحاسر الرأس أي كاشفا إياه، وهذا إذا كان للتكاسل، وقلة رعايتها لا الإهانة بها؛ لأنها كفر لا تذلا أي لا يكره إذا كان للتذلل. (مجمع الأنهر، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸۷)

التاتارخانية، الصلاة، الفصل الرابع: ما يكره للمصلي وما لا يكره، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۰۲-۲۰۳، رقم: ۲۱۴۷-۲۱۵۱۔

وفي ثياب البذلة، أي كره الصلاة فيها وهي ما يلبس في البيت ولا يذهب به إلى الأكابر؛ لأنها لا تخلوا عن النجاسة القليلة، وعن الأوساخ الكريهة. (مجمع الأنهر، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸۷) ←

رعایا کے قلوب میں رعب کی قلت کے خطرہ سے ترک جماعت کا عدم جواز

سوال (۳۱۳): قدیم ۱/۳۹۴ - حضرت اب تک میں اس امر کی تعمیل نہ کر سکا کہ مسجد جا کر نماز پڑھوں یہیں جماعت سے بدستور نماز پڑھ رہا ہوں مسجد تھا نہ سے کوئی قریب سو قدم کے یا اس سے کچھ زیادہ فاصلہ پر ہے، راستہ میں جو لوگ رہتے ہیں ان کو میرے آنے جانے کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے، بار بار کھڑے ہوتے ہیں منع کرتا ہوں نہیں مانتے دن میں جبکہ پانچ مرتبہ جاؤں گا تو غالباً وہ بالکل بے حجاب ہو جائیں گے، اس سے عہدہ کا جواز و رعب رعایا پر ہے وہ کم ہو جائے گا، اس سے کام میں خرابی ہوگی اگرچہ خود اپنی تعظیم یا بڑائی قطعی مقصود نہیں ہے، صرف یہی خیال کہ عہدہ کا وقار جائے گا اور اس عہدہ کا جب تک رعایا پر اثر نہ ہوا انتظام و کام ٹھیک نہیں ہوتا، اس وجہ سے مسجد نہیں جاتا ہوں آئندہ جو حکم ہو۔ اب تو صرف جمعہ کے روز اور آج کل روزانہ تراویح کو جاتا ہوں؟

الجواب: آپ جیسے سلیم الفہم دانشمند سے ایسا خیال عجیب ہے، اول تو یہ محض تو ہم ہے جو تجربہ و مشاہدہ کے خلاف ہے؛ بلکہ اس سے وقار بڑھ جاتا ہے، اول تو دینداری کی یہ خاصیت ہے خاص کر جب ممتاز شخص میں دینداری ہو زبانوں پر اس کی مدح اور قلوب میں اس کی عظمت ہوتی ہے، پہلے تو بیہیت مع الوحشت والنفرت تھی پھر بیہیت مع الانس والحجۃ ہو جاتی ہے، پھر اس کی ایک لم بھی ہے جو حدیث میں وارد ہے ”من ہاب اللہ ہابہ کل شئی“ ان سب کے علاوہ اگر کسی مقام پر عوام اس خیال کے ہوں کہ ڈاڑھی منڈانے سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت ڈاڑھی رکھنے کے یا کفار کے لباس سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت اسلامی لباس کے یا اس سے بڑھ کر عیسائی ہونے سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت مسلمان ہونے کے تو کیا اس مصلحت کی رعایت اس حد تک وسیع ہو سکے گی۔

۱۳/رمضان ۱۳۴۶ھ (تمہ خامسہ صفحہ ۵۹۰)

← شرح الوقایۃ، الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ بلال دیوبند ص: ۱۶۹۔

الدرالمختار مع الشامی، الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند

۲/۴۰۷، کراچی ۱/۶۴۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

امام و خطیب کی بعض کوتاہیوں کے احکام

سوال (۳۱۴): قدیم ۱/۳۹۵ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں: کہ یہاں کی جامع مسجد میں یہاں کی دوسری مسجدوں کے مطابق یہ دستور چلا آتا ہے کہ بروز جمعہ اذان اول کے بعد اتنا وقفہ کیا جاتا ہے کہ چار سنتیں باطمینان پڑھ لی جائیں، یعنی تقریباً نو دس منٹ کے بعد خطبہ بزبان عربی شروع ہوتا ہے۔ جامع مسجد مذکور کے امام صاحب کی بابت مقتدیوں کو خطبہ کی طوالت کی شکایت پہلے سے تھی اور اس سے ان کو گرانی تھی۔ مزید براں انہوں نے کئی جمعہ سے یہ نیا طریقہ اختیار کیا کہ چار سنتوں کے بعد وقت مقرر پر خطبہ شروع کرنے کے بجائے پہلے اردو زبان میں مضمون خطبہ کے علاوہ دوسری تقریریں شامل کر کے بیان کرنا شروع کیا۔ جس میں مقتدیوں نے یہ محسوس کیا کہ ان تقریروں میں مسلمانوں پر چوٹ اور طنزیہ جملے وغیرہ ذاتی جذبات نفسانیہ کا بھی شمول ہے۔ ان تقریروں کے بعد اذان ثانی ہو کر مدوح نے خطبہ عربی پڑھا۔ متولیان مسجد وغیرہ کو پہلے ایک دو دفعہ کچھ خیال نہ ہوا؛ لیکن بعد میں انہوں نے دیکھا کہ مقتدیوں میں اس کا چرچا ہونے لگا ہے اور ان کو قوی اندیشہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ رفتہ رفتہ آئندہ خطبہ عربی کے بجائے خطبہ اردو جاری کر دیں، اس کے علاوہ چونکہ نمازیوں کی بہت سی تعداد بہت پہلے سے آجاتی ہے اور بعد فراغ جمعہ کھانا کھاتی ہے؛ اسلئے بناء برتاخیر و طوالت ان کو اور بھی زیادہ گرانی ہونے لگی۔ طوالت خطبہ کے بابت متولیوں نے امام صاحب موصوف کو پہلے ہی توجہ دلائی تھی کہ خطبہ جو لمبا پڑھتے ہیں اس کو مسنون طریقہ کے مطابق مختصر فرمادیں اور خطبہ اور تقریروں میں اپنے جذبات سے کام لیتے ہوئے کسی مسلمان پر حملہ اور طنز نہ کریں اور اب یہ صورت حال دیکھتے ہوئے اور مذکورہ وجوہ پر نظر رکھتے ہوئے ہدایت کی کہ آئندہ اذان اول کے بعد قدیمی دستور پر عمل کرتے ہوئے محض خطبہ عربی پر قناعت کریں کہ یہ نیا طریقہ مسجد موصوف کے نمازیوں میں تفرقہ اور جھگڑے کا باعث بن جائے گا؛ اس لئے کہ گرانی مذکور کے علاوہ غیر زبان عربی میں خطبہ پڑھنے کے قائلین کی تعداد بھی یہاں بہت کم اور برائے نام ہے، متولیوں کی طرف سے امام صاحب کو اس کی بھی اطلاع دیدی گئی کہ اگر نمازیوں کے سامنے کچھ بیان فرمانا چاہتے ہیں تو شب جمعہ کو بعد نماز عشاء کہ جس میں بھی صد ہا نمازیوں کی تعداد ہوتی ہے صحیح صحیح خطبہ کا مطلب سادگی کے ساتھ بیان فرمادیا کریں اور متولیوں نے یہ بھی آپس میں قرار دے لیا تھا کہ اگر امام صاحب کی

خواہش ہوگی تو ان کو بعد فراغ جمعہ بیان کرنے کا موقع دیدیا جائیگا، اس صورت میں بہت پہلے سے آنے والے اور بھوک سے گھبرا جانے والے جو چاہیں گے جاسکیں گے ان پر کوئی جبر نہیں پڑیگا۔ برخلاف ان کی اختیار کردہ صورت کے کہ اس میں سب کو بخیاں ادائے جمعہ خواہ مخواہ مجبوراً رکھنا پڑتا ہے، پس ارشاد ہو کہ صورت مسئلہ میں متولیان مسجد کا امام موصوف کو عمل مذکور سے روک دینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ فقط بینوا تو جروا۔

الجواب: ومنه الصدق والصواب. سوال میں امام جمعہ کی چند کوتاہیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو سب کی سب احکام شریعت کے خلاف ہیں، وہ احکام ان روایات میں ہیں:

الاولی: عن عمار قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن طول صلاة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه، فأطيلوا الصلوة واقصروا الخطبة. الحديث رواه مسلم (باب الخطبة والصلوة) (۱) قلت: معنی قوله عليه السلام: طول صلاة الرجل یعنی بالإضافة إلى الخطبة، فإن الطول الثقيل قد نهى عنه كما سيأتي عن قريب.

الثانية: في الدر المختار، باب الجمعة: ويسن خطبتان خفيفتان، وتكره زيادتهما على قدر سورة من طوال المفصل، وفي رد المحتار عن القهستاني: وزيادة التطويل مكروهة اهـ (۲)۔ قلت: والتقدير بسورة من الطوال يراد به التطويل الغير

(۱) مسلم شریف، کتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، النسخة الهندية ۱/

۲۸۶، بیت الأفكار، رقم: ۸۶۹۔

أبو داود شریف، الصلاة، باب إقصار الخطب، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۷، دار السلام، رقم: ۱۰۶، السنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب ما يستحب من القصد في الكلام وترك التطويل، مكتبة دار الفكر بيروت ۴/ ۴۵۱، رقم: ۵۸۵۹۔

البحر الزخار المعروف بمسند البزار، بيروت ۵/ ۲۸۹، رقم: ۱۹۰۸۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۲۰،

کراچی ۲/ ۱۴۸۔

التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، مكتبة زكريا

ديوبند ۲/ ۵۶۸، رقم: ۳۳۱۳۔

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۴۹۔

الثقل كما في الدرالمختار، باب التراويح عن المجتبى عن الإمام: لو قرأ ثلاثا قصار أو آية طويلة في الفرض فقد أحسن ولم يسيئ فما ظنك بالتراويح اهـ (١) - وبالجمله رعاية الخفيف واجبة على كل حال.

الثالثة: عن أبي هريرة رض قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إذا صلى أحدكم للناس فليخفف، فإن فيهم السقيم والضعيف والكبير، وإذا صلى أحدكم لنفسه فيطول ما شاء. متفق عليه. (٢)

عن قيس بن أبي حازم في حديث طويل: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إن منكم منفرين. الحديث متفق عليه (باب ما على الإمام) (٣).

الرابعة: في الدرالمختار، باب الإمامة: ويكره تحريما تطويل الصلوة على

(١) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٩٨، كراچی ٢/ ٤٧ -

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع: في النوافل، فصل في التراويح قديم زكريا ١/ ١١٨، جديد زكريا ١/ ١٧٧ -

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٢١، كوئته ٢/ ٦٨ -

(٢) بخاري شريف، كتاب الأذان، باب إذا صلى لنفسه فليطول ماشاء، النسخة الهندية ١/ ٩٧، رقم: ٦٩٤، ف: ٧٠٣ -

مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، النسخة الهندية ١/ ١٨٨، بيت الأفكار، رقم: ٤٦٧ -

(٣) بخاري شريف، كتاب الأذان، باب من شك إمامه إذا طول، النسخة الهندية ١/ ٩٧، رقم: ٦٩٥، ف: ٧٠٤ -

مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، النسخة الهندية ١/ ١٨٨، بيت الأفكار، رقم: ٤٦٦ -

القوم زائدا على قدر السنة في قراءة وأذكار الخ (١) - قلت أنظر ما قد سبق تحت الرواية الثانية، وفي الدرالمختار، فصل الإمامة في مقدار القراءة المسنونة: واختار في البدائع عدم التقدير، وأنه يختلف بالوقت والقوم والإمام، وفي ردالمحتار عن البدائع: والجملة فيه أنه ينبغي للإمام أن يقرأ مقدار ما يخف على القوم ولا يثقل عليهم بعد أن يكون على التمام، وهكذا في الخلاصة. (٢) اهـ

الخامسة: عن النعمان بن بشير في حديث طويل: قال رسول الله ﷺ: فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعي يرعى حول الحمى يوشك أن يرتع فيه. (الحديث متفق عليه) (٣).

السادسة: في الدرالمختار، فصل في القراءة: ويكره التعيين "كالسجدة" و"هل أتى" لفجر كل جمعة بل يندب قراءة تهما أحيانا، وفي ردالمحتار تحت قوله: بل يندب بعد كلام طويل حاصل معنى كلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة في المداومة وهو أنه إن رأى ذلك حتما يكره من حيث تغيير المشروع وإلا يكره من حيث إيهام الجاهل الخ. (٤).

(١) الدرالمختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ٢ / ٣٠٤، كراچى ٢ / ٥٦٤ -

(٢) الدرالمختار مع الشامى، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ٢ / ٢٦٢، كراچى ١ / ٥٤١ -

بدائع الصنائع، الصلاة، بيان القدر المستحب من القراءة في الصلاة، مكتبه زكريا ١ / ٤٨١ -
(٣) بخارى شريف، كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينيه، النسخة الهندية ١٣ / ١، رقم: ٥٢، ف: ٥٢ -

مسلم شريف، كتاب المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، النسخة الهندية ٢ / ٢٨، بيت الأفكار، رقم: ١٥٩٩ -

(٤) الدرالمختار مع الشامى، الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مكتبه زكريا ديوبند ٢ / ٢٦٥-٢٦٦، كراچى ١ / ٥٤٤ - ←

السابعة: في الدر المختار، باب سجود التلاوة: وسجدة الشكر مستحبة به

يفتى لكنها تكره بعد الصلوة؛ لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه اهـ۔ وفي رد المحتار تحت قوله: فمكروه الظاهر أنها تحريمية؛ لأنه يدخل في الدين ما ليس منه (۱) والأحاديث كلها من المشكوة.

ان روایات حدیثیہ وفقہیہ سے یہ امور مستفاد ہوئے:

(۱) خطبہ کا نماز سے زیادہ طویل کرنا خلاف سنت ہے اور خلاف سنت پر دوام کرنا کراہت کو شدید

کردیتا ہے۔

(۲) امام کو ایسا فعل کرنا جس سے جماعت کو تنگی و گرائی ہو سخت مذموم ہے۔

(۳) کوئی ایسا کام کرنا کہ فی نفسہ مباح ہو، مگر بظن غالب وہ مفضی ہو جاوے کسی منکر شرعی کی

طرف سخت قبیح ہے۔ جب امام کے افعال کا ان احکام کے خلاف ہونا ثابت ہو گیا اور صاحب قدرت کو بالعمیل روکنا واجب ہے، جیسا نصوص میں تصریح ہے (۲)۔ اور متولیان مسجد صاحب قدرت ہیں؛ لہذا ان

← النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۲۳۴ -

البحر الرائق، الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۵۹۸، کوئٹہ ۱/ ۳۴۲ -

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مطلب: فی سجدة

الشکر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۵۹۷، کراچی ۲/ ۱۱۹ -

وسجدة شکر ذکر الطحاوی عن أبي حنيفة أنه قال: لا أراه شيئاً، قال أبو بكر

الرازي: معناه ليس بواجب ولا مسنون، بل هو مباح لا بدعة، وعن محمد أنه كرهها، وقال:

ولكننا نستحبها إذا أتاه ما يسره من حصول نعمة أو دفع نقمة، وبه قال الشافعي، فيكبر

مستقبل القبلة ويسجد فيحمد الله تعالى ويشكره ويسبح، ثم يكبر فيرفع رأسه أما بغير سبب

فليس بقربة ولا مكروه، وما يفعل عقيب الصلاة فمكروه؛ لأن الجهال يعتقدونها سنة أو

واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. (حلبی کبیری، الصلاة، فصل فی مسائل شتی، مکتبہ

أشرفیہ دیوبند ص: ۶۱۶)

(۲) عن أبي سعيد الخدري - رضي الله عنه - قال: سمعت رسول الله صلى الله

پروا جب ہے کہ ان منکرات کا انسداد کریں۔ واللہ اعلم

کتبہ اشرف علی ۲/ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ (انور شعبان ۵۸ ص ۸)

لنگڑے کی امامت کا حکم

سوال (۳۱۵): قدیم ۱/ ۳۹۹۔ لنگڑے کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر پاؤں سیدھا نہ کھڑا ہوتا ہے تو مکروہ تنزیہی ہے۔ کذا (*) فی ردالمحتار (۱)۔

(یکم صفر ۱۳۲۹ھ (تمہ اولی ص ۳۳)

(*) عبارتہ: و كذلك أعوج يقوم ببعض قدمه فالإقتداء بغيره أولى. تاتارخانية اه

(ردالمحتار ۱/ ۵۲۵، الصلاة، باب الإمامة، مطلب: في إمامة الأمرد، مكتبة زكريا ديوبند ۲/

۳۰۲، کراچی ۱/ ۵۶۲) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان. (مسلم شريف، الإيمان، باب بيان كون النهي من الإيمان، النسخة الهندية ۱/ ۵۱، بيت الأفكار، رقم: ۴۹)

قوله صلى الله عليه وسلم: فليغيره فهو أمر إيجاب بإجماع الأمة، وقد تطابق على وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر الكتاب والسنة وإجماع الأمة. (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۱/ ۵۱)

(۱) ولو كان بقدّم الإمام عوج فقام على بعضها يجوز وغيره أولى. (تبیین الحقائق،

كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۵، إمداديه ملتان ۱/ ۴۳)

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس: في الإمامة، الفصل الثالث: في بيان من

يصلح لإمام غير، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۸۵، جديد زكريا ۱/ ۱۴۲۔

وفي الفتاوى العتابية: ولو كان بقدّمه عوج يقوم ببعض قدمه يجوز وغيره أولى.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس: من هو أحق بالإمامة، مكتبة زكريا ديوبند

۲/ ۲۵۰، رقم: ۲۳۲۷)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۶۹۔

بعداً کر و بیٹھنے والے کی امامت

سوال (۳۱۶): قدیم ۱/۳۹۹ - ایک شخص حافظ قرآن بھی ہیں اور علم بھی اس قدر رکھتے ہیں کہ مقتدیوں میں ان کی برابر کوئی نہیں اور سن رسیدہ اور صاحب تقویٰ بھی ہیں، مگر گھٹنے میں درد کے سبب تشہد پڑھنے کے لئے بیٹھتے وقت اُکڑو ہو کر بیٹھتے ہیں، اس طور پر کہ دونوں ران ساقوں سے الگ رہتی ہیں، مگر دونوں ہاتھ بدستور رانوں پر رکھتے ہیں اور باقی رکنوں و واجبات و سنن و مستحبات کو بدستور ادا کرتے ہیں، اس شخص کی امامت باوجود مقتدیوں میں تندرست و نیز حافظ قرآن لوگ موجود رہتے ہوئے درست ہے یا نہیں یا مکروہ ہوگی؟ اور اگر مکروہ ہو تو کونسی مکروہ تحریمی یا تنزیہی؟ اور اگر مکروہ بھی نہ ہو تو ترک اولیٰ ہے یا نہیں؟ اور مقتدیوں میں جو حافظ لوگ موجود ہیں، ان میں کوئی بھی شخص مذکور کے علم و فضل میں برابر نہیں ہے اور سن میں بھی کم ہیں، بعض بھیتے ہیں، بعض برادر خورد ہیں۔

الجواب: اس شخص کی امامت بلا کراہت درست ہے۔

وفي الدر المختار: وقائم بأحدب - الی قوله - وكذا بأعرج وغيره أولى. باب الإمامة (۱)۔

۵ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولی ص ۴۱)

← الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلاة، الفصل العاشر: أنواع الصلاة، المبحث الثاني في الإمامة، مكروهات الإمامة في المذهب، مكتبة هدى انترنیشنل دیوبند ۲/ ۱۷۷ -

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زکریا دیوبند ۲/ ۳۳۸، کراچی ۱/ ۵۸۹ -

وقائم بقاعد وأحدب، أي لا يفسد اقتداء قائم بقاعد وأحدب وأما الثاني، وهو اقتداء القائم بالأحدب فأطلقه فشمّل ما بلغ حدّيه حد الركوع، وما إذا لم يبلغ ولا خلاف في الثاني، واختلفوا في الأول، ففي المجتبى: أنه جائز عندهما، وبه أخذ عامة العلماء خلافاً لمحمد. وفي الفتاوى الظهيرية: لا تصح إمامة الأحدب للقائم، هكذا ذكر محمد في مجموع النوازل، وقيل: يجوز، والأول أصح، ولا يخفى ضعفه، فإنه ليس هو أدنى حالاً ←

عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھنے والے کا کھڑے ہونے والوں کی امامت کا جواز

سوال (۳۱۷): قدیم ۴۰۰/۱ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ میں ایک روز مسجد میں تھا اور وقت مغرب کا ہو گیا، اذان ہو رہی تھی کہ حافظ صاحب بھی آگئے مگر استنجاء اور وضو کرتے ہوئے ان کو دیر بہت ہو گئی، مسجد کے ملانے مجھے نماز پڑھانے کو کہا پہلے تو میں نے عذر کیا، پھر وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے نماز پڑھانے کو بیٹھ گیا، تکبیر ہو رہی تھی کہ ایک شخص نے کہا کہ نماز اس کے پیچھے جائز نہیں؛ کیونکہ دوسرا حافظ تندرست موجود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعض دفعہ کمترین کو بے پڑھے آدمی تنگ کرتے ہیں نماز پڑھانے کو، لاچار ہو کر نماز پڑھانی پڑتی ہے۔ اب امیدوار ہوں کہ جائز ہو تب بھی ناجائز ہو تب بھی آخنباب کے دستخط درکار ہیں؛ کیونکہ سب کھکا جاتا رہے۔

الجواب: في الدر المختار: وقائم بقاعد ير كع ويسجد، وقائم بأحدب، وإن بلغ حدبه الركوع على المعتمد، وكذا بأعرج وغيره أولى اه. باب الإمامة (۱)۔

← من القاعد؛ لأن القعود استواء النصف الأعلى، وفي الأحدب استواء النصف الأسفل وكذا الاقتداء بأعرج أو من مقدمه عوج، وإن كان غيره أولى. (البحر الرائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۶۳۸-۶۳۹، كوثه ۱/ ۳۶۵)

تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۵، إمدادیہ ملتان ۱۴۳/۱ -

الفتاویٰ الہندیۃ، الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث: في بيان من يصلح إماما لغيره، قدیم ۱/ ۸۵، جدید زكريا ۱/ ۱۴۲ -

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، فصل في الإمامة، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۶۹ -

النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۴ -

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۳۸،

کراچی ۱/ ۵۸۹ -

وقائم بقاعد وبأحدب، أي لا يفسد اقتداء قائم بقاعد وبأحدب وكذا ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تمہاری امامت جائز ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ جب تک دوسرا اچھا امام میسر ہو جب تک نہ پڑھاؤ۔

(۱۸/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تمہ ثانیہ ص ۹۵)

پابندی جماعت کے لئے بالغ لڑکے کو مارنے کا حکم

سوال (۳۱۸): قدیم ۴۰۰/۱ - ایسا لڑکا بالغ چوپا بند جماعت نماز نہیں یعنی کبھی تو شریک ہوتا ہے اور کبھی ناغہ بھی کر دیتا ہے، اس کی تاکید پابندی میں مارنا شرعاً کیسا ہوگا؟ شبہ یوں ہو گیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی ”اختار ایسر الأمرین ما لم یکن إثماً“۔

الجواب: اگر اس حدیث کے یہ معنی ہوتے تو ”فاضربوہم علی الصلوٰۃ وہم أبناء عشر سنین“ نہ فرماتے (۱) اور جماعت بھی واجب ہے، جو عملاً مساوی

← الاقتداء بأعرج أو من يقدمه عوج، وإن كان غيره أولى. (البحر الرائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۶۳۸-۶۳۹، كوثه ۱/ ۳۶۵)

وقائم بقاعد وبأحدب ولو كان يقدم الإمام عوج، فقام على بعضها يجوز وغيره أولى. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۵، إمدادیه ملتان ۱/ ۱۴۳)

الفتاویٰ الہندیۃ، الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثالث: فی بیان من یصلح إماما لغيره، قدیم ۱/ ۸۵، جدید زکریا ۱/ ۱۴۲ -

التاتارخانیۃ، الصلاة، الفصل السادس: من یصلح إماما لغيره ومن لا یصلح، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۵۸، رقم: ۲۳۵۸ -

(۱) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم وهم أبناء عشر سنين، وفرقوا بينهم في المضاجع. (سنن أبي داود، کتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۷۰، دار السلام، رقم: ۴۹۵)

سنن دارقطني، کتاب الصلاة، باب الأمر بتعليم الصلوات والضرب عليها، دارالکتب

العلمية بیروت ۱/ ۲۳۷ - ←

فرض کے ہے (۱) اور ضرب احکام عملیہ سے ہے۔ فقط

۴/ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولی ص ۴۲)

امام کی نماز کی کراہت مقتدیوں کی نماز کو متعدی ہوتی ہے

سوال (۳۱۹): قدیم ۴۰۱/۱ - امام کی اگر نماز مکروہ ہوگی تو مقتدی اس کراہت سے بچیں گے یا نہیں؟

الجواب: اس باب (*) میں کوئی روایت نہیں ملی؛ لیکن قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر کراہت

(*) علامہ شامی نے قاعدہ: ”کل صلاة أدیت مع کراهة التحريم تجب إعادتها“ کی شرح میں لکھا ہے: الظاهر أن النقص إذا دخل في صلاة الإمام ولم يجبر وجبت الإعادة علی المتقدي أيضا. اه (ردالمحتار ۱/ ۴۲، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۴۷/۲، کراچی ۱/ ۴۵۷)

اس سے حضرت مجیب قدس سرہ کے جواب کی تائید ہوتی ہے؛ کیوں کہ مقتدی پر اعادہ کا واجب ہونا دلیل ہے تعدیہ کراہت کی اور یہ اس صورت میں ہے کہ کراہت امام کی نماز میں داخل ہوئی ہو، پس اگر کراہت کسی امر خارج عن الصلاة کی وجہ سے ہے تو تعدیہ کراہت نہ ہوگا۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← يؤمر الصبي بالصلاة قبل البلوغ للاعتياد كما هو نص حديث الباب إلا أنها غير واجبة عليه. (العرف الشذي علی هامش الترمذي، الصلاة، باب ما جاء متى يؤمر الصبي بالصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۹۵)

(۱) عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقد هممت أن آمر بالصلاة فتقام ثم آمر رجلا فيصلي بالناس ثم أنطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لا يشهدون الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم بالنار. (أبو داؤد شريف، باب التشديد في ترك الجماعة، النسخة الهندية ۱/ ۸۱، دار السلام، رقم: ۵۴۸)

بخاري شريف، كتاب الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة، النسخة الهندية ۱/ ۸۹، رقم:

۶۳۵، ف: ۶۴۴ -

والجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدي: أرادوا بالتاكيد الوجوب ←

کسی فعل داخل فی الصلوٰۃ سے ہے، مثلاً ترک واجب یا فعل زائد تب تو وہ کراہت صلوٰۃ مقتدی تک متعدی ہوگی؛ کیونکہ اس صورت میں اس کی نماز ہی مکروہ ہوئی۔

وصلوٰتہ متضمنۃ لصلوٰۃ المقتدی (۱)۔

اور اگر کسی امر خارج عن الصلوٰۃ سے ہے، جیسے کسی ہیئت غیر مشروعہ سے تو وہ متعدی نہ ہوگی؛ کیونکہ اس وقت نماز مکروہ نہیں ہوئی ایک جدا گانہ فعل مکروہ ہے، گویا شخص کا امام بنانا مکروہ ہو۔

۱۲ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۴)

← وقيل: واجبة وعليه العامة، أي عامة مشايخنا، وبه جزم في التحفة وغيرها، قال في البحر: وهو الراجح عند أهل المذهب (درمختار) وفي الشامية: تحت قوله: قال الزاهدي: والأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها مرة بلا عذر يعزر وترد شهادته ويأثم الجيران بالسكوت عنه. (الدرالمختار مع الشامى، الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۷-۲۹۰، کراچی ۱/ ۵۵۲-۵۵۴)

(۱) ذیل کی روایات اور جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی نماز کی کراہت مقتدیوں کی نماز کو بھی متعدی ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، اللهم أرشد الأئمة واغفر للمؤذنين. (أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب ما يجب على المؤذن من تعاهد الوقت، النسخة الهندية ۱/ ۷۷، دار السلام، رقم: ۵۱۷) ترمذی شریف، الصلاة، باب ماجاء أن الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، النسخة الهندية ۱/ ۵۱، دار السلام، رقم: ۲۰۷۔

قال ابن الملك: لأنهم يراعون ويحافظون من القوم صلاتهم كالمتكفلين لهم صحة صلاتهم وفسادها أو كمالها ونقصانها بحكم المتبوعية والتابعية، ولهذا الضمان كان ثوابهم أوفر إذا راعوا حقها ووزرهم أكثر إذا أخلوا بها أو المراد ضمان الدعاء. (بذل المجهود، الصلاة، باب ما يجب على المؤذن من تعاهد الوقت، قديم ۱/ ۲۹۷، جديد دار البشائر الإسلامية ۳/ ۳۱۸) سهو الإمام يوجب عليه وعلى من خلفه. (تاتارخانية، الصلاة، الفصل السابع عشر: سجود السهو، مكتبة زكريا ۲/ ۴۴۴، رقم: ۲۸۰۵) ←

عذر منقطع ہو جانے کی حالت میں معذور کی امامت کا حکم

سوال (۳۲۰): قدیم ۱/۴۰۱ - معذور شرعی کو باوجود شرط معذوریّت بوقت افاقہ اس قدر کہ نماز ادا کر سکتا ہے امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار، باب الإمامة: ولا طاهر بمعذور هذا إن قارن الوضوء الحدث أو طراً عليه بعده، وصح لو توضأ على الانقطاع وصلى كذلك اهـ (۱)۔
اس سے ثابت ہوا کہ صورت مسئلہ میں امامت جائز ہے۔

۴/ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تہ ثانیہ ص ۱۸۰)

← إن النقص إذا دخل في صلاة الإمام ولم يجبر وجبت الإعادة على المقتدي أيضاً.
(طحطاوي على الدر، الصلاة، باب صفة الصلاة، كوئته ۱/۲۰۷)

فالإمام ضامن أي يتكفل لهم صلاتهم فيسرى فساد صلاته إلى صلاتهم. (معارف السنن، الصلاة، باب ما جاء أن الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، مكتبته أشرفيه ديوبند ۲/۲۳۲)
(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبته زکریا دیوبند ۲/۳۲۳،
کراچی ۱/۵۷۸ -

والسلامة من الأعذار، فإن المعذور صلاته ضرورية فلا يصح اقتداء غيره به (مراقی الفلاح) وفي حاشية الطحطاوي: قوله: فلا يصح اقتداء غيره به: أي إذا توضأ مع العذر أو طراً عليه بعده، أما لو توضأ وصلى خاليا عنه كان في حكم الصحيح. (حاشية الطحطاوي على مراقی الفلاح، الصلاة، باب الإمامة، دارالکتاب دیوبند ۲: ۲۸۹)

وطاهر بمعذور (أي فسد اقتداء مصل طاهر بمعذور) توضأ مع العذر أو طراً عليه بعده، أما لو توضأ وصلى خاليا عنه كان في حكم الطاهر. (النهر الفائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبته زکریا دیوبند ۱/۲۵۱)

وطاهر بمعذور أي فسد اقتداء طاهر بصاحب العذر المفوت للطهارة؛ لأن الصحيح أقوى حالا من المعذور، والشيء لا يتضمن ما هو فوقه وقيد المعذور في المجتبى بأن يقارن الوضوء الحدث أو طراً عليه للاحتراز عما إذا توضأ على الانقطاع وصلى ←

مقتدی کے تشہد پوری کرنے سے پہلے امام کھڑا ہو جائے یا سلام پھیر دے تو کیا کریں؟

سوال (۳۲۱): قدیم ۱/۴۰۲۔ اگر مسبوق قعدہ اولیٰ میں شریک جماعت ہو اور جیسے وہ شریک ہو ویسے ہی امام تیسری رکعت کیلئے اٹھ بیٹھے تو مسبوق کو بھی امام کی متابعت کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور اگر مسبوق نے التحیات شروع کر دی تھی تو التحیات کو ختم کر کے اٹھے یا فوراً امام کے ساتھ اٹھ بیٹھے؟

الجواب: تشہد ختم کر کے اٹھے (*)۔

وفي الدر المختار، فصل صفة الصلوة: بخلاف سلامه أو قيامه لثالثه قبل إتمام المؤتم التشهد، فإنه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه، وفي رد المحتار: وشمل بإطلاقه ما لو اقتدى به في أثناء التشهد الأول أو الأخير، فحين قعد قام إمامه أو سلم - إلى قوله - ثم رأيت في الذخيرة ناقلا عن أبي الليث الخ. ج ۱ ص ۵۷ (۱)۔

(۲/ رجب ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۱۵۱))

(*) تفصیل کے لئے دیکھئے سوال نمبر: ۴۳۵-۴۳۶-۱۲ سعید احمد پالن پوری

← كذلك، فإنه يصح الاقتداء به؛ لأنه في حكم الطاهر. (البحر الرائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۶۳۰، كوئٹہ ۱/ ۳۶۰)

هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث: في بيان من يصلح إماما لغيره، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۸۴، جديد زكريا ۱/ ۱۴۲۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۹۹-۲۰۰، كراچی ۱/ ۴۹۶۔

ومن أدرك الإمام في التشهد فقام الإمام أو سلم في آخر الصلاة قبل أن يتم المقتدي تشهده، قال الفقيه أبو الليث: المختار عندي أنه يتم تشهده؛ لأن التشهد من الواجبات الخ. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث: في كيفية الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۹۲، رقم: ۲۱۱۲)

إذا أدرك الإمام في التشهد وقام الإمام قبل أن يتم المقتدي أو سلم الإمام في آخر الصلاة قبل أن يتم المقتدي التشهد، فالمختار أن يتم التشهد كذا في الغياثية، وإن لم ←

مقتدی کے امام سے پہلے سلام پھیر دینے کا حکم

سوال (۳۲۲): قدیم ۴۰۲/۱ - مقتدی آخری قعدہ میں آدھی التحیات کے بعد اور امام کے سلام پھیرنے سے پہلے وضو جانے کے خوف سے یا اس کے درمیان میں مرنگوں نے غلہ کو کھایا یا کسی چیز کا نقصان ہوا امام سے پہلے سلام پھیرنے سے نماز صحیح اور درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: قعدہ اخیرہ بقدر تشہد کے فرض ہے (۱)۔ جب اس نے آدھی التحیات پر سلام پھیر دیا بوجہ ترک فرض کے نماز فاسد ہوگئی۔ اور اگر پوری التحیات کے بعد مگر قبل امام سلام پھیر دیا تو فرض نماز توادا ہوگئی؛ لیکن بلا عذر ایسا کیا تو مکروہ کا ارتکاب کیا بوجہ ترک متابعت واجبہ کے، اور اگر بعد ایسا کیا تو کراہت بھی نہیں اور خوف حدث عذر ہے اور نقصان چیز کا اس باب میں عذر ہونا مصرح نہیں دیکھا۔

في رد المحتار: لو أتم المؤتم التشهد بأن أسرع فيه وفرغ منه قبل إتمام إمامه فأتى بما يخرجه من الصلاة كسلام أو كلام أو قيام جاز، أي صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان - إلى قوله - وإنما كره للمؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلا عذر فلو به

← يتم أجزاءه. (هندية، الصلاة، باب الإمامة، الفصل السادس: فيما يتابع الإمام وفيما لا يتابعه، قدیم ۹۰/۱، جدید زکریا دیوبند ۱/۱۴۷)

حانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيما يصح الاقتداء ومالا يصح، قدیم زکریا دیوبند ۹۶/۱، جدید زکریا ۶۲/۱ -

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل الإمامة، شروط المحاذات، مکتبہ اشرفیہ ص: ۶۲۷ -
(۱) والسادس من الفرائض: القعدة الأخيرة التي تكون في آخر الصلاة سواء تقدمها قعدة أولا كما في الثنائية، وقدر الفرض في القعدة هو القعود مقدار أدنى قراءة التشهد وهو أسرع ما يكون مع تصحيح الألفاظ. (حلبی کبیر، الصلاة، السادس القعدة الأخيرة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۲۸۹-۲۹۰)

النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۱۹۶ -

البحر الرائق، الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۵۱۲، کوئٹہ ۱/۲۹۴ -

کخوف حدث أو خروج وقت الجمعة أو مرور مار بين يديه فلا كراهة (ج ۱ ص ۵۴) (۱)۔

۱۰/ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۶۱)

کبڑے امام کی اقتداء کا حکم

سوال (۳۲۳): قدیم ۱/۴۰۳ - کوز پشت امام (کبڑا امام) کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔ لما في الكنز: وقائم بقاعد وبأحدب وبسط القول فيه في

البحر الرائق (ج ۱ ص ۳۸۶ و ص ۳۸۷) (۲)۔

۱/ ربيع الثاني ۱۳۲۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۲۸)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/

۲۴۰، کراچی ۱/ ۵۲۵ -

وإن سلم المقتدي قبل الإمام، وذهب إن كان بعدر يجوز، وإن لم يكن بعدر يكره

مخالفة الإمام. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث: في كيفية الصلاة، مکتبہ

زکریا دیوبند ۲/ ۱۹۰، رقم: ۲۱۰۴)

الفتاوى الهندية، الصلاة، الباب الرابع: في صفة الصلاة، الفصل الأول: في فرائض الصلاة،

قدیم زکریا ۱/ ۷۱، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۱۲۸ -

(۲) وقائم بقاعد وبأحدب، أي لا يفسد اقتداء قائم بقاعد وبأحدب وأما

الثاني، وهو اقتداء القائم بالأحدب فأطلقه فشمّل ما بلغ حدبه حد الركوع، وما إذا لم يبلغ

ولا خلاف في الثاني، واختلفوا في الأول، ففي المجتبى: أنه جائز عندهما، وبه أخذ عامة

العلماء خلافاً لمحمد. وفي الفتاوى الظهيرية: لا تصح إمامة الأحدب للقائم، هكذا ذكر

محمد في مجموع النوازل، وقيل: يجوز، والأول أصح، ولا يخفى ضعفه، فإنه ليس هو

أدنى حالاً من القاعد؛ لأن القعود استواء النصف الأعلى، وفي الأحدب استواء النصف

الأسفل وإن كان غيره أولى. (البحر الرائق، الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/

۶۳۸-۶۳۹، کوئٹہ ۱/ ۳۶۵)

وأما إمامة الأحدب فقد ذكر في الذخيرة أنه يجوز ولم يحك خلافاً، وذكر ←

ولد الزنا عالم کی امامت

سوال (۳۲۴): قدیم ۴۰۳/۱ - امامت ولد الزناء، طوائف زادہ کی عند الشرع بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ شخص مسئول عنہ تا تب ہو کر علوم دینیہ سے فارغ ہوا ہے؛ لیکن اہل شہر اس سے بوجہ علم اس بات کے کہ وہ طوائف زادہ ہے اور ایک عرصہ تک اس نے اسی شہر میں مزامیر وغیرہ ہمراہ طوائف کیا ہے، اس کی امامت سے نفرت کرتے ہیں اور نہ اس کو اپنا امام بناتے ہیں، تاہم ایسی حالت میں عبارت مذکورہ ہدایہ تنفیر جماعت عند الشرع موجود سمجھی جاوے گی یا نہیں یا عوام الناس کی تنفیر جو کہ اس کی اصلیت سے پوری واقفیت رکھتے ہیں قابل اعتبار نہ ہو کر بلا کراہت امامت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور بوقت موجودگی ایک شریف النسب کے (جو ضروری مسائل دینیہ سے پورا واقف ہے) افضلیت تقدیم کس کو ہے، آیا ولد الزنا کی جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں، تقدیم افضل ہے یا اس شخص شریف النسب کی جس سے لوگ خوش ہیں؟

الجواب: في الدر المختار: ويكره إمامة عبد - إلى قوله - إلا أن يكون أي غير الفاسق أعلم القوم فهو أولى. في رد المحتار: قوله: أي غير الفاسق تبع في ذلك صاحب البحر حيث قال: قيد كراهة إمامة الأعمى في المحيط وغيره بأن لا يكون

← التمرناشي: أن حذبه إذا بلغ حد الركوع على الخلاف وهو الأقيس؛ لأن القيام هو استواء النصفين، وقد وجد استواء نصفه الأسفل فيجوز عندهما كما يجوز أن يؤم القاعد القائم لوجود استواء نصفه الأعلى، وعند محمد لا يجوز، وفي الفتاوى الظهرية: لا تصح إمامة الأحذب للقائم، هكذا ذكر محمد في مجموع النوازل، وقيل: يجوز. والأول أصح. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۶۵/۱، إمدادیہ ملتان ۱۴۳/۱)

النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۵۴/۱ -

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، فصل في الإمامة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۱۶۹ -

النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۵۴/۱ -

الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۳۸/۲ -

کراچی ۱ / ۵۸۹ -

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

أفضل القوم، فإن كان أفضلهم فهو أولى^١ اهـ. ثم ذكر أنه ينبغي جريان هذا القيد في العبد والأعرابي وولد الزنا، ونازعه في النهر: بأنه في الهداية علل الكراهة بغلبة الجهل فيهم وبأن في تقديمهم تنفير الجماعة، ومقتضى الثانية ثبوت الكراهة مع انتفاء الجهل، وفيه بعد أسطر لكن مابحثه في البحر صرح به في الاختيار حيث قال: ولو عدمت أى علة الكراهة بأن كان الأعرابي أفضل من الحضري، والعبد من الحر، وولد الزنا من ولد الرشدة، والأعمى من البصير، فالحكم بالضد اهـ ونحوه في شرح الملتقى وشرح درر البحار: ولعل وجهه أن تنفير الجماعة بتقديمه يزول إذا كان أفضل من غيره بل التنفير يكون في تقديم غيره الخ (ج ١ ص ٥٨٥) (١)

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل مطلب: البدعة خمسة أقسام، مكتبه زكريا ديوبند ٢ / ٢٩٨-٢٩٩، كراچی ١ / ٥٥٩-٥٦٠ -

قوله: وكره إمامة العبد والأعرابي، والفاسق، والمبتدع، والأعمى، وولد الزنا: بيان للشيين الصحة والكراهة..... وأما الكراهة فمبنية على قلة رغبة الناس في الاقتداء بهؤلاء فيؤدي إلى تقليل الجماعة المطلوب تكثيرها تكثيراً للأجر؛ ولأن العبد لا يتفرغ للتعليم، والفاسق لا يهتم لأمر دينه، والأعمى لا يتوقى النجاسة، وليس لولد الزنا أب يربيه ويؤدبه ويعلمه فيغلب عليه الجهل، أطلق الكراهة في هؤلاء وقيد كراهة إمامة الأعمى في المحيط وغيره بأن لا يكون أفضل القوم، فإن كان أفضلهم فهو أولى^١..... وعلى قياس هذا إذا كان الأعرابي أفضل الحاضرين كان أولى..... وينبغي أن يكون كذلك في العبد وولد الزنا إذا كانا أفضل القوم فلا كراهة إذا لم يكونا محتقرين بين الناس لعدم العلة للكراهة.

(البحر الرائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ١ / ٦١٠، كوثه ١ / ٣٤٩)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ١ / ٢٤٣ - فتح القدير،

كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ١ / ٣٥٩-٣٦١، كوثه ١ / ٣٠٤ -

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی بیان الأحق بالإمامۃ،

دارالکتاب دیوبند ص: ۳۰۲۔

اس عبارت سے مفہوم ہوا کہ جہاں ولد الزناء کی امامت سے جماعت کو نفرت نہ ہو در صورت اس کے افضل ہونے کے وہ احق بالامامۃ ہے اور جہاں باوجود اس کے افضل ہونے کے بھی نفرت رہے تو علت کراہت یعنی نفرت کے بقاء کے سبب اس کی امامت مکروہ ہے۔

حيث علل كون الحكم بالصد بزو ال التنفير فحيث لم يزل التنفير لا يكون الحكم بالصد بل يحكم بالأصل أى الكراهة.
پس صورت مسئلہ میں تقدیم شریف النسب کی افضل ہوگی۔

۶/رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۶۸)

امام کے لمبی نماز پڑھانے کی کراہت

سوال (۳۲۵): قدیم ۱/۴۰۵۔ ایک امام رکوع میں اس قدر دیر لگاتا ہے کہ مقتدی ۱۳ سے ۷۷ تک تسبیح رکوع و سجود پڑھ لیتے ہیں اور تشہد میں اس قدر تاخیر کرتا ہے کہ مقتدی التحیات و درود وغیرہ سے فارغ ہو کر اس سے زیادہ بہت دیر تک خاموش بیٹھے رہتے ہیں، مقتدی بیوپاری اور پیشہ ور لوگ ہیں؛ اس لئے یہ تاخیر مقتدیوں پر گراں اور شاق گزرتی ہے اور جب امام صاحب کو کہا جاتا ہے تو جواب اس کا یہ دیا جاتا ہے کہ نماز خشوع اور خضوع سے ہونی چاہئے۔ آیا یہ نماز بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: ويكره تحريما تطويل الصلوة على القوم زائداً على قدر السنة في قراءة وأذكار رضي القوم أولاً لإطلاق الأمر بالتخفيف (نهر) وفي رد المحتار: وقد تبع الشارح في ذلك صاحب البحر واعترضه الشيخ اسمعيل بأن تعليل الأمر بما ذكر يفيد عدم الكراهة إذا رضي القوم، أي إذا كانوا محصورين ويمكن حمل كلام البحر على غير المحصورين تأمل (ج ۱ ص ۵۸۶) (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۰۲،

۳۰۴، کراچی ۱/۵۶۴۔

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا صلى أحدكم للناس فليخفف، فإن فيهم السقيم، والضعيف، والكبير، وإذا صلى أحدكم ←
اس سے ثابت ہوا کہ صورت مسئلہ میں امام کی تطویل مکروہ تحریمی ہے اور خشوع و خضوع تطویل کو نہیں کہتے بلکہ اس تطویل سے تو مقتدیوں کا خشوع و خضوع فوت ہو جاتا ہے۔

۶ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۷۰)

مال ضائع ہونے کے خطرے سے ترک جماعت کا حکم

سوال (۳۲۶): قدیم ۱/۴۵۰ - بندہ نے تجارت چرم شروع کی ہے، مگر بندہ کو اس کا علم نہیں اس وجہ سے ایک دوسرا شخص جو اس کام سے خوب واقف ہے بغیر اصل مال کے محنت کا شریک کر لیا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض وقت نماز جماعت ادا نہیں ہو سکتی، اس واسطے اگر بندہ نماز کے واسطے مسجد میں گیا اور بعد میں اس نے کچھ مال فروخت کر دیا اور قیمت کے دام اپنے پاس رکھ لئے اور بندہ کو نہ کہا، اس عذر سے جماعت ترک کرنا اور اس قسم کی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ ”بہشتی گوہر“ میں لکھا

← لنفسه فليطول ماشاء. (بخاري شريف، كتاب الأذان، باب إذا صلى لنفسه فليطول ماشاء،
النسخة الهندية ۱/ ۹۷، رقم: ۶۹۴، ف: ۷۰۳)

مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۸، بيت الأفكار، رقم: ۴۶۷ -

وكره للإمام تطويل الصلاة لما فيه من تنفير الجماعة لقوله عليه السلام: من أم فليخفف (مراقي الفلاح) وفي الطحاوي قوله: تطويل الصلاة بقراءة أو تسبيح أو غيرهما رضي القوم أم لا لإطلاق الأمر بالتخفيف، قوله: من أم فليخفف: ذكر الشيخ في كبيره حديث: يا أيها الناس! إن منكم منفرين من صلى بالناس فليخفف، فإن منهم الكبير والضعيف وذا الحاجة، رواه الشيخان، وهذا يفيد أن الإمام يترك القدر المسنون مراعاة لحال القوم الخ. (حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۳۰۴-۳۰۵)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۶۱۴، كوئٹہ ۱/ ۳۵۱ -

النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زکریا دیوبند ۱/ ۲۴۴ -

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہے کہ اگر عذر سے جماعت میں شامل نہ ہو تو جائز ہے اور یہ بظاہر ہمارے خیال میں ایک طرح کا عذر ہے؛ لہذا حضور سے دریافت کیا جاتا ہے کہ جس کام سے کسی وقت کی جماعت اکثر فوت ہو تو وہ کام کرنا کیسا ہے؟ بینواتو جروا۔

الجواب: في الدر المختار: في أعذار ترك الجماعة أو خوف على ماله، وفي

رد المحتار: أي من لصّ ونحوه إذا لم يمكنه غلق الدكان أو البيت مثلاً. (ج ۱ ص ۵۸۱)

(۱) - وفي العالمة گیریہ: أو يخاف ضياع ماله. (ج ۱ ص ۵۲) (۲)۔

ان روایات سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر اس کی عادت نہ کرے جب کوئی انتظام نہ کر سکے اس وقت معذور ہو سکتا ہے، ورنہ اگر ممکن ہو دکان بند کر کے جماعت میں حاضر ہو۔

یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تمتہ رابعہ ص ۵)

مجبوری میں صحیح خواں کا غلط خواں کی اقتداء کرنا

سوال (۳۲۷): قدیم ۱/ ۴۰۶ - ایک شخص قرآن صحیح پڑھتا ہے، مگر بوجہ عذرنا سورا

(جو ہر وقت جاری رہتا ہے، وعدم قدرت علی القيام والجلوس موافق سنت امامت نہیں کر سکتا اور سب اس کے دیہی وطن کے رہنے والے بقدر جواز صلوة قرآن نہیں پڑھ سکتے۔ اب وہ کیا کرے، ان کے ساتھ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زکریا دیوبند ۲/ ۲۹۳،

کراچی ۱/ ۵۵۶ -

(۲) ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الخامس: في الإمامة، الفصل الأول: في الجماعة، قدیم

زکریا دیوبند ۱/ ۸۳، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۱۴۰ -

قولہ: وخوف ظالم، أي على نفسه أو ماله، أو خوف ضياع ماله. (حاشیہ الطحطاوی

علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل يسقط حضور الجماعة بواحد من ثمانية عشر شيئاً،

دارالکتاب، ص: ۲۹۷)

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۶۰۶، کوئٹہ ۱/ ۳۴۶۔

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جماعت میں شریک ہوتا ہے، تو اس کی نماز نہیں ہوتی اور وہ نماز پڑھا نہیں سکتا، اس کو تقاعد عن الجماعة (ترک جماعت) جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: چونکہ ابتلاء کے سبب بعض علماء ایسی اقتداء کو صحیح بتلاتے ہیں، پس بنا بر احتمال صحت تخلف عن الجماعة محل وعید ہے اور بعض غیر صحیح بتلاتے ہیں اس بناء (*) پر عدم صحت صلوٰۃ محل وعید نہیں ہے (۱)۔ پس جمعاً بین الأدلة احتیاط یہ ہے کہ جماعت سے تقاعد نہ کرے اور بعد میں اپنی نماز کا اعادہ کرے۔

۶ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (تمتہ رابعہ ص ۲۱)

(*) اصل میں بھی یہ عبارت اسی طرح ہے؛ لیکن صحیح عبارت اس طرح ہے: ”پس بنا بر عدم صحت صلاة تخلف عن الجماعة محل وعید نہیں ہے“ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) ولا غیر الألتغ به، أي بالألتغ على الأصح كما في البحر عن المجتبیٰ (در مختار) وفي الشامية: قوله: على الأصح، أي خلافا لما في الخلاصة عن الفضلي من أنها جائزة؛ لأن ما يقوله صار لغة له، ومثله في التاتارخانية، وفي الظهيرية: وإمامة الألتغ لغيره تجوز، وقيل: لا، ونحوه في الخانية عن الفضلي، وظاهره اعتمادهم الصحة، وكذا اعتمادها صاحب الحلية، قال: لما أطلقه غير واحد من المشايخ من أنه ينبغي له أن لا يؤم غيره، ولما في جزانة الأكمل: وتكره إمامة الفأفاء اهـ. ولكن الأحوط عدم الصحة كما مشى عليه المصنف ونظمه في منظومته، وأفتى به الخير الرملي، وقال في فتاواه: الراجع المفتی به عدم صحة إمامة الألتغ لغيره ممن ليس به لثغة. (الدر المختار مع الشامی، الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألتغ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۳۲۷-۳۲۸، کراچی ۱/ ۵۸۱-۵۸۲)

خانية على الهندية، الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لا يصح، قديم زکریا ۱/ ۹۰، جدید زکریا ۱/ ۵۸۔

خلاصة الفتاوى، کتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر: في الإمامة والاقتداء، في صحة الاقتداء، مکتبہ أشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۴۸۔

التاتارخانية، الصلاة، الفصل السادس: من يصلح إماما لغيره ومن لا يصلح، مکتبہ زکریا

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قرآن غلط پڑھنے والے کی اقتداء کا حکم

سوال (۳۲۸): قدیم ۱/ ۴۰۷ - بکرا ایک مسجد کا امام ہے اور حافظ قرآن بھی ہے، مگر قرآن بہت غلط پڑھتا ہے، بعض الفاظ ایسے لپیٹ کے پڑھتا ہے کہ اگر کسی کو پہلے سے وہ الفاظ یاد نہ ہوں تو سمجھ میں نہ آئیں، اس کے علاوہ بعض جگہ زبر کو ایسا بڑھا دیتا ہے کہ الف پیدا ہو جاتا ہے، مثلاً ”فعقروا“ کو ”فعاقروا“ اور ”قد افلح“ کو ”قد افلحا“ وغیرہ پڑھ جاتا ہے، بعض جگہ ساکن کو متحرک پڑھ دیتا ہے، مثلاً ”اهدنا الصراط المستقیم“ کو ”اهدنا“ بکسر ہاء بعض جگہ متحرک کو ساکن پڑھ دیتا ہے، مثلاً ”الم ترکیف فعل“ کو ”الم ترکیف فعل“ سکون عین پڑھتا ہے۔ اس کے علاوہ جابجا درمیان میں وقف کر دیتا ہے اور وقف کے وقت آخر لفظ کو ساکن نہیں پڑھتا؛ بلکہ ہمیشہ متحرک پڑھتا ہے اور پھر آگے چلتا ہے، جس لفظ پر وقف کیا ہے اس کو دوبارہ نہیں پڑھتا۔ ایسے حافظ قرآن کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اگر اس کے پیچھے نماز مکروہ یا ناجائز ہو، مگر لوگ اس کو امام بنائیں تو اس شخص کو کیا ترک جماعت کرنا چاہئے جو اس قسم کی سب غلطیوں سے بچتا ہو؟

الجواب: فی فتاویٰ قاضی خاں: أما الخطأ في الإعراب إذا لم يغير المعنى لا تفسد الصلوة عند الكل، وإن غير المعنى تغيراً فاحشاً فسدت صلوة في قول المتقدمين، واختلف المتأخرون في ذلك، وما قاله المتقدمون أحوط، وما قاله المتأخرون أوسع انتهى مختصراً (۱)۔ وفيها أيضاً: وأما ترك المد إن لم يغير المعنى كما في قوله: إنا أنزلناه، إنا أعطيناك لا تفسد صلوة (۲)۔ قلت: وكذا المد فيما ليس فيه كما هو ظاهر۔

(۱) خانینہ علی ہندیہ، الصلاۃ، فصل فی قراءۃ القرآن خطأً، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قدیم زکریا ۱/ ۱۳۹، جدید زکریا ۱/ ۸۷-۸۸ -

(۲) خانینہ علی ہندیہ، الصلاۃ، فصل فی قراءۃ القرآن خطأً، وفي الأحكام المتعلقة

بالقراءة، قدیم زکریا ۱/ ۱۵۵، جدید زکریا ۱/ ۹۸ -

ومنها: اللحن في الإعراب إذا لحن في الإعراب لحن لا يغير المعنى لا تفسد ←
پس جو غلطیاں سوال میں مذکور ہیں چونکہ بغیر معنی نہیں اس لئے نماز ہو جاوے گی جو شخص ایسی غلطیوں سے محفوظ ہے اس کو ترک جماعت نہ کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم

۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۱۱ ج ۱)

نماز میں ایڑی سے ایڑی ملا کر کھڑے ہونے کا حکم؟

سوال (۳۲۹): قدیم ۱/ ۴۰۷ - آج کل یہاں غیر مقلدی کا بہت زور و شور ہو رہا ہے، حتیٰ کہ نماز میں کہا جاتا ہے کہ ایڑی سے ایڑی اور چھنگلیا سے چھنگلیا ملا کر کھڑے ہوا کرو اور بہت لوگ کھڑے بھی ہوتے ہیں؟

الجواب: في المشكوة، باب تسوية الصفوف: عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ:

← صلاته بالإجماع، وإن غير المعنى تغيراً فاحشاً بأن قرأه: وعصى آدم ربه بصب الميم ورفع الرب وما أشبه ذلك مما لو تعمد به يكفر إذا قرأ خطأ فسدت صلاته في قول المتقدمين، واختلف المتأخرون وما قاله المتقدمون أحوط وما قاله المتأخرون أوسع؛ لأن الناس لا يميزون بين إعراب وإعراب كذا في فتاوى قاضي خان، وهو الأشبه، كذا في المحيط، وبه يفتي، كذا في العتبية، وهكذا في الظهيرية وأما ترك المد إن كان لا يغير المعنى لا تفسد، وإن كان يغير المختار أنها لا تفسد كما في ترك التشديد، هكذا في الخلاصة. (هندي، الصلاة، الباب الرابع: في صفة الصلاة، الفصل الخامس: في زلة القاري، قدیم زکریا ۱/ ۸۱، جدید زکریا ۱/ ۱۳۸-۱۳۹)

تاتارخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الثاني: مسائل زلة القاري، مكتبة زکریا دیوبند ۲/ ۱۰۹، ۱۱۰، رقم: ۱۸۸۱-۱۸۸۴ -

المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثاني: في الفرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمي ۲/ ۷۶-۷۷، رقم: ۱۲۷۰ -

شامی، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زلة القاري، زکریا

دیوبند ۲/ ۳۹۴، کراچی ۱/ ۶۳۱ -

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رصوا صفوفکم وقاربوا بینہا، وحاذوا بالأعناق. الحدیث، رواہ أبو داؤد (۱)۔

عن أبي أمانة في حديث طويل: قال قال رسول الله ﷺ: سوّوا صفوفكم وحاذوا بين منابكم. الحدیث، رواہ احمد (۲)۔

حدیث اول میں ”رصوا“ کے بعد ”قاربوا“ آیا ہے، ظاہر ہے کہ اگر ”تراص“ بمعنی مماسا اقدام وغیرہ لیا جاوے تو ”قاربوا“ کے منافی ہوگا کہ مقاربت چاہتا ہے عدم مماسا کو جیسا کہ ظاہر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقصود مقاربت ہے، اسی کو مبالغۂ تراص یا بعض حدیثوں میں الزاق فرمادیا اور آگے جو ”حاذوا“ آیا ہے گویا اسی کی تفسیر ہے اور اسی کو دوسری حدیث میں: ”حاذوا بین منابکم“ سے تعبیر کیا ہے۔ وهذا ظاہر جدا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم وأحکم۔

۲۹ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۷ ج ۲)

(۱) أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۹۷،

دارالسلام، رقم: ۶۶۷ -

(۲) مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۲۶۲، رقم: ۲۲۶۱۹ -

مشکوٰۃ شریف، کتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۹۸ -

قوله: يلزق، أي يلصق منكب بمنكب صاحبه الخ. ولعل المراد بالإلحاق المحاذاة، فإن إلحاق الركبة بالركبة، والكعب بالكعب في الصلاة مشكل، وأما إلحاق المنكب بالمنكب فمحمول على الحقيقة. (بذل المجهود، الصلاة، باب تسوية الصفوف، قديم مطبوعه ميرٹھ ۱/ ۳۶۰، دارالبشائر الإسلامية بیروت ۳/ ۶۰۹)

(وحاذوا بالمنابك) أي اجعلوا بعضها حذاء بعض بحيث يكون منكب كل واحد من المصلين موازيا لمنكب الآخر، ومسامتاله فتكون المنابك والأعناق والأقدام على سمت واحد. (إعلاء السنن، الصلاة، باب سنينة تسوية الصفوف ورسها، بیروت ۴/ ۳۳۶، کراچی ۴/ ۳۱۹) المراد بذلك المبالغة في تعديل الصف وسد خلله. (فتح الباري، الصلاة، باب إلحاق

المنکب بالمنکب، قدیم بیروت ۲/ ۲۴۷، جدید مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۲/ ۲۶۸، رقم: ۷۲۵

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۳۳۰): قدیم ۱/ ۴۰۸۔ یہاں ایک مولوی صاحب جو اپنا شمار اہل حدیث میں

کرتے ہیں؛ لیکن ایک بزرگ و سنجیدہ آدمی ہیں، آج کل تشریف لائے ہیں، نماز جماعت مسجد میں وہی پڑھاتے ہیں، انھوں نے صف بندی میں الزاق الکعب بالکعب کو بہت رواج دیا ہے، ہر شخص جماعت میں پیر کو اپنے پاس والے کے پیر سے چسپاں کرتا ہے، اس میں چند فتور ہوتے ہیں: اول ایک آدمی کے دونوں پیروں کے درمیان فصل زیادہ ہو جاتا ہے، دوسرے جس کا پیر چھوٹا ہے اور صف سے پیچھے معلوم ہوتا ہے، یعنی اس کا مونڈھا مونڈھے سے نہیں ملتا، تیسرے جب سجدے میں جاتے ہیں تو سب کے پیر اپنے مقام سے ہٹ جاتے ہیں، پھر جب دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے ہیں تو پیروں کی طرف ملتفت ہو کر ان کو دونوں طرف بڑھا کر ایک دوسرے سے ملاتے ہیں، اس التفات و حرکت غیر مامور بہا کو مکروہ خیال کر کے اپنے طریق پر قائم رہا اور ہوں۔ بعض حضرات نے مجھ سے کہا تو میں نے جواب دیدیا کہ میرے فعل سے آپ کو کیا بحث؟ لیکن ایک روز مولوی صاحب ممدوح نے اس پر مجھے ملامت کی اور کہا کہ تم تارک سنت موکدہ ہو، میں نے کہا کہ اس کا سنت ہونا غیر ثابت ہے، پس آپ مجھ پر افتراء کرتے ہیں، یہ آپ کو مناسب نہیں۔ انہوں نے ثبوت میں روایت نعمان بن بشیرؓ کی جس کا جزویہ ہے: ”رأيت الرجل مناليزق منكبہ بمنكب صاحب و كعبہ بكعبہ“ (۱)۔ اور روایت حضرت انسؓ کی: ”فكان أحدنا يلزق منكبہ بمنكب صاحبه و قدّمه بقدّمه في الصف رواه البخاری“ (۲)۔ پیش کی۔ میں نے کہا حدیث اول سے مواظبت نہیں نکلتی اور حدیث ثانی سے الزاق الکعب کا استدلال صحیح نہیں، بہت ناراض ہوئے،

(۱) نعمان بن بشیر یقول: أقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم على الناس بوجهه فقال: أقيموا صفوفكم ثلاثا، والله لتقيمن صفوفكم أو ليخالفن الله بين قلوبكم قال: فرأيت الرجل يلزق منكبہ بمنكب صاحب وركبته بركبته صاحبه و كعبه بكعبه. (أبو داؤد شریف، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۹۷، دار السلام، رقم: ۶۶۲)

(۲) عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أقيموا صفوفكم فإني أراكم من وراء ظهري، وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه، وقدمه بقدمه. (بخاري شريف، كتاب الأذان، باب إلزاق المنكب بالمنكب، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۰، رقم: ۷۱۶، ف: ۷۲۵)

پھر کہلا بھیجا کہ اپنے شبہات تحریراً پیش کرو میں آپ کا اطمینان کر دوں گا۔ میں نے ایک جزو میں تقریر لکھ کر بھیج دی جواب آج تک نہیں دیا، اس شبہ میں تمام لوگ پھر الزاق الکعب کے تارک ہو گئے۔ اب آپ سے عرض ہے کہ اس بیان کو مفصلاً تحریر فرمائیے کہ میرا اور لوگوں کا اطمینان ہو جاوے؟

الجواب: اس باب میں مختلف الفاظ سے روایات آئی ہیں۔ بخاری کے الفاظ تو سوال ہی میں مذکور ہیں اور ”سنن ابوداؤد“ میں نعمان بن بشیرؓ سے یہ الفاظ آئے ہیں: ”قال فرأيت الرجل يلزق منكبه بمنكب صاحبه ور كبتة بر كبة صاحبه و كعبه بكعبه“ (۱)۔ اور حضرت انسؓ سے مرفوعاً یہ الفاظ ہیں: ”قاربوا بينها وحاذوا بالأعناق“ (۲)۔ اور عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً یہ الفاظ ہیں: ”حاذوا بين المناكب“ (۳)۔ اور یہ امر یقینی ہے کہ ان سب عبارات کا معبر عنہ ایک ہی ہے اسی کو کہیں الزاق سے تعبیر کر دیا کہیں مقاربت سے کہیں محاذاة سے اس سے معلوم ہوا کہ محاذاة و مقاربت ہی کو الزاق کہہ دیا ہے مبالغۃ فی المقاربة دوسرے اگر الزاق کے معنی حقیقی لئے جاویں تو الزاق المناكب اور الزاق الکعب اس صورت متعارفہ معتادہ میں مجتمع نہیں ہو سکتے کہ مصلی اپنے قد میں میں خوب انفرج رکھے کیونکہ اس میں الزاق الکعب تو ہوگا لیکن الزاق المناكب نہ ہوگا جیسا کہ ظاہر اور مشاہد ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ

(۱) أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۹۷، دارالسلام، رقم: ۶۶۲۔

(۲) عن أنس بن مالك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: رصوا صفوفكم وقاربوا بينها، وحاذوا بالأعناق، فوالذي نفسي بيده إني لأرى الشيطان يدخل من خلل الصف كأنها الحذف. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۹۷، دارالسلام، رقم: ۶۶۲)

(۳) عن أبي شجرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أقيموا الصفوف وحاذوا

 بین المناكب، وسدوا الخلل، ولینوا بأيدي إخوانكم، ولا تذروا فرجات للشيطان، ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۹۷، دارالسلام، رقم: ۶۶۶)

الزاق الکعب کو مقصود سمجھا جاوے اور الزاق المناكب کی رعایت نہ کی جاوے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ الزاق المناكب اصل ہے اور الزاق الکعب غیر مقصود۔ تیسرے الزاق الکعب کی جو صورت بھی لی جاوے الزاق الركب کے ساتھ اس کے تحقیق کی کوئی صورت نہیں کیونکہ ركب بمعنی زانو کا الزاق دوسرے ركب سے جب ہو سکتا ہے کہ دو شخص باہم متقابل اور متوجہ ہوں جیسا کہ ظاہر ہے؛ البتہ محاذاة ركب میں ہر حال میں ممکن ہے ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ جس الزاق کا دعویٰ کیا جاتا ہے حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی؛ بلکہ فرجات چھوڑنے کی ممانعت سے اس کی نفی ہوتی ہے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

۹ شوال ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۸ ج ۴)

.....
 (۱) عن عبد الله بن عمر - رضي الله عنه - أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أقيموا الصفوف، فإنما تصفون بصفوف الملائكة، وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولينوا في أيدي إخوانكم، ولا تذروا فرجات للشيطان. (مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۹۸، رقم: ۵۷۲۴، أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۹۷، دارالسلام، رقم: ۶۶۶)

يلزق، أي يلصق منكب به منكب صاحبه الخ. ولعل المراد بالإنزاق المحاذاة، فإن إنزاق الركبة بالركبة، والكعب بالكعب في الصلاة مشكل، وأما إنزاق المكعب بالمنكب فمحمول على الحقيقة. (بذل المجهود، الصلاة، باب تسوية الصفوف، قديم مطبوعه ميرٹھ ۱/ ۳۶۰، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۳/ ۶۰۹)

(وحاذوا بالمناكب) أي اجعلوا بعضها حذاء بعض بحيث يكون منكب كل واحد من المصلين موازياً لمنكب الآخر، ومسامتاله فتكون المناكب والأعناق والأقدام على سمت واحد. (إعلاء السنن، الصلاة، باب سنية تسوية الصفوف ورضعها، بيروت ۴/ ۳۳۶، کراچی ۴/ ۳۱۹)
 المراد بذلك المبالغة في تعديل الصف وسد خلله. (فتح الباري، الصلاة، باب إنزاق

المنكب بالمنكب، قدیم بیروت ۲/ ۲۴۷، جدید مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۲/ ۲۶۸، رقم: ۷۲۵)
 العرف الشذی، الصلاة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۵۷۔

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بڑی مسجد میں فصل کثیر کے باوجود اقتداء صحیح ہے

سوال (۳۳۱): قدیم ۱/ ۲۱۰۔ گزارش خدمت میں یہ ہے کہ ”بہشتی گوہر“ مطبع مجتہائی صفحہ: ۵۵ کے مسئلہ نمبر: ۷/ میں ہے: اگر مسجد بہت بڑی ہو اور اسی طرح اگر گھر بہت بڑا یا جنگل ہو اور امام مقتدی کے درمیان اتنا خالی میدان ہو کہ جس میں دو صفیں ہو سکیں تو یہ دونوں مقام یعنی جہاں مقتدی کھڑا ہے اور جہاں امام ہے مختلف سمجھے جائیں گے اور اقتداء درست نہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے موسم میں جو خانہ کعبہ کے متصل پورب کی طرف امام کھڑا ہوتا ہے، دو ایک صف بھی ان کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے ان کی اقتداء تو صحیح ہو جاتی ہے اور بہت سی صفیں بیس پچیس صف کے فاصلہ پر کھڑی ہوتی ہیں، درمیان میں خالی جگہ پڑی رہتی ہے، ان کی اقتداء صحیح نہیں ہوتی ہے۔ اب مقصود سوال یہ ہے کہ چند سال تک بندہ کا وہاں قیام رہا۔ اور نماز فاصلہ والی جماعت میں شرکت کر کے پڑھی ہے۔ اب اگر وہ اقتداء صحیح نہ ہو تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟ اگر درست نہ ہوئی تو کیا کرنا چاہئے؟ ڈھا کہ بعض علماء سے دریافت کیا تھا تنفی بخش جواب نہیں ملا۔ حضرت جو فرمادیں اس کو انشاء اللہ کام میں لاؤں گا۔

الجواب: بہت بڑی مسجد کی مثال درمختار وغیرہ میں مسجد قدس لکھی ہے۔ سو مسجد حرام اتنی بڑی نہیں ہے۔ اس لئے وہاں کوئی اشکال نہیں اور ”رد المحتار“ میں نوازل سے جامع قدیم خوارزم کو بھی مثال میں لائے ہیں۔ اور اس کا وصف یہ لکھا ہے: فان ربعه كان على أربعة آلاف استطوانة۔

اور جامع قدس کی تفسیر میں لکھا ہے: أعنى ما يشمل على المساجد الثلاثة: الأقصى، والصخرة، والبيضاء، كذا في البزازیة (۱)۔ اس پر بھی وہی تفریع ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۳۳۲،

کراچی ۱/ ۵۸۵۔

والمانع في الصلاة فاصل يسع فيه صفين على المفتي به (مراقي الفلاح) وفي حاشية

الطحاوی قولہ: علی المفتی بہ: وقیل: ما یسع صفا واحدا، والفضاء الواسع فی المسجد لا یمنع، وإن وسع صفوفہ فلو اقتدی بالإمام فی أقصى المسجد والإمام فی المحراب جاز، كما فی الہندیة، قال البزازی: المسجد وإن کبر لا یمنع الفاصل فیہ إلا فی ← اور عالمگیریہ ”باب خامس فی الإمامة“ کے فصل رابع میں مسجد میں علی الاطلاق فصل کو غیر مانع عن الاقتداء کہا ہے۔ گو کتنی ہی بڑی مسجد ہو۔

عبارتہا والمسجد وإن کبر لا یمنع الفاصل فیہ کذا فی الوجیز للکردری (۱)۔
سو بہشتی گو ہر کا مسئلہ ایک روایت پر محتاج تفصیل اور دوسری روایت پر غیر معمول بہ ہے۔
اشرف علی ۲۳ رمضان ۱۳۵۶ھ (النور ص ۱۰) جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ

بحالت مجبوری فاسق کے پیچھے اقتدا کا جواز

سوال (*) (۳۳۲): قدیم ۱/۴۱۱ - پیش امام جامع مسجد کہ ہزار ہا مخلوق در آنجا نماز ادا می کنند مرد جاہل و ربوا خوار و بخیل و بے تقویٰ و متعلق و کاذب و حارس و غیرہ و غیرہ ہست در جماعت عالم و فاضل و زاهد و عابد و قاری و متقی داخل اند، پس آن نماز ایشاں چگونه است اکثر قوم ناراض اند صرف از طرف حکومت بطریق وراثت آن پیش امام مقرر شدہ است ہمہ مردمان از طرف حکومت مجبور اند شرعاً چہ باید کرد؟

(*) خلاصہ سوال:- جامع مسجد کا امام جاہل، سودخور، بخیل، غیر متقی اور جھوٹا ہے اور نمازیوں میں عالم و فاضل، عابد و زاهد اور قاری و متقی ہیں، پس ان کی نماز کیسی ہوگی؟ اکثر لوگ ناراض ہیں؛ لیکن چونکہ حکومت کی طرف سے ان امام صاحب کو حق امامت وراثت پہنچا ہے؛ اس لئے تمام لوگ مجبور ہیں، پس شرعاً کیا کرنا چاہئے؟ ۱۲؟
سعید احمد پالن پوری

← الجامع القديم بخوارزم، فإن ربعه كان على أربعة آلاف أسطوانة، وجامع القدس الشريف أعني ما يشتمل على المساج الثلاثة: الأقصى، والصحراء، والبيضاء كما في الحلبي والشرح. (حاشية الطحاوی علی المراقی، الصلاة، باب الإمامة، مكتبة دار الكتاب دیوبند ص: ۲۹۳)

حلبی کبیری، فصل فی الإمامة، شروط المحاذاة، مكتبة أشرفيه دیوبند ص: ۵۲۴ -
بزازية، علی الہندیة، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر: فی الإمامة والاقتداء، قدیم

زکریا ۴/ ۵۵، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۳۹ -

(۱) الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس: فی الإمامۃ، الفصل الرابع: فی بیان ما یمنع صحۃ الاقتداء وما لا یمنع، قدیم ۱/ ۸۸، جدید زکریا ۱/ ۱۴۶ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب (*): صبر باید کرد مخالفت با حکومت نازیباست و چوں مقتدیان بر عزل امام قادر نیستند پس ایں ہمہ کراہت بر امام خواہد بود نماز مقتدیان بلا کراہت صحیح خواہد ماند (۱)۔

(تمتہ اولیٰ ۳۱۵)

امام کو حدث ہو جانے پر مقتدی کا از خود بڑھ کر خلیفہ بن جانا جائز ہے

سوال (۳۳۳): قدیم ۱/ ۴۱۲ - زید امام نے نماز پڑھائی کسی رکعت میں اس کو حدث ہوا

(*) ترجمہ جواب:- صبر کرنا چاہئے، حکومت کے ساتھ مخالفت زبیا نہیں ہے اور چونکہ مقتدی امام کو معزول کرنے پر قادر نہیں ہیں؛ اس لئے ساری کراہت امام پر ہوگی، مقتدیوں کی نماز بلا کراہت صحیح ہوگی۔

۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) عن أبي هريرة - رضي الله تعالى عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الجهاد واجب عليكم مع كل أمير برا كان أو فاجرا، والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا، وإن عمل الكبائر، والصلاة واجبة على كل مسلم برا كان أو فاجرا. (أبوداؤد شريف، الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، النسخة الهندية ۲/ ۳۴۳، دارالسلام رقم: ۲۵۳۳)

فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلا فالأقتداء أولى من الانفراد، وينبغي أن يكون محل كراهة الاقتداء بهم عند وجود غيرهم وإلا فلا كراهة كما لا يخفى. (البحر الرائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبہ زکریا ۱/ ۶۱۱، کوئٹہ ۱/ ۳۴۹)

وقال في مجمع الروايات: وإذا صلى خلف فاسق أو مبتدع يكون محرزا ثواب الجماعة لكن لا ينال ثواب من يصلى خلف إمام تقي (مراقي الفلاح) وفي حاشية الطحطاوي: قوله: يكون محرزا ثواب الجماعة، أي مع الكراهة إن وجد غيرهم وإلا فلا كراهة كما في البحر بحثا. (حاشية الطحطاوي على المراقي، الصلاة، فصل في بيان الأحق

بالإمامة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۳۰۳

النهر الفائق، الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱ / ۲۴۴ -

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

چونکہ اس کی پشت کے پیچھے کوئی مقتدی نماز پڑھانے کے لائق نہ تھا اس لئے اس نے نماز چھوڑ کر علیحدہ ہونا چاہا جماعت کے داہنے بائیں طرف امام سے دس یا پندرہ نمازیوں سے پرے ایک شخص نماز پڑھانے کے لائق کھڑا تھا وہ یہ دیکھ کر کہ امام کا وضو ٹوٹ گیا ہے، سب نمازیوں کے سامنے سے گزر کر امام کی جگہ آکھڑا ہوا اور نماز پڑھائی۔ کیا اس صورت میں نماز سب کی صحیح ہوئی یا نہیں؟ فقط۔

الجواب: صحیح ہوگئی۔ فی الدر المختار، باب الاستخلاف: ولم يتقدم أحد ولو بنفسه. وفي رد المحتار: أشار إلى أنه يصير خليفة إذا قدمه الإمام أو أحد القوم أو تقدم بنفسه كما قدمناه عن النهر (۱)۔ فقط

کیم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۰ ج ۱)

نماز میں دنیوی و اخروی مقصد کے لئے غیر عربی میں دعا کرنے کی تفصیل

سوال (۳۳۴): قدیم ۱/۴۱۲ - ایک خط دربارہ دعا اندرون نماز ایک صاحب کے پاس ایک عالم کے یہاں سے آیا ہے، جو ہمرشیتہ عریضہ ہذا ارسال خدمت کرتا ہوں؛ چونکہ مجھ کو اس کے مضمون میں شک ہے؛ لہذا مکلف خدمت عالی ہوں کہ سوالات ذیل کے جواب باصواب سے معزز فرمایا جاوے۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الاستخلاف، مکتبہ زکریا دیوبند

۳۵۴ / ۲، کراچی ۱ / ۶۰۲ -

وإن قدم القوم واحداً أو تقدم بنفسه لعدم استخلاف الإمام جاز، وإن قام مقام الأول قبل أن يخرج من المسجد. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱ / ۲۵۸)

ولو تقدم رجل من غير تقديم أحد وقام مقام الأول قبل أن يخرج الإمام من المسجد، وصلى بالقوم أجزأهم. (المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل السادس عشر: مسألة الاستخلاف،

مکتبہ المجلس العلمی ۲/ ۲۹۶، رقم: ۱۸۱۴

تاتارخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل السادس عشر: الاستخلاف، مکتبہ زکریا دیوبند

۲/ ۳۷۳، رقم: ۲۷۱۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) فرض یا سنت نماز میں سجدہ یا کسی دوسرے رکن میں عربی یا کسی دوسری زبان میں کوئی دعاء غیر منقول دنیا و آخرت کے لئے مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) دوران نماز میں مطلقاً کوئی دعاء مفسد نماز ہے یا نہیں؟ خاص کر سجدہ میں بعد تسبیح (اس خط کی نقل یہ ہے) سجدہ میں دعاء کرنے کے متعلق صاف حدیثیں ہیں، ہاں یہ یہ سچ ہے کہ تسبیح کے علاوہ یہ ہیں اور تسبیح مقدم ہے۔ ”مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب السجود“ میں ہے:

كان النبي ﷺ يقول في سجوده: اللهم اغفر لي ذنبي كله دقه وجله وأوله وآخره
وعلايته وسره. رواه مسلم (۱)۔ دیکھو (مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب السجود) (۲)
اور مسلم میں ہے:

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد،
فأكثروا الدعاء (۳)۔

یہاں سجدوں میں خصوصیت سے کثرت دعاء کا حکم دیا ہے، اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں، مگر یہ دو کافی ہیں، رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی ہے کہ دعاء سجدہ میں علاوہ تسبیحات ماثورہ کے مانگتے تھے اور یہ حکم بھی ہے کہ دعاء سجدہ میں بہت مانگا کرو جب دعاء کا حکم ہے، تو جس زبان میں انسان چاہے مانگے، ایک شخص عربی نہیں جانتا تو وہ اپنی زبان میں ہی دعاء مانگ کر اس حکم کو پورا کر سکتا ہے، مسلمانوں کی نمازیں اسی لئے بے اثر ہو گئی ہیں کہ نماز میں اور بالخصوص سجدوں میں کثرت دعاء سے کام نہیں لیتے اھ؟

الجواب: ومنه الصدق والصواب: أولاً مقدمات ذیل معروض ہیں مع ان کے دلائل کے۔

(۱) دعا کا اطلاق حمد پر بھی آیا ہے: عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

(۱) مسلم شریف، کتاب الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود، النسخة الهندية ۱/

۱۹۱، بیت الأفكار رقم: ۴۸۲ -

(۲) مشکوٰۃ شریف، کتاب الصلاة، باب السجود، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۸۴ -

(۳) مسلم شریف، کتاب الصلاة، باب ما یقال فی الركوع والسجود، النسخة الهندية

۱/ ۱۹۱، بیت الأفكار رقم: ۴۸۳ -

أفضل الذکر لا إله الا الله، وأفضل الدعاء الحمد لله. (رواه الترمذی وابن ماجه مشکوٰۃ ج: ۱، ص: ۱۹۲ (۱))

(۲) اصل نماز فرض میں جماعت ہے واصل جماعت میں تخفیف ہے۔

عن أبی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا صلى أحدكم للناس فليخفف، فإن فيهم السقيم، والضعيف، والكبير، وإذا صلى أحدكم لنفسه فليطول ما شاء. متفق عليه (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۹۳ (۲))

(۳) تطویل صلوٰۃ وادعیہ طویلہ بقرینہ مقدمہ دوم نوافل کے ساتھ مخصوص ہے۔

ويؤيده ماروى عن محمد بن مسلمة قال: إن رسول الله ﷺ إذا قام يصلى تطوعاً قال: اللّٰهُ أكبر - إلى قوله - أللهم أنت الملك لا إله إلا أنت سبحانك وبحمدك، ثم يقرأ. (رواه النسائي مشکوٰۃ ج ۱ ص ۷۰ (۳))

(۴) اصل اور سنت مستمرہ رکوع اور سجود میں تسبیح ہے۔

(۱) مشکوٰۃ شریف، کتاب أسماء الله تعالى، باب ثواب التسييح، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۲۰۱ -

ترمذی شریف، أبواب الدعوات، باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة، النسخة الهندية

۱۷۶/۲، دارالسلام رقم: ۳۳۸۳ -

ابن ماجه شریف، أبواب الأدب، باب فضل الحامدين، النسخة الهندية، ص: ۲۶۹،

دارالسلام، رقم: ۳۸۰۰ -

(۲) مشکوٰۃ شریف، کتاب الصلاة، باب ما على الإمام، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۰۱ -

بخاري شریف، کتاب الأذان، باب إذا صلى لنفسه فليطول ما شاء، النسخة الهندية

۹۷/۱، رقم: ۶۹۴، ف: ۷۰۳ -

مسلم شریف، کتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، النسخة الهندية

۱/ ۱۸۸، بیت الأفكار، رقم: ۴۶۷ -

(۳) مشکوة شریف، کتاب الصلاة، باب ما على الإمام، مكتبه أشرفیه دیوبند ۱/ ۱۰۱ -

نسائی شریف، کتاب الصلاة، نوع آخر من الذكر في الركوع، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۹،

دارالسلام، رقم: ۱۰۵۳ -

عن حذيفة أنه صلى مع النبي ﷺ وكان يقول في ركوعه: سبحان ربي العظيم،

وفي سجوده: سبحان ربي الأعلى. الحديث. (رواه الترمذی، وابوداؤد، والدارمی،

والنسائی، وابن ماجه ص ۷۵ ج ۱ مشکوة) (۱) -

(۵) اصل محل دعاء کا نماز میں قعدہ کی حالت ہے بعد درود شریف کے۔

عن فضالة بن عبيد قال: بينما رسول الله ﷺ قاعد إذ دخل رجل فصلی فقال:

ألهم اغفر لي وارحمني، فقال رسول الله ﷺ: عجلت أيها المصلي إذا صليت

فقدعت فاحمد الله بما هو أهله وصل علي، ثم ادعه قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك

فحمد الله وصلى على النبي ﷺ فقال له النبي ﷺ: أيها المصلي أدع تجب. (رواه

الترمذی وروی ابوداؤد والنسائی نحوه مشکوة ج ۱ ص ۷۸) (۲) -

(۱) مشکوة شریف، کتاب الصلاة، باب الركوع، مكتبه أشرفیه دیوبند ۱/ ۸۳ -

نسائی شریف، کتاب الصلاة، باب الذكر في الركوع، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۸،

دارالسلام، رقم: ۱۰۴۷ -

ابن ماجه شریف، أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب التسبيح في الركوع، النسخة

الهندية، ص: ۶۳، دارالسلام، رقم: ۸۸۸ -

أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل في ركوعه وسجوده، النسخة

۱/ ۱۲۶، دارالسلام، رقم: ۸۷۱ -

ترمذی شریف، کتاب الصلاة، باب ماجاء في التسبيح في الركوع والسجود، النسخة

الهندية ۱/ ۶۱، دارالسلام، رقم: ۲۶۲ -

(۲) مشکوة شریف، کتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم

و فضلہا، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۸۶ -

ترمذی شریف، أبواب الدعوات، باب في إيجاب الدعاء بتقديم الحمد والثناء والصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۵، دارالسلام، رقم: ۳۴۷۶ -
نسائی شریف، کتاب الصلاة، باب التحمید والصلاة على النبي في الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۴۳، دارالسلام، رقم: ۱۲۸۵ -

ان مقدمات میں تا مل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فریضہ کے سجدہ میں دعاء کی عادت کرنا خلاف قواعد سنت ہے کئی وجہ سے۔ اول: وہ موجب ہے تطویل صلوٰۃ کو، جو فریضہ میں حالت جماعت میں ناپسند ہے اور ترک جماعت خود ناپسند ہے، خصوصاً جبکہ دعا کے اس ادب کو بھی ملحوظ رکھا جاوے جس کا اہتمام وارد ہے، کہ اس کے قبل درود شریف بھی ہو یہ سب مل کر تو بہت ہی تطویل ہو جاوے گی۔ دوسرے تغیر ہے محل دعاء کی کہ حالت قعود کی ہے۔ تیسرے عدول ہے اصل وظیفہ سجود سے کہ اکتفاء ہے تسبیح پر جیسا ظاہر نصوص کا مقتضا ہے اور سنن مؤکدہ بہت احکام میں مشابہ فرض کے ہیں تو اس میں بھی احتیاطاً اس کے ساتھ ملحق کہی جاویں گی۔ پس جن احادیث میں دعا فی السجود وارد ہے یا تو محمول ہے فعل احیاءاً پر اور یا نوافل پر اور بعض محمول ہو سکتی ہیں مطلق حمد و ثناء و تسبیح پر، تاکہ نصوص و روایات اور ان کے مقتضیات و قواعد میں تعارض نہ ہو یہ تو گفتگو تھی مطلق دعائیں، اب خصوصیت سے باقی رہی بحث دعا بغیر العربیۃ فی الصلوٰۃ کی سوفتہاء نے اس سے مع نقل اثر کے تعرض کیا ہے، چنانچہ درمختار میں ہے: ”و دعا بالعربیۃ و حرم بغیرہا نہر“۔

اور رد المحتار میں ہے: قال في غرر الأفكار شرح درر البحار في هذا المحل: و كره الدعاء بالعجمية؛ لأن عمرٌو نهى عن رطانة الأعاجم اه إلى قوله ولا يبعد أن يكون الدعاء بالفارسية مكروهاً تحريماً في الصلوة وتنزيهاً خارجاً. (ج ۱ ص ۵۴۳) (۱)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر غیر زبان عربی میں دعا کرنا حرام ہے یا مکروہ تحریمی اور حضرت عمرؓ کا اثر اسی پر محمول ہے اور نیز یہ وجہ بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی عجمی کو اس کی اجازت نہیں دی۔ اور رہا یہ کہ بے سمجھے دعائیں حضور نہ ہوگا، سو ایسی مختصر دعاؤں کا جو کہ نماز میں اپنے محل پر پڑھی جاتی ہیں کسی سے پوچھ کر ترجمہ یا اس کا حاصل معلوم کر لینا اور اس کا استحضار کیا دشوار ہے، ورنہ اسی عذر سے شدہ شدہ بجائے قرآن مجید کے اس کا ترجمہ نماز میں پڑھنے کی رائے دی جانے لگے گی۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فی الدعاء بغیر العربية، مکتبہ زکریا ۲/ ۲۳۳-۲۳۴، کراچی ۱/ ۵۲۱۔

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سنن قبلہ ادا کئے بغیر فجر، ظہر اور عشاء کی نماز میں امامت کرنا مکروہ نہیں

سوال (۳۳۵): قدیم ۱/ ۴۱۵۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت فجر و ظہر و عصر یا عشاء قبل فرض مقتدی سنتیں پڑھ چکے ہوں اور امام صاحب نے بے سبب کسی عذر یا بلا عذر نہ پڑھی ہو، جماعت میں کوئی شبہ کراہت تو نہ ہوگا؟

الجواب: نہیں (۱)۔ ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص ۳۷)

جامع مسجد میں نماز پنجگانہ افضل ہے یا محلہ کی مسجد میں؟

سوال (۳۳۶): قدیم ۱/ ۴۱۶۔ (۱) جامع مسجد میں پنج وقتی نماز باجماعت پڑھنا افضل ہے یا محلہ کی مسجد میں پڑھنا باجماعت افضل ہے (۲) اور یہ فضیلت مختص بصلوۃ جمعہ ہے (۳) یا عام ہے؟

الجواب: (۱) محلہ کی مسجد میں (۲) ہاں (*) غیر اہل محلہ کے لئے (۳) ہاں اہل محلہ کے لئے (۲)۔

فقط ۱۶/ رمضان ۱۳۳۰ھ

(*) جامع مسجد کی فضیلت نماز جمعہ کے ساتھ خاص ہے؛ لیکن جامع مسجد کے محلہ کے لوگوں کے لئے عام ہے، یعنی ان کے لئے پنجوقتہ نمازیں جامع مسجد ہی میں افضل ہیں؛ کیونکہ وہ ان کے محلہ کی مسجد ہے۔

۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) مستفاد: عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا فاتته الأربع قبل الظهر صلاھا بعد الرکعتین بعد الظهر. (سنن ابن ماجہ، الصلاة، باب من فاتته الأربع قبل الظهر، النسخة الهندية ص: ۸۰، دارالسلام رقم: ۱۱۵۸)

وقد استدلل قاضي خان لقضاء سنة الظهر بما عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن النبي

صلی اللہ علیہ وسلم کان إذا فاتته الأربع قبل الظهر قضاہن بعده. (شامی، الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ۵۱۳/۲، کراچی ۵۸/۲)

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا دیوبند ۱۳۲/۲، کوئٹہ ۷۵/۲۔
(۲) فقہی جزئیات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ نماز پنجگانہ جامع مسجد کے مقابلہ میں محلہ کی مسجد میں پڑھنا زیادہ افضل اور بہتر ہے، اس لئے کہ اگر جامع مسجد کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے سب لوگ وہاں چلے ←

← جائیں گے تو محلہ کی مسجد خالی رہ جائے گی؛ لہذا جن روایات میں جامع مسجد میں محلہ کی مسجد کے مقابلہ میں ۵۰۰/پانچ سو گنا زیادہ فضیلت کی بات وارد ہوئی ہے ان میں جمعہ کی نماز مراد ہوگی؛ لہذا محلہ کی مسجد کے بجائے جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد میں جانا زیادہ افضل اور بہتر ہے۔ جزئیات اور روایات ملاحظہ فرمائیے:

ومسجد حیه وإن قل جمعه أفضل من الجامع وإن کثر جمعه. (حلی کبیری، الصلاة، فصل الإمامة، فصل: فی أحكام المسجد، مكتبة أشرفیہ دیوبند ص: ۶۱۳)

ومسجد حیه أفضل من الجامع (درمختار) وفي الشامية: أي الذي جماعته أكثر من مسجد الحي. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، قبیل مطلب فی إنشاد الشعر، مكتبة زكريا دیوبند ۴۳۳/۲، کراچی ۶۵۹/۱)

رجل صلی فی المسجد الجامع لکثرة الجمع لا یصلی فی مسجد حیه، فإنه یصلی فی مسجد منزله وإن کان قومه أقل ولم یکن فی مسجد منزله مؤذن، فإنه یذهب إلی مسجد منزله ویؤذن فیہ ویصلی، وإن کان واحدا؛ لأن لمسجد منزله حقا علیہ فیؤدی حقه. (خانية علی الهندیة، کتاب الطهارة، فصل فی المسجد قدیم زکریا ۶۷/۱، جدید زکریا ۴۴/۱)

رجل یصلی فی الجامع لکثرة الجمع، ولا یصلی فی مسجد حیه، فإنه یصلی فی مسجد منزله وإن کان قومه أقل ولم یکن لمسجد منزله مؤذن، فإنه یؤذن ویصلی، وإن کان هناك واحد، فإن کان لا یحضر أحد کیف یصنع المؤذن؟ قال: یؤذن ویقیم ویصلی وحده. (خلاصة الفتاوی، الصلاة، الفصل السادس والعشرون: فی المسجد وما یتصل بہ، مكتبة أشرفیہ دیوبند ۲۲۸/۱)

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة الرجل في بيته

 بصلاة وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة، وصلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة صلاة، وصلاته في المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة، وصلاته في مسجدي بخمسين ألف صلاة، وصلاته في المسجد الحرام بمائة ألف صلاة. (ابن ماجه، الصلاة، باب ماجاء في الصلاة في المسجد الجامع، النسخة الهندية ص: ۱۰۲، دارالسلام رقم: ۱۴۱۳)
 شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اذان کے بعد نمازیوں کو نماز کے لئے بلانا

سوال (۳۳۷): قدیم ۴۱۶/۱ - (۱) ہمارے محلہ میں یہ انتظام ہوا ہے کہ پنج وقتہ ہر آدمی کو نماز کے واسطے بلایا جاوے، اس کیلئے چودہ آدمی مقرر کر دیئے ہیں، جس وقت اذان ہوئی اسی وقت وہ سب آدمی آوازیں محلہ میں لگاتے ہیں کہ چلو نماز یونماز تیار ہے، مسجد میں اذان ہوئی اور وہ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر آدمیوں کو بلاتے ہوئے مسجد میں آجاتے ہیں۔ ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ بدعت و مکروہ ہے؟

الجواب: مجھ کو بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ۳۳۹ھ

سوال: (۲) اور اگر بعد اذان کے مسجد ہی میں سے مؤذن یا اور آدمی نمازیوں کو بلانے جاوے تو بھی جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو مکروہ وغیرہ تو نہیں ہے؟
الجواب: وہی حکم ہے۔ تارخ بالا (۱)۔

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے شبہ کے ساتھ یہ حکم لکھا ہے کہ اذان کے بعد نمازیوں کو نماز کے لئے بلانا بدعت اور مکروہ ہے۔ اور سوال میں ذکر کردہ مولوی صاحب کی تائید فرمائی ہے، مگر حکم یہ نہیں ہے؛ بلکہ حدیث پاک میں واضح الفاظ کے ساتھ اس کا جواز ثابت ہے، چنانچہ ”ابوداؤد“ میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

عن مسلم بن أبي بكر عن أبيه قال: خرجت مع النبي صلى الله عليه وسلم لصلاة الصبح فكان لا يمر برجل إلا ناداه بالصلاة أو حركه برجله. الحديث (أبو داؤد، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۹، مكتبة دارالسلام بيروت رقم: ۱۲۶۴)

اور ”ترمذی، مسند احمد، المعجم الکبیر، مصنف ابن ابی شیبہ“ وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ان

الفاظ سے مروی ہے:

عن أنس بن مالك -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمر بباب فاطمة^{رض} ستة أشهر إذا خرج لصلاة الفجر يقول: الصلاة يا أهل البيت إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت، ويظهركم تطهيرا. الحديث (ترمذی، کتاب التفسیر، ←

← سورة الأحزاب، النسخة الهندية ۲ / ۱۵۶، مكتبة دارالسلام، رقم: ۳۲۰۶، مسند أحمد بن حنبل ۳ / ۲۵۹، رقم: ۱۳۷۶۴، المعجم الكبير للطبراني، مكتبة إحياء التراث العربي ۳ / ۵۶، رقم: ۲۶۷۱، مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الفضائل، مكتبة علوم القرآن تحقيق شيخ عوامه ۱۷ / ۲۱۴، رقم: ۳۲۹۳۸)

ان روایات سے واضح ہوا کہ نمازیوں کو نماز کے لئے اذان کے بعد بھی بلانا اور اس طرح توجہ دلانا اور سونے والوں کو جگانا جائز ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا نماز کو چلو۔ ملاحظہ ہو (فتاویٰ قاسمیہ ۵ / ۵۵۴ تا ۵ / ۵۶۰، رقم: ۱۸۰۹-۱۸۱۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ مدرسہ شاہی مراد آباد

۱۲ / جمادی الثانیہ ۱۴۳۷ھ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

۶/ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا

نماز میں قرآن کریم کو راگ اور خوبصورت لہجہ سے پڑھنے کا حکم

سوال (۳۳۸): قدیم ۱/۲۱۷ - اگر کوئی شخص قرآن شریف بطور راگ ادا کرے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر وہ پڑھنے والا محض تحسین صوت کرتا ہے تو عین خوبی ہے اور ایسے کے پیچھے نماز جائز بلکہ افضل ہے۔ (*)

عن البراء بن عازب قال سمعت رسول الله ﷺ يقول حسنوا القرآن بأصواتكم فإن الصوت الحسن يزيد القرآن حسنا رواه الدارمي. (۱)

اور اگر حرف کو اس قدر گھٹاتا بڑھاتا ہے کہ جس سے الفاظ و معانی متغیر و غلط ہو جاویں تو ایسے کی نماز خود بھی نہیں ہوتی (***) تو مقتدیوں کی اس کے پیچھے کس طور پر ہوگی۔

(*) قال ابن عابدین: القراءة بالألحان إذا لم تغیر الكلمة عن وضعها، ولم يحصل بها تطویل الحروف، حتی لا یصیر الحرف حرفین؛ بل مجرد تحسین الصوت، وتزیین القراءة، لا یضر، بل یتحب عندنا فی الصلوٰۃ وخارجها، کذا فی التاتارخانیة. (رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا ۳۹۳/۲، کراچی ۱/۶۳۰) ۱۲ سعید احمد۔

(**) یعنی جبکہ معنی میں بھی تغیر اور فساد ہو جاوے اور اگر صرف حروف گھٹ بڑھ جاویں اور معنی میں فساد نہ ہو تو گونماز ہو جاوے گی، مگر کراہت شدید ہوگی۔ ۱۲ منہ۔

(۱) مسند الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب التغنی بالقرآن، مکتبہ دار المغنی الریاض

۴/۲۱۹، رقم: ۳۵۴۴۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم: ما أذن الله ←

عن حذیفة قال: قال رسول الله ﷺ اقرؤ القرآن بلحون العرب وأصواتها وإياكم ولحون أهل الفسق ولحون أهل الكتابين فإنه سيجي من بعدى قوم يرجعون بالقرآن ترجيع الغناء والرهبانية والنوح لا يجاوز حناجرهم مفتونة قلوبهم وقلوب من يعجبهم شأنهم. رواه البيهقي في شعب الإيمان (۱) ورزين في كتابه ۱۲ من المشكوة في كتاب فضائل القرآن. (۲) والله اعلم (امداد ج ۱ ص ۱۶)

مسجد کے محراب کو چھوڑ کر صحن میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال (۳۳۹): قدیم ۴۱۸/۱ - محراب مسجد کے علاوہ صحن مسجد میں محاذی محراب کھڑا ہو کر امام راتب کو جماعت کرانا جائز بلا کراہت ہے یا نہیں اور فقہاء کرام جو قیام غیر محراب کو مکروہ لکھتے ہیں اس کے کیا معنی ہیں؟

← لشيء ما أذن للنبي أن يتغني بالقرآن. (بخاری شریف، کتاب فضائل القرآن، باب من لم يتغن بالقرآن ۷۵۱/۲، رقم: ۴۸۳۳، ف: ۵۰۲۴)

مسلم شریف، کتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن، النسخة الهندية ۱/۲۶۸، رقم: ۱۱۹۲، بيت الأفكار رقم: ۷۵۲ -

أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب كيف يستحب الترتيل في القراءة، النسخة الهندية ۱/۲۰۷، رقم: ۱۴۶۸ -

(۱) شعب الإيمان للبيهقي، باب في تعظيم القرآن، فصل في ترك التعمق فيه، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۴۰، رقم: ۲۶۴۹ -

(۲) مشکوة شریف، کتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث، مكتبة أشرفيه ديوبند ۱/۱۹۱ -

إن كان الألحان لا يغير الكلمة عن وضعها ولا يؤدي التغني بها إلى تطويل الحروف التي حصل التغني بها حتى لا يصير الحرف حرفين؛ بل يحسنه تحسين الصوت وتزيين القراءة لا يوجب ذلك فساد الصلاة، وذلك مستحب عندنا في الصلاة وخارج الصلاة، وإن كان يغير الكلمة عن وضعها يوجب فساد الصلاة؛ لأن ذلك منهى عنه. (الفتاوى التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الثاني، مسائل زلة القاري، الفصل السادس عشر: من زلة القاري في التغني بالقرآن والألحان، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۱۴-۱۱۵، رقم: ۱۸۹۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور گرمی تبدیل جماعت کیلئے عذر شرعی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ سے گرمیوں کے ایام میں صحن مسجد میں جماعت کرنا ثابت ہے یا نہیں بعض علماء میں رسم ہے کہ محراب مسجد میں کھڑے ہو کر جماعت کرنا ضروری جانتے ہیں خواہ کیسی ہی تکلیف ہو اور طبیعت باقاعدہ نماز کی طرف متوجہ ہو یا نہ ہو اس کی کوئی سند ہے یا نہیں؟

الجواب: فی رد المحتار (تنبیہ) یفہم من قوله أو إلى سارية، كراهة قيام الإمام في غير المحراب ويؤيده قوله قبله: السنة أن يقوم في المحراب وكذا قوله في موضع آخر: السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألا ترى أن المحارب ما نصبت إلا وسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام اه والظاهر أن هذا في الإمام الراتب لجماعة كثيرة لتلا يلزم عدم قيامه في الوسط فلولم يلزم ذلك (*) لا يكره تأمل. (۱)

(*) شامی ص: ۶۷۵ باب الإمامۃ میں مذکور ہے تنبیہ فی معراج الدراية من باب الإمامة الأصح ماروي عن أبي حنيفة أنه قال أكره للإمام أن يقوم بين الساريتين أو في زاوية أو في ناحية المسجد أو إلى سارية لأنه خلاف عمل الأمة ۵۱ وفيه أيضًا السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف ألا ترى أن المحارب ما نصبت إلا وسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام. (شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۱۰، کراچی ۱/۵۶۸)

وفي التاتارخانية: ويكره أن يقوم في غير المحراب إلا لضرورة آه ومقتضاه أن الإمام لو ترك المحراب وقام في غيره يكره ولو كان قيامه وسط الصف لأنه خلاف عمل الأمة وهو ظاهر في الإمام الراتب دون غيره والمنفرد فاغتتم هذه الفائدة فإنه وقع السؤال عنها ولم يوجد نص فيها آه. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۱۵، کراچی ۱/۶۴۶، تاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره للمصلي وما لا يكره، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۱۱، رقم: ۲۱۹۲)

یہ عبارت عبارت منقولہ فی الجواب کے معارض ہے؛ اس لئے جواب میں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔
(۱۲) (تصحیح الاغلاط ص: ۷)

نوٹ: اس سلسلہ میں سوال نمبر ۳۵۴ بھی ملاحظہ فرمایا جائے اور سوال نمبر ۳۵۵ کے جواب میں حضرت مجیب قدس سرہ نے اس تصحیح الاغلاط کے مشورہ کا جواب دیا ہے۔ فراموش نہ ہو ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فی كراهة قيام الإمام في غير المحراب،

مکتبہ زکریا ۲/۳۱۰، کراچی ۱/۵۶۸۔ ←

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ محاذی محراب صحن میں کھڑا ہونا بلا کراہت جائز ہے بلکہ عبارت اخیرہ سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر محراب کے محاذ بھی نہ ہو مگر صف کا وسط ہو تب بھی جائز ہے پس معلوم ہوا کہ قول فقہاء میں محراب سے مراد وسط مساجد یا وسط صف ہے اب گرمی کا تبدل مکان کیلئے عذر ہونا محتاج استفسار نہ رہا اور اس باب میں کوئی حدیث فعلی مرفوع نظر سے نہیں گزری البتہ قولی حدیث غالباً ابوداؤد میں ہے۔ (*)

توسطوا الإمام وسدوا الخلل (۱) اس سے بھی تائید حکم مذکور کی ہوتی ہے اور اگر حضور ﷺ کے غیر مسجد میں بحالت سفر نماز پڑھنے سے استدلال کیا جاوے کہ وہاں محراب ہی نہ تھی تو گنجائش ہے اور اس تقریر سے رسم مذکور فی السؤال کا بے اصل ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔ (امداد ص ۳۵ ج ۱)

امام کا محراب کے اندر اور مقتدیوں کا در میں کھڑا ہونا کیسا؟

سوال (۳۲۰): قدیم ۱/۴۱۹ - مسجد کے در میں بوقت جماعت لوگوں کا کھڑا ہونا کیسا ہے اور جب محراب ایسی گہری ہو کہ امام بالکل اس میں چھپ جاوے تو امام کا ایسی محراب میں کھڑا ہونا کیسا ہے؟

الجواب: في الدر المختار، مكروهات الصلوة: وقيام الإمام في المحراب لا سجوده فيه وقدماء خارجة لأن العبرة للقدم مطلقاً وإن لم يشبه حال الإمام إن علل بالتشبه وإن بالاشتباه ولا اشتباه فلا اشتباه في نفي الكراهة وفي رد المحتار سواء كان المحراب من المسجد كما هو العادة المستمرة أو لا كما في البحر:

(*) ابوداؤد شریف ۱۰۶۱، باب مقام الامام من الصف ولفظ ووسطوا الإمام الخ حدیث کا ترجمہ: امام کو بیچ میں رکھو (یعنی امام کے دائیں بائیں آدمی برابر ہوں) اور شگافوں کو بند کرو ۲۔ سعید احمد پالن پوری

← وينبغي للإمام أن يقف بإزاء الوسط، فإن وقف في ميمنة الوسط أو في ميسرته فقد أساء لمخالفة السنة، هكذا في التبيين. (هندي، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام قديم زكريا ۸۹/۱، جديد زكريا ۱۴۷/۱)

و كذا في تبين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۳۵۱/۱، امدادية ملتان ۱۳۶/۱ -

(۱) أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف، النسخة الهندية ۹۹/۱، دار السلام رقم: ۶۸۱، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف، دار الفكر بيروت ۴/۲۶۴، رقم: ۵۳۰۵ - شبیر احمد قاسمی عماد اللہ عنہ

وفیه عن الولوالجیة إذا لم يضق المسجد بمن خلف الإمام لا ينبغي له ذلك لأنه يشبه تباين المکانین وفيه بعد صفحة وحكى الحلوانی عن أبي الليث لا يكره قيام الإمام في الطاق عند الضرورة بأن ضاق المسجد على القوم (۱) وفي رد المحتار باب الإمامة، في الكلام على الصف الأول هكذا ويعلم منه بالأولى أن مثل مقصورة دمشق التي هي في وسط المسجد خارج الحائط القبلي يكون الصف الأول ما يلي الإمام في داخلها وما اتصل به من طرفيها خارجا عنها من أول الجدار إلى آخره فلا ينقطع الصف ببنائها كما لا ينقطع بالمنبر الذي هو داخلها فيما يظهر. (۲)

ان روایات سے چند امور معلوم ہوئے اول امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا کہ قدم بھی اندر نہیں مکروہ ہے۔ دوم یہ کہ اگر ضرورت ہو تو مکروہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ انقطاع صف موجب کراہت ہے پس جماعت کا دروں کے اندر کھڑا ہونا موجب انقطاع صف ہے اس لئے مکروہ ہوگا۔

وبتأيد بحديث رواه الترمذی (*) عن عبد الحميد بن محمود قال صلينا خلف أمير من الأمراء فاضطربنا الناس فصلينا بين الساريتين فلما صلينا قال انس بن مالك كنا نتقى هذا على عهد رسول الله ﷺ.

لیکن ضرورت میں یہ بھی جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ۱/۷ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۷ ج ۱)

امام کا در میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانا کیسا؟

سوال (۳۴۱): قدیم ۱/۴۲۰ - مسجد کے در میں امام کو کھڑا ہونا کیسا ہے دلیل سے بیان فرمائیے؟

(*) ترمذی، باب کراہیۃ الصف بین السواری. (۱/۵۳ دار السلام رقم: ۲۲۹) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۱۴-۴۱۵، کراچی ۱/۶۴۵-۶۴۶۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الكلام على الصف الأول، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۱۱، کراچی ۱/۵۶۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدر المختار: مكروهات الصلوة، وقيام الإمام في المحراب لا سجوده فيه وقدماه خارجه لأن العبرة للقدم مطلقاً وإن لم يشته حال الإمام الخ. وفي رد المحتار اقتصر عليه في الهداية واختاره الإمام السرخسي وقال إنه الأوجه الخ ج ۱ ص ۲۷۵ (۱) امام کامسجد کے اندر در میں اس طرح کھڑا ہونا کہ پاؤں بھی اندر ہوں مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷/ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۹ ج ۱)

محراب کے داخل مسجد ہونے کے باوجود اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانا مکروہ ہے

سوال (۳۴۲): قدیم ۱/۲۲۱- محراب داخل مسجد ہے یا نہیں اگر فقط محراب ہی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھائی جاوے صحیح ہوگی یا نہیں بہر صورت صورت صحت کیا ہے؟ فقط

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۱۴، کراچی ۱/۶۴۶۔

عن إسماعیل بن إبراهيم بن المهاجر عن أبيه عن علي: أنه كره الصلاة في الطاق.

(المصنف لابن أبي شيبة، باب الصلاة في الطاق: مؤسسة علوم القرآن بيروت ۳/۵۰۷، رقم: ۴۷۲۷)

قال محمد: لا بأس بأن يكون مقام الإمام في المسجد ورأسه في السجود في الطاق، ويكره أن يقوم في الطاق. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فيما يكره للمصلي وما لا يكره، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۱۰، رقم: ۲۱۹۲)

ويكره قيام الإمام وحده في الطاق وهو المحراب ولا يكره سجوده فيه إذا كان قائماً خارج المحراب. (هندية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره قديم زكريا ۱/۱۰۸، جديد زكريا ۱/۱۶۷)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۴۲۵، کوئٹہ ۱/۳۵۹۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، فصل في بيان ما يكره في الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۱۸۷-۱۸۸۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، مکتبہ دارالكتاب دیوبند ص: ۳۶۰-۳۶۱-شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدر المختار: باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، وقيام الإمام

في المحراب لا سجوده فيه وقدماء خارجة. الخ (۱)

اس سے ثابت ہوا کہ محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مکروہ ہے گو محراب داخل مسجد ہے۔ (تمتہ اولیٰ ص ۱۸)

تین آیت کے بعد بھی امام کو لقمہ دینے سے نماز کا فاسد نہ ہونا

سوال (۳۴۳): قدیم ۴۲۱/۱ - بعد پڑھے جانے تین آیت کے نماز فرائض میں امام کو اگر لقمہ لگے اور مقتدی لقمہ دیدے تو نماز فاسد یا مکروہ تو نہیں ہوتی اور اگر فاسد ہوئی تو کس کی ہوئی اب مکرر پڑھنی چاہئے؟

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۱۴، کراچی ۱/۶۴۶۔

عن إسماعيل بن إبراهيم بن المهاجر عن أبيه عن علي: أنه كره الصلاة في الطاق.
(المصنف لابن أبي شيبة، باب الصلاة في الطاق: مؤسسة علوم القرآن بيروت ۳/۵۰۷، رقم: ۴۷۲۷)
قال محمد: لا بأس بأن يكون مقام الإمام في المسجد ورأسه في السجود في الطاق، ويكره أن يقوم في الطاق. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فيما يكره للمصلي وما لا يكره، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۱۰، رقم: ۲۱۹۲)

ويكره قيام الإمام وحده في الطاق وهو المحراب ولا يكره سجوده فيه إذا كان قائماً خارج الصلاة. (هندي، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره قديم زکریا ۱/۱۰۸، جديد زکریا ۱/۱۶۷)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۴۲۵، کوئٹہ ۱/۳۵۹۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، فصل في بيان ما يكره في الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۱۸۷-۱۸۸۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، مکتبہ دارالكتاب دیوبند ص: ۳۶۰-۳۶۱ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: فوراً بتلادینا یا امام کا منتظر رہنا کہ مجھ کو کوئی بتلادے تو بہتر نہیں ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ دوسری جگہ سے پڑھنا شروع کر دے یا اگر بقدر کافی پڑھ چکا ہو تو رکوع کر دے لیکن پھر بھی اگر مقتدی نے بتلادیا اور امام نے لے لیا تو نماز میں کسی کی خلل نہیں۔

في الدر المختار، باب ما يفسد الصلوة، بخلاف فتحه على إمامه فإنه لا يفسد مطلقاً لفتاح وأخذ بكل حال وفي رد المحتار قوله بكل حال أي سواء قرأ الإمام قدر ما تجوز به الصلوة أم لا انتقل إلى آية أخرى أم لا تكرر الفتح أم لا هو الأصح نهر، ثم قال بعد أسطر تممة يكره أن يفتح من ساعته كما يكره للإمام أن يلجئه إليه بل ينتقل إلى آية أخرى لا يلزم من وصلها ما يفسد الصلوة أو إلى سورة أخرى أو يركع إذا قرأ قدر الفرض كما جزم به الزيلعي وغيره وفي رواية قدر المستحب كما روجه الكمال بأنه الظاهر من الدليل وأقره في البحر والنهر (۱). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۵/ شعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۵ ج ۱)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۸۲، كراچی ۱/ ۶۲۲۔

ويفسد أيضاً فتحه على غير إمامه (كنز) وفي النهر: قيد به لأن فتحه على إمامه غير مفسد سواء قرأ قدر ما تجوز به الصلاة أم لا انتقل إلى آية أخرى أم لا كرره أم لا هو الأصح ويكره الفتح من ساعته كما يكره للإمام أن يلجئه إليه؛ بل ينتقل إلى آية أخرى لا يلزم من وصلها ما يفسد الصلاة وإلى سورة أخرى أو يركع إذا جاء أوانه كذا في المحيط واختلف في أوانه ففي رواية إذا قرأ القدر المستحب وفي أخرى إذا قرأ قدر الفرض وعليها اقتصر الشارح والأولى هي ظاهر الدليل كما في الفتح. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۶۹)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۰، كوئٹہ ۲/ ۶۔

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه أشرفیه ديوبند ۱/ ۴۴۰-۴۴۱، كوئٹہ ۱/ ۳۴۸-۳۴۹۔

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۱۰-۴۱۱، كوئٹہ ۱/ ۳۴۸-۳۴۹۔

حاشیة الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۳۳۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۳۴۴): قدیم ۴۲۲/۱- اگر امام تین آیت سے زیادہ پڑھ کر بھول جائے مقتدی اس کو لقمہ دے تو امام لے لے یا نہ لے مشہور یہ ہے کہ اگر امام لقمہ لے لے تو نماز نہیں ہوتی پھر دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے اگر امام نے لقمہ نہیں لیا تو بتانے والے کو پھر دوبارہ نماز پڑھنا چاہئے میں نے کہا نماز ہو جاتی ہے ایک صاحب بو لے کہ شافعی مذہب میں ہو جاتی ہوگی حنفی مذہب میں نہیں ہوتی۔ کیا حنفی مذہب میں اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے؟

الجواب: ہاں اختلاف ہے مگر صحیح یہی ہے کہ نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوگی نہ امام کی۔

فی العالمگیریۃ باب مفسدات الصلوٰۃ و مکروہاتہا و إن فتح علی إمامہ لم تفسد إلی قوله قالوا هذا إذا رتج علیہ قبل أن یقرأ قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ أو بعد ما قرأ ولم یتحول الی ایۃ أخرى و أما إذا قرأ أو تحول ففتح علیہ تفسد صلوٰۃ الفاتح و الصحیح أنه لا تفسد صلوٰۃ الفاتح بکل حال و لا صلوٰۃ الإمام لو أخذ منه علی الصحیح هكذا فی الکافی. (۱)

۵/ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۵۷)

(۱) ہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیہا، الفصل الأول فیما یفسدہا قدیم ۹۹/۱، جدید زکریا ۱۵۷/۱۔

و یفسد أیضاً فتحہ علی غیر إمامہ (کنز) و فی النہر: قید بہ لأن فتحہ علی إمامہ غیر مفسد سواء قرأ قدر ما تجوز بہ الصلاۃ أم لا، انتقل إلی آیۃ أخرى أم لا، کرّہ أم لا، هو الأصح لإطلاق الحدیث أعنی قوله علیہ الصلاۃ و السلام إذا استطعمک الإمام فأطعمہ. (النہر الفائق، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۶۹/۱)

بخلاف فتحہ علی إمامہ فإنہ لا یفسد مطلقاً لفاتح و أخذ بکل حال (در مختار) و فی الشامیۃ: قوله: بکل حال: أي سواء قرأ الإمام قدر ما تجوز بہ الصلاۃ أم لا، انتقل إلی آیۃ أخرى أم لا، تکرر الفتح أم لا، هو الأصح. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۸۲/۲، کراچی ۶۲۲/۱)

البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۴۱۰-۴۱۱، کوئٹہ ۳۴۸-۳۴۹۔

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۳۳۴۔

معج الأنہر، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیہا، دار الکتاب العلمیۃ بیروت ۱/۱۸۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نماز میں تحسین صوت کے لئے کھنکھارنا

سوال (۳۴۵) قدیم ۱/۴۲۲: نماز میں مطلقاً تنحیح جائز بلا کراہت ہے یا نہیں اور تحسین صوت کے لئے امام اور مقتدی تنحیح کریں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: في الدر المختار و التنحیح بحر فین بلا عذر أما به بأن نشأ من طبعه فلا أو بلا غرض صحيح فلو لتحسين صوته أو ليهتدي إمامه أو للإعلام أنه في الصلوة فلا فساد على الصحيح (جلد اول ص ۶۳۶ باب المفسدات) (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر تنحیح بلا اختیار ہو تو بھی جائز ہے اور اگر تحسین صوت کے لئے ہو تو بھی درست ہے اور امام اور غیر امام اس میں برابر ہیں۔ واللہ اعلم، ۲۰/رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۶ ج ۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۷۶، کراچی ۱/۶۱۸۔

والتنحیح بلا عذر (کنز) أي یفسدها أيضًا التنحیح بلا عذر قید بعدم العذر؛ لأنه لو كان بعذر بأن كان مبعوث الطبع لم تفسد بلا خلاف وإن وجدت الحروف، والأین والتأوه كالتنحیح أورد أنه لو تنحیح لإصلاح صوته وتحسينه لا تفسد على الأصح، وكذا لا هتداء الإمام عن خطئه أو لإعلام أنه في الصلاة فلو قال: وغرض صحيح لكان أشمل . (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۲۶۸)

ویفسدها التنحیح بلا عذر لما فیہ من الحروف، وإن كان لعذر كمنعه البلغم من القراءة لا یفسد، ومن العذر التنحیح لإصلاح الصوت وتحسينه أو ليهتدي إمامه من خطئه أو للإعلام بأنه في الصلاة على الصحيح كما في الفتح . (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۳۲۴)

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۷-۸، کوئٹہ ۲/۴-۵۔

فتح القدير، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۴۰۸، کوئٹہ ۱/۳۴۶۔

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۱۷۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نماز میں آہ، اوہ، ہائے کہنے کا حکم

سوال (۳۴۶) قدیم ۱/۴۲۳: گزارش یہ ہے جناب والا بہشتی زیور کی ایک جگہ میں ایک مسئلہ کم فہمی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آتا مہربانی فرما کر اس کا مطلب تحریر فرماویں۔ بہشتی زیور حصہ دوم صفحہ تین میں مسئلہ: نماز میں آہ یا اوہ یا اُف یا ہائے کہے یا زور سے روئے تو نماز جاتی رہتی ہے البتہ اگر جنت، دوزخ کو یاد کرنے سے دل بھرا آیا اور زور سے آواز نکل پڑی تو نماز نہیں ٹوٹی ۱۲۔ اس عبارت کے معنی میں یہ سمجھتا ہوں اگر نماز میں آہ یا اوہ یا اُف یا ہائے کہے یا زور سے روئے تو نماز جاتی رہتی ہے اور جنت دوزخ کو یاد کرنے سے دل بھرا آیا اور زور سے رونے کی آواز نکل پڑی تو نماز نہیں ٹوٹی اور آہ یا اُف یا ہائے کہے تو بھی نماز جاتی رہتی ہے۔ میری یہ سمجھ صحیح ہے یا غلط، تحریر فرماویں؟

الجواب: في الدر المختار: والأنين والتأوه والتأفیف والبكاء بصوت يحصل به حروف لوجع أو مصيبة قيد للأربعة إلا للمريض لا يملك نفسه عن أنين وتأوه؛ لأنه حينئذ كعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وإن حصل حروف للضرورة لا لذكرجنة أو نار وفي رد المحتار لا لذكرجنة أو نار لأن الأنين ونحوه إذا كان يذكرهما صار كأنه قال اللهم إني أسئلك الجنة وإن كان من وجع أو مصيبة صار كأنه يقول أنا مصاب فعزوني، كذا في الكافي اه ملخصاً ج ۱ ص ۶۴ (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مکتبہ

زکریا دیوبند ۲/۳۷۷-۳۷۸، کراچی ۱/۶۱۹۔

التأفیف والأنین والتأوه وارتفاع بکاء ه وهو أن يحصل به حروف مسموعة من وجع أو مصيبة كذا قيده في الفتح، والسراج وشروح الكنز، ومرادهم بالجمع ما فوق الواحد وفيه إشارة إلى أن مجرد الصوت غير مفسد خلافاً لظاهر البحر، ومحل الفساد به عند حصول الحروف إذا أمكنه الامتناع عنه أما إذا لم يمكنه الامتناع عنه فلا تفسد به عند الكل كما في الظهيرية كالمریض إذا لم يمكنه منع نفسه عن الأنين والتأوه؛ لأنه حينئذ كالعطاس والجشاء إذا حصل بهما حروف لا من ذكرجنة أو نار اتفاقاً لدلالاتها على الخشوع. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة،

مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۳۲۴-۳۲۵) ←

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جنت و دوزخ کی یاد سے اگر آہ یا اُف وغیرہ بھی منہ سے نکل جاوے تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ پس عبارت بہشتی زیور کی صاف نہیں ہے جہاں اس میں یہ ہے کہ زور سے آواز نکل پڑے وہاں یہ بھی بڑھانا چاہئے تھا کہ یا آہ وغیرہ نکل گیا۔ (ترجیح خامس ص ۱۳۱)

نماز میں کھجلائے کا حکم

سوال (۳۴۷) قدیم ۴۲۳/۱: نماز میں کھجلانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: وكره كفه أي رفعه ولولتراب كمشمركم أو ذيل وعشه به أي بثوبه وبجسده للنهي إلا لحاجة وفي رد المحتار قوله لحاجة كحك بدنه لشيء أكله واضره وسلت عرق يؤلمه ويشغل قلبه وهذا لوبدون عمل كثير قال في الفيض الحك بيد واحدة في ركن ثلاث مرات يفسد الصلوة إن رفع يده في كل مرة اه وفي الجوهره عن الفتاوى: اختلفوا في الحك هل الذهاب والرجوع مرة أو الذهاب مرة والرجوع أخرى. (جلد ۱ ص ۲۶۹ مکروہات) (۱)

← وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۶۷-۲۶۸۔
فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۴۰۷، كوثه ۱/۳۴۵۔
مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۱۷۸-۱۷۹)
(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها قبيل مطلب في الخشوع، مكتبه زكريا ۲/۴۰۷، كراچی ۱/۶۴۰۔

ولو حك المصلي جسده مرة أو مرتين متواليين لا تفسد صلاته للقلّة، وكذا لا تفسد إذا فعل ذلك الحك مراراً غير متواليات..... ولو فعل ذلك مراراً متواليات أي في ركن واحد تفسد صلاته؛ لأنه كثير، هذا إذا رفع يده في كل مرة أما إذا لم يرفع يده في كل مرة فلا تفسد صلاته لأنه حك واحد. (حلي كبيری، كتاب الصلاة، باب ما مفسدات الصلاة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۴۴۸) ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے کھجلا نا جائز ہے؛ جبکہ عمل کثیر تک نوبت نہ پہنچ جاوے اور عمل کثیر کی تفسیر میں اختلاف مشہور ہے (*) (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ رمضان ۱۳۲۸ھ (۱۷ ادا ص ۵۷ ج ۱)

(*) ”عمل کثیر“ کی تعریف میں پانچ قول ہیں، اصح قول یہ ہے کہ ”دور سے دیکھنے والا اس نمازی کو یہ خیال کرے کہ یہ نماز میں نہیں ہے“ ←

← البناية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة اشرفيه ديوبند ۲/ ۴۴۹۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۳۵، رقم: ۲۲۶۸۔

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس ما يفسد الصلاة وما لا يفسد، المجلس العلمي ۲/ ۱۶۵، رقم: ۱۴۸۱۔

ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد وما لا يفسد، قدیم زکریا ۱۰۴/۱، جدید زکریا ۱۶۲/۱-۱۶۳۔

(۱) والعمل الكثير يفسد الصلاة والقليل لا، واختلفوا في الفاصل بينهما على ثلاثة أقوال: الأول: أن ما يقام باليدين عادةً كثيرٌ..... وما يقام بيد واحدة قليلٌ..... والثاني: أن يفوض إلى رأي المبتلى به..... وهذا أقرب الأقوال إلى رأي أبي حنيفة. والثالث: أنه لو نظر إليه ناظر من بعيد إن كان لا يشك أنه في غير الصلاة فهو كثير مفسد وإن شك فليس بمفسد وهذا هو الأصح. (ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، قدیم زکریا ۱۰۲/۱، جدید زکریا ۱۶۰/۱)

بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، مفسدات الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۵۵۳/۱، کراچی ۲۴۱/۱۔

حانية على الهندية، کتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة، قدیم زکریا ۱۲۸/۱ تا ۱۳۰، جدید زکریا ۸۰/۱۔

عمدة الرعاية على شرح الوقاية، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة بلال ديوبند ۱۶۵/۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نماز کے دوران دامن سمیٹنا

سوال (۳۴۸): قدیم ۱/۲۲۴- تشریح ذیل یا پانچواں بحفاظت دریدگی از تنگی یا عموماً جائز ہے یا نہ؟

الجواب: غالباً سوال کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ اکثر سجدہ میں جاتے ہوئے یا اس سے کھڑے ہوتے ہوئے پانچے دامن وغیرہ کو سمیٹتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں پس اگر یہی مطلب ہے تو جواب یہ ہے کہ اگر عمل کثیر تک نوبت نہ پہنچے تو مکروہ ہے؛ البتہ اگر حاجت شدید ہو تو کراہت نہیں۔ دلیلہ ما مر فی الجواب عن السؤال السابق. (۱) اور اگر کچھ اور مطلب ہے تو بیان کرنے پر جواب ممکن ہے۔ واللہ اعلم

۲۰/ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۷ ج ۱)

گندے اور خراب کپڑے میں نماز کا حکم

سوال (۳۴۹): قدیم ۱/۲۲۵- جو اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس قمیص اور ازار اور عمامہ موجود ہو تو اُس کو صرف ازار یا صرف قمیص سے نماز پڑھنا مکروہ ہے یہ مسئلہ فقہ حنفی میں موجود ہے یا نہیں؟

← ویفسدھا کل عمل کثیر..... وفيه أقوال خمسة أصحها: مالا يشك بسببه الناظر من بعيد في فاعله أنه ليس فيها (در مختار) صححه في البدائع وتابعه الزيلعي والولولجي. وفي المحيط: أنه الأحسن. وقال صدر الشهيد أنه الصواب. وفي الخانية والخلاصة إنه اختيار العامة. وقال في المحيط وغيره رواه الثلجي عن أصحابنا حلية. (رد المختار ۱/۵۸۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ۲/۳۸۵، كراچی ۱/۶۲۴) ۱۲ سعید احمد

(۱) وكره كفه أي رفعه ولو لتراب كمشمركم أو ذيل وعشه به أي بالثوب أو بجسده للنهي إلا لحاجة كحك بدنه لشيء أكله وأضره وسلت عرق يؤلمه ويشغل قبله وهذا لو بدون عمل كثير. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۰۶، كراچی ۱/۶۴۰)

ويكره للمصلي أن يعث بثوبه أو لحيته أو جسده وأن يكف ثوبه بأن يرفع ثوبه من بين يديه أو من خلفه إذا أراد السجود كذا في معراج الدراية. (هندي، كتاب الصلاة، ←

الجواب: في الدر المختار وصلاته في ثياب بذلة يلبسها في بيته ومهنة أي خدمة إن له غيرها وإلا لا وفسرها في ردالمحتار عن شرح الوقاية بما يلبسه في بيته ولا يذهب به إلى الأكابر والظاهر أن الكراهة تنزيهية (١).

← الباب السابع، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، قديم زكريا ١٠٥/١، جديد زكريا ١٦٤/١

شرح وقاية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه بلال ديوبند ١٦٧/١ -

التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره للمصلي وما لا يكره، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٠٢، رقم: ٢١٤٥ -

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره في الصلاة وما لا يكره، المجلس العلمي ١٣٩/٢، رقم: ١٤١٨

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ٢/٤٠٧، كراچی ١/٦٤١ -

(وكره الصلاة) في ثياب البذلة وهي ما يلبس في البيت ولا يذهب به إلى الأكابر لأنها لا تخلو عن النجاسة القليلة وعن الأوساخ الكريهة. (مجمع الأنهر،

كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ١/١٨٧)

شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه بلال ديوبند ١/١٦٩ -

هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثاني قديم زكريا ١/١٠٧، جديد زكريا ١/١٦٥ -

وكذلك يكره الصلاة في ثياب البذلة وروي أن عمر رضي الله تعالى عنه رأي رجلاً فعل ذلك، فقال: أرأيت لو كنت أرسلتكم إلي بعض الناس أكنتم ثمه في ثيابكم هذه، فقال لا: فقال عمر رضي الله تعالى عنه: الله أحق أن تتزين له.

(المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره في الصلاة وما يكره، المجلس العلمي ١٣٩/٢، رقم: ١٤٢٠)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جیسے لباس سے اہل وجاہت لوگوں کے پاس کوئی جاسکتا ہے، اُس سے نماز پڑھنا مکروہ نہیں اور اس سے کم حیثیت میں کراہت ہے لیکن تنزیہی ہے۔ واللہ اعلم

۲۱ ذیقعد ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۲ ج ۱)

نماز میں استعانت بالربکب کا حکم

سوال (۳۵۰): قدیم ۱/۲۴۵ - عن أبي هريرة قال اشتكى أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إلى النبي صلى عليه وسلم مشقة السجود عليهم إذا تفرجوا فقال استعينوا بالركب. رواه الترمذي ص: ۲۸، مطبوعة أصح المطابع. (۱)

حنفیہ اس کو نوافل پر محمول کرتے ہیں اس کی کیا دلیل ہے؟

← الفتاویٰ التاتار خانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره للمصلي وما لا يكره، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۰۲، رقم: ۲۱۴۸ -

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۷، كوئٹہ ۲/۳۳ -

وتكره الصلاة في ثياب البذلة..... ثوب لا يضان عن الدنس ممتهن وقيل مالا يذهب به إلى الكبراء. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، مكروهات الصلاة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۵۹)

حلبی كبرى، كتاب الصلاة، باب كراهية الصلاة، مكتبة أشرفيه ديوبند ص: ۳۴۹ -

شرح النقاية، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة وما يكره فيه، مكتبة اعزازية ديوبند ۱/۱۶۹)

(۱) ترمذي شريف، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الاعتماد في السجود، النسخة الهندية ۱/۶۴، دار السلام رقم: ۲۸۶ -

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب الرخصة في ذلك، النسخة الهدية ۱/۱۳۰، دار السلام رقم: ۹۰۲ -

صحيح ابن حبان، دار الفكر بيروت ۳/۱۵۱، رقم: ۱۹۱۴ -

الجواب: روى مسلم عن البراء بن عازب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك وعن (*) عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سجد لو شاءت بهمة أن تمر بين يديه لمرت مشكوة؛ باب السجود. (۱)

یہ دونوں حدیثیں صاف نفی کر رہی ہیں استعانت بالرب کی پس تطبیق کے لئے واجب ہوگا کہ نوافل پر محمول کیا جاوے یا ضرورت و مشقت پر چنانچہ خود حدیث (**) میں اس کا قرینہ واضح ہے۔ فقط

۱۵ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امد اص ۸۷ ج ۱)

دونوں سجدوں کے بعد قیام سے قبل جلسہ استراحت کا حکم

سوال (۳۵۱): قدیم ۱/۲۲۶- جلسہ استراحت مبطل نماز ہے پس حنفی کی نماز جلسہ استراحت کر نیوالے کے پیچھے ہوگی یا نہ؟

الجواب: اس کا مفسد نماز ہونا میری نظر سے نہیں گزرا لہذا مانع صحت اقتداء نہیں البتہ جو لوگ اس وقت تارک تقلید ائمہ ہیں بوجہ عدم مراعات خلائیات کے نواقض وضو میں (***)

(*) یہ تسامح ہے، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نہیں ہے؛ بلکہ حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے (دیکھئے مسلم شریف ۱۹۴/۱ و مشکوٰۃ شریف ۸۳/۱) ۱۲ سعید احمد پالنپوری

(**) یعنی اس حدیث میں جس کا سائل نے حوالہ دیا ہے ۱۲ منہ

(***) (و نیز اس لئے کہ یہ حضرات اکثر پیشاب کر کے کلوخ نہیں لیتے اور بوجہ ضعف قوت ماسکہ کے قطرہ آجانا غالب ہے جس کی بعض اوقات خبر بھی نہیں ہوتی، پس چار پانچ بار میں ظن غالب یہ ہے کہ نجاست قدر درہم سے زیادہ پا عجامہ میں لگ جاتی ہوگی، جو مانع صلاۃ ہونے کی وجہ سے منافی صحت امامت بھی ہے ۱۲ منہ

(۱) مسلم شریف، کتاب الصلاة، باب الاعتدال في السجود ووضع الكفين على الأرض ورفع المرفقين عن الجنبين، النسخة الهندية ۱/۱۹۴، بيت الأفكار رقم: ۴۹۴-۴۹۶۔

مشکوٰۃ شریف، کتاب الصلاة، باب السجود وفضله، الفصل الأول، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۸۳۔

أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب صفة السجود، النسخة الهندية ۱/۱۳۰، دار السلام رقم: ۸۹۸۔

صحیح ابن حبان، دار الفکر بیروت ۳/۱۵۰، رقم: ۱۹۱۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

 و نیز تعدیہ فساد (*) کے عوام میں ان کی اقتداء خلاف مصلحت و خلاف احتیاط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم۔
 ۲۱ شوال ۱۳۳۳ھ (امداد ص ۶۶ ج ۱)

نوٹ: مسئلہ کراہت فصل بسورۃ قصیرہ، و قرأت خلاف ترتیب بلا لزوم سجدہ سہو سوال نمبر ۲۳۹ پر آچکا ہے۔

نماز میں بے ترتیب قرآن پڑھنے کا حکم

سوال (۳۵۲): قدیم ۴۲۶/۱ - مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ یوتر بتسع سور من المفصل قال أسود یقرأ فی الركعة الأولى؛ الهاکم التکاثر وانا انزلناه فی لیلۃ القدر واذ انزلت الأرض. وفي الركعة الثانية والعصر واذ جاء نصر الله والفتح وانا اعطیناک الکواثر وفي الركعة الثالثة؛ قل یا ایها الکافرون وتبت ید ابي لهب وقل هو الله احد (۱)۔

جس ترتیب سے اس میں سورتیں ذکر کی گئی ہیں اس ترتیب سے پڑھنا درست ہے یا مقدم اور مؤخر کرنا درست ہے اس طور پر کہ پہلی میں نمبر ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳

صرف لنگی یا چادر پہن کر نماز کا حکم

سوال (۳۵۳): قدیم ۱/۴۲۷- ایک استفتاء کے متعلق مدرسہ سبحانیہ جو یہاں ایک مدرسہ ہے اس کے مدرسین نے عجیب باتیں تحریر کی ہیں سائل نے یہ سوال کیا کہ چادر اور لنگی پہن کر نماز پڑھنا باوجودیکہ پاجامہ وغیرہ موجود ہو نماز درست ہے یا نہیں؟ جواب یہ لکھا گیا کہ مکروہ ہوگی جب عمدہ لباس موجود ہے اور امراء کے یہاں تو عمدہ لباس پہن کر جاویں اور خدا کے سامنے ردی لباس یہ نہ ہونا چاہئے۔ جناب مولانا منیر الدین صاحب نے جو میرے مدرسہ میں ہیں اس کا جواب تحریر فرمایا کہ یہ لباس فعل رسول ہے جب کپڑا صاف ہو تو یہ ثیاب بذلہ جس کو فقہاء رحمہم اللہ نے مکروہ لکھا ہے نہ ہوگا ثیاب بذلہ وہی ہوگا جو ردی ہو جس میں بدبو وغیرہ موجود ہو۔ چادر اور لنگی جب صاف ہے تو یہ عمدہ لباس ہے اس سے نماز مکروہ نہیں ہو سکتی جناب مولانا محی الدین صاحب نے اس کی تصدیق کی جس کو مولانا منیر الدین صاحب نے تحریر فرمایا تھا اور مولانا ولایت حسین صاحب نے بھی اسی کی تصدیق کی کہ نماز مکروہ نہیں ہو سکتی اس کا رد مدرسہ سبحانیہ کے مدرسین نے بڑے زور و شور سے کیا۔ رد یہ تھا کہ فقہاء رحمہم اللہ نے ثیاب بذلہ کی عام تعریف کی ہے وہ یہ ہے ”لایذهب بتلک الثیاب الی الأمراء“ جب عادت لوگوں کی اس طرح پر ہے کہ چادر اور لنگی پہن کر امراء کے پاس نہیں جاتے معیوب سمجھتے ہیں تو بالضرور یہ ثیاب بذلہ ہوگا اور نماز مکروہ ہوگی اور ہر فعل رسول ﷺ سے جواز بلا کراہت پر استدلال کرنا جائز نہیں اور جہاں کہیں فقہ میں خدمت کا کپڑا ہو یا بدبو دار ہو یہ لکھا ہے وہ فرد ثیاب بذلہ ہے تعریف عام وہی ہے جو ”لایذهب بتلک الثیاب الی الأمراء“ سے ثابت ہے۔ آنحضور اس کے متعلق کچھ تصریح کے ساتھ تحریر فرمائیں کہ ”لایذهب بتلک الثیاب الی الأمراء“ کا کیا مطلب ہے محض رواج یا عادت سے لوگوں کی چادر اور لنگی ثیاب بذلہ میں جاوے گا اور نماز مکروہ ہوگی اور حضور ﷺ نے اس لباس کو ہمیشہ پہنایا نہیں پاجامہ وغیرہ یہ فعل رسول ﷺ ہے یا نہیں یا صرف پسند فرمایا تھا؟

الجواب: میرے نزدیک محقق اس میں تفصیل ہے کہ جس شخص نے رداء و ازار سے نماز پڑھی آیات سنت سمجھ کر پڑھی ہے یا لباس معتاد کے پہننے سے کسل کر کے پڑھی ہے اول صورت میں کراہت نہیں کیونکہ ایسا شخص اس لباس سے دوسرے مجمع میں بھی بے تکلف چلا جاوے گا کہ وہ اس کو لباس محترم سمجھتا ہے اور دوسری صورت میں کراہت ہوگی کہ خود وہ لباس اس کی نظر میں غیر موقع ہے (۱) اس تفصیل سے متنازعین

کے سب دلائل درست رہے اور نزاع لفظی ہو گیا موضوع کے بدلنے سے محمول بدل گیا۔ اشرف علیؒ
 ۲۵ شعبان ۱۳۲۷ھ (تمہ اولی ص ۱۷)

بین الساریتین اور دروں میں نماز کا حکم

سوال (۳۵۴): قدیم ۱/۴۲۸ - (۱) باب الإمامة فتح القدير اور رد المحتار کی اس عبارت سے الأصح ماروی عن أبي حنيفة أنه قال أكره للإمام أن يقوم بين الساریتین

← والسنة أن يأخذ الرجل أحسن هيئته للصلاة لأن الصلاة مناجاة للرب فيستحب لها تزيين. (أحكام القرآن للحصاص، مكتبه دار الفكر بيروت، سورة الأعراف ۴/۱۲۳، تفسير خازن، سورة الأعراف ۲/۸۳)

و كذلك يكره الصلاة في ثياب البذلة وروي أن عمر رضي الله تعالى عنه رأي رجلاً فعل ذلك، فقال: أرايت لو كنت أرسلتك إلي بعض الناس أكنت ثمة في ثيابك هذه؟ فقال: لا، فقال عمر رضي الله عنه: الله أحق أن تتزين له. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره في الصلاة وما لا يكره، المجلس العلمي ۲/۱۳۹، رقم: ۱۴۲۰) الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره للمصلي وما لا يكره، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۰۲، رقم: ۲۱۴۸ -

وفي ثياب البذلة وهي ما يلبس في البيت ولا يذهب به إلى الكبراء. (شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه بلال ديوبند ۱/۱۶۹) شرح النقاية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مكتبه اعزازيه ديوبند ۱/۹۵ - وتكره الصلاة في ثياب البذلة..... ثوب لا يصاب عن الدنس ممتهن وقيل ما لا يذهب به إلى الكبراء. (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۳۵۹)

شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۰۷، كراچی ۱/۶۴۱ -

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۷، كوئٹہ ۲/۳۳ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

أوزاوية أو ناحية المسجد أو إلى سارية لأنه بخلاف عمل الأمة اه (۱)
بقول وتحقيق حضرت امام ابوحنيفهؒ بلا ضرورت امام کا بحالت امامت مسجد کے درمیں جو بین
السا رتین ہو کھڑے ہونے کی کراہت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) بصورت ثبوت حکم کراہت صحیحین وغیرہما کی وہ حدیثیں قول امام اعظمؒ کے معارض
ہو سکتی ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کا بقول حضرت بلالؓ کعبہ کے اندر بین العمودین کھڑے ہو
کر نماز پڑھنا ثابت ہے (۲) یا بوجہ منفرد ہونے حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معارضہ مذکورہ
قیاس مع الفارق و باطل ہوگا۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند
۳۱/۲، کراچی ۵۶۸/۱۔

فتح القدیر، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۶۷/۱، کوئٹہ ۳۰۹/۱۔
النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۴۶/۱۔
(۲) عن سالم عن أبيه أنه قال دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم البيت هو
وأسماء بن زيد وبلال، وعثمان بن طلحة فأغلقوا عليهم الباب فلما فتحوا كنت
أول من ولج فلقيت بلالاً فسألته هل صلى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:
نعم! بين العمودين اليمانيين. (بخاری شریف، کتاب المناسک، باب إغلاق البيت ویصلي
في أي نواحي البيت شاء، النسخة الهندية ۲۱۷/۱، رقم: ۱۵۷۴، ف: ۱۵۹۸)

عن نافع عن ابن عمر قال قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الفتح، فنزل
بفناء الكعبة وأرسل إلى عثمان بن طلحة فجاء بالفتاح ففتح الباب قال: ثم دخل
النبي صلى الله عليه وسلم، وبلال وأسماء بن زيد، وعثمان بن طلحة وأمر بالباب فأغلق
فلبثوا فيه ملياً، ثم فتح الباب قال عبد الله فبادرت الناس فلقيت رسول الله صلى الله عليه
وسلم خارجاً وبلال على أثره فقلت لبلال هل صلى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم
قال: نعم! قلت أين قال بين العمودين تلقاء وجهه قال ونسيت أن أسأله كم صلى.
(مسلم شریف، کتاب الحج، باب استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره والصلاة فيها،

النسخة الهندية ۴۲۸/۱، بيت الأفكار رقم: ۱۳۲۹)

(۳) بدائع کی یہ عبارت: الأفضل للإمام أن يقف في مقام إبراهيم. (جس کو شامی نے حواشی درمختار کے باب الإمامة، وباب الصلوة في الكعبة میں نقل کیا ہے) (۱) معارض قول إمام اعظم ابوحنیفہ (بوجہ وقوع مقام ابراہیم بین السارتین) ہے یا نہیں بصورت ثانی تعارض ظاہری کے دفع کی کیا تقریر و نتیجہ ہے؟

الجواب: (۱) کراہت ثابت ہوتی ہے کما ہوتا ہر۔

(۲) قیاس مع الفارق ہے للوجه المذكور فی السؤال۔

(۳) یہ مقام ابراہیم کہنا ایسا ہے جیسا باب الإمامة میں اس کے ذرا قبل کی عبارت میں السنة أن يقوم في المحراب الخ (۲)، فی المحراب کہنا، مگر دوسری دلیل سے فی المحراب یقیناً مقید ہے خروج قد میں کے ساتھ فی مکروہات الصلوة من الدر المختار و قیام الإمام في المحراب لا سجوده فيه و قدماء خارجہ (۳)۔

پس اسی طرح فی مقام ابراہیم بھی مقید ہے اسی قید کے ساتھ اس لئے کچھ تعارض نہ رہا۔

(۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تمہ اولی ص ۲۳)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند

۳۱۰/۲، کراچی ۵۶۸۔

والأفضل للإمام أن يقف في مقام إبراهيم صلوات الله عليه. (بدائع الصنائع،

کتاب الصلاة، الصلاة بمكة، مکتبہ زکریا ۳۱۳/۱)

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند

۳۱۰/۲، کراچی ۵۶۸۔

(۳) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها،

مکتبہ زکریا دیوبند ۴۱۴/۲، کراچی ۶۴۵۔

عن علي رضي الله عنه: أنه كره الصلاة في الطاق. (المصنف لابن أبي شيبة، باب

الصلاة في الطاق، مؤسسة علوم القرآن ۵۰۷/۳، رقم: ۴۷۲۸)

وإنما لم يكره سجوده في المحراب إذا كان قدماه خارجه لأن العبرة للقدم

في مكان الصلاة. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها،

مکتبہ زکریا دیوبند ۴۶/۲، کوئٹہ ۲۶/۲) ←

امام کا محراب کی سیدھ میں صحن میں کھڑا ہونا اور دروں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال (۳۵۵): قدیم ۱/۴۲۰ - کیا فرماتے ہیں علمائے احناف اس مسئلہ میں کہ (۱) مسجد کے صحن میں یا آگے کے درجہ میں یا سائبان میں محراب کی سیدھ میں امام کا کھڑا ہونا مکروہ ہے یا نہیں؟ اور محراب سے علیحدہ ہونا کب متصور ہوتا ہے اور مکروہ ہونے پر فرض اور تراویح اور وتر وغیرہ کا حکم ایک ہے یا الگ الگ اور کیوں؟

(۲) مقتدی کو یا منفرد کو یا امام کو مسجد کے دروں میں یا سائبان کے ستونوں کے درمیان کھڑا ہونا خواہ وہ ستون لکڑی کے یا لوہے کے یا پتھر کے یا پختہ عمارت کے ہوں اور ان پر گول ڈاٹ ہو یا نہ ہو جیسے کہ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے ان میں بھی مکروہ ہے یا نہیں اور سب کا ایک حکم ہے یا الگ الگ؟

الجواب: (*) (۱) رد المحتار جلد ۳ ص ۵۹۳ و ۵۹۴ (۱) میں اول معراج سے

(*) حاصل جواب: امام کے لئے محراب میں کھڑا ہونا کوئی سنت نہیں ہے، سنت یہ ہے کہ امام وسط صف میں کھڑا ہو، اور چونکہ محراب وسط صف میں بنائی جاتی ہے؛ اس لئے عموماً محراب میں کھڑے ہونے سے یہ سنت ادا ہو جاتی ہے، پس اگر باہر کے درجہ میں جماعت ہو تو وہاں بھی وسط صف میں محاذی محراب کے کھڑا ہو؛ البتہ اگر صحن ایک طرف بڑھا ہوا ہو، تو صحن کے وسط کا لحاظ رکھنا چاہئے اور امام ابو حنیفہؒ کی روایت کا مطلب صرف یہ ہے کہ مابین السارتین کھڑا نہ ہو؛ بلکہ در سے باہر کھڑا ہو جیسا کہ محراب میں بھی یہی حکم ہے کہ بالکل محراب کے اندر نہ کھڑا ہو؛ بلکہ قدم باہر ہونے چاہئیں وہی حکم در میں جاری ہوگا اور زاویہ اور ناحیہ مسجد میں امام کا کھڑا ہونا؛ اس لئے مکروہ فرمایا کہ اس میں وسط نہیں رہتا اور اصل یہ ہے کہ وسط میں کھڑا ہو جہاں کہیں بھی کھڑا ہو۔

اور شامی کے قول ”والظاهر الخ“ کا مطلب یہ ہے کہ امام کا وسط مسجد میں کھڑا ہونا بھی اس وقت مسنون ہے کہ جماعت کثیرہ ہو کہ دونوں طرف کنارہ مسجد تک نمازی بھر جاویں تاکہ دونوں طرفوں میں مساوات رہے، اور اگر نمازی پوری صف کے قدر نہیں ہیں، تو پھر ناحیہ مسجد میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے؛ کیونکہ مقتدی دونوں طرف مساوی کھڑے ہو سکتے ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۱۸۵/۱۲۳ و ۱۲۴، فتاویٰ دارالعلوم جدید ۳/۳۶۱) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← قال محمد: لا بأس بأن يكون مقام الإمام في المسجد ورأسه في السجود في الطاق، ويكره أن يكون في الطاق. (التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فيما يكره للمصلي وما لا يكره، مكتبة زكريا ۲/۲۱۰، رقم: ۲۱۹۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب في الكلام في الصف

الأول، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۱۰، كراچی ۱/۵۶۸۔

السنة أن يقوم في المحراب اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے ليعتدل الطرفان اس کے بعد امام صاحب کا قول نقل کیا ہے أكره أن يقوم بين الساريتين أو في زاوية أو في ناحية المسجد أو إلى سارية لأنه خلاف عمل الأمة اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے توسطوا الإمام (۱)۔

اس کے بعد اس کی تائید اس طرح کی ہے ألا ترى أن المحارب ما نصبت إلا وسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام اس سبب سے ظاہر ہے کہ مقصود محراب نہیں بلکہ توسط امام ہے اور ترک محراب سے جبکہ ایک ناحیہ زاویہ میں ہو توسط کا ترک لازم آتا ہے یہی وجہ ہے کہ کراہت میں قیام بین الساريتين و قیام فی زاویہ و قیام فی ناحیہ کا ذکر کیا قیام فی الصحن کا ذکر نہیں کیا کیونکہ قیام فی الصحن مستلزم ترک توسط کو نہیں ہے چنانچہ اس کے بعد تصریح کر دی۔

والظاهر أن هذا في الإمام الراتب لجماعة كثيرة لئلا يلزم عدم قيامه في الوسط فلولم يلزم ذلك لا يكره تامل۔

اور ان احکام کو مطلقاً امام کے لئے کہا گیا ہے فرض و غیر فرض میں کسی نے فرق نہیں لکھا اور اگر کسی کو رد المحتار کی اس عبارت سے شبہ واقع ہو۔

وفي التاتارخانية ويكره أن يقوم في غير المحراب إلا لضرورة. اه، ومقتضاه أن الإمام لو ترك المحراب وقام في غيره يكره ولو كان قيامه وسط الصف لأنه خلاف عمل الأمة. اس کا جواب یہ ہے کہ غیر محراب سے مراد غیر وسط مسجد ہے چنانچہ اس سے اوپر کی عبارت اس کا قرینہ ہے۔ السنة أن يقوم الإمام بإزاء وسط الصف ألا ترى أن المحارب ما نصبت إلا وسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام ص ۶۷۵ ج ۱۔ (۲)

(۱) اس سلسلہ میں حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم توسطوا الإمام وسدوا الخلل الحديث. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف (بلفظ و سطوا) النسخة الهندية ۹۹/۱، دار السلام رقم: ۶۸۱)

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، جماع أبواب موقف الإمام، باب مقام الإمام من الصف، مكتبه دار الفكر ۶۶۴/۴، رقم: ۵۳۰۵۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه

زکریا دیوبند ۴۱۴/۲، کراچی ۶۴۶/۱۔ ←

وجہ یہ کہ وسط مسجد کو چھوڑنے سے جب مسجد میں پوری صف ہوگی تو ایک طرف مقتدی کم ہوں گے دوسری طرف زیادہ۔

(۲) امام کو مکروہ ہے لاشتراک العلة اور مقتدی کو انقطاع صف کی حالت میں اور منفرد کو مکروہ نہیں۔ لا انتفاء علة الكراهة۔

۲۰ رمضان ۱۴۳۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۶۹)

صفوں کے درمیان ستون کا آڑ ہونا

سوال (۳۵۶): قدیم ۴۳۱/۱- (*) در دیار پنجاب و خراسان بوقت ساختن مساجد در صفی وشتوی زیر صف میان ہر دو جدار ستون مید ہند و بوقت صف بستن مصلیان آں ستونہا میان صف می آیند و جائے یک مصلی میگیرند بعض علماء فرمایند کہ ایں حائل کعدم الحائل ست پس فرجات الشیطان متحقق شد ویدخل فیہ الشیطان کا نہا خذف برو مطلق و بعض می سراہند کہ حیولت ستون در میان صف مثل ایستادن مصلے شد و در فرجات شیطان داخل نہ شد چہ دخول شیطان بر آں صورت است کہ قصد افرجہ در صف میان دو کس گزاشتہ شود و ایں آمدن ستون حالت اضطراری ست نہ اختیاری چہ ایں قدر دراز چوب کہ سر بسر بر جدران نہادہ شود نہا در الوجود دست والضرورات تیج المخضورات دریں امر ہر چہ ارشاد شود واجب العمل خواہد شد اگر قول بعض اول درست شود تا ستونہا را از مساجد کشیدہ صورتے دیگر کردہ شود، و اگر قول بعض ثانی درست شود ما از وسواس و عیدایمن باشیم اما دریں صورت جزئہ نوشتہ شود بحوالہ کتاب وصفہ و باب تا کہ برخالف حجت قوی گردد؟

(*) خلاصہ سوال: پنجاب اور خراسان کے علاقوں میں مساجد بناتے وقت چھت کے نیچے دونوں دیواروں کے درمیان ستون رکھتے ہیں، جو صف بندی کے وقت درمیان میں پڑتے ہیں اور ایک آدمی ←

← وینبغی للإمام أن يقف بإزاء الوسط فإن وقف في میمنة الصف أو میسرته فقد أساء لمخالفتہ السنة الأثری أن المحاریب لم تنصب إلا في الوسط وهي معینة لمقام الإمام. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة والحدث في الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۵۱، امدادیہ ملتان ۱/۱۳۶)

الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الخامس فی بیان مقام الإمام قدیم زکریا ۱/۸۹، جدید زکریا ۱/۱۴۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب (*) : ایس (**) جزئیہ تصریحاً از نظر نہ گزشتہ و نہ ذخیرہ کتب نزد خود دارم کہ در اس تتبع نمایم لیکن انچہ از کلیات و نظائر فہمیدہ ام آن ست کہ اگر از آمدن ستونہا میان صف تحرز بوجہی ممکن باشد تحرز باید کرد زیرا کہ مراستہ در صفوف مامور بہ است و حیولۃ سواری مفتوت مراستہ است و اگر تحرز ممکن نباشد پس امر واسع است۔

← کی جگہ گھیرتے ہیں، بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حائل (آڑ) کا عدم ہے؛ لہذا ”فرجات شیطان“ کی وعید کا محمل ہے اور بعض کا خیال یہ ہے کہ ستونوں کا درمیان صف ہونا مانند ایک نمازی کے کھڑا ہونے کے ہے اور ”فرجات شیطان“ کی وعید میں داخل نہیں ہے؛ کیونکہ شیطان کا صف کے درمیان گھسنا اس وقت ہے کہ بالقصد صف کے درمیان فرجہ (کشادہ جگہ) چھوڑا جائے اور یہاں ستونوں کا صف کے درمیان واقع ہونا اضطراری حالت ہے، اختیاری نہیں ہے؛ کیونکہ ایسی لمبی لکڑی جو ایک دیوار سے دوسری دیوار تک دراز ہو اور درمیان میں ستون نہ رکھنے پڑیں نادر الوجود ہے؛ لہذا ضرورت کی وجہ سے یہ جائز ہوگا۔

اس معاملہ میں جو آپ ارشاد فرمائیں گے، وہ واجب العمل ہوگا، اگر اول حضرات کی رائے صحیح ہے، تو مسجد میں سے ستون نکال کر کوئی اور صورت اختیار کی جائے گی اور اگر دوسرے حضرات کا قول درست ہے تو ہم اندیشہ وعید سے مطمئن ہو جائیں گے؛ لیکن بصورت ثانی جزئیہ قید کتاب و صفحہ و باب تحریر فرمائیں تاکہ مخالف پر حجت قوی ہو۔ ۱۲ سعید احمد پالنپوری

(*) ترجمہ جواب : یہ جزئیہ صراحتہً نظر سے نہیں گذرا، نہ کتابیں پاس ہیں کہ ان میں تلاش کروں، کلیات و نظائر سے جو کچھ سمجھا ہوں وہ یہ ہے ”اگر صف کے درمیان ستونوں کے واقع ہونے سے بچنا کسی طرح بھی ممکن ہو تو بچنا چاہئے؛ کیونکہ صف بندی میں مراستہ (ایک کو دوسرے سے جوڑنا، چمٹانا) مأمور بہ ہے، اور ستونوں کا صف کے درمیان آنا مراستہ کو ختم کرنے والا ہے، اور اگر بچنا ممکن نہ ہو تو گنجائش ہے“ ۱۲ سعید احمد پالنپوری

() مولوی خلیل احمد صاحب مدظلہم العالی نے تخطی الاذان میں مبسوط نسخہ ۳۵/۲ سے نقل فرمایا ہے:**

والاصطفاف بین الاسطوانین غیر مکروہ لأنه صف فی حق کل فریق، وإن لم یکن طویلاً وتخلل الاسطوانۃ بین الصف کتخلل متاع موضوع أو کفرجة بین رجلین وذلك لا یمنع صحة الاقتداء ولا یوجب الکراهۃ آہ۔ (المبسوط للسرخسی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبہ دار الفکر بیروت ۳۲/۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳۵/۲)

اس عبارت کے ظاہر سے ضرورت و عدم ضرورت دونوں میں عدم کراہت کا حکم مفہوم ہوتا ہے؛ لاشتراک العلۃ لیکن حدیث انسؓ اس کی معارض ہے۔ (فالحق هو التفصیل المذكور فی الجواب ۱۲ تصحیح الاغلاط ۱۳)

کما في ردالمحتار المجلد الأول ص ۵۹۵. (***) قال في البحر تكلموا في الصف الأول قيل هو خلف الإمام في المقصورة وقيل ما يلي المقصورة وبه أخذ الفقيه أبو الليث لأنه يمنع العامة عن الدخول في المقصورة فلا تتوصل العامة إلى نيل فضيلة الصف الأول. اه، ثم قال: ويعلم منه بالأولى أن مثل مقصورة دمشق التي هي في وسط المسجد

(***) اس نقل میں اختصار نخل ہے؛ اس لئے اول پوری عبارت نقل کی جاتی ہے، اس کے بعد ضروری تحقیق لکھی جائے گی شامی ۵۹۵/۱ میں ہے۔

قال في البحر في آخر باب الجمعة تكلموا في الصف الأول قيل هو خلف الإمام في المقصورة وقيل ما يلي المقصورة وبه أخذ الفقيه أبو الليث لأنه يمنع العامة عن الدخول في المقصورة فلا تتوصل العامة إلى نيل فضيلة الصف الأول آه أقول والظاهر أن المقصورة في زمانهم اسم لبيت في داخل الجدار القبلي من المسجد كان يصلى فيها الأمراء الجمعة ويمنعون الناس من دخولها خوفاً من العدو فعلى هذا اختلف في الصف الأول هل هو ما يلي الإمام من داخلها أم ما يلي المقصورة من خارجها فأخذ الفقيه بالثاني توسعه على العامة كي لا تفوتهم الفضيلة ويعلم منه بالأولى أن مثل مقصورة دمشق التي هي في وسط المسجد خارج الحائط القبلي يكون الصف الأول فيها ما يلي الإمام في داخلها وما اتصل به من طرفيها خارجاً عنها من أول الجدار إلى آخره فلا ينقطع الصف ببناها كما لا ينقطع بالمنبر الذي هو داخلها فيما يظهر وصرح به الشافعية وعليه فلو وقف في الصف الثاني داخلها قبل استكمال الصف الأول من خارجها يكون مكروهاً ويؤخذ من تعريف الصف الأول بما هو خلف الإمام أي لا خلف مقتد آخر أن من قام في الصف الثاني بحذاء باب المنبر يكون من الصف الأول، لأنه ليس خلف مقتد آخر والله تعالى اعلم. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الكلام على الصف الأول، مكتبة زكريا ديوبند ۳۱۱/۲، كراچی ۱/۵۶۹)

اس عبارت میں علامہ شامیؒ نے اول تعیین صف اول میں علماء کا اختلاف دکھلایا ہے کہ بعض اس صف کو اول کہتے ہیں جو کہ امام کے پیچھے مقصورہ کے اندر ہوتی ہے اور بعض اس صف کو جو کہ مقصورہ کے قریب اس کے باہر ہوتی ہے اس کے بعد علامہ موصوف نے ابو الليثؒ کی رائے ظاہر کی ہے کہ وہ..... اس غرض سے کہ عوام صف اول کی فضیلت سے محروم نہ ہو جائیں قول ثانی کو اختیار کرتے ہیں؛ اس کے بعد انہوں نے استنباط کیا ہے اور کہا ہے کہ امام ابو الليثؒ کے فتوے سے یہ امر بالاولیٰ معلوم ہوتا ہے کہ جامع دمشق جس میں مقصورہ حائط قبلہ سے باہر ←

خارج الحائط القبلى يكون الصف الأول فيها ما يلى الإمام في داخلها وما اتصل به من طرفيها خارجا عنها من أول الجدار الى آخره فلا ينقطع الصف ببناؤها كما لا ينقطع بالمنبر الذى هو داخلها فيما يظهر وصرح به الشافعية (۱) آه قلت وقد ثبت

← اور مسجد کے درمیان میں واقع ہے اس میں صف اول وہ ہے جو کہ مقصورہ کے اندر واقع ہے اور جو لوگ مقصورہ سے باہر صف مذکور کے دونوں پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہیں اور مقصورہ کی دیواروں کے بیچ میں حائل ہونے سے صف منقطع نہیں ہوتی جیسا کہ مقصورہ کے اندر منبر کے حائل ہونے سے صف منقطع نہیں ہوتی اور گو علامہ موصوف نے اس استنباط کی وجہ نہیں بیان کی ہے، مگر میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ جب امام ابواللیث عوام کی فضیلت صف اول کو حاصل کرنے کے لئے اس صف کو صف اول کہتے ہیں جو کہ صف واقع فی المقصورہ کے پیچھے ہے تو جو صفیں کہ اس کے دونوں پہلوؤں میں ہیں، وہ تو بالاولیٰ صف اول میں داخل ہوں گی اور جب کہ وہ صف اول میں داخل ہوئیں تو اب پچھلی صف کو صف اول کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ لہذا صف اول وہ صف ہوگی جو کہ مقصورہ کے اندر اور اس کے دونوں پہلوؤں میں واقع ہے اور جبکہ صف اول صف مذکورہ قرار پائی تو اب دیوار ہائے مذکورہ قاطع صف نہ ہوں گی۔ یہ تقریر تھی وجہ استنباط کی لیکن مجھے اس میں کلام ہے، اولاً اس لئے کہ حصول فضیلت صف اول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ صف ثانی کو صف اول کہا جاوے؛ بلکہ اس کے لئے قرب امام کی امکانی کوشش کافی ہے کمالا تخیلی علی العارف بقواعد الشرع اور ثانیاً اس لئے کہ اگر صف خارج مقصورہ کو صف اول مان بھی لیا جاوے اور یہ بھی مان لیا جاوے کہ جو لوگ صف واقع فی المقصورہ کے پہلوؤں میں ہوں وہ صف اول میں داخل ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مقصورہ کی دیواریں قاطع صف نہ ہوں یہ ممکن ہے کہ نمازیوں کو قطع صف کا گناہ نہ ہو؛ کیونکہ اس سے بچنا ان کے اختیار سے باہر ہے، مگر بانیان مقصورہ کا گناہ سے محفوظ رہنا دشوار ہے؛ کیونکہ وہ اس قطع کا سبب اپنے اختیار سے بنے ہیں اور ثالثاً اس لئے کہ امام ابواللیث کے صف خارج مقصورہ کو صف اول کہنے سے یہ لازم بھی نہیں آتا کہ صف واقع فی المقصورہ دمشق صف اول ہو اور جو لوگ اس کے پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہوں؛ کیونکہ جس ضرورت سے امام ابواللیث نے صف خارج کو صف اول کیا تھا وہ ہنوز موجود ہے؛ اس لئے کہ انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی تھی ←

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا

دیوبند ۳۱۱/۲، کراچی ۵۶۹/۱۔

البحر الرائق، کتاب الصلاة، قبیل باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند

۲۷۵/۲، کوئٹہ ۱۵۷/۲۔

بہذہ الروایۃ أن القاطع فی محل الضرورة لیس بقاطع ویؤیدہ ماروی الترمذی فی باب کراہیۃ الصف بین السواری عن عبد الحمید بن محمود قال صلینا خلف امیر من الأمراء فاضطربنا الناس فصلینا بین الساریتین فلما صلینا قال انس بن مالک کنا نتقی هذا علی عهد رسول اللہ ﷺ الحدیث (۱) فلینظر فی قوله اضطربنا وقوله نتقی یحصل التفصیل الذی ذکر. (امداد ص ۸۰ ج ۱)

← کہ اگر صرف مقصورہ کو صف اول کہا جاوے گا تو عوام فضیلت صف اول سے محروم ہو جاویں گے؛ کیوں کہ عوام حجرے میں داخل نہیں ہو سکتے، اب میں کہتا ہوں کہ اگر جامع دمشق میں صف اول صف واقع فی المقصورہ کو کہا جاوے گا، تو وہ لوگ فضیلت صف اول سے محروم ہو جاویں گے؛ کیونکہ مقصورہ میں داخل ہونے سے حکومت مانع ہے اور اس کے پہلوؤں میں کھڑے ہونے سے شریعت مانع ہے للزوم القطع، پس ضرور ہے کہ صف خارج کو صف اول کہا جاوے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ امام ابواللیث کا مسلک قوی ہے نہ علامہ شامی کا اس سے یہ استنباط کرنا کہ جامع دمشق میں صف اول فی المقصورہ ہوگی اور جو لوگ اس کے دونوں پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہوں گے اور جدران مقصورہ قاطع صف نہ ہوں گے، جب یہ تمہیدی مضمون معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ غالباً اس روایت سے استدلال کی وجہ یہ تھی کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حائل بوقت ضرورت کا لعدم ہے سو یہ مضمون صحیح ہے اور مدعی پر اس سے استدلال درست ہے گویا امر کہ جامع دمشق میں دیوار ہائے مقصورہ قاطع صف نہیں ہیں محل کلام ہے۔

کما تبین ویؤید ما قلنا تصریح ابن الحاج المالکی بلزوم قطع الصفوف ببناء المقاصر۔ لیکن اس کا اثر اصل مقصود پر کچھ نہیں پڑتا، پس یہ عبارت بر محل ہے اور اس کی بے تعلقی سے مقام کا شبہ مندفع ہو گیا جو کہ اول نظر میں احقر کو ہو گیا تھا۔ (تصحیح الاغلاط ص: ۱۲)

(۱) ترمذی شریف، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی کراہیۃ الصف بین السواری، النسخۃ

الہندیۃ ۱/۵۳، دار السلام رقم: ۲۲۹۔

عن عبد الحمید بن محمود قال: صلیت مع أنس بن مالک یوم الجمعة فدفعنا إلی السواری فتقدمنا وتأخرنا فقال أنس: کنا نتقی هذا علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. (أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الصفوف بین السواری، النسخۃ

الہندیۃ ۱/۹۸، دار السلام رقم: ۶۷۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گربان کی گھنڈیاں اور بٹن وغیرہ کے کھلے ہونے کی حالت میں نماز کا حکم

سوال (۳۵۷): قدیم ۱/۴۳۶ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں (۱) کرتہ اور اچکن کی گھنڈیاں یا بوتام اور انگرکھا کا بند کھول کر نماز پڑھنا یا پڑھانا مکروہ ہے یا نہیں؟

(۲) رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام سے کرتہ کی گھنڈی کھول کر نماز پڑھنا ثابت ہوا ہے یا نہیں؟

(۳) بہشتی گوہر کے صفحہ ۵۸ باب مکروہات نماز میں یہ مسئلہ ہے (حالت نماز میں کپڑے کا خلاف دستور پہننا یعنی جو طریقہ اس کے پہننے کا ہوا اور جس طریقہ سے اس کو اہل تہذیب پہنتے ہوں اس کے خلاف اس کا استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے) اس میں یہ صورت داخل ہوتی ہے یا نہیں کیونکہ تمام مہذب لوگ گھنڈی اور بوتام لگانے اور بند باندھنے کو عملاً داخل تہذیب سمجھتے ہیں؟

الجواب: عن الثالث وهو يغني عن الجواب عن الأولين. اصل میں کراہت کا حکم سدل میں منقول ہے اور اس کی تفسیر ارسال ثوب بلا لبس معتاد ہے۔ کذا فی الدر المختار وحاشیہ خواہ کل ثوب میں ہو یا جزو میں مثل آستین وغیرہ بعض نے اس میں توسع کر کے مطلق لبس غیر معتاد کو بھی اس میں داخل کر دیا۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے۔

قال في الخزائن بل ذكر أبو جعفر انه لو أدخل يديه في كميه ولم يشد وسطه أو لم يزرّاز راره فهو مسيئ لأنه يشبه السدل ٥.

عجب نہیں علم فقہ میں جو کہ اصل ہے بہشتی گوہر کی (جس کے انتخاب کی کیفیت اس کے خطبہ میں مذکور ہے جس کی بناء پر مسئلہ کی نسبت میری طرف تام بھی نہیں) اس قول کو لے لیا ہو لیکن خود شامی ہی نے اس قول کا رد بھی اس کے بعد ہی نقل کر دیا ہے۔

ونصه قلت لكن قال في الحلية فيه نظر ظاهر بعد أن يكون تحت قميص أو نحوه مما يستر البدن الخ. جلد ۱ ص ۶۲۸ و ص ۶۲۹ - (۱)

(۱) و کرہ سدل ثوبہ تحریمًا للنهي أي إرساله بلا لبس معتاد و كذا القباء بكم إلى وراء ذكره الحلبي، كشدو منديل يرسله من كتفيه (در مختار) وفي الشامية: وفي الخلاصة: المصلي إذا كان لا بساً شقة أو فرجي ولم يدخل يديه مختلف المتأخرون في الكراهة ←

اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ عدم لبس معتاد سدل کی حقیقت نہیں۔ بلکہ ایک قید ہے اس کی حقیقت یعنی ارسال کی اور وجود قید مستلزم نہیں وجود مقید کو نیز اس کا لبس غیر معتاد ہونا بھی مسلم نہیں۔ صداہا صلحاء و متواضعین میں یہ معتاد ہے۔ اس لئے جتنی ناتمام نسبت اس مسئلہ کی میری طرف ہے اس بناء پر میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔

ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ (ترجیح ج ۵ ص ۱۴۸)

← والمختار أنه لا يكره ولم يوافق علي ذلك أحد سوى البزازی والصحيح الذي عليه قاضیخان والجمهور أنه يكره لأنه إذا لم يدخل يديه في كميته صدق عليه اسم السدل؛ لأنه إرسال للثوب بدون أن يلبسه، قال في الخزان: بل ذكر أبو جعفر أنه لو أدخل يديه في كميته ولم يشد وسطه أو لم يزرأز راره فهو مسيء لأنه يشبه السدل، قلت: لكن قال في الحلبة: فيه نظر ظاهر بعد أن يكون تحته قميص أو نحوه مما يستر البدن؛ بل اختلف في كراهة شد وسطه إذا كان عليه قميص ونحوه ففي الغتابة أنه يكره لأنه صنيع أهل الكتاب، وفي الخلاصة: لا يكره و جزم في نور الإيضاح بعدم الكراهة. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۰۵، كراچی ۱/ ۶۳۹)

عن أبي هريرة قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن السدل في الصلاة. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في كراهية السدل في الصلاة، النسخة الهندية ۸۷/ ۱، دار السلام رقم: ۳۷۶)

ويكره السدل في الصلاة، وتفسيره أن يضع ثوبه على كتفيه ويرسل طرفيه وفي القدوري: يقول في تفسيره أن يجعل ثوبه على رأسه أو كتفيه، ثم يرسل أطرافه من جوانبه، ومن صلى في قباء أو المطرف أو في الباراني، ينبغي أن يدخل يديه في كميته ويشد القباء بالمنطقة احترازًا عن السدل وعن الشيخ الإمام أبي جعفر: إذا صلى مع القباء وهو غير مشدود الوسط فهو مسيء. وفي الخلاصة والنصاب: المصلي إذا كان لا بس شقة أو فرجى ولم يدخل يديه في كميته اختلف المتأخرون في الكراهة والمختار أنه لا يكره. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره للمصلي وما يكره، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۰۱، رقم: ۲۱۴۱-۲۱۴۲)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره في الصلاة وما لا يكره، المجلس العلمي بيروت ۲/ ۱۳۸، رقم: ۱۴۱۶-

حلي كبير، كتاب الصلاة، كراهية الصلاة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۳۴۷-۳۴۸-

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نماز میں عورتوں کا کہنیوں تک ہاتھ کھولنے یا ٹخنے کھولنے کا حکم

سوال (*) (۳۵۸): قدیم ۱/۴۳۷ - کشف دست زنان تا مرق در نماز و نیز کشف کعبین

ایشان مفسد آن نماز است یا نہ؟

الجواب ():** ذراع تا مرق عضو کامل است کشف اورا مفسد است اگر بقدر سه تسبیح باشد و کعبین عضو کامل نیست کشفش مفسد نیست۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۲۳ و ۴۲۴، حصہ اخیر) (۱)
(۱۱/ صفر ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولی ص ۳۰))

(*) ترجمہ سوال: نماز میں عورت کے ہاتھ کا کہنیوں تک کھولنا اور اس کے ٹخنوں کا کھولنا مفسد نماز ہے

یا نہیں؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) ترجمہ جواب: ذراع (ہاتھ) کہنی تک ایک کامل عضو ہے، اس کا کھلنا مفسد ہے، اگر تین تسبیح کے

بقدر کھلا رہے اور ٹخنے کامل عضو نہیں ہیں؛ لہذا ان کا کھلنا مفسد نماز نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) وأعضاء عورة الأمة ثمانية أيضا: الفخذان مع الركبتين والإلتان والقبل مع ماحوله والدبر كذلك والبطن والظهر مع ما يليهما من الجنبين وفي الحرة هذا الثمانية ويزاد فيها ستة عشر: الساقان مع الكعبين، والشدیان المنكسران، والأذنان، والعضدان مع المرفقين، والذراعان مع الرسغين، والصدر والرأس، والشعر، والعنق، وظهر الكفين. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۸۳/۲، كراچی ۴۰۹/۱)

ويمنع حتى انعقادها كشف ربع عضو قد رآء ركن بلا صنعه وذلك قدر ثلاث تسبيحات. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۸۱/۲ - ۸۲، كراچی ۴۰۸/۱)

وذراعاها عورة كبطنها في ظاهر الرواية عن اصحابنا الثلاثة وروي في غير ظاهر الرواية: عن أبي يوسف أنه روي عن أبي حنيفة أن ذراعيها ليسا بعورة؛ ولكن القول الأول وهو ظاهر الرواية هو الصحيح..... وعلى هذا لوصلي رجل وركبته مكشوفتان والفخذ مغطي جازت صلاته لأن الركبتين لا يبلغان قدر ربع الفخذ من الركبة قال ابن الهمام: وكعب المرأة ينبغي أن يكون كذلك يعني تبعاً لساقها لا عضواً مستقلاً ←

نماز میں رونے کا حکم

سوال (۳۵۹): قدیم ۱/۳۳۸- ایک شخص جماعت میں نماز پڑھ رہا ہے اور وہ یک یک از خود رو پڑایا باواز بلند لفظ اللہ یا حق یا اہ یا ھو ھو کہہ کر کانپ اٹھا اور ہم کو یہ علم نہیں کہ یہ بذوق الہی کہتا ہے یا بغیر ذوق الہی کے۔ دریں صورتہائے مرقومہ شخص مذکور کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اور قرب وجوار کے آدمیوں کی نماز ہوگی یا فاسد ہو جائے گی؟

الجواب: في الدر المختار: مفسدات الصلوة، والأنين والتأوه والتأفیف و البكاء بصوت لوجع أو مصيبة قيد للأربعة الالمريض لا يملك نفسه عن أنين أو تأوه إلى قوله لا لذكر جنة أو نار. الخ (۱)

← لأنه ملتقي عظم الساق والقدم فعلى هذا لو صلت وكعباها مكشوفة تجوز صلاتها؛ لأن الكعب لا تبلغ ربع الساق مع الكعبين فافهم. امرأة صلت وربع ساقها مكشوف تعيد صلاتها عند أبي حنيفة، ومحمد إن استمر على ذلك قدر أداء ركن..... وإن انكشف عضو فستر من غير لبث لا يضره وإن أدى معه أي مع الانكشاف ركناً كالقيام إن كان فيه أو الركوع أو غيرهما يفسد ذلك الانكشاف صلاته، وإن لم يؤدي مع الانكشاف ركناً ولكن مكث مقدار ما يؤدي فيه ركناً بسنته وذلك مقدار ثلاث تسبيحات فلم يستر فسدت صلاته عند أبي حنيفة. (حلي كبير، كتاب الصلاة، شرائط الصلاة، الشرط الثالث، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۲۱۱-۲۱۵)

الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۳، رقم: ۱۵۴۶-۱۵۴۷۔

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمي ۲/۱۴، رقم: ۱۰۹۴-۱۰۹۵۔

(۱) الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۷۷-۳۷۸، كراچی ۱/۶۱۹۔ ←

وفیه باب الإمامة أما ما تعارفوه (عن رفع المؤذنین أصواتهم) في زماننا فلا يبعد أنه مفسد إذا الصياح ملحق بالكلام ففتح وبسط القول فيه في رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۶- (۱)
 اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر اس نے شوق و محبت الہی میں ایسا کیا تو اس کی نماز درست ہوگئی ورنہ نہیں۔ یہ تفصیل تو خود اس کی نماز میں ہے؛ لیکن پاس والوں کی نماز میں کسی حال میں فساد نہیں آتا۔
 (۲۸/ ذی الحجہ ۱۲۸ھ (تمہ اولیٰ ص ۳۲)

← والأئین والتأوه وارتفاع بكاءه من وجع أو مصيبة هذا الجار والمجرور قيد في الثلاثة وإنما أفسد لأن فيه إظهار التأسف والوجع فكان من كلام الناس لا من ذكر جنة أو نار لدلالة ذلك على الخشوع المطلوب في الصلاة. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۶۷-۲۶۸)

والتأفیف والأئین والتأوه وارتفاع بكاءه من وجع أو مصيبة..... إذا أمكنه الامتناع عنه، أما إذا لم يمكنه الامتناع عنه فلا تفسد به عند الكل كما في الظهيرية كالمريض إذا لم يمكنه منع نفسه عن الأئین والتأوه؛ لأنه حينئذ كالعطاس، ولجشاء إذا حصل بهما حروف لا من ذكر جنة أو نار اتفاقاً لدلالتهما على الخشوع. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۳۲۴-۳۲۵)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۰۷، كوئٹہ ۱/ ۳۴۵

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۷۸-۱۷۹ -

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۳۷، كراچی ۱/ ۵۸۹ -

وإنما كان أبو بكر مبلغاً للناس تكبيره وبه يعرف جواز رفع المؤذنين أصواتهم في الجمعة، والعديد وغيرهما كذا في الدراية قال في الفتح: ومقصوده حصول أثر الرفع لا خصوص المتعارف في زماننا بل لا يبعد أنه مفسد لاشتماله على مد هزمة أكبر أو بآية وكذا إن لم يشتمل لأنهم يبالغون في الصياح زيادة على الحاجة والصياح يلحق بالكلام وسيأتي في المفسدات أنه لو ارتفع بكاءه من وجع أو مصيبة فسدت لأنه لو صرح بذلك ←

چوتھائی عضو کھلے رہنے کی حالت میں نماز کا حکم

سوال (۳۶۰): قدیم ۱/۴۳۹ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کس قدر ستر مصلیٰ اندر نماز کے مکشوف ہو جاوے تو نماز باطل ہوتی ہے؟

الجواب: ربع عضو اگر کھل جاوے اور بقدر ادائے ایک رکن کے کھلا رہے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ یہ تو جب ہے کہ ایک جگہ سے اس قدر کھل جائے اور اگر دو جگہ سے تھوڑا تھوڑا کھل جائے تو اگر ایک عضو میں دو جگہ کھلا ہے تو اگر دونوں کو ملا کر بقدر ربع اس عضو کے ہو جاوے تب بھی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر ایک عضو میں ایک جگہ سے دوسرے عضو میں دوسری جگہ سے تھوڑا تھوڑا کھل رہا ہے تو ان دونوں عضو میں چھوٹا عضو ہے اگر اس کے ربع کی برابر دونوں جگہ ملا کر ہو گئی تب بھی نماز باطل ہو گئی۔

ویمنع كشف ربع عضو قدر أداء ركن بلاصنعه وتجمع بالأجزاء لوفى عضو واحد وإلا فبالقدر فإن بلغ ربع أدناها كاذن منع. (در مختار، مختصر، واللہ اعلم (امداد ص ۱۰۱ ج ۱) (۱)

← قال: وامصیبتاه أو أدر كوني فسدت فكذا ما هو بمنزلته. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا دیوبند ۱/۲۵۴)

فتح القدیر، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا دیوبند ۱/۳۸۰ - ۳۸۱، كوئٹہ ۱/۳۲۱)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبة زكريا دیوبند ۲/۸۲ - ۸۳، كراچی ۱/۴۰۹.

امراة صلت وربع ساقها مكشوف تعيد صلاتها عند أبي حنيفة، ومحمد إن استمر على ذلك قدر أداء ركن وإن كان أقل من ذلك أي من الربع لا تعيد اتفاقاً؛ لأن القليل عفو لا اعتباره عدماً باستقراء قواعد الشرع بخلاف الكثير..... وذكر في الزيادات لو أن امرأة صلت وهي تقدر على الثوب الجديد فلبست ثوباً خلقاً فانكشف من شعرها شيء ومن فخذها شيء ومن ساقها شيء وكان المنكشف بحيث لو جمع جميعه بلغ ربع الساق لاتجوز صلاتها فكأنه بنا على أن الساق أصغرها وهو اختيار البعض أن جمع المتفرق يعتبر بأصغر الأعضاء المنكشفة واختار شارح الكنز الزيلعي قول من قال المعتبر الجمع ←

نماز میں عینک لگانے کا حکم

سوال (۳۶۱): قدیم ۴۳۹/۱ - حالت نماز میں عینک لگائے رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ تقدیر ثانی کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی فقہائے متقدمین میں سے کسی نے اس مسئلہ کی تصریح کی ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا؟

الجواب: عینک لگانے کی عادت مستحدث (نئی) ہے اس لئے امید نہیں کہ کسی کے کلام میں اس کی تصریح ملے مگر قواعد سے یہ جواب ہے کہ فی نفسہ جائز ہے لیکن فعل عبث ہے اور عبث نماز میں مکروہ ہے اس عارض کے سبب یہ فعل مکروہ (*) ہوگا۔ (۱) (تمتہ اولیٰ ص ۴۱)

(*) البتہ جو لوگ عینک کے عادی ہیں یعنی بینائی کی کمزوری کی وجہ سے ”نمبری عینک“ لگاتے ہیں؛ چونکہ انہیں بغیر عینک کے طمانیت و سکون نہیں رہتا؛ اس لئے ان کے لئے یہ فعل عبث نہیں ہے اور مکروہ نہ ہوگا۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← بالأجزاء حتى لو كان المنكشف من الأذن ثمنها ومن الفخذ ثمنها أو من الأذن ثلث ربعها ومن الفخذ ثلثي ربعها ونحو ذلك يمنع وإن كان المنكشف من كل تسعها لا يمنع لأن التسعين أقل من الربع الخ. (حلبی کبیر، کتاب الصلاة، الشرط الثالث، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۲۱۳-۲۱۴)

ستر العورة شرط من شروط صحة الصلاة كما تقدم فلا تصح الصلاة إلا بسترها، وقد اتفق الفقهاء على بطلان صلاة من كشف عورته فيها قصداً، واختلفوا فيما لو انكشفت بلا قصد متى تبطل صلاته؟ فذهب الحنفية إلى أن الصلاة تبطل لو انكشف ربع عضو قدر أداء ركن بلا صنعه ويدخل في أداء الركن سنته أيضاً وهذا قول أبي يوسف واعتبر محمد أداء الركن حقيقة، قال ابن عابدين: والأول المختار للاحتياط وعليه لو انكشف ربع عضو أقل من أداء ركن فلا يفسد باتفاق الحنفية..... وهذا كله في الانكشاف الحادث في إثناء الصلاة، أما المقارن لا ابتداءها فإنه يمنع انعقادها مطلقاً اتفاقاً بعد أن يكون المكشوف ربع العضو. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۱۲۸)

النهر الفائق، کتاب الصلاة، شروط الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۱۸۳-۱۸۴۔
فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۲۶۷،
کوئٹہ ۱/۲۲۶۔

(۱) نظر والا چشمہ اور عینک کو علی الاطلاق فعل عبث نہیں کہا جاسکتا؛ کیونکہ جن لوگوں کی نگاہ کمزور ہیں ←

جاندار کی تصویر والے مصلیٰ پر نماز کی کراہت

سوال (۳۶۲): قدیم ۱/۳۳۹- اگر کسی سجادہ پر سجدہ کی جگہ تصویر انسانی یا حیوانی ہو مذہب امام شافعی و حنفی کے علماء اس پر نماز کا حکم دیتے ہیں یا نہیں ہر دو مذہب کے مسئلہ کے حل سے بحديث صحیح و آیات قرآنیہ یا یہ نص پورے طور سے وضع و خلاصہ تحریر فرمادیں کہ اس سجادہ پر نماز درست یا مکروہ یا واجب جو کچھ حل و حرمت سے ہو، بنظر عنایت رحمت آگاہی بخشیں؟

الجواب: في الدر المختار مكروهات الصلوة وأن يكون فوق رأسه وبين يديه أو بحدائنه يمنة أو يسرة أو محل سجوده تمثال الخ (۱) وفيه أولها وكره هذه تعم التنزيهية

← ان کے لئے فعل عبث کہنا مشکل ہے؛ اس لئے کہ بہت سے لوگ عینک اور چشمہ لگائے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے؛ لہذا حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے قواعد کے پیش نظر جو حکم تحریر فرمایا ہے، وہی اصل اور وہی زیادہ صحیح ہے کہ فی نفسہ جائز ہے، ہاں البتہ اگر شوقیہ طور پر محض زینت کے لئے عینک لگا رکھا ہے، جس میں نظر کی کمی کوئی پریشانی نہیں ہے تو اگرچہ قواعد سے فی نفسہ جائز ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے اگر سجدہ صحیح طور پر نہیں ہوتا ہے، تو کراہت آجائے گی اور اگر سجدہ میں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہے تو اس کے ساتھ نماز بلا کراہت جائز ہے۔

وكمال السنة في السجود وضع الجبهة والأنف جميعاً ولو وضع أحدهما إن كان من عذر لا يكره. (هندي، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، قديم زكريا ۱/۷۰، جديد زكريا ۱/۱۲۷)

ويسجد على أنفه وجبهته هذا هو السنة وإن وضع جبهته وحدها دون الأنف جاز وكذا لو وضع أنفه وبالجبهة عذر فإنه يجوز ولا يكره. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ۱/۶۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۱۶، کراچی ۱/۶۴۸۔

ویکره السجود على صورة ذي روح لأنه يشبه عبادتها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۵۵)

ولا يسجد على التماوير لأنه يشبه عبادة الصورة، وأطلق الكراهة في الأصل ←

 التي مرجعها خلاف الأولى فالفارق الدليل فإن نهيا ظني الثبوت ولا صارف فتحريمية
 وإلا فتتزيهية. (۱)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورتِ مسئلہ میں نماز مکروہ ہوگی اور کراہت بھی تحریمی ہوگی جو حکمِ حرام
 میں ہے اور میرے پاس مذہبِ شافعی کی کتاب نہیں ہے۔

(۲۷/شوال ۱۳۳۱ھ (تمہ ثانیہ ص ۸۱))

 ← لأن المصلي معظم (هداية) وفي الفتح قوله: واطلق الكراهية في الأصل أي يكره
 أن يسجد على الصورة أولا، وقيدها في الجامع بأن يكون في موضع سجوده فإن كانت في
 موضع قيامه وقعوده لا يكره لما فيه من الإهانة، وجه ما في الأصل أن المصلي أي السجادة
 التي يصلي عليها معظم فوضع الصورة فيه تعظيم لها حيث ما كانت منه بخلاف وضعها على
 البساط الذي لم يعد للصلاة. (فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل ويكره للمصلي الخ، مكتبه
 زكريا ۴۲۷/۱، كوئته ۳۶۲/۱)

اتفقت كلمة الفقهاء على أن من صلى وفي قبلته صورة حيوان محرمة فقد فعل
 مكروها لأنه يشبه سجود الكفار لأصنامهم وإن لم يقصد التشبه، أما إن كانت الصورة في
 غير القبلة كأن كانت في البساط أو على جانب المصلي في الجدار أو خلفه أو فوق رأسه
 في السقف فقد اختلفت كلمتهم في ذلك فقال الحنفية كما في الدر وحاشية الطحطاوي
 يكره للمصلي لبس ثوب فيه تماثيل ذي روح وأن يكون فوق رأسه أو بين يديه أو بحذائه
 يمنية أو يسرة أو محل سجوده تماثل. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/۱۲۶)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند
 ۴۶/۲، كوئته ۲۷/۲۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، مطلب مكروهات الصلاة، مكتبه زكريا
 ديوبند ۴۰۴/۲، کراچی ۶۳۹/۱۔

وعند محمد المکروه کراهة تحریم حرام ثبتت حرمة بدليل ظني؛ لأنه يرى أن
 ما لزم تركه إن ثبت ذلك بدليل قطعي يسمى حراماً وإلا يسمى مكروها كراهة التحريم.
 (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/۳۷۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قبر اطهر کے نقشہ کے سامنے نماز کا حکم

سوال (۳۶۳): قدیم ۱/۴۴۰- مسئلہ مدینہ منورہ کا نقشہ جس میں حضور ﷺ کے مزار کا قبر بھی ہے اگر نماز میں سامنے لٹکا ہو تو نماز میں کچھ خرابی تو نہ ہوگی؟

الجواب: في رد المحتار عن لحدية وتكره الصلوة عليه (ای علی القبر) وإليه لورود النهی عن ذلك ج ۱ ص ۹۴۵. (۱) وفي الدر المختار أو غير ذی روح لا يكره لأنها لا تعبد وفي رد المحتار فعلى هذا ينبغي أن يكره استقبال عين هذه الاشياء (ای الشمس والقمر والكواكب والشجرة الخضراء) معراج لأنها عين ما عبد بخلاف ما لو صورها واستقبل صورتها. (ج ۱ ص ۶۷۸) (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۱۵۴، كراچی ۲/۲۴۵۔
عن أبي مرثد الغنوي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها. (مسلم شريف، كتاب الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، النسخة الهندية ۳۱۲/۱، بيت الأفكار رقم: ۹۷۲)
أبو داود شريف، كتاب الجنائز، باب في كراهية القعود على القبر، النسخة الهندية ۲/۴۶۰، دار السلام رقم: ۳۲۲۹۔

ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب في كراهية الوطي والجلوس عليها، النسخة الهندية ۲۰۳/۱، دار السلام رقم: ۱۰۵۰۔

ويكره الجلوس على القبر وكذا النوم والصلاة والبول والغائط. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۴۰۴)

(۲) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۱۸، كراچی ۱/۶۴۹۔

إلا أن تكون صغيرة أو مقطوعة الرأس لأنها لا تعبد بلا رأس أو تكون غير ذي روح كالشجرة لأنها لا تعبد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في

المكروهات، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۳۶۲) ←

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ قبر کا نمازی کے سامنے ہونا مکروہ ہے لیکن قبر کے نقشہ کا سامنے ہونا کچھ حرج نہیں کیونکہ نقشہ قبر کی کوئی پرستش نہیں کرتا البتہ اگر کسی قوم کی یہ رسم بھی ثابت ہو جاوے تو پھر اس میں بھی کراہت ہو جاوے گی۔

۷/شوال ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۷۳)

نماز میں یکبارگی دو صفوں تک پیدل چلنے سے فساد نماز کا حکم

سوال (۳۶۴): قدیم ۴۴۰/۱ - امام نے اپنے مقتدیوں سے کہا کہ دیکھو اگر پانی برسنے لگے تو میں مسجد کے اندر ہولوں گا اور تم لوگ میرے پیچھے آجانا مگر رُخ قبلہ سے نہ پھرنے پاوے چنانچہ امام اور مقتدیوں نے ایسا کیا بھی تو ایسی صورت میں نماز میں فساد آویگا یا نہیں؟ خصوصاً جبکہ فاصلہ امام کے پہلے مقام اور دوسرے مقام کا اس مقدار سے کہیں زیادہ ہے جتنے میں دو صفیں قائم ہو سکتی ہیں شامی میں تلاش کیا عذر مطر کی تخصیص ایسی صورت میں تو ملی نہیں اگر بحوالہ شامی جواب عنایت ہو تو زیادہ سہولت ہوگی حدیث و خوف کے علاوہ اعذار میں بشرط عدم تحویل قبلہ تو عدم فساد صلوٰۃ کی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے مگر شبہ یہ ہے کہ مطر عذر بھی ہے یا نہیں کیونکہ معمول علماء کا ایسا نہیں دیکھا کہ پانی برسنے کے وقت نماز ہی میں مسجد کے اندر چلے جاتے ہوں خیر دلیل شرعی ہونا ضروری ہے؟

الجواب: حدیث میں نص ہے۔ اقلتوا الأسودین فی الصلوٰۃ الحیة والعقرب۔ (۱)

← إلا أن تكون صغيرة أو مقطوعة الرأس أو لغير ذي روح أي أو كانت الصورة صورة غير ذي الروح مثل أن تكون صورة النخل أو غيرها من الأشجار لأنها لا تعبد عادةً وعن ابن عباس أنه رخص في تمثال الأشجار. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۴۱۵، امدایہ ملتان ۱/ ۱۶۶)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۲۸۴-۲۸۵

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۵۰، کوئٹہ ۲۸/۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) أبوداؤد شریف، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۳،

دار السلام رقم: ۹۲۱ - ←

اور باوجود اس کے اس قتل کو عمل کثیر مفسد صلوٰۃ علی الاصح کہا گیا ہے۔

كما في الشامی قوله لكن صحح الحلبي الفساد حيث قال تبعاً لابن الهمام فالحق فيما يظهر هو الفساد والامر بالقتل لا يستلزم صحة الصلوة مع وجوده كما في صلوٰۃ الخوف بل الأمر في مثله لإباحة مباشرته وإن كان مفسد للصلوة. اه ونقل كلام ابن الهمام في الحلية والبحر والنهر واقرؤه عليه وقالوا إن ما ذكره السرخسي (من أنه عمل رخص فيه للمصلي فهو كالمشي بعد الحدث بحر). رده في النهاية بانه مخالف لما عليه عامة رواة شروح الجامع الصغير ومبسوط شيخ الإسلام من ان الكثير لا يباح. اه ج ۱ ص ۶۸۱. (۱)

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر بقتل الأسودين في الصلاة العقرب والحية. (ابن ماجة شريف، إقامة الصلاة، كتاب الصلاة، باب ما جاء في قتل الحية والعقرب في الصلاة، النخسة الهندية ص: ۸۸، دار السلام رقم: ۱۲۴۵)

ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في قتل الأسودين في الصلاة، النسخة الهندية ۷۵/۱، دار السلام رقم: ۳۹۰

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۴۲۲/۲، كراچی ۶۵۱/۱۔

قوله: لأنه مع الأمن يكره العمل الكثير أما إذا كان بعمل قليل كأن وطئهما بنعله وهو في الصلاة فلا كراهة؛ ثم الكراهة عند الأمن مع عدم الفساد رواية الحسن عن الإمام وكذا قال السرخسي: أنها لا تفسد بقتلهما ولو بعمل كثير ولو بانحراف عن القبلة وصحح الحلبي الفساد، وهو ما عليه عامة شروح الجامع الصغير ورواية مبسوط شيخ الإسلام قال الكمال الحق الفساد فيما يظهر؛ لكن لا إثم بمباشرته في الصلاة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فيما لا يكره للمصلي، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۳۷۰)

حلبي كبير، كتاب الصلاة، كراهية الصلاة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۳۵۴۔
البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۵۴/۲، كوئٹہ ۳۰/۲۔

اور مطر تو ہر طرح اس سے اخف ہے کہ نہ اس میں کوئی ایسی نص ہے اور نہ اس میں ایسا خوف ضرر ہے اس لئے اس کے سبب سے مشی بدرجہ اولیٰ مفسد صلوٰۃ ہوگی البتہ اگر درمیان میں وقفات ہوتے جائیں تو اس کو عمل کثیر نہ کہا جاوے گا۔

کما فی العالمگیریۃ: المشی فی الصلوٰۃ إذا کان مستقبل القبلة لا یفسد إذا لم یکن متلاحقاً إلی قوله لو مشی فی صلاته مقدار صف واحد لم تفسد صلوٰۃ ولو کان مقدار صفین إن مشی دفعة واحدة فسدت صلوٰۃ وإن مشی إلی صف ووقف ثم إلی صف لا تفسد. کذا فی فتاویٰ قاضی خان (ج ۱ ص ۶۵) (۱)

۲۷/ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۸۲)

ننگے سر نماز کا حکم

سوال (۳۶۵): قدیم ۴۴۲/۱ - ٹوپی کے اوپر دستار باندھی اور دستار کے نیچ کے درمیان سے ٹوپی نظر آوے یعنی سر کی سطح اعلیٰ پر جو ٹوپی ہے وہ نظر آوے اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ہوگی یا نہ یا کہ ننگے سر پر دستار باندھی اور سر کی سطح اعلیٰ دیکھی گئی نماز اس صورت میں مکروہ ہوگی؟ اس بارہ میں بھی اختلاف بہت ہو رہا ہے جواب باصواب ارقام فرمادیں؟

(۱) الفتاویٰ الہندیۃ، الباب السابع فیما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا، قدیم زکریا ۱۰۳/۱، جدید زکریا ۱۶۱/۱ -

حانیۃ علی الہندیۃ، فصل فیما یفسد الصلوٰۃ، قدیم زکریا ۱۳۴/۱، جدید زکریا ۸۴/۱
 إن المشی لا یخلو: إما أن یکون بلا عذرٍ أو بعذرٍ فالأول إن کان كثيراً متوالياً
 تفسد وإن لم یستدبر القبلة وإن کان كثيراً غیر متوالٍ؛ بل تفرق فی رکعات أو کان قليلاً
 فإن استدبرها فسدت صلاته للمنافی بلا ضرورة وإلا فلا، وکرہ لما عرف أن ما أفسد
 کثیرہ کرہ قليله بلا ضرورة وإن کان بعذرٍ فإن کان للطهارة عند سبق الحدث أو فی صلاة
 الخوف لم یفسدها ولم یکرہ قل أو کثر استدبر أولاً وإن کان لغير ما ذکر فإن استدبر معه
 فسدت قل أو کثر وإن لم یستدبر فإن قل لم یفسدها ولم یکرہ وإن کان كثيراً متلاً حقاً أفسد.
 (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا

دیوبند ۳۸۹/۲، کراچی ۶۲۸/۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدر المختار مكروهاات الصلوة و صلوتہ حاسراً أي كاشفا رأسه للتكاسل ولا بأس به للتذلل واما للإهانة بها فكفرو ولو سقطت قلنسوته فاعادتها افضل إلا إذا احتاجت لتكوير أو عمل كثير مع رد المختار. (ج ۱ ص ۶۷۰) (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر ٹوپی نظر آوے تو کراہت نہیں ہے۔

لأنه ليس بحاسر كيف و اذا جازالاكتفاء بالقلنسوة كما يدل عليه قوله ولو سقطت قلنسوته الخ فكيف اذا كانت على بعضها العمامة ايضاً اور اگر سر نظر آوے تو کراہت ہے۔

لأنه حاسر - فقط ۱۶ شوال ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث ص ۸۹)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۰۷، كراچی ۱/ ۶۴۱۔

ويكره الصلاة حاسراً رأسه تكاسلاً أو تهاوناً وفي الذخيرة: إذا كان يجد العمامة، ولا بأس إذا فعله تذلاً وخشوعاً؛ بل هو حسن وفي الحجة: سئل صاحب الكتاب عمن سقطت قلنسوته أو عمامته في الصلاة كيف يصنع؟ فقال: رفع القلنسوة بعمل قليل بيد واحدة أفضل من الصلاة مع كشف الرأس وأما العمامة، فإن أمكنه رفعها ووضعها على رأسه معقودة كما كانت فستر الرأس أولى بيد واحدة، وإن انحلت العمامة ويحتاج إلى تكويرها فالصلاة مع كشف الرأس أولى من عقد العمامة وقطع الصلاة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره للمصلي وما لا يكره، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۰۲-۲۰۳، رقم: ۲۱۴۷-۲۱۵۱)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره في الصلاة وما لا يكره، المجلس العلمي ۲/ ۱۳۹، رقم: ۱۴۱۹۔

وتكره الصلاة حاسراً رأسه إذا كان يجد العمامة وقد فعل ذلك تكاسلاً أو تهاوناً بالصلاة ولا بأس به إذا فعله تذلاً وخشوعاً بل هو حسن. (هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره قديم زكريا ۱/ ۱۰۷، جديد زكريا ۱/ ۱۹۰)

وصلاته حاسراً رأسه للتكاسل أو للتهاون بها، ليس المراد بالتهاون الإهانة بالصلاة فإنها كفر؛ بل المراد قلة رعايتها ومحافظة حدودها. (شرح وقاية، ←

امام سے قبل مقتدی کا سلام اول کو ختم کرنا مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں؟

سوال (۳۶۶): قدیم ۴۴۲/۱ - قطب الاقطاب حضرت مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ایک فتویٰ مولوی عاشق الہی صاحب میرٹھی تذکرۃ الرشید جلد اول میں ارقام فرماتے ہیں وہ یہ ہے ”کہ اگر مقتدی اپنے پہلے سلام کو امام سے پہلے ختم کرے تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی اکثر لوگ اس سے غافل ہیں سننے والا دوسروں کو سنا دے“ اس عبارت میں اور درمختار کی اس عبارت میں تعارض ہے۔

ولو اتّمه قبل إمامه فتكلم جازو كره فلو عرض مناف تفسد صلوٰۃ الإمام فقط.
درمختار ج ۱ ص ۸۷، (۱) مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی صاحب درمختار کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز فاسد نہیں ہونے کی۔ قول فیصل اس بارہ میں کیا ہے۔ فقط؟

الجواب: یہی شبہ مجھ کو بھی ہوا تھا اور ہے میرا گمان یہ ہے کہ حضرتؒ نے کراہتہ فرمایا ہوگا ناقلین نے فساد نقل کر دیا۔ اگر خود جامع تذکرہ سے تحقیق کی جاوے شاید وہ کچھ زیادہ تفصیل لکھ سکیں۔

فقط ۲۴/۳۳۷ صفر ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۸۲)

← کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ بلال دیوبند ۱/۶۸
مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۸۷۔

شرح النقایۃ، کتاب الصلاة، فیما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ اعزازیۃ دیوبند ۱/۹۵۔

(۱) الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۴۰، کراچی ۵۲۵۔

عن عبد الله بن عمرؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا جلس الإمام في آخر ركعة، ثم أحدث رجل من خلفه قبل أن يسلم الإمام فقد تمت صلاته. (سنن الدارقطني، كتاب الصلاة، باب من أحدث قبل التسليم، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۳۶۸، رقم: ۱۴۰۷)
و کرہ سلام المقتدی بعد تشهد الإمام قبل سلامه الخ. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی صفة الأذکار، مکتبہ دار الکتب دیوبند ص: ۳۱۱) ←

کیا چادر و رضائی کا لٹکانا اسباب میں داخل ہے؟

سوال (۳۶۷): قدیم ۴۴۳/۱ - کرتا، انگرکھا، پانجامہ ٹخنے سے نیچے لٹکانا مردوں کو جائز نہیں۔ آیا اس میں چادر و رضائی داخل ہوگی جبکہ اس کا آنچل کندھے پر ڈالا جاوے اور ٹخنوں سے نیچے لٹک جاوے اور ٹھننے کی حالت میں؟

الجواب: چادر و رضائی کا لٹک جانا اس میں داخل نہیں کیونکہ وہ موضوع اس لئے نہیں ہیں کہ ٹخنے سے نیچے رہے محض اتفاقی امر ہے۔ (۱)

جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۴۸)

← والقعدة في آخر الصلاة مقدار التشهد أي من قوله التحيات إلى عبده ورسوله هو الصحيح حتى لو فرغ المقتدي قبل فراغ الإمام فتكلم فصلاته تامة قال في المحيط لو فرغ المقتدي قبل فراغ الإمام فسلم أو تكلم فصلاته تامة. (الجوهر النيرة، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ۵۹/۱، الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، قديم زكريا ۷۱/۱، جديد زكريا ۱۲۸/۱)

(۱) چادر، کبیل، ہلکی رضائی جو چادر کی طرح اوڑھی جاتی ہے، وہ سب ٹخنے سے نیچے لٹکائی جائے اور ان کو اوپر کرنے کی کوشش نہ کی جائے، تو اسی طرح وعید میں شامل ہوں گے، جس طرح پانجامہ اور لنگی لٹکانے کی ہوتی ہے۔

”من جرّ ثوبه“ یدخل فيه الإزار، والرداء، والقميص، والسر اويل، والجبة، والقباء وغير ذلك مما يسمى ثوباً. (عمدة القاري، كتاب اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، قديم ۲۱/۲۹۵، جديد مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/۱۵، رقم: ۵۷۸۳)

من جرّ ثوبه ظاهره أن هذا الحكم عام للرداء، والقميص، والإزار جميعاً فيمنع من إساءة كل واحد منهما. (تكملة فتح الملهم، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴/۱۲۰)

وكذا أطلق في الترجمة لم يقيد بالإزار كما في الخبر إشارة إلى التعميم في الإزار، والقميص وغيرهما. (فتح الباري، كتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبين في النار قديم ۱۰/۲۵۶، جديد مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۰/۳۱۵، رقم: ۵۷۸۷) ←

عطاء کی جگہ عذاب اور عذاب کی جگہ عطاء کے الفاظ پڑھنے سے فساد نماز کا حکم

سوال (۳۶۸): قدیم ۱/۴۳۳ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لفظ ”عطاء“ جو قرآن میں آیا ہے وہ موقع انعام و جزائے اعمال صالحہ میں آیا ہے اگر کوئی شخص اس لفظ کو غلطی سے موقع عذاب میں پڑھے تو نماز فاسد ہوگی یا نہ یا اعادہ نماز مستحب ہوگا یا نہ؟

الجواب: فی فتاویٰ قاضی خان: وإن تغیر المعنی بأن قرأَ الأبرارَ لفی جحیم وإن الفجارَ لفی نعیم أَوْ قرأَ إِنْ الذین امنوا و عملوا الصّٰلِحٰتِ اولئک هم شر البریة أَوْ قرأَ وجوه یومئذٍ علیہا غبرة أولئک هم المؤمنون حقاً، تفسد صلوٰتہ؛ لأنه أخبر بخلاف ما أخبر الله به. (۱)

← ومن جرّ ثوبه خيلاء والشوب يعم الإزار، والقميص، والرداء، والعمامة، والطيلسان. (بذل المجهود، كتاب اللباس، باب ما جاء في إسبال الإزار قدیم ۵/۵۳، جدید دار البشائر الإسلامية بیروت ۱۲/۱۱۳)

وعن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من جرّ ثوبه وهو شامل لإزاره، وردائه وغيرهما. (مرقاۃ المفاتیح، مکتبہ اشرفیہ و امدادیہ ملتان ۸/۱۳۸)

(۱) خانیۃ علی الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، فصل فی قراءۃ القرآن خطاً وفي الأحكام المتعلقة بالقراءۃ قدیم زکریا ۱/۱۵۳، جدید زکریا ۱/۹۶۔

صحیح اور مفتی بقول یہی ہے کہ وعدہ کی جگہ وعید اور وعید کی جگہ وعدہ کے الفاظ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وإن تغیر المعنی نحو أن یقرأ إن الأبرارَ لفی جحیم وإن الفجارَ لفی نعیم فأكثر المشایخ علی أنها تفسد وهو الصحیح، هكذا فی الظہیریۃ. (ہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الرابع فی صفة الصلاۃ، الفصل الخامس فی زلة القاري قدیم زکریا ۱/۸۰، جدید زکریا ۱/۱۳۸) وإن كان اختلافاً متباعدًا نحو أن یختم آية الرحمة بآية العذاب أو آية العذاب بآية الرحمة..... فعلى قول أبي حنيفة، ومحمد تفسد صلاته. (الفتاویٰ التاتارخانیۃ، کتاب الصلاۃ، الفصل الثانی مسائل زلة القاري، مکتبہ زکریا ۲/۹۶، رقم: ۱۸۴۳)

المحیط البرہانی، کتاب الصلاۃ، الفصل الثانی فی الفرائض والواجبات، المجلس العلمي ۶۷/۲، رقم: ۱۲۵۵ ←

چونکہ صورت مسئلہ میں بھی ظاہراً تغیر فاحش ہو گیا لہذا اقتضاء قاعدہ کافساد ہے لیکن احقر کے نزدیک اس کی یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ اس کو تنہم پر محمول کیا جاوے جیسے: فبشرهم بعذاب الیم، اور اس کا مقتضاء عدم فساد ہے اول کا مقتضاء وجوب اعادہ ہے نہ کہ ثانی کا والاول احوط والثانی اوسع۔

(۲۱/ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۲ ج ۱)

مسجد کی چھت پر نماز کا حکم

سوال (۳۶۹): قدیم ۱/۴۴۴ - ہم مصلیان مسجد میر محمود صاحب مرحوم مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر دریافت کرتے ہیں کہ مسجد کی چھت پر نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں (۱) مسجد پست بنی ہے (۲) در چھوٹے اور موٹے کولوں کے ہیں اور اندرون مسجد ہوا کی آمد و رفت کم ہے جس کے باعث نماز میں گرمی کی شدت سے طبیعت پریشان ہوتی ہے (۳) مسجد کی وضع قطع کے ماتحت یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسجد بناتے وقت چھت پر نماز پڑھنا بھی مقصود تھا زینہ بہت عرصہ کے بعد بنالیا گیا ہے (۴) کسی مکان کی بے پردگی نہیں ہوتی ہے؟

الجواب: فی العالمگیریۃ الباب الخامس من الکراہیۃ الصعود علی سطح کلمسجد مکروہ ولہذا إذا اشتد الحر یکرہ أن یصلوا بالجماعۃ فوقاً إلا إذا ضاق المسجد

← کما لو بدل کملۃ بکلمۃ وغیر المعنی نحو إن الفجار لفی جنات (در مختار) وفي الشامیۃ قولہ: کما لو بدل الخ، هذا علی أربعة أوجه لأن الكلمة التي أتى بها، إما أن تغیر المعنی أولاً وعلی کل فإما أن تكون فی القرآن أولاً فإن غیرت أفسدت اتفاقاً فی نحو فلعنة الله علی المؤحدین الخ. (شامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۹۷/۲، کراچی ۱/۶۳۳)

لو غیر المعنی تفسد نحو إن قرأ إن الذین آمنوا وکفروا وعلیوا الصالحات أولئک ہم خیر البریۃ أو قرأ إنما نملي لهم لیزدادوا إثماً وجمالاً وكذا لو قرأ فأما من طغی و آمن وآثر الحیاة الدنیا فإن الجحیم هی المأوی الخ. (خلاصۃ الفتاوی، کتاب الصلاة، الفصل الثانی عشر فی زلة القاری، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۱۷۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فحينئذ لا يكره الصعود على سطحه للضرورة كذا في الغرائب. (۱)

اس میں تصریح ہے کہ صورت مسئلہ عنہا میں چھت پر جماعت کرنا مکروہ ہے۔ (*) (۲)

(۱۴/ صفر ۱۳۵۴ھ (النور محرم ۱۳۵۵ھ ص ۹)

نوٹ: ہوا اور گرمی کا علاج دیوار قبلہ یا یمن و شمال میں درپچہ کھولنے سے ہو سکتا ہے۔ اشرف علیؒ

(*) مسجد کی چھت پر تنہا یا باجماعت نماز پڑھنے کی کراہت کا مدار چھت پر چڑھنے کی کراہت پر ہے؛ چنانچہ عالمگیریہ میں غرائب سے جو کراہت صلوٰۃ نقل کی ہے، وہ کراہت صعد علی سطح پر متفرع ہیں؛ لیکن شامیؒ نے درمختار کے قول و کرہ تحریر الوطء فوقہ کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

أي الجماع "خزائن" أما الوطء فوقه بالقدم فغير مكروه إلا في الكعبة لغير عذر، لقولهم بکراهية الصلوة فوقها.

اور جب صعد علی سطح مکروہ نہیں تو چھت پر نماز پڑھنا بھی مکروہ نہیں، پھر شامیؒ نے قہستانی سے کراہیہ صعد علی سطح کا جزئیہ بھی نقل کیا ہے اور اس پر کراہیہ صلوٰۃ علی سطح المسجد متفرع کی ہے؛ لیکن علامہ شامیؒ کو اس پر اطمینان نہیں ہے؛ اس لئے فلیتأمل فرمایا ہے۔ (رد المحتار ۱۴/۲، شامی، کتاب الصلوة، مکتبہ زکریا ۲/۲۸، کراچی ۱/۶۵۶)

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی شرح منیہ اور شامی کی مذکورہ عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں: خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ بعض عبارت سے جواز نماز فوق مسجد معلوم ہوتا ہے اور بعض سے کراہت معلوم ہوتی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم جدید ۱۵۰/۲، سوال ۱۶۲۱)

پس تطبیق کی صورت ذہن میں یہ آتی ہے کہ نفی کراہت تحریمی کی ہے اور اثبات کراہت تنزیہی کا؛ لہذا مسجد کی چھت پر تنہا یا باجماعت نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے؛ البتہ عذر کے وقت مثلاً نیچے جگہ نہ ہو یا گرمی شدید ہو اور درپچوں سے بھی علاج نہ ہو سکے اور دیگر کوئی محذور شرعی بھی نہ ہو مثلاً قرب وجوار کے مکانوں کی بے پردگی تو چھت پر تنہا یا باجماعت نماز پڑھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) ہندیہ، کتاب الکراہیہ، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ قدیم ۳۲۲/۵، جدید زکریا ۳۷۲/۵۔

ثم رأيت القهستاني نقل عن المفيد كراهية الصعود على سطح المسجد ويلزمه كراهية الصلوة أيضاً فوقه فليتأمل. (الدر المختار مع الشامي، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۲۸، کراچی ۱/۶۵۶) ←

مواضع غضب و عذاب میں ممانعت نماز اور اس کی حکمت

سوال (۳۷۰): قدیم ۱/۴۴۵ - کئی ایام سے ایک شبہ دل میں واقع ہو رہا ہے۔ اب تک بدستور ہے اس لئے عرض کر کے حل چاہتا ہوں وہ یہ کہ بندہ چونکہ ضعیف و ناتواں ہے ایک ضد سے تاثر کے وقت دوسری ضد.....

← (۲) اس مسئلہ میں سائل نے چھت پر باجماعت نماز کے لئے جو عذر پیش کئے ہیں، ان کی بناء پر چھت پر نماز پڑھنے میں آس پاس کے گھروں کی بے پردگی کا خطرہ نہ ہو، تو چھت پر باجماعت نماز پڑھنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، ہندیہ کی عبارت جو حضرت والا تھانویؒ نے نقل فرمائی ہے جس میں مسجد کی چھت پر باجماعت نماز کو مکروہ کہا گیا ہے، یہ اس وقت ہے کہ جب آس پاس کے گھروں کی بے پردگی کا خطرہ ہو؛ اس لئے نہیں کہ چھت مسجد سے خارج ہے؛ اس لئے حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی نے توجیہات کر کے مسجد کی چھت پر جماعت سے نماز کو اپنے حاشیہ میں جائز لکھا ہے۔ نیز فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲۰۱/۱۰، جدید ڈابھیل ۱۲/۵۳۱، میرٹھ ۲۲/۳۲۱، فتاویٰ دارالعلوم جدید ۱۵۰/۴، کفایت المفتی قدیم ۱۱۶/۳، جدید ۱۲۶/۳، جدید مطول ۳۰۳/۳ وغیرہ میں صراحۃً یا اشارۃً مسجد کی چھت پر نماز باجماعت کو بلا کراہت جائز لکھا ہے۔

نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ کئی منزلہ مسجد کے اوپر کی منزلوں کو چھوڑ کر نیچے کی منزل میں جس طرح باجماعت نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے اسی طرح نیچے کی منزل کو چھوڑ کر اوپر کی منزلوں میں باجماعت نماز پڑھنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، نیز کئی منزلہ مسجد میں کسی ایک منزل کو مستقل جماعت خانہ بنا لیا جائے تو اس طرح بلا کراہت جائز ہے، جس طرح مجمع کثیر ہونے کی صورت میں ہر منزل میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہو جاتا ہے؛ اس لئے کہ ہر منزل مسجد شرعی میں شامل ہے؛ کیونکہ جب مسجد بن گئی تو من تحت الثریٰ الیٰ عنان السماء سب مسجد ہی کے حکم میں ہیں اسی طرح کسی بھی منزل میں اعتکاف کرنا بھی بلا کراہت جائز ہے اور معتکف کا چھتوں پر جانا بھی بلا کراہت جائز ہے جیسا کہ اوپر اکابر کی کتابوں کا حوالہ پیش کیا جا چکا ہے۔

چند روایات و جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

عن صالح مولى التوأمة قال: كنت أصلي أنا وأبو هريرة فوق ظهر المسجد نصلي بصلاة الإمام للمكتوبة. الحديث. (سنن كبرى للبيهقي، مكتبة دار الفكر، كتاب الصلاة،

۲۷۷/۴، رقم: ۵۳۴۵، مكتبة دار الحديث القاهرة ۳/۴۰۱، رقم: ۵۲۴۴)

عن ابن عباسؓ قال: لا بأس بالصلاة في رحبة المسجد والبلاط للصلاة الإمام الحديث. (سنن كبرى للبيهقي ۴/۲۷۷، رقم: ۵۳۴۴، مكتبة دار الحديث

القاهرة ۳/۴۰۰، رقم: ۵۲۴۳) ←

کے تحمل نہیں کر سکتا۔ مگر حق تعالیٰ چونکہ قادر مطلق ہیں وہ متاثر و منفعل نہیں ہوتے۔ پھر مواضع غضب و عذاب میں جانے آنے یا نماز پڑھنے سے نہی کیوں فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ اصحاب حجر کے متعلق ارشاد ہے:

لَا تَدْخُلُوا عَلَى هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ الْمَعْذِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَاَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ أَنْ يَصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمُ الْحَدِيثُ. (۱) اس کی حکمت ارشاد فرمادی جاوے؟
الجواب: ایک توجیہ یہ خیال میں آئی تھی مگر اس احتمال پر کہ شاید کسی نے اس سے اچھی توجیہ لکھی ہو کتابوں کا مطالعہ کیا بحمد اللہ تعالیٰ فتح الباری میں بتغییر الفاظ وہی توجیہ نکلی جو خیال میں آئی تھی اس میں شبہ مذکورہ فی السوال کا جواب بھی ہے اس لئے اس کو نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

«وَالْوُطْأُ فَوْقَهُ أَيْ فَوْقَ الْمَسْجِدِ وَالْبَوْلُ وَالتَّخْلِي لِأَنْ سَطَحَ الْمَسْجِدُ إِلَى عَنَانِ السَّمَاءِ وَلِهَذَا يَصَحُّ اقْتِدَاءُ مَنْ بِسَطَحِ الْمَسْجِدِ بَمَنْ فِيهِ إِذَا لَمْ يَتَقَدَّمْ عَلَى الْإِمَامِ وَلَا يَطْلُ الْإِعْتِكَافُ بِالصُّعُودِ إِلَيْهِ وَلَا يَحِلُّ لِلْجَنْبِ، وَالْحَائِضُ، وَالنَّفْسَاءُ الْوُقُوفُ عَلَيْهِ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هَذِهِ الدَّارَ فَوْقَ عَلَى سَطْحِهَا يَحْتِثُ فَإِذَا ثَبَتَ أَنَّ سَطْحَ الْمَسْجِدِ مِنَ الْمَسْجِدِ يَحْرُمُ مَبَاشَرَةُ النِّسَاءِ فِيهِ الْخ. (تبيين الحقائق للزيلعي جديد ۱/ ۴۱۹، قديم ۱/ ۱۶۸، شامي، زكريا ديوبند ۲/ ۴۲۸، كراچي ۱/ ۶۵۶)

سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح الإقتداء بمن تحته الخ. (مجمع الأنهر، بيروت ۱/ ۱۹۰، البحر الرائق جديد ۲/ ۲، كراچي ۲/ ۳۴)

قال محمد يكره المجامعة والبول فوق المسجد، وهذا لما عرف أن حكم المسجد ثابت في الهواء والعروسة جميعاً؛ ولهذا أن من قام على سطح المسجد مقتدياً بإمام في المسجد وهو خلف الإمام يجوز والمعتكف إذا صعد سطح المسجد لا ينقص اعتكافه ولا يحل للجانب، والحائض، والنفساء صعود سطحه الخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية ۱۸/ ۶۴، رقم: ۲۸۰۳۶، فتاوى قاسمية ۶/ ۱۲۲ تا ۱۲۴) میں مفصل جواب موجود ہے وہاں سے مراجعت فرمائیے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ ۹/ رجب المرجب ۱۴۳۷ھ

(۱) مسلم شریف، کتاب الزہد والرقاق، باب لا تدخلوا مساکن الذين ظلموا أنفسهم إلا أن تكونوا باکین، النسخة الهندية ۲/ ۴۱۰، بیت الأفكار رقم: ۲۹۸۰۔

بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الصلاة في مواضع الخسف والعذاب، النسخة الهندية

فقال وجه هذه الخشية أن البكاء يبعثه على التفكير والاعتبار فكأنه أمر لهم بالتفكير في أحوالٍ توجب البكاء من تقدير الله تعالى على أولئك بالكفر مع تمكينه لهم في الأرض وإمهالهم مدة طويلة ثم إيقاع نعمته بهم وشدة عذابه وهو سبحانه مقلب القلوب فلا يأمن المؤمن أن تكون عاقبته إلى مثل ذلك والتفكير أيضاً في مقابلة أولئك نعمة الله بالكفر واهما لهم أعمال عقولهم فيما يوجب الإيمان به والطاعة له فمن مرّ عليهم ولم يتفكر فيما يوجب البكاء اعتباراً بأحوالهم فقد شابههم في الإهمال ودلّ على قساوة قلبه وعدم خشوعه فلا يأمن أن يجره ذلك إلى العمل بمثل أعمالهم فيصيبه ما أصابهم وبهذا يندفع اعتراض من قال كيف يصيب عذاب الظالمين من ليس بظالمٍ لأنه بهذا التقرير لا يأمن أن يصير ظالماً فيعذب بظلمه. ۵۱. (۱) (جلد اول باب الصلوة في مواضع الخسف والعذاب)

میری توجیہ کے یہ الفاظ ہیں کہ جس طرح مواضع طاعت میں نور ہوتا ہے اور وہ نور حامل ہوتا ہے طاعات پر۔ اسی طرح مواضع معصیت میں ظلمت ہوتی ہے اور وہ ظلمت حامل ہوتی ہے معاصی پر۔ تو ایسے مواضع سے تلبس سبب ہو سکتا ہے قساوت و غفلت و معصیت کا۔ اور اس پر نزول عذاب مرتب ہو سکتا ہے اور بکاء و خشیت اس اثر سے مانع ہو جاتا ہے پس یہ اصابت متلبین کو اپنے اعمال سے مسبب ہوگی۔ کہ ان کے اعمال سے ولعل هذا العنون السهل فكان في قوله عليه السلام أن يصيبكم مثل ما أصابهم دون أن يقول يصيبكم ما أصابهم إشارة واضحة الى ذلك. (۲) واللہ اعلم

اشرف علیؒ (۶/محرم ۱۳۵۶ھ) النور ص ۸ رنج الثانی ۵۷ھ

- (۱) فتح الباري، كتاب الصلاة، باب الصلاة في مواضع الخسف والغذاب، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/۶۹۸، رقم: ۴۳۳، مكتبه دار الريان للتراث بيروت ۱/۶۳۳۔
- (۲) قوم شومو کی ہستی پر سے گذرتے ہوئے حضرت سید الکونین علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ان معذبین کے علاقہ سے روتے ہوئے گذر جاؤ اور خود آپ ﷺ سر مبارک پر چادر ڈال کر تیزی سے گذر گئے۔ ملاحظہ فرمائیے:
- عن عبد الله بن عمر أن رسول الله صلى الله عليه قال: لا تدخلوا على هؤلاء المعذبين إلا أن تكونوا باكين فإن لم تكونوا باكين فلا تدخلوا عليهم لا يصيبكم ما أصابهم الحديث.
- (بخاري شريف، ۱/۶۲، رقم: ۴۲۹، ف: ۴۳۳، ۲/۶۳۷، رقم: ۴۲۴۲، ف: ۴۴۲۰) ←

نماز میں دونوں پاؤں پر برابر زور دے کر کھڑا ہونا مکروہ ہے

یا ایک ایک پیر پر زور دیکر کھڑا ہونا

سوال (۳۷۱): قدیم ۱/۴۲۷ - نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ حضرت حکیم الامت، السلام علیکم، آج میں نے اعلاء السنن جلد خامس میں ایک حدیث دیکھی وہ اس بیان میں ہے کہ نماز میں دونوں پاؤں پر برابر زور دینا مکروہ ہے کبھی ایک پاؤں پر اور کبھی دوسرے پر زور دینا مستحب ہے۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے اور ہم کو ایسا ہی کرنا چاہئے؟ (یہ عبارت ترجمہ کی ہے)

عن ابن مسعود انه رأى رجلاً صافاً او صافناً قدميه فقال اخطأ هذا السنة. اخرجه سعيد بن منصور كذا في تخريج الإحياء للعراقي وسكت عنه وخرجه عبد الرزاق بلفظ مر ابن مسعود برجل صاف بين قدميه فقال اما هذا فقد اخطأ السنة ولو رآه بينهما كان أحب إلى كذا في كنز العمال وقال الطحاوی في معانی الآثار کمن قام في الصلوة امران يراوح بين قدميه وقدروى ذلك عن ابن مسعود اه ذكره محتجابه على ان تفريق الاعضاء اولى من الصاق بعضها ببعض واحتجاج المحدث الحافظ الناقد بحدیث دلیل علی صلاحیتہ لہ. (علاء السنن جلد خامس صفحہ ۸۶) (۱)

میں نے مولوی رونق علی صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اب سے پہلے یہ حدیث نہیں دیکھی تھی حضرت حکیم الامت سے دریافت کر لو تب اس پر کار بند ہونا۔ فقط؟

عن ابن عمر قال: لما مر النبي صلى الله عليه وسلم بالحجر قال لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم أن يصيبكم ما أصابهم إلا أن تكونوا باكين ثم قنع رأسه وأسرع السير حتى جاز الوادي. الحديث. (بخاري شريف، كتاب المغازي، تحت عزوة التبوك، باب نزول النبي صلى الله عليه وسلم الحجر ۲/۶۳۷، رقم: ۴۲۴۱، ف: ۴۴۲۹)

(۱) اعلاء السنن، باب كراهة صف القدمين في الصلاة واستحباب التراوح بينهما، دار الكتب العلمية بيروت ۱۶۲/۵ -

الجواب: السلام علیکم، حدیث کا درجہ باعتبار سند کے تو اعلیٰ السنن میں بتلادیا گیا ہے کہ طحاویؒ نے اس سے احتجاج کیا ہے اور مذہب کے اعتبار سے حاشیہ میں بتلادیا گیا ہے کہ تراوح بین القدمین حنفیہ کے نزدیک افضل ہے طحاویؒ نے ظہیریہ سے نقل کیا ہے نص الإمام علی ذلک امام صاحبؒ نے اس کی تصریح کی ہے (*) اور بعض کتب فتاویٰ میں جو کراہت تراوح مذکور ہے اس میں محمل تماایل علی سبیل التعاقب بغیر تخلل سکون ہے (۱)۔ ظفر احمد بامرسیدی حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب دام مجدہم از تھانہ بھون ۱۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ

(*) یہ تسامح ہے، طحاویؒ نے امام صاحب کی تصریح قیام میں دونوں پیروں کے درمیان چار انگشت فاصلہ رکھنے کے مسنون ہونے کے بارے میں کتاب الاثر سے نقل کی ہے اور ظہیریہ سے تراوح کے استحباب کی روایت نقل کی ہے طحاویؒ کی پوری عبارت اس طرح ہے۔

قوله: ویسن تفریح القدمین فی قدم القیام (أربع أصابع) نص علیه فی ”کتاب الأثر“ عن الإمام ولم یحک فیہ خلافاً، وفي الظهیریة أو روي عن الإمام التراوح فی الصلوة أحب إلی من أن ینصب قدمیه نصباً اهـ. (طحطاوی علی المراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی بیان سننہا، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۲۶۲) سعید احمد پالن پوری

(۱) قوله: عن ابن مسعود الخ قلت دلالتہ علی کراہة صف القدمین ظاہرة ومعناہ نصبہما جمیعاً، والمراوحة بین القدمین أن یقوم علی کل مرة کما فی القاموس، قال الشرنبلالی: والتراوح أفضل من نصب القدمین، تفسیر التراوح أن یعتمد علی قدم مرة وعلی الأخری مرة لأنه أیسر وأمكن لطول القیام، وذكر الطحطاوی عن الظهیریة: نص الإمام علی ذلک قال: فما فی منیة المصلي من کراہیة التماایل یمیناً ویساراً محمول علی التماایل علی سبیل التعاقب من غیر تخلل سکون کما یفعله بعضهم حالة الذکر لا المیل علی أحد القدمین بالاعتماد ساعة ثم المیل علی الأخری كذلك بل هو سنة ذکره ابن أمیر حاج وکذا ما فی الہندیة عن الظهیریة وما فی البناية عن الکشف من کراہة التراوح محمول علی ما تقدم. (اعلاء السنن، أبواب أحكام الحدث فی الصلاة، باب کراہة صف القدمین فی الصلاة واستحباب التراوح بینہما دار الکتب العلمیة بیروت ۱۶۲/۵)

حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی بیان سننہا، مکتبہ

دار الکتاب دیوبند ص: ۲۶۲۔

تنبیہ: اعلاء السنن میں صف القدمین کو مکروہ کہا گیا ہے اس سے مراد وصل القدمین ہے جو مقابل تفریح کا ہے جیسا آگے چل کر امام مالکؒ سے قرن القدمین کی کراہت نقل کی گئی ہے (۱) اور نصب القدمین جو مقابل تراویح بین القدمین کا ہے مکروہ نہیں کیونکہ تراویح کا صرف افضل ہونا منقول ہے اس کی ضد کا مکروہ ہونا منقول نہیں پس مؤلف اعلاء السنن کا صف القدمین کی تفسیر نصب القدمین سے کرنا مسامتہ ہے۔

نیز تراویح کی افضلیت کو جس علت سے معلل کیا گیا ہے وہو انه ایسر و امکن لطول القيام۔ یہ علت قیام قصر میں ظاہر نہیں پس قیام قصر میں تراویح اور نصب القدمین دونوں برابر ہیں۔

قال الطحطاوی ثم إن هذه العلة لا تظهر فيما إذا كان القيام قصيراً (ص ۵۳ ۱ مراقی الفلاح) (۲)

تراویح اور صف میں فرق ہے۔ صف یہ ہے کہ ایک قدم پر زور دے کر دوسرے قدم کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دیا جائے کہ وہ کسی قدر مڑ جاوے جیسا گھوڑا ایک پیر کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے یہ مکروہ ہے جیسا ابن مسعودؓ کے قول سے ظاہر ہے۔ تراویح میں ایک قدم پر زور دیا جاتا ہے دوسرے پر زور نہیں دیا جاتا مگر اس کو بالکل ڈھیلا بھی نہیں چھوڑا جاتا کہ مڑ جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ظفر احمد عفا اللہ عنہ

(۱) وفي المدونة الكبرى، وسألناه أي مالكا عن الذي يقرن قدميه فعاب ذلك ولم يره شيئا أي مفسداً قال وأخبرنا أنه كان في المدينة من يفعل ذلك فعيب عليه وقال: وسألنا مالكا عن الذي يروح رجليه في الصلاة، قال لا بأس بذلك قلت قرن القدمين وصلهما وقد عاب ذلك علماء المدينة في زمان مالكا وكان في زمان التابعين، فثبتت كراهته بكراهة التابعين له، وليس مستندهم في ذلك إلا أنهم لم يروا الصحابة يفعلونه. (اعلاء السنن، أبواب أحكام الحدث في الصلاة، باب كراهية صف القدمين في الصلاة واستحباب التراويح بينهما، دار الكتب العلمية بيروت ۱۶۳/۵)

(۲) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان

وفي مجمع البحار كان يراوح بين قدميه من طول القيام أي يعتمد على أحدهما مرة وعلى الأخرى مرة ليوصل الراحة الى كل منهما ص ۲۳ ج ۲، (۱) وفيه ايضاً حديث نهى عن صلوة الصاف أي من يجمع بين قدميه وقيل من يثنى قدمه الى ورائه كفعل الفرس اذ اثنى حافره (ص ۲۵ ج ۲) (۲)

ربیع الاول ۱۰۵۵ھ انور ص ۱۰

مردار کے اُون سے بنائے ہوئے موزے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال (۳۷۲): قدیم ۱/۴۳۹ - اگر اُون غیر ذبیحہ سے موزہ بنایا جاوے تو اس کو پہن کر نماز جائز ہوگی یا نہیں خواہ جانور حلال ہو یا حرام؟

الجواب: نماز جائز ہے اور وہ طاہر ہے بجز خنزیر کے۔

في الدر المختار وشعر الميته غير الخنزير على المذهب وعظمها وعصبها وحافرها وقرنها الى قوله طاها. (۳)

(۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۹))

(۱) مجمع بحار الأنوار، مكتبة دار الايمان المدينة المنورة ۲/ ۳۹۶ -

(۲) مجمع بحار الأنوار، مكتبة دار الايمان المدينة المنورة ۳/ ۳۳۶ -

(۳) الدر المختار مع الشامی، كتاب الطهارة، باب المياہ، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۵۹-۳۶۲، كراچی ۱/ ۲۰۶-۲۰۷.

وأما الأجزاء التي لا دم فيها فإن كانت صلبة كالقرن، والعظم، وسن الحافر، والخف، والظلف، والشعر، والصوف، والعصب، والأنفحة الصلبة فليست بنجسة عند أصحابنا. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، حكم الميتة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۱۹۹-۲۰۰)

وكل شيء من أجزاء الحيوان غير الخنزير لا يسري فيه الدم لا ينجس بالموت كالشعر، والريش المجزوز، والقرن، والحافر، والعظم ما لم يكن به دسم. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل يطهر جلد الميتة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۱۶۹)

وشعر الميتة، وعظمها، وعصبها، وقرنها، وحافرها طاها. (مجمع الأنهر، كتاب الطهارة،

دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۲) ←

سنت یا تراویح میں قعدہ ترک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۳۷۳): قدیم ۱/۴۴۹- اگر سنت مؤکدہ کے قعدہ اخیرہ کو فراموش کر کے پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو یہ سنت مؤکدہ مبدل بغفل ہو جاویں گی یا نہ جیسا کہ فرائض میں اگر قعدہ اخیرہ بھول کر ایک رکعت اور پڑھ لی تو فرائض مبدل بغفل ہو جاتے ہیں اور اعادہ نماز ضروری ہوگا یا مثلاً کسی نے دو تراویح میں قعدہ اخیرہ نہ کیا بلکہ بھول سے تیسری رکعت ملا لی بعد کو یاد آیا اور چوتھی رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کیا تو اب یہ دو رکعت تراویح مبدل بغفل ہو جاویں گی اور ان کا اعادہ ہوگا یا نہ۔ مع حوالہ کتب فقہ ارقام ہو؟

الجواب : فی فتاویٰ قاضی خان المجلد الأول صفحہ ۱۱۵، إذا صلى الإمام أربع ركعات بتسليمية واحدة ولم يقعد في الثانية في القياس تفسد صلوته وهو قول محمد وزفر رحمهما الله ويلزمه قضاء هذه التسليمية وهو رواية عن أبي حنيفة وفي الاستحسان وهو اظهر روايتين عن أبي حنيفة وأبي يوسف لا تفسد وإذا لم تفسد اختلفوا في قول أبي حنيفة وأبي يوسف أنها تنوب عن تسليمية أو تسليميتين؟ قال الفقيه ابو الليث تنوب عن تسليميتين لأن الأربع لما جاز وجب أن تنوب عن تسليميتين كمن أوجب على نفسه أن يصلي أربع ركعات بتسليميتين فصلى أربعاً بتسليمية واحدة ذكر في الامالي عن أبي يوسف أنه يجوز فكذا ههنا وكذا لو صلى الأربع قبل الظهر ولم يقعد على رأس الركعتين جاز استحساناً. اه (۱) قلت ويلزمه سجدة السهو.

← وشعر الميتة وعظمها طاهران أراد ماسوى الخنزير ولم يكن عليه رطوبة..... والريش، والصوف، والوبر، والقرن، والخف، والظلف، والحافر كل هذه طاهرة من الميتة سوى الخنزير. (الجوهرية النيرة، كتاب الطهارة، دار الكتاب ديوبند ۱/۱۹)

وشعر الإنسان، والميتة غير الخنزير وعظمها طاهران لأن كل ما لا تحله حياة من أجزاء الحيوان لا ينجس بالموت. (النهر الفائق، كتاب الطهارة، قبيل فصل في الأبار، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۸۳)

(۱) خانية على الهندية، كتاب الصوم، باب التراويح، فصل في السهو قديم زكريا ۱/۲۳۹، جديد زكريا ۱/۱۴۸.

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سنت مؤکدہ اور تراویح ہر دو صحیح ہو گئیں۔ واللہ اعلم

۲۱/رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ (امداد ج ۱ ص ۹۲)

«وإن صلى أربع ركعات بتسليمة واحدة والحال أنه لم يقعد على ركعتين منها قدر التشهد تجزئ الأربع عن تسليمة واحدة أي عن ركعتين عند أبي حنيفة، وأبي يوسف وهو المختار اختاره الفقيه أبو جعفر وأبو بكر محمد بن الفضل قال قاضيان هو الصحيح لأن القعدة على رأس الثانية فرض في التطوع فإذا تركها كان ينبغي أن تفسد صلاته أصلاً كما هو قول محمد وزفر وهو القياس وإنما جاز على قول أبي حنيفة، وأبي يوسف استحساناً فاخذنا بالقياس في فساد الشفع الأول وبلا استحسان في حق بقاء التحريمة وإذا بقيت صح شروعه في الشفع الثاني وقد أتمه بالقعدة فجاز عن تسليمة واحدة، وقال الفقيه أبو الليث: تنوب عن تسليمتين والصحيح الأول. (حلي كبير، كتاب الصلاة، باب التراويح، مكتبته أشرفيه ديوبند ص: ۴۰۸)

ولو صلى أربعاً بتسليمة واحدة ولم يقعد على رأس الركعتين ففي القياس وهو قول محمد، وزفر وإحدى الروايتين عن أبي حنيفة أنه تفسد صلاته ويلزمه قضاء هذه الترويحة، وفي الاستحسان وهو قول أبي حنيفة في المشهور وقول أبي يوسف يجوز، لكن عن تسليمة واحدة أو عن تسليمتين؟ قال بعضهم عن تسليمتين وبه أخذ الشيخ أبو الليث وفي الخانية: وكذا لو صلى الأربع قبل الظهر ولم يقعد على رأس الركعتين جاز استحساناً، وكان الشيخ أبو جعفر يقول: يجزیه عن تسليمة واحدة وفي الخانية: هو الصحيح وبه كان يفتي الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل قال القاضي الإمام أبو علي النسفي قول الفقيه أبي جعفر، والشيخ الإمام أبي بكر أقرب إلى الاحتياط وكان الأخذ به أولى وعليه الفتوى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، مكتبته زكريا ديوبند ۲/۳۳۰، رقم: ۲۵۷۱)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر التراويح والوتر، المجلس العلمي ۲/۲۵۷، رقم: ۱۷۰۱۔

ہندیہ، کتاب الصلاة، قبیل الباب العاشر فی إدراک الفریضة، قدیم زکریا ۱/۱۱۸، جدید زکریا ۱/۱۷۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نماز میں اعرابی غلطی کا حکم

سوال (۳۷۴): قدیم ۱/۴۵۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نماز میں سبح اسم ربک میں اسم کے میم کو زیر پڑھ دیا۔ آیا نماز درست ہوئی یا فاسد؟

الجواب: جس غلطی سے قرآن کے معنی میں تغیر فاحش آ جاوے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ورنہ نہیں ہوتی تو اسم کے میم کو زیر پڑھنے سے معنی میں کوئی فساد نہیں ہوا؛ اس لئے نماز درست ہوگئی۔

إذا لحن في الأعراب لحنًا لا يغير المعنى بان قرأ لا ترفعوا أصواتكم برفع التاء لا تفسد صلوته بالإجماع. عالمگیری ج ۱ ص ۸۰ (۱) فقط واللہ اعلم (امداد ج ۱ ص ۱۰۵)

(۱) ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري قدیم زکریا ۱/۸۱، جدید زکریا ۱/۱۳۸۔

أما الخطأ في الإعراب إذا لم يغير المعنى لا تفسد الصلاة عند الكل كما لو قرأ إن المؤمنين والمؤمنات أو قرأ ولم يجعل له عوجًا بالنصب الخ. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة قدیم زکریا ۱/۱۳۹، جدید زکریا ۱/۸۷)

إذا لحن في الأعراب إن كان لا يغير المعنى لا تفسد صلاته كقوله تعالى: لا ترفعوا أصواتكم بكسر التاء أو الرحمن على العرش بنصب النون. (خلاصة الفتاویٰ، کتاب الصلاة، الفصل الثاني عشر في زلة القاري، مكتبه أشرفيه دیوبند ۱/۱۱۳)

إذا أَلَحَنَ في الإعراب لحنًا وهو على وجهين: إما أن لا يتغير المعنى بأن قرأ لا ترفعوا أصواتكم أو قرأ إن الذين يغضون أصواتهم أو قرأ الرحمن على العرش بنصب الرحمن ففي هذا الوجه لا تفسد الصلاة بالإجماع. (الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الثاني مسائل زلة القاري، مكتبه زکریا دیوبند ۲/۱۰۹، رقم: ۱۸۸۰)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات والسنن المجلس العلمي ۲/۷۶، رقم: ۱۲۷۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قنوت کی تکبیر میں امام کو لقمہ دینے کا حکم

سوال (۳۷۵): قدیم ۱/۴۵۰- تراویح پڑھنے کے بعد تروا میں یہ واقعہ پیش آیا کہ امام تیسری رکعت میں بلا تکبیر کہے ہوئے اور رفع یدین کئے ہوئے دعائے قنوت پڑھنے لگا کسی مقتدی نے اسے اللہ اکبر کہہ کر آگاہ کیا چنانچہ اس نے اللہ اکبر کہہ کر اور رفع یدین کر کے پھر قنوت پڑھی اور نماز تمام کر کے سجدہ سہو کیا تو نماز میں کوئی خرابی تو نہیں رہی؟

الجواب: في الدر المختار في واجبات الصلوة وقراءة قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء وكذا تكبير قنوته في رد المحتار أي الوتر قال في البحر في باب سجود السهو مما الحق به أي بالقنوت تكبيرة وجزم الزيلعي بوجوب السجود بتركة إلى قوله وينبغي ترجيح عدم الوجوب الخ ج: ۱، ص: ۴۸۸- (۱)

پس روایت وجوب پر تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ بتلانا ٹھیک ہوا اور دوسری روایت یعنی عدم وجوب پر یہ بتلانا زائد ہوا مگر مفسد صلوۃ نہیں ہے اور نماز ہر حال میں صحیح ہوگئی جیسے قراءت میں بلا حاجت بتلانے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے اگرچہ امام لقمہ لے لے (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۶۳/۲، کراچی ۱۶۸/۴۔

ومما ألحق به تكبيرة وجزم الشارح بوجوب السجود بتركها وذكر في الظهيرية أنه لو ترك تكبيرة القنوت فإنه لا رواية لهذا، قيل يجب سجود السهو اعتباراً بتكبيرات العيد وقيل لا، وينبغي ترجيح عدم الوجوب لأنه الأصل ولا دليل عليه بخلاف تكبيرات العيد فإن دليل الوجوب المواظبة مع قوله تعالى 'واذكروا اسم الله في أيام معلومات' (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۶۹/۲، کوئٹہ ۹۶/۲)

ولو ترك التكبيرة التي بعد القراءة قبل القنوت سجد للسهو لأنها بمنزلة تكبيرة العيد. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبہ زکریا دیوبند ۱۶۵/۴-۷۶، امدادیہ ملتان ۱۹۴/۱)

(۲) بخلاف فتحه على إمامه فإنه لا يفسد مطلقاً لفتاح وأخذ بكل حال. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۸۲/۲، کراچی ۶۲۲/۱-)

اور چونکہ کوئی امر موجب سجدہ سہو کا نہیں پایا گیا اس لئے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔ (۱)
۸/رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۷۳)

← وفتحہ علی غیر امامہ ای یفسدہا لأنه تعلیم وتعلم لغیر حاجة قیدہ لأنه لو فتح علی امامہ فلا فساد لأنه تعلق به إصلاح صلاتہ..... وفي المحيط ما يفيد أنه المذهب فإن فيه وذكر في الاصل والجامع الصغير أنه إذا فتح علی امامہ يجوز مطلقاً لأن الفتح وإن كان تعلیمًا؛ ولكن التعليم ليس بعمل كثير وأنه تلاوة حقيقة فلا يكون مفسدًا وإن لم يكن محتاجًا إليه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/۲، کوئٹہ ۶/۲)

ولو فتح علی غیر امامہ فسدت لا إن فتح علی امامہ مطلقاً وهو الأصح (ملتقى الأبحر) وفي المجمع: أي لا تفسد إن فتح علی امامہ مطلقاً..... وهو الأصح وعليه الفتوى احترامًا عن قول بعض المشايخ..... لأن هذا الفتح لم يكن كلامًا استحسانًا لأنه مضطر إلى إصلاح صلاته فكان هذا من أعمال صلاته معني. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱۸۰/۱)

فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/۲، کوئٹہ ۱/۳۴۸۔

(۱) چنانچہ فقہاء نے جتنے اسباب سجود سہو بیان کئے ہیں ان میں سے صورت مسئلہ نہیں ہے؛ لہذا سجدہ سہو واجب نہیں۔

وذكر في الذخيرة أن سجود السهو يجب بستة أشياء: فيجب بتقديم ركن نحو أن يركع قبل أن يقرأ..... ويجب بتأخير ركن نحو أن يترك سجدة صلبية..... ويجب بتكرار الركن نحو أن يركع مرتين..... ويجب بتغيير الواجب نحو أن يجهر بالقراءة فيما يخافت فيه بها..... ويجب بترك الواجب رأساً نحو أن يترك القعدة الأولى..... ويجب بترك السنة المضافة إلى جميع الصلاة نحو أن يترك قراءة التشهد في القعدة الأولى فإنه يقال تشهد الصلاة ولا يقال تشهد القعدة. (حلبی کبیر، کتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۴۵۶-۴۵۷)

الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۴۳ تا

۵۴۵، کراچی ۲/۸۰-۸۱۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جس کو سجدہ کی حالت میں قطرہ آجاتا ہو اس کی نماز کا حکم

سوال (۳۷۶): قدیم ۱/۲۵۱۔ مجھ کو مرض ہے کہ اکثر قطرہ خطا ہو جاتا ہے جس وقت سجدہ میں جاتا ہوں اس وقت بھی اکثر ایسی حالت ہو جاتی ہے اس کے لئے کیا کیا جاوے؟

الجواب: اگر لنگوٹ باندھنے سے رک جاوے باندھنا چاہئے (۱) اور اگر اس سے نہ رکے تو دیکھنا چاہئے کہ سجدہ میں جانے سے اگر گاہ گاہ قطرہ آتا ہے تب تو جب آوے وضو کرے اور اگر ہمیشہ آتا ہے تو بجائے سجدہ کے اشارہ کر لیا کرے۔

وفي رد المحتار عن الذخيرة رجل بحلقه خرّاج إن سجد سال وهو قادر على الركوع والقيام والقراءة الخ ج ۱ ص ۹۳۔ (۲)

۶ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۲)

(۱) إذا خاف الرجل خروج البول فحشا إحليله بقطنة ولو لا القطنة يخرج من البول فلا بأس به ولا ينتقض وضوءه حتى يظهر البول على القطنة. (هندية، كتاب الطهارة، الباب الأول قديم زكريا ۱۰/۱، جديد زكريا ۶۰/۱)

وإذا احتشى إحليله بقطنة خوفاً من خروج البول ولو لا القطنة لخرج منه البول فلا بأس به ولا ينتقض وضوءه حتى يظهر البول على القطنة ويخرج منه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، ما يوجب الوضوء، مكتبه زكريا ۲۳۹/۱، رقم: ۱۷۵)

شامي، كتاب الطهارة، باب الحيض، مكتبه زكريا ديوبند ۵۵۸/۱، كراچی ۳۴۵/۱۔

(۲) وفي الذخيرة: رجل بحلقه خرّاج إن سجد سال وهو قادر على الركوع والقيام والقراءة يصلي قاعداً يؤمّي، ولو صلى قائماً بركوع وقعد، وأوماً بالسجود أجزاءه والأول أفضل. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبه زكريا ديوبند ۵۶۷/۲، كراچی ۹۷/۲)

رجل بحلقه جرح وهو لا يقدر بأن يسجد وهو قادر على الركوع، والقيام صلى قاعداً بالإيماء..... ولو كان بحال لو سجد سال جرحه ولو لم يسجد لا يسيل لا يسجد ويصلي قاعداً بالإيماء لأنه أقرب إلى الجواز بغير وضوء. (الفتاوى الولوالجية، كتاب الطهارة، الفصل الخامس في النفاس والحيض، مكتبه زكريا ديوبند ۵۹/۱) ←

کسی بھی حال میں امام کو لقمہ دینے سے نماز فاسد نہ ہوگی

سوال (*) (۳۷۷): قدیم ۱/۵۲۴ - امام و مقتدی در حین نماز بودند یکے از مقتدی در قیام رکعت سوم کہ امام برخاست سبحان اللہ گفت بخیاں آنکہ ایں رکعت چہارم است چونکہ امام را یقین بود کہ ایں رکعت سوم است گوش نہ کرد قیام فرمودہ رکعت چہارم را ختم کردہ نماز خود و مقتدی ایں را تمام کرد دریں صورت نماز ایں مقتدی کہ سبحان اللہ گفت بلاشبہ تمام شد یا بسبب کلام لغو نماز ایں فاسد شد صورت مسئلہ چیست در مذہب حضرت امام اعظم چیست و در مذہب حضرت امام شافعی چہ حکم دارد و در مذہب امام شافعی کدام کتاب کہ مثل ایں مسئلہ جزئیات در آن بسیار باشد اگر بخضرت معلوم باشد ایماء فرمائی؟

الجواب ():** في الدر المختار مفسدات الصلوة بخلاف فتحه على إمامه فإن

(*) خلاصہ سوال: امام تیسری رکعت کے سجدے سے چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہوا، ایک مقتدی نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ چار رکعتیں ہو گئی ہیں، سبحان اللہ کہہ کر امام کو بٹھانا چاہا، مگر چونکہ امام کو یقین تھا: اس لئے اس نے مقتدی کی بات کی طرف التفات نہ کیا اور چوتھی رکعت پڑھ کر نماز پوری کی، اس صورت میں اس مقتدی کی جس نے بلا ضرورت لقمہ دیا نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ امام اعظم کے نزدیک کیا حکم ہے؟ اور مذہب شافعی کیا ہے؟ اور مذہب شافعی کی ایسی کتاب جس میں اس قسم کے کثیر جزئیات ہوں، اگر آپ کے علم میں ہوں تو مطلع فرمائیں ۱۲- سعید احمد پالن پوری

() ترجمہ جواب:** صورت مسئلہ میں سبحان اللہ کہنا چونکہ امام کو بتلانے کی نیت سے ہے اور خود کلام ناس سے نہیں ہے؛ لہذا امام اور مقتدی دونوں کی نماز صحیح ہوگی اور مذہب شافعی مجھے معلوم نہیں اور نہ ان کے مذہب کی کتاب کا مجھے علم ہے۔ ۱۲- سعید احمد پالن پوری

← بحلقه جرح يسيل إذا سجد يصلي قاعدًا بالإيماء لأنه الصلاة بالإيماء أهون من الصلاة مع حدث أو نجس الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، قبيل باب سجود التلاوة، مكتبة دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۳۱)

و كذا لو كان بحيث لو سجد سال بوله أو انفلت ريحه فإنه يصلي قاعدًا بالإيماء ويترك الركوع والسجود لما قلنا. (حلبی کبیر، کتاب الصلاة، فرائض الصلاة، الثاني القيام، مكتبة أشرفيه ديوبند ص: ۲۶۷، النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۳۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

لا يفسد مطلقا لفتح واخذ بكل حال. (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند

۳۸۳/۲، كراچي ۱/ -

وفتحه على غير إمامه أي يفسدها لأنه تعليم وتعلم لغير حاجة قيد به لأنه لو فتح على إمامه فلا فساد لأنه تعلق به إصلاح صلاته..... وفي المحيط ما يفيد أنه المذهب فإن فيه وذكر في الأصل والجامع الصغير أنه إذا فتح على إمامه يجوز مطلقاً لأن الفتح وإن كان تعليمياً؛ ولكن التعليم ليس بعمل كثير وأنه تلاوة حقيقة فلا يكون مفسداً وإن لم يكن محتاجاً إليه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/۲، كوثته ۶/۲)

ولو فتح على غير إمامه فسدت لا إن فتح على إمامه مطلقاً وهو الأصح (ملتقى الأبحر) وفي المجمع: أي لا تفسد إن فتح على إمامه مطلقاً سواء قرأ مقدار ما يجوز به الصلاة أو لم يقرأ أو تحول إلى آية أخرى أو لم يتحول وهو الأصح وعليه الفتوى احترازاً عن قول بعض المشايخ..... لأن هذا الفتح لم يكن كلاماً استحساناً لأنه مضطر إلى إصلاح صلاته فكان هذا من أعمال صلاته معنى. (مجمع الأنر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸۰)

ويفسد أيضاً فتحه على غير إمامه (كنز) وفي النهر: قيد به لأن فتحه على إمامه غير مفسد سواء قرأ قدر ما تجوز به الصلاة أم لا، انتقل إلى آية أخرى أم لا، كرّره أم لا، هو الأصح. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۶۹)

وإن فتح على إمامه لم يكن كلاماً مفسداً استحساناً لأنه مضطر إلى إصلاح صلاته فكان هذا من أعمال صلاته معنى. قوله: لم يكن كلاماً استحساناً هذا أعم من كون الفتح بعد قراءة ما تجوز به الصلاة أو قبله، وقيل إن قرأ الإمام ما تجوز به تفسد لعدم الحاجة إليه والأصح الأول. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه

زكريا ديوبند ۱/ ۴۱۰، كوثته ۱/ ۳۴۸) ←

چوں در صورت مسئلہ ایں سبحان اللہ گفتن بہ نیت فتح علی الامام است و خود از کلام ناس نیست لہذا نماز امام و مقتدی ہر دو صحیح است و مذہب شافعی مرا معلوم نیست و نہ کتابے در مذہب شاں مرا معلوم است (تتمہ اولی ص ۳۱۲)

← حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ،
مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۳۳۴۔

حلبی کبیری، کتاب الصلاۃ، فصل فیما یفسد الصلاۃ، مکتبہ اشرفیہ دیوبند
ص: ۴۴۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



۷/ باب صلوة الوتر

نماز وتر میں مخصوص سورتوں کو متعین کر کے پڑھنے کا حکم

سوال (۳۷۸): قدیم ۱/۴۵۳- (۱) نماز وتر میں سورۃ قدر و کافرون و اخلاص واسطے مرض

بواسیر کے مجرب بتلاتے ہیں اگر اس کو التزام کے ساتھ پڑھا جاوے تو کوئی قباحت تو نہیں؟

(۲) دانتوں کی پائیدار کے واسطے وتروں میں سورۃ نصر و لہب و اخلاص کا پڑھنا مجرب بتلاتے ہیں؟

الجواب: (عن کلا السوالین) اس میں منشاء سوال یہ ہے کہ طاعت مقصودہ کو ذریعہ بنایا گیا

غرض دنیوی کا۔ سو اسمیں تفصیل یہ ہے کہ یہ ذریعہ بنانا دو قسم ہے ایک بلا واسطہ جیسے عالموں کا طریقہ ہے کہ ادعیہ و کلمات سے خاص اغراض و مقاصد دنیویہ ہی ہوتے ہیں اور دوسری قسم بواسطہ برکت دینیہ کے کہ طاعات سے اولاً برکت دینیہ مقصود ہوتی ہے پھر اس برکت دینیہ کو مؤثر اغراض دنیویہ میں سمجھا جاتا ہے احادیث میں جو قربات اور طاعات خاصہ کی بعض خاصیتیں از قبیل اغراض دنیویہ وارد ہیں وہ اس دوسری قسم سے ہیں جیسے سورۃ واقعہ کی خاصیت آئی ہے کہ لم تصبہ فاقۃ اور یہ دنیوی خاصیتیں جس طرح وحی سے معلوم ہوتی ہیں کبھی الہام سے بھی معلوم ہوتی ہیں پس عمل مذکورہ فی السؤال بطریق اول نماز کی وضع کے خلاف ہے اور بطریق ثانی کچھ حرج نہیں۔ (۱) ۱۶ رمضان المبارک ص ۴۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۵۱۸)

(۱) جس ترتیب سے سائل نے سورۃ قدر، کافرون اور اخلاص پڑھنے کی بات لکھی ہے، اس ترتیب سے وتر پڑھنے سے متعلق کوئی روایت دستیاب نہیں ہو سکی، اسی طرح سورۃ نصر، سورۃ لہب اور سورۃ اخلاص پڑھنے سے متعلق بھی کوئی روایت دستیاب نہیں ہو سکی؛ ہاں البتہ مصنف عبد الرزاق میں سورۃ قدر، سورۃ زلزال اور سورۃ اخلاص پڑھنے سے متعلق روایت ملی ہے، مگر بواسیر وغیرہ کے تجربہ کی بات نہیں ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الرزاق عن علي^{رض} أنه كان يوتر إنا أنزلناه في ليلة القدر، وإذا زلزلت، وقل هو الله

أحد الحديث. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب ما يقرأ في الوتر وكيف التكبير فيه، مكتبة دار الكتب

العلمية عباس باز جديد ۲/ ۴۰۵، رقم: ۱۲۵۸-۴۷۱۱، مكتبة مجلس علمي قديم رقم: ۶۹۹-۴) ←

رمضان میں وتروں کا تہجد کیساتھ پڑھنا افضل ہے یا جماعت کیساتھ تراویح کے بعد

سوال (۳۷۹): قدیم ۱/۴۵۳ - جو شخص نماز تہجد میں وتر پڑھتا تھا وہ رمضان شریف میں وتروں کو بجماعت ادا کرے یا بوقت تہجد ادا کیا کرے؟

الجواب: جماعت کے ساتھ بہتر ہے جماعت کی رعایت اولویت وقت کی رعایت سے مقدم ہے۔ ونیز اعراض عن الجماعت کی صورت سے تحر ضروری ہے۔ (۱)

۲۲ رمضان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اول ص ۳۸)

← علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کی درسی تقریر العرف الشذی علی ہامش الترمذی میں ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الہکم التکاثر، سورۃ قدر، سورۃ زلزال اور دوسری رکعت میں سورۃ العصر اور سورۃ الکوثر، سورۃ النصر اور تیسری رکعت میں سورۃ الکافرون، سورۃ لہب، سورۃ الاخلاص پڑھنے کا ذکر ہے، گو اس سے معلوم ہوا کہ بطریق ثانی اور بغرض ثانی ان میں سے کوئی بھی سورت پڑھی جاسکتی ہے۔ اور سوالنامہ میں ذکر کردہ ترتیب سے بھی پڑھی جاسکتی ہے، مگر غرض اول کے لحاظ سے نہیں۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

ومنها أن يقرأ في الأولى ألهمكم التكاثر، والقدر، وإذا زلزلت وفي الثانية العصر، والكوثر، والنصر. وفي الثالثة: الكافرون وتبت، وسورة الإخلاص الخ. (العرف الشذی علی الترمذی تحت باب ما يقرأ في الوتر ۱/۱۰۷)

اور صحاح کی ساری کتابوں میں اور زوائد کی بھی ساری کتابوں میں پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ، دوسری میں کافرون اور تیسری میں اخلاص پڑھنے کی روایات موجود ہیں اور وہ بھی صرف بطریق ثانی پڑھنا ہے۔

عن أبي بن كعب قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الوتر سبع اسم ربك الأعلى وفي الركعة الثانية بقل يا أيها الكافرون، وفي الثالثة بقل هو الله أحد ولا يسلم إلا في آخرهن. الحديث. (نسائي شريف، نسخة الهندية ۱/۱۹۱، جديد رقم: ۱۷۰۲)

(۱) وصلاته أي الوتر مع الجماعة في رمضان أفضل من أدائه منفردًا آخر الليل في اختيار قاضي خان، قال قاضيخان: هو الصحيح لأنه لما جازت الجماعة كانت أفضل ولأن عمر كان يؤمهم في الوتر وضح غيره أي غير قاضيخان خلافه..... وفي الفتح والبرهان ما يفيد أن قول قاضيخان أرجح لأنه صلى الله عليه وسلم أوتر بهم فيه، ثم بين عذر الترك وهو خشية ←

سوال (۳۸۰): قدیم ۱/۴۵۴ - ایک امر دریافت طلب ہے کہ بعد نماز عشاء بیس رکعت تراویح پڑھنے کے بعد وتر پڑھ لئے جاویں اور پھر سحر کے وقت تہجد پڑھا جاوے یا نہیں؟

الجواب: ہاں یہی افضل ہے۔ (* (۱) ۲۸ شعبان ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۹۰)

(*) یعنی افضل یہی ہے کہ تراویح کے بعد وتر پڑھ لئے جائیں سحر کے وقت صرف تہجد پڑھا جائے۔ ۱۲

سعید احمد پالن پوری

← أن يكتب علينا قيام رمضان، وكذا الخلفاء الراشدون صلوه بالجماعة، ومن تأخر عن الجماعة فيه أحب صلاته آخر الليل، والجماعة إذ ذاك متعذرة فلا يدل على أن الأفضل فيه ترك الجماعة أول الليل. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، قبيل فصل في بيان النوافل، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۸۶)

اختلفوا أن أداء الوتر في رمضان بالجماعة أفضل أم الأداء في منزله وحده؟ الصحيح أن الجماعة أفضل لأن عمر بن الخطاب كان يؤمهم في الوتر ولأنه لما جاز الأداء بالجماعة كانت الجماعة أفضل اعتباراً بالمكتوبة. (خانية على الهندية، كتاب الصوم، فصل في الوتر قدیم زکریا ۱/۲۴۴، جدید زکریا ۱/۱۵۱)

ويؤثر أي يصلي الوتر بجماعة في رمضان فقط لانعقاد الإجماع عليه كما في الهداية واختلفوا في الأفضل في وتر رمضان، فقال بعضهم: الجماعة كما في الخانية: وقال بعضهم الانفراد في المنزل كما في النهاية، وذكر صاحب الفتح ما يرجح الأول فينبغي اتباعه لأنه أدق. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۰۴)

ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان وفيه أي رمضان يصلي الوتر وقيامه بها، وهل الأفضل في الوتر الجماعة أو المنزل تصحيحان (در مختار) وفي الشامية: رجح الكمال الجماعة بأنه صلى الله عليه وسلم كان أو تربهم، ثم بين العذر في تأخره مثل ما صنع في التراويح فالوتر كالترايح فكما أن الجماعة فيها سنة فكذلك الوتر "بحر" وفي شرح المنية، والصحيح أن الجماعة فيها أفضل، إلا أن سنيته ليست كسنية جماعة التراويح. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زکریا ديوبند ۲/۵۰۰ - ۵۰۲، کراچی ۲/۴۸ - ۴۹، حلبی کبیری، کتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، مكتبة أشرفيه ديوبند ص: ۴۲۰ - ۴۲۱)

(۱) وصلاته أي الوتر مع الجماعة في رمضان أفضل من أدائه منفرداً آخر الليل في اختيار قاضي خان، قال قاضيخان: هو الصحيح لأنه لما جازت الجماعة كانت أفضل ←

سوال (۳۸۱): قدیم ۱/۲۵۴- ایک شخص تہجد کے وقت وتر کو ادا کرتا ہے اور رمضان شریف میں وتر کی جماعت ہوتی ہے سو وہ جماعت کو ترک کر کے پچھلے وقت اس کیلئے وتر کا ادا کرنا افضل ہے یا اس کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے اور جماعت کا ثواب ترک نہ کرنا چاہئے۔

«ولأن عمر[ؓ] كان يؤمهم في الوتر وصح غيره أي غير قاضيخا خلافة وفي الفتح والبرهان ما يفيد أن قول قاضيخا أرجح لأنه صلى الله عليه وسلم أوتر بهم فيه، ثم بين عذر الترك وهو خشية أن يكتب علينا قيام رمضان، وكذا الخلفاء الراشدون صلوه بالجماعة، ومن تأخر عن الجماعة فيه أحب صلاته آخر الليل، والجماعة إذ ذاك متعذرة فلا يدل على أن الأفضل فيه ترك الجماعة أول الليل. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، قبيل فصل في بيان النوافل، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۳۸۶)

اختلفوا أن أداء الوتر في رمضان بالجماعة أفضل أم الأداء في منزله وحده؟ الصحيح أن الجماعة أفضل لأن عمر بن الخطاب[ؓ] كان يؤمهم في الوتر ولأنه لما جاز الأداء بالجماعة كانت الجماعة أفضل اعتباراً بالمكتوبة. (خانية على الهندية، كتاب الصوم، فصل في الوتر قدیم زکریا ۱/۲۴۴، جدید زکریا ۱/۱۵۱)

ويؤثر أي يصلي الوتر بجماعة في رمضان فقط لانعقاد الإجماع عليه كما في الهداية واختلفوا في الأفضل في وتر رمضان، فقال بعضهم: الجماعة كما في الخانية: وقال بعضهم: الأفراد في المنزل كما في النهاية، وذكر صاحب الفتح ما يرجح الأول فينبغي اتباعه لأنه أدق. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التواريخ، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۰۴)

ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان وفيه أي رمضان يصلي الوتر وقيامه بها، وهل الأفضل في الوتر الجماعة أو المنزل؟ تصحيحان (در مختار) وفي الشامية: قوله تصحيحان: رجح الكمال الجماعة بأنه صلى الله عليه وسلم كان أوتر بهم، ثم بين العذر في تأخره مثل ما صنع في التراويح فالوتر كالتراويح، فكما أن الجماعة فيها سنة فكذلك الوتر، بحر. وفي شرح المنية، والصحيح أن الجماعة فيها أفضل إلا أن سنيتها ليست كسنية جماعة التراويح. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زکریا ديوبند ۲/۵۰۰-۵۰۲، کراچی ۲/۴۸-۴۹)

حلي كبير، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۴۲۰-۴۲۱ - شير احمد قاسمي عفا الله عنه
 ص: ۴۲۰-۴۲۱ -

حلي كبير، كتاب الصلاة، صلاة الوتر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۴۲۰-۴۲۱ - شير احمد قاسمي عفا الله عنه

الجواب: ہاں ایسا ہی چاہئے یعنی جماعت ترک نہ کرے اگرچہ تنہا بھی جائز ہے۔

فی الدر المختار وفيه أي في رمضان يصلي الوتر وقيامه بها وهل الأفضل في الوتر الجماعة أو المنزل وفي رد المحتار رجع الكمال الجماعة إلى قوله وفي شرح المنية والصحيح أن الجماعة فيها أفضل إلا أن سنيتها ليست كسنية جماعة التراويح. (ج ۱ ص ۷۲۲) (۱)

۲/ شوال ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۹۵)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند

۵۰۱/۲ - ۵۰۲، کراچی ۲/ ۴۸ - ۴۹

وصلاته أي الوتر مع الجماعة في رمضان أفضل من أدائه منفردًا آخر الليل في اختيار قاضي خان، قال قاضيخان: هو الصحيح لأنه لما جازت الجماعة كانت أفضل ولأن عمر كان يؤمهم في الوتر وصح غيره أي غير قاضيخان خلافه وفي الفتح والبرهان ما يفيد أن قول قاضيخان أرجح لأنه صلى الله عليه وسلم أوتر بهم فيه، ثم بين عذر الترك وهو خشية أن يكتب علينا قيام رمضان، وكذا الخلفاء الراشدون صلّوه بالجماعة، ومن تأخر عن الجماعة فيه أحب صلاته آخر الليل، والجماعة إذ ذاك متعذرة، فلا يدل على أن الأفضل فيه ترك الجماعة أول الليل. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، قبيل فصل في بيان النوافل، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۳۸۶)

اختلفوا أن أداء الوتر في رمضان بالجماعة أفضل أم الأداء في منزله وحده؟ الصحيح أن الجماعة أفضل لأنه عمر بن الخطاب كان يؤمهم في الوتر ولأنه لما جاز الأداء بالجماعة كانت الجماعة أفضل اعتبارًا بالمكتوبة. (خانية على الهندية، كتاب الصوم، فصل في الوتر قديم زكريا ۱/ ۲۴۴، جديد زكريا ۱/ ۱۵۱)

ويؤثر أي يصلي الوتر بجماعة في رمضان فقط لانعقاد الإجماع عليه كما في الهداية واختلفوا في الأفضل في وتر رمضان، فقال بعضهم: الجماعة كما في الخانية: وقال بعضهم الانفراد في المنزل كما في النهاية، وذكر صاحب الفتح ما يرجح الأول فينبغي اتباعه لأنه أدق. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۰۴)

حلي كبير، كتاب الصلوة، صلوة الوتر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۴۲۰ - ۴۲۱ - شمير احمد قاسمي عفا الله عنه

رمضان میں نماز وتر کو جہر و عدم جہر دونوں طرح پڑھنے کا جواز

سوال (۳۸۲): قدیم ۱/۴۵۴- وتر جب اکیلا رمضان شریف میں پڑھتا ہو قراءت جہر سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دونوں جائز ہیں یعنی جہر بھی اور اخفا بھی۔ کیونکہ وتر رمضان میں جہریات میں سے ہے اور جہریات میں منفرد جہر و عدم جہر میں مخیر ہوتا ہے۔

دلیل المقدمة الأولى مافی رد المحتار أن الجهر يجب على الإمام فيما يجهر فيه وهو صلوة الصبح والأوليان من المغرب والعشاء وصلوة العيدين والجمعة والتراويح والوتر في رمضان الخ. (ج ۱ ص ۴۸۸) (۱)

ودليل المقدمة الثانية ما في العالمگیریة وإن كان منفردا إن كانت صلوة يخافت فيها يخافت حتما هو الصحيح وإن كانت صلوة يجهر فيها فهو بالخيار والجهر أفضل (ج ۱ ص ۴۴۰) (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۶۳، کراچی ۱/۴۶۹۔

ویجهر أيضاً بقراءة الجمعة، والعيدين، والتراويح، والوتر في رمضان للتوارث. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۲۲۸)

ویجب جهر الإمام بقراءة رکعتي الفجر وقراءة أولي العشاءين المغرب، والعشاء ولو قضاءً لفعله صلى الله عليه وسلم ويجب الجهر بالقراءة في صلاة الجمعة، والعيدين، والتراويح، والوتر في رمضان على الإمام للمواظبة. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی بیان واجب الصلاة، مکتبہ دار الکتب دیوبند ۲۵۲-۲۵۳)

وجهر بقراءة الفجر وأولي العشاءين ولو قضاءً والجمعة والعيدين (کنز) وفي البحر: وألحق بالجمعة، والعيدين التراويح، والوتر في رمضان للتوارث المنقول. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۵۸۶، کوئٹہ ۱/۳۳۵)

(۲) الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الثاني فی واجبات

الصلاة قدیم زکریا ۱/۷۲، جدید زکریا ۱/۱۲۹) ←

قلت: هذا هو المشهور وإن اختلف بعضهم في التقييد بقوله في رمضان كما في رد المحتار لكن يرد عليه أنه يقتضى أنه لو صلى الوتر جماعة في غير رمضان لا يجهر به وإن لم يكن على سبيل التداعى ويحتاج إلى نقل صريح وإطلاق الزيلعى يخالفه وكذا ما يأتى من أن المتنفل بالليل لو أم جهر فتأمل. (ج ۱ ص ۵۵۶) (۱)

لكنه لا يضر الحكم بجهر المنفرد في رمضان وإنما يفيد عدم تخصيص هذا الحكم برمضان. والله أعلم،

۲/ رمضان ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامتہ ص ۹۴)

وتر کی نماز تہجد کے بعد پڑھنا افضل ہے یا تراویح کے بعد

سوال (۳۸۳): قدیم ۱/۲۵۵- اگر تہجد پڑھا جاوے گا تو تراویح کا بعد تراویح پڑھنا

اچھا ہے یا بعد تہجد؟

«وأما إذا كان منفرداً إن كانت صلاة يخافت فيها يخافت، وإن جهر يكون مسيئاً، وإن كانت صلاة يُجهر فيها فهو بالخيار، إن شاء جهر وأسمع نفسه، وإن شاء أسر وقرأ في نفسه هكذا ذكر في عامة الروايات وذكر في رواية أبي حفص: أن الجهر أفضل. وفي السغناقي: هو الصحيح. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۶۰، رقم: ۱۷۴۱)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمي ۲/ ۴۱-۴۲، رقم: ۱۱۸۲-

وخير المنفرد فيما يجهر كمتنفل بالليل أي إن شاء جهر وهو أفضل ليكون الأداء على هيئة الجماعة..... لكن لا يبالغ الجهر مثل الإمام؛ لأنه لا يسمع غيره وإن شاء خافت لأنه ليس خلفه من يسمعه، وقوله فيما يجهر إشارة إلى أنه لا يخير فيما لا يجهر فيه؛ بل يخافت فيه حتماً وهو الصحيح لأن الإمام يتحتم عليه المخافة فالمنفرد أولى. (تبين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۲۷، امدادية ملتان ۱/ ۱۲۷)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۲۲۸ -

الجواب: بعد تراویح کیونکہ جماعت کی فضیلت زیادہ مہتمم بالشان ہے وقت کی فضیلت سے۔ (۱)

← حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی بیان واجب الصلاۃ،

مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۲۵۴۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مکتبہ زکریا دیوبند

۲/۲۵۰، کراچی ۱/۵۳۳)

(۱) وصلاته أي الوتر مع الجماعة في رمضان أفضل من أدائه منفردًا آخر الليل في

اختيار قاضي خاں، قال قاضيخاں: هو الصحيح لأنه لما جازت الجماعة كانت أفضل ولأن

عمر[ؓ] كان يؤمهم في الوتر وصَحَّ غيره أي غير قاضيخاں خلافه..... وفي الفتح والبرهان

مايفيد أن قول قاضيخاں أرجح لأنه صلى الله عليه وسلم أوتر بهم فيه، ثم بين عذر الترك

وهو خشية أن يكتب علينا قيام رمضان، وكذا الخلفاء الراشدون صلّوه بالجماعة، ومن تأخر

عن الجماعة فيه أحب صلاته آخر الليل، والجماعة إذ ذاك متعذرة، فلا يدل على أن

الأفضل فيه ترك الجماعة أول الليل. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاۃ،

قبيل فصل في بيان النوافل، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۳۸۶)

اختلفوا أن أداء الوتر في رمضان بالجماعة أفضل أم الأداء في منزله وحده؟ الصحيح

أن الجماعة أفضل لأن عمر بن الخطاب[ؓ] كان يؤمهم في الوتر ولأنه لما جاز الأداء بالجماعة

كانت الجماعة أفضل اعتبارًا بالمكتوبة. (خانية على الهندية، كتاب الصوم، فصل في بيان النوافل

قديم زکریا ۱/۲۴۴، جدید زکریا ۱/۱۵۱)

ويؤتر أي يصلي الوتر بجماعة في رمضان فقط لانعقاد الإجماع عليه كما في الهداية

..... واختلفوا في الأفضل في وتر رمضان، فقال بعضهم: الجماعة كما في الخانية. وقال

بعضهم الانفراد في المنزل كما في النهاية، وذكر صاحب الفتح مايرجح الأول فينبغي اتباعه

لأنه أدق. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاۃ، فصل في التراویح، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۰۴)

ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان وفيه أي رمضان يصلي الوتر وقيامه

بها، وهل الأفضل في الوتر الجماعة أو المنزل تصحيحان (در مختار) وفي الشامية قوله

تصحيحان: رجع الكمال الجماعة بأنه صلى الله عليه وسلم كان أو تربهم، ثم بين العذر ←

غیر رمضان میں وتر کی جماعت کیسی اور رمضان کی خصوصیت

سوال (۳۸۴): قدیم ۱/۴۵۵- نماز وتر بجماعت و جہر در ہر رکعت مخصوص در رمضان است یا نہ؟ (*)

الجواب: ()** جماعت و تر بتداعی مخصوص بر رمضان است و خارج آں مکروہ اگر تداعی نباشد

ایماناً خارج رمضان ہم مکروہ نیست و زیادہ از سہ مقتدی داخل تداعی است (۱)

اگر جماعت کند جہر بر امام واجب است و منفرد مختیر است خواہ رمضان باشد یا غیر رمضان۔

۱۶/رمضان ۱۳۳۱ھ (تمہ ثانیہ ص ۷۰)

(*) سوال: وتر بجماعت جہری قراءت سے رمضان کے ساتھ خاص ہے یا نہیں؟

(**) جواب: تداعی کے ساتھ وتر کی جماعت رمضان کے ساتھ مخصوص ہے، رمضان کے علاوہ دنوں

میں مکروہ ہے؛ البتہ رمضان کے علاوہ دنوں میں بلا تداعی کبھی بکھار بجماعت پڑھ لی جاوے تو یہ بھی مکروہ نہیں ہے اور تین سے زیادہ مقتدی تداعی کی حد میں داخل ہیں، اگر جماعت کریں۔ خواہ رمضان میں یا غیر رمضان میں، تو امام پر جہر اقراءت کرنا واجب ہے اور منفرد کو اختیار ہے (کہ چاہے جہر اقراءت کرے یا سرا کرے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← في تأخره مثل ما صنع في التراويح، فالوتر كالترايح، فكما أن الجماعة فيها سنة فكذلك الوتر، بحر. وفي شرح المنية، والصحيح أن الجماعة فيها أفضل إلا أن سنيتهما ليست كسنية جماعة التراويح. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۵۰۰/۲-۵۰۲، کراچی ۲/۴۸-۴۹)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، مكتبة أشرفیه ديوبند ص: ۴۲۰-۴۲۱۔
فتح القدیر، کتاب الصلاة، فصل في قيام شهر رمضان، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۸۷،
کوئٹہ ۱/۴۰۹-۴۱۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ویؤتر بجماعة استحباباً في رمضان فقط عليه إجماع المسلمين لأنه نفل من وجه والجماعة في النفل في غير التراويح مكروه فالاحتياط تركها في الوتر خارج رمضان، وعن شمس الأئمة أن هذا فيما كان على سبيل التداعي أما لو اقتدى واحد بواحد أو إثنان بواحد لا يكره وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدى أربعة ←

تراویح کی جماعت ترک کرنے والوں کا وتر کی نماز بغیر جماعت کے پڑھنا

سوال (۳۸۵): قدیم ۱/۳۵۶ - رمضان شریف میں اگر عشاء کی نماز جماعت کیساتھ پڑھی

اور تراویح کو بالکل تمام آدمیوں نے ترک کر دیا تو اس صورت میں وتر باجماعت جائز ہیں یا نہ؟

الجواب: في الدر المختار بقى لوتر كهذا (أي جماعة التراويح) الكل هل يصلون الوتر بجماعة فليراجع وفي رد المحتار تحت قوله بقى الذى يظهر أن جماعة الوتر تبع لجماعة التراويح وإن كان الوتر نفسه أصلاً في ذاته لأن سنة الجماعة في الوتر إنما عرفت بالأثر تابعة للتراويح على أنهم اختلفوا في أفضلية صلواتها بالجماعة بعد التراويح كما ياتى اه (ج ۱ ص ۴۷۱) (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قواعد سے اسی کو ترجیح ہے کہ اس صورت میں یہ جماعت وتر بھی فرادی فرادی پڑھیں۔

کیم محرم ۳۴ھ (تمتہ البصر ۶)

← بواحد کرہ اتفاقاً. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، قبیل

فصل فی بیان النوافل، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۳۸۶)

ولو صلوا الوتر بجماعة في غير رمضان فهو صحيح مكروه كالتطوع في غير رمضان بجماعة، وقيدته في الكافي بأن يكون على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لا يكرهه، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلفوا فيه، وإن اقتدى أربعة بواحد كرهه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبیل باب إدراك الفريضة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۲۳، کوئٹہ ۲/۷۰)

ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أي يكره ذلك لو على سبيل التداعي بأن يقتدى أربعة بواحد كما في الدرر (در مختار) وفي الشامية: أما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد فلا يكرهه وثلاثة بواحد فيه خلاف، بحر عن الكافي. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، قبیل باب إدراك الفريضة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۰۰، کراچی ۲/۴۸)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند

۲/۵۰۰، کراچی ۲/۴۸۔

نماز وتر کی نیت میں لفظ واجب کہنے کا حکم

سوال (۳۸۶): قدیم ۱/۴۵۶- عالمگیری میں لکھا ہے۔

وفی الوترینوی صلوة الوتر کذا فی الزاہدی وفی الغایة أنه لا ینوی فیہ وجبا للاختلاف فیہ کذا فی التبیین. (۱)

مولوی کرامت علی جوہری و مولوی امانت اللہ غازی پوری نے اپنے رسالہ میں عربی نیت کے بیچ واجب اللہ تعالیٰ لکھا اب میں کیا کروں بندہ کے پاس کتابیں بھی زیادہ نہیں ہیں۔ اور بنگالہ میں مولوی کرامت علی کا غلبہ زور و شور سے ہے۔ سب واجب اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ فی الحال عرض فدوی کی یہ ہے کہ واجب کہنے سے نماز ہوگی یا نہ اور واجب کہنا افضل ہے یا نہ۔ اور واجب کہنے سے نماز میں خلل ہوگا یا نہ حضور از روئے مہربانی تحریر فرماویں؟

الجواب: فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایک مذہب کے مقلد کو دوسرے مذہب کی رعایت خلافت میں اولیٰ ہے واجب نہیں پس غایت میں جو علت لکھی ہے اس کا حاصل یہی (*) رعایت مذہب نفاتہ وجوب ہے پس اس کی رعایت واجب نہیں؛ اس لئے واجب کہنے سے بھی نماز ہو جاوے گی اور نماز میں کچھ خلل نہ ہوگا۔

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (امداد ص ۵۱ ج ۱)

سوال (۳۸۷): قدیم ۱/۴۵۷- نماز وتر کی نیت میں لفظ واجب کہا جاوے یا نہیں؟

الجواب: فی الدر المختار بحث النیة ولا بد من التعمین عند النیة لفرض و واجب أنه وتر الخ وفی رد المحتار أي لا یلزم تعین الوجوب ثم اعلم أن ما فی شرح العینی من قوله وأما الوتر فالأصح أنه یکفیه مطلق النیة مشکک لأن ظاہره أنه یکفیه نیة مطلق الصلوة کالنفل

(*) غایۃ البیان شرح ہدایہ (لقوام الدین امیر کاتب اتقانی متوفی ۵۸ھ) کی عبارت مذکورہ فی السوال کا حاصل یہ ہے کہ وتر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، صاحبین سنت کہتے ہیں اور امام صاحب واجب؛ لہذا صاحبین کے مذہب کی رعایت کرتے ہوئے نیت میں لفظ ”واجب“ نہ کہا جائے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث فی شروط الصلاۃ، الفصل الرابع فی النیة

قدیم زکریا ۶۶/۱، جدید ۱۲۳/۱ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

إلا أن يحمل على ما ذكرناه عن الزيلعي من إطلاق نية الوتر الخ. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ نیت وتر میں اگر تعین بعنوان واجب نہ ہو (*) تاہم یہ تعین ضرور ہے کہ یہ وتر ہے اور مطلق صلوٰۃ کی نیت کافی نہیں۔ فقط

۲۰/ صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۶)

(*) یعنی خفی کے لئے وتر کی نیت میں لفظ ”واجب“ کہنا مناسب ہے، لیطابق اعتقادہ (شامی عن البحر) لیکن ضروری نہیں ہے؛ البتہ یہ تعین ضروری ہے کہ یہ وتر ہے الخ۔ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في حضور القلب والخشوع، مكتبة زكريا ديوبند ۹۵/۲ - ۹۷، كراچی ۴۱۸/۱.

والذي ينبغي أن يفهم من قولهم إنه لا ينوي أنه واجب أنه لا يلزمه تعيين الوجوب لأن المراد منعه من أن ينوي وجوبه لأنه لا يخلوا إما أن يكون حنفياً أو غيره، فإن كان حنفياً فينبغي أن ينويه ليطابق اعتقاده، وإن كان غيره فلا تضرة تلك النية، فإن من المعلوم أن انتفاء الوصف لا يوجب انتفاء الأصل، فيبقى الأصل وهو صلاة الوتر هنا، وقد كان يخرج به عن العهدة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۷۰/۲، كوئٹہ ۴۰/۲)

وينوي الوتر لا الوتر الواجب للاختلاف فيه. (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية قديم ۶۲/۱)

وتعيين النذر والوتر وصلاة العيدين. وفي الغاية: أنه لا ينوي فيه أنه واجب للاختلاف فيه. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲۶۳/۱، امدادية ملتان ۱۰۰/۱)

وفي الوتر ينوي صلاة الوتر كذا في الزاهدي وفي الغاية: أنه لا ينوي فيه أنه واجب للاختلاف فيه كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النية قديم زكريا ۶۶/۱، جديد زكريا ۱۲۳/۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قنوت میں ونخل و نترک من فیجرک پڑھنے کی تحقیق

سوال (۳۸۸): قدیم ۱/۲۵۷- ہم لوگ ہر روز قنوت میں پڑھتے ہیں ونخل و نترک من فیجرک، اب فرمائیے اگر بیٹا فاجر ہے تو باپ کیا کرے اور اگر باپ فاجر ہے تو بیٹا کیا کرے؟ (*)

الجواب: یہ جملہ خبریہ نہیں بلکہ انشائیہ ہے پس اس میں کذب نہیں دوسرے فوجر سے مراد کفر ہے اور نترک سے مراد مخالفت اعتقادی، و ہو حاصل۔ (۱)

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تمہ ثانیہ ص ۹۹)

قنوت نازلہ میں رفع یدین وغیرہ کا حکم

سوال (۳۸۹): قدیم ۱/۲۵۸- یہاں سے کانپور ایک سوال کے جواب میں قنوت نازلہ میں ارسال یدین پر عمل کرنے کو لکھا گیا تھا۔ وہاں سے ایک عالم کا ایک طویل خط وضع یدین کی ترجیح کے اثبات میں آیا جس کا خلاصہ خود جواب سے معلوم ہو سکتا ہے جو یہاں سے لکھا گیا۔ اور جو درج ذیل ہے؟

(*) قنوت کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ”ہم علیحدہ کرتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں، اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے؛ حالانکہ باپ کا فاجر بیٹے سے کچھ نہ کچھ تعلق ہوتا ہی ہے، اسی طرح بیٹے کا بھی فاجر باپ سے تعلق ہوتا ہے؛ لہذا ونخل و نترک من فیجرک غلط دعویٰ ہوا؛ بلکہ جھوٹ بولنا لازم آیا، پس کیا کیا جائے؟ قنوت میں یہ جملہ پڑھا جائے یا نہ؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) ونخل بنبوت حرف العطف أي نلقي ونطرح ونزيل ربة الكفر من أعناقنا وربقة كل مالا يرضيك يقال خلع الفرس رسنه ألقاه: ونترک أي نفارق من يفجرک بجحدہ نعمتک و عبادتہ غیرک نتحاشی عنه وعن صفته بأن نفرضه عدماً تنزيهاً لجنابک إذ کل ذرة في الوجود شاهدة بأنک المنعم المتفضل الموجود المستحق لجميع المحامد الفرد المعبود والمخالف؛ لہذا هو الشقي المطرود۔ (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۳۷۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: مولانا! السلام علیکم، مسئلہ مجتہد فیہ ہے (۱)۔ دلائل سے دونوں طرف گنجائش ہے۔ اور ممکن

ہے کہ ترجیح قواعد سے وضع کو ہو۔

کما هو مقتضى 'مذهب الشيخين'۔

لیکن عارض التباس و تشویش عوام کی وجہ سے ارسال کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔

کما هو مقتضى 'مذهب محمد'۔

اور ثناء و صلوة جنازہ و قنوت وتر میں یہ عارض نہیں ہے اس لئے وہاں رائج پر عمل کیا گیا اور اس عارض کی قوت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مجمع عظیم میں سجود سہو کو باوجود اس کے وجوب کے ترک کر دیا جاتا ہے۔ اور وضع تو درجہ میں سجود سہو سے بہت ادنیٰ ہے فہو احق بالترک اور التباس کا ارتقاع اخفاء قنوت سے اس لئے نہیں ہو سکتا کہ سہو پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ جہر قراءت میں امام کو سہو ہو گیا۔ اور اسی طرح اس کے بعد سجدہ میں چلے جانے سے بھی اس کا ارتقاع نہیں ہو سکتا کہ اس سے پہلے التباس ہو چکے گا پھر سجدہ میں جانے سے تشویش بڑھے گی کہ رکوع کیوں نہیں کیا ورنہ ایسا ارتقاع تو سجدہ سہو کے بعد تشہد میں بیٹھنے سے پھر بعد میں مکرر سلام پھیرنے سے بھی مرتفع ہو سکتا تھا مگر فقہاء نے اس کا اعتبار نہیں کیا اس لئے کہ عوام غلبہ جہل سے ان قرائن سے کیا استدلال کر سکتے ہیں۔ اور اپنی نماز کو تباہ کرتے ہیں۔ واللہ اعلم، باقی دوسری جانب میں بھی مجھ کو تنگی نہیں۔

۲۳/ رمضان ۱۵۶ھ (النور ۷ شعبان ۱۵۷ھ)

(۱) والحاصل أنه يضع عند الشيخين في القنوت سواء كان قبل الركوع أو بعده وعند محمد يرسل بقي أنه لا دليل فيه ولا في أثر غيره على أنه صلى الله عليه وسلم كان يضع يديه بعد رفعهما حيال منكبيه أو يرسلهما، فمن أين قال أبو حنيفة، وأبو يوسف بالوضع في القنوت بعده؟ والجواب: أن الوضع والإرسال بعد الرفع مسكوت عنهما في الأحاديث فجرى محمد في الأصل وهو الإرسال؛ لأن الوضع عمل حادث يحتاج إلى الدليل، وأخذ الشيخان بالقياس وقالوا: إن إرسال اليدين زماناً طويلاً يئنا في الخشوع الخ. (اعلاء السنن، أبواب الوتر، باب إخفاء القنوت في الوتر وذكر ألفاظه الخ تتمه في بقية أحكام قنوت النازلة، دار الكتب العلمية بيروت ۶/ ۱۲۳-۱۲۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



۸ / باب النوافل

ظہر، مغرب، عشاء کے بعد کے نوافل کھڑے ہو کر پڑھنے کی فضیلت

سوال (۳۹۰): قدیم ۱/۳۵۹ - عوام الناس بعد نماز ظہر اور بعد نماز مغرب اور بعد نماز عشاء دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور بیٹھ کر ادا کرنے کو بہ نسبت کھڑے ہو کر ادا کرنے کے افضل اور بہتر سمجھتے ہیں یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: في الدر المختار عن البحر: أجر غير النبي ﷺ على النصف إلا بعذر. اه (ص: ۶۵۳ ج ۱ احكام النوافل). (۱)

اس روایت کے اطلاق سے سب نوافل کا کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ثابت ہوتا ہے اس لئے عوام الناس کا سمجھنا غلط ہے۔

۳/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۲ ج ۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۴/۸۴، کراچی ۲/۳۷۔

عن عمران بن حصين، أنه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الرجل يصلي قاعدًا؟ قال: من صلى قائمًا فهو أفضل، ومن صلى قاعدًا فله نصف أجر القائم، ومن صلى نائمًا فله نصف أجر القاعد. (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم، النسخة الهندية ص: ۸۶، دار السلام رقم: ۱۲۳۱)

عن عمران بن حصين قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلاة الرجل وهو قاعد؟ فقال: من صلى قائمًا فهو أفضل، ومن صلاها قاعدًا فله نصف أجر القائم ومن صلاها نائمًا فله نصف أجر القاعد. (ترمذي شريف، أبواب الصلاة، باب ما جاء أن صلاة القاعد النصف من صلاة القائم، النسخة الهندية، ۱/۸۵، دار السلام رقم: ۳۷۱)

يجوز النفل قاعدًا مع القدرة على القيام؛ ولكن له أي للمتفل جالسًا نصف أجر القائم ←

وتر کے بعد کی دو رکعتیں کھڑے ہو کر پڑھنے کی فضیلت

سوال (*)(۳۹۱): قدیم ۱/۳۵۹ - امداد الفتاویٰ دیکھتے ہوئے آجکل وتر کے بعد دو رکعتیں جالساً پڑھنے کو خطا قرار دیا ہے، اور حدیث ابن ماجہ کی جو سنن ابی داؤد میں بھی نقل کی ہے کہ آپ نفس قراءۃ جالساً کر کے پھر کھڑے ہو جاتے تھے (۱) حالانکہ سنن ابی داؤد میں دوسری روایت (اگر اس کی ضرورت ہوئی تو نقل کر کے بھیج دوں گا) حضرت عائشہؓ سے ہی یہ ہے کہ قراءت اور رکوع وغیرہ سب جالساً کرتے تھے یہاں تک کہ اس پر آپ کی وفات ہو گئی (۲)

(*) حضرت مجیب قدس سرہ کا سب سے پہلا جواب سوال ۳۹۲ پر ہے، اس پر نقد اور اس کا جواب اس سوال ۳۹۱ میں ہے، اور حضرت گائب کا سب سے آخری جواب سوال ۳۹۳ پر ہے۔ سعید احمد پالن پوری

← لقوله عليه السلام؛ من صلى قائماً فهو أفضل الخ. (طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صلاة النفل جالساً، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۴۰۲-۴۰۳)
ويتنفل قاعداً مع القدرة على القيام ابتداءً وبناءً أما الابتداء فلنقله عليه السلام؛ من صلى قائماً فهو أفضل، ومن صلى قاعداً فله نصف أجر القائم، والمراد به النفل في غير حالة العذر. (تبين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۳۷، امدادية ملتان ۱/۱۷۵)
البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۶۲-۲۱۰/۲

(۱) عن أبي سلمة قال: حدثتني عائشة^{رض} قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بواحدة، ثم يركع ركعتين يقرأ فيهما وهو جالس، فإذا أراد أن يركع قام فركع. (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الركعتين بعد الوتر جالساً، النسخة الهندية ص: ۸۳، دار السلام رقم: ۱۱۹۶)

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتر بتسع ركعات، ثم أوتر بسبع ركعات، وركع ركعتين وهو جالس بعد الوتر يقرأ فيها فإذا أراد أن يركع قام فركع، ثم سجد. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، أبواب قيام الليل، باب في صلاة الليل، النسخة الهندية ۱/۱۹۱، دار السلام رقم: ۱۳۵۱)

(۲) عن عائشة^{رض} في حديث طويل: ثم يقرأ وهو قاعد بأمر الكتاب ويركع وهو قاعد، ←

اس سے آخر تک کا عمل قصریاً معلوم ہوتا ہے اور یہی اپنے اساتذہ سے اب تک سنا ہے، اور گو قاعدہ کے اعتبار سے اجر اس میں غیر نبی کریم ﷺ کے واسطے نصف ہونا چاہیے لیکن حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ سے منقول ہے کہ اگر اس نیت سے بیٹھ کر پڑھے گا کہ آپ سے یونہی منقول ہے تو اس نیت سے انشاء اللہ تعالیٰ عجب نہیں کہ ثواب میں بھی کمی نہ رہے۔ واللہ اعلم۔

بہر حال مسئلہ کچھ ہو مگر معمول نبوی تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ قراءۃ اور رکوع کی تفریق میں فقط یہی ایک روایت ہے جس کے معارض دوسری روایت موجود ہے اور سنن کی ان روایات متعارضہ سے علیحدہ ہو کر دیکھا جائے تو صحیحین کی روایات میں مطلق صلی جالساً (۱) کا لفظ موجود ہے جس سے باطلاق متبادر یہ ہے کہ رکوع وغیرہ اور قراءۃ میں کوئی فرق نہ تھا شاید رواۃ سے اس ابن ماجہ کی روایت میں کچھ اختلاط وغیرہ ہوا ہو اور انہوں نے بعض رکعات تہجد کو جو آپ اس طرح پڑھتے تھے کہ قراءۃ تو بیٹھ کر اور رکوع کھڑے ہو کر ان دو رکعتوں کے ساتھ لگا دیا ہو، ہر کیف معمول نبوی ﷺ کے متعلق بظاہر وہی رائج معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب؟

الجواب: مجھ کو تو تعارض نہیں معلوم ہوتا کہ ترجیح یا احتمال اختلاط کا قائل ہونا پڑے روایت ابن ماجہ کو مطلق صلی جالساً کی تفسیر کیوں نہ کہی جاوے اور جس روایت میں رکوع جالساً کی تصریح ہو اس کو محمول اختلاف اوقات پر کیا جاوے پھر قول مطلق ہے فعل کو اس پر منطبق کرنا اچھا ہے تخصیص کے قائل ہونے سے اور مسئلہ ظنی ہے جانبین میں گنجائش ہے۔

۲۳/ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۳۱)

← ثم يقرأ الثانية، فيركع ويسجد وهو قاعد، ثم يدعو ما شاء الله أن يدعو، ثم يسلم وينصرف فلم تنزل تلك صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يبدن فنقص من التسع ثنتين فجعلها إلى الست والسبع وركعتيه وهو قاعد حتى قبض على ذلك. (أبو داود شريف، كتاب الصلاة، أبواب قيام الليل، باب في صلاة الليل، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۰، دار السلام رقم: ۱۳۴۶)

(۱) عن أبي سلمة، سئلت عائشة عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: كان يصلي ثلاث عشرة ركعة يصلي ثمان ركعات، ثم يوتر، ثم يصلي ركعتين وهو جالس الحديث. (مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم في الليل، وأن الوتر ركعة الخ: (النسخة الهندية، ۱/ ۲۵۴، بيت الأفكار رقم: ۷۳۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وتر کے بعد دو نفل

سوال (۳۹۲): قدیم ۴۶۰/۱ - وتر کے بعد نفل دو رکعتیں بیٹھ کر ادا کرنا افضل اور بہتر ہے یا کھڑے ہو کر اور ان دونوں میں سنت کیا ہے؟

الجواب: فی سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی الرکعتین بعد الوتر جالساً عن أبی سلمة قال حدثنی عائشة قالت کان رسول اللہ ﷺ یوتر بواحدة ثم یرکع رکعتین یقرء فیہما وهو جالس فإذا أراد أن یرکع قام فرکع. (۱)

اس حدیث سے بالتخصیص ان نوافل بعد الوتر میں قیام رسول اللہ ﷺ کا ثابت ہو اور ہا یہ کہ رکوع کے قبل جلوس فرماتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ قراءۃ طویل پڑھتے تھے اور آخر عمر میں ضعف بڑھ گیا تھا یہ جلوس اس عارض کی وجہ سے تھا اور جب قرب رکوع کا ہوتا تھا چونکہ وہ عارض مرتفع ہو جاتا تھا تو پھر کھڑے ہو جاتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مقصود اصل میں قیام تھا ورنہ جو لوگ بیٹھ کر پڑھنے کو افضل کہتے ہیں وہ اس قیام کے بھی قائل نہیں اور روایت مذکورہ کا اطلاق بھی اس کا مؤید ہے۔ غرض عوام بلکہ خواص میں جو اس کے خلاف مشہور ہے اس کی کوئی دلیل نہیں اور بعض رسائل اردو فارسی میں جو لکھ دیا ہے وہ کسی معتبر جگہ سے نقل نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

۴ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ

سوال (۳۹۳): قدیم ۴۶۱/۱ - بعد وتر نماز عشاء کے نفلوں کا حضور نے بہشتی زیور میں تحریر فرمایا ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے اور ایک وعظ میں ارشاد ہے (وعظ عوذ العبد ص ۱۲) میں کہ بعض اکابر کا قول ہے چونکہ بعد وتر کے دو رکعت حضور ﷺ سے بیٹھ کر ہی پڑھنا منقول ہے اور قواعد شریعہ سے بیٹھ کر

(۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی الرکعتین بعد الوتر جالساً،

النسخة الهندية ص: ۸۳، دار السلام رقم: ۱۱۹۶

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتر بتسع ركعات، ثم أوتر بسبع ركعات وركع ركعتين وهو جالس بعد الوتر يقرأ فيهما، فإذا أراد أن يركع قام فرکع، ثم سجد. (أبوداؤد شريف، کتاب الصلاة، أبواب قیام اللیل، باب فی صلاة اللیل، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۱، دار السلام رقم: ۱۳۵۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پڑھنے میں نصف ثواب کا استحقاق ہوتا ہے مگر چونکہ حضور ﷺ نے بیٹھ کر پڑھی ہیں اس لئے ہم کو بیٹھ کر پسند ہے۔ خادم کے واسطے جس طرح ارشاد ہو تعمیل کرے؟

الجواب: یہ قول چونکہ مشعرا تباع تھا اس لئے نقل کیا چنانچہ اوپر کے مضمون کے ملانے سے یہ امر واضح ہے لیکن یہ عمل موقوف اس پر ہے کہ یہ ثابت بھی ہو۔ حالانکہ حضور ﷺ سے کھڑے ہو کر پڑھنا بھی منقول ہے۔ (۱) اس لئے اب افضل یہی ہے آپ کھڑے ہو کر پڑھئے۔ یہاں تو صرف بعض اکابر کے اس قول کا مبنی بیان کیا تھا۔

۱۵/ محرم ۱۳۴۳ھ (تمہ خامسہ ص ۳۱۷)

فرض کی جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد فجر کی سنت پڑھنے کا حکم

سوال (۳۹۴): قدیم ۱/۴۶۱ - ایک شخص وضو کر کے آیا تو دیکھا کہ جماعت صبح کی کھڑی ہو گئی ہے اور مسجد اتنی بڑی نہیں ہے کہ اگر ایک گوشہ میں سنتیں پڑھی جاویں تو قراءۃ امام کی آواز نہ سنائی دے تاکہ تعمیل آیت وإذا قرئ القرآن، الایۃ کی ہو۔ اب اس آدمی کو کیا کرنا چاہئے ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت امام محمدؒ نے یہ طریقہ بیان فرمایا ہے کہ اگر فجر کی سنتوں سے کسی کو بوجہ فضائل کثیرہ کے شوق ہو تو اسے چاہئے کہ حالت مذکورہ میں سنت کی نیت کر کے توڑ دے بعدہ جماعت میں داخل ہو جاوے بعد اداۓ فرض فی الفور وہ سنتیں بوجہ فرض ہو جانے کے پڑھ لیوے آیا یہ کہنا ان کا غلط ہے یا صحیح اور حالت مذکورہ میں شخص مذکور کو کیا کرنا چاہئے؟

(۱) عن أبي سلمة قال: حدثتني عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بواحدة، ثم يركع ركعتين يقرأ فيهما وهو جالس، فإذا أراد أن يركع قام فركع. (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الركعتين بعد الوتر جالساً، النسخة الهندية ص: ۸۳، دار السلام رقم: ۱۱۹۶)

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتر بتسع ركعات، ثم أوتر بسبع ركعات وركع ركعتين وهو جالس بعد الوتر يقرأ فيهما، فإذا أراد أن يركع قام فركع، ثم سجد. (أبو داود شريف، كتاب الصلاة، أبواب قيام الليل، باب في صلاة الليل، النسخة الهندية ۱/۹۱، دار السلام رقم: ۱۳۵۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: ایسی حالت میں اگر مسجد کے دو درجے ہوں تو امام جس درجہ میں ہو تو یہ شخص دوسرے درجہ میں ادا کرے اور اگر ایسا موقع بھی نہ ہو تو کسی علیحدہ جگہ میں جس قدر دوری صف سے ممکن ہو وہاں پڑھ لے اور یہ طریقہ جو سوال میں مذکور ہے بالکل ناجائز ہے اور امام محمدؒ پر تہمت ہے۔

فی رد المحتار باب إدراك الفريضة والحاصل أن السنة في سنة الفجر أن يأتى بها فى بيته وإلا فإن كان عند باب المسجد مكان صلاها فيه وإلا صلاها فى الشئوى أو الصيفى إن كان للمسجد موضعان وإلا فخلف الصفوف عند سارية أه وفى الدر المختار الباب المذكور ثم ما قيل يشرع فيها ثم يكبر للفريضة أو ثم يقطعها ويقضيها مردود بأن درء المفسدة مقدم على جلب المصلحة وفى رد المحتار تحت هذا القول أن ما وجب بالشروع ليس باقوى مما وجب بالنذر ونص محمد أن المنذور لا يؤدى بعد الفجر قبل الطلوع أه. (۱) ۱۱/رجب ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۳)

.....
 (۱) الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ۵۱۱/۲، كراچی ۵۷/۲

عن أبي مجلز قال: دخلت المسجد في صلاة الغداة مع ابن عمرؓ وابن عباسؓ والإمام يصلي، فأما ابن عمرؓ فدخل في الصف، وأما ابن عباسؓ فصلى الركعتين، ثم دخل مع الإمام فلما سلم الإمام قعد ابن عمرؓ مكانه حتى تطلع الشمس، فقام فركع ركعتين، فهذا ابن عباسؓ قد صلى الركعتين في المسجد، والإمام في صلاة الصبح.

(شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الرجل يدخل المسجد، والإمام في صلاة الفجر، مكتبة أشرفيه ديوبند ۲۵۵/۱-۲۵۶)

ثم السنة في سنة الفجر هو أن لا يأتي بها مخالطاً للصف بعد شروع القوم في الفريضة ولا خلف الصف من غير حائل وأن يأتي بها، إما في بيته وهو الأفصل أو عند باب المسجد إن أمكنه ذلك بأن كان ثمة موضع يليق للصلاة، وإن لم يمكنه ذلك ففي الخارج إن كانوا يصلون في الداخل أو في الداخل إن كانوا في الخارج إن كان هناك مسجدان صيفي وشتوي، وإن كان المسجد واحداً فخلف أستطوانة ونحو ذلك كالعمود والشجرة وما أشبهها في كونها حائلاً والاتيان بها خلف الصف من غير حائل مكروه ومخالطاً للصف ←

فجر کی جماعت کے دوران سنت پڑھنا

سوال (۳۹۵): قدیم ۴۶۲/۱ - خالد مسجد میں نماز صبح پڑھنے آیا ہے آگے مسجد میں جماعت ہو رہی ہے خالد سنت پڑھ کر جماعت میں شامل ہووے یا امام کو جس رکن میں پاوے شامل ہو جاوے مفتی بہ مسئلہ بحوالہ فقہ ثقفہ و مزین بہر خود ابلاغ فرماویں؟

الجواب: ہم حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ اگر فرض ملنے کی توقع ہو تو سنت نہ چھوڑے۔
کذا فی الکتب المذہبۃ - (۱)

۲۶/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۰۵)

← كما يفعله كثير من الجهال أشد كراهة لما فيه من مخالفة الجماعة الخ. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، فروع لو ترك، مكتبة أشرافية ديوبند ص: ۳۹۶)

ثم السنة في السنن أن يأتي بها في بيته أو عند باب المسجد وإن لم يمكن ففي المسجد الخارج، وإن كان المسجد واحدًا فخلف الأسطوانة ونحو ذلك أو في آخر المسجد بعيدًا عن الصفوف في ناحية منه وتكره في موضعين الأول أن يصلبها مخالطًا للصف مخالفًا للجماعة، والثاني: أن يكون خلف الصف من غير حائل بينه وبين الصف والأول أشد كراهة من الثاني. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۳۱، كوئته ۷۴/۲)

و كذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ۳۱۰/۱ - ۳۱۱، وكذا في الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل جديد زكريا ۱/ ۱۷۲، قديم زكريا ۱/ ۱۱۳)

(۱) رجل انتهى إلى الإمام والناس في صلاة الفجر، إن خشي أن تفوته ركعة من الفجر بالجماعة ويدرك ركعة صلى سنة الفجر ركعتين عند باب المسجد ثم يدخل المسجد ويصلي مع القوم، وإن خاف أن تفوته الركعتان جميعًا دخل مع القوم في صلاتهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر مسائل التطوع، مكتبة زكريا

ديوبند ۲/ ۳۰۸، رقم: ۲۵۱۱) ←

سوال (۳۹۶): قدیم ۱/۴۶۳۔ سوال اول عرض یہ ہے کہ مندرجہ ذیل کتابوں کی عبارت کی وجہ سے مجھے تردد ہے کہ حضرت کے بہشتی گوہر مطبوعہ بلالی واقع ساڈھورہ میں جو مسئلہ موجود ہے وہ صحیح ہے یا ان مندرجہ ذیل کتابوں سے ظاہراً جو مسئلہ سمجھ میں آتا ہے وہ صحیح ہے اور وہ مسئلہ آپ کی کتاب بہشتی گوہر مطبوعہ مذکور کے عنوان (جماعت میں شامل ہونے نہ ہونے کے مسائل صفحہ ۷۷) میں درج ہے۔

← المحيط الرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر، التطوع قبل الفرض وبعده،

المجلس العلمي ۲/۲۳۸، رقم: ۱۶۵۶۔

وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل وإلا بأن رجى إدراك ركعة لا يتركها؛ بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكاناً. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ۲/۵۱۰، كراچی ۲/۵۷)

ومن انتهى إلى الإمام في صلاة الفجر وهو لم يصل ركعتي الفجر، إن خشي أن يفوته ركعة ويدرك الأخرى يصلي ركعتي الفجر عند باب المسجد، ثم يدخل لأنه أمكنه الجمع بين الفضيلتين وإن خشي فوتها دخل مع الإمام لأن ثواب الجماعة أعظم والوعيد بالترك ألزم. (هداية، كتاب الصلاة، باب إدراك الفضيلة، مكتبة أشرفية ديوبند ۱/۱۵۲)

ومن انتهى إلى الإمام في صلاة الفجر وهو لم يصل ركعتي الفجر إن خشي أن يفوته ركعة ويدرك الأخرى يصلي ركعتي الفجر عند باب المسجد، ثم يدخل وإن خشي فوتهما دخل مع الإمام كذا في الهداية: ولم يذكره في الكتاب: أنه إن كان يرجو إدراك القعدة كيف يفعل؟ فظاهر ما ذكر في الكتاب أنه إن خاف أن يفوته الركعتان يدل على أنه يدخل مع الإمام، وحكي عن الفقيه أبي جعفر أنه قال: على قول أبي حنيفة، وأبي يوسف يصلي ركعتي الفجر لأنه إدراك التشهد عندهما كإدراك الركعة كذا في الكفاية. (هندية، كتاب الصلاة، الباب العاشر إدراك الفريضة، قديم زكريا ۱/۱۲۰، جديد زكريا ۱/۱۷۹)

وكذا في العرف الشذي على هامش الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، النسخة الهندية ۱/۹۷۔

وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة،

مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۴۵۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسئلہ: فرض ہونے کی حالت میں جو سنتیں پڑھی جائیں خواہ فجر کی ہوں یا اور کسی وقت کی وہ ایسے مقام پر پڑھی جائیں جو مسجد کے علیحدہ ہو اس لئے کہ جہاں فرض نماز ہوتی ہو پھر کوئی دوسری نماز وہاں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو صف سے علیحدہ مسجد کے کسی گوشہ میں پڑھ لے (درمختار وغیرہ)

لفظ (خواہ فجر کی ہوں یا کسی اور وقت کی) اس سے تعیم معلوم ہوتی ہے اور مندرجہ ذیل کتب کی عبارتوں سے تخصیص بالفجر معلوم ہوتی ہے اس لئے آپ سے نہایت مؤدبانہ طور سے التجا ہے کہ آپ مجھے کافی شافی جواب سے اس ظلمت سے نکالیں جس میں اس وقت میں ہوں اور وہ عبارت موعودہ یہ ہے۔

في مراقي الفلاح ص ۳۲ (۱) مطبوعة مصر فصل في الأوقات المكروهة ويكره (التنفل) عند الإقامة لكل فريضة إلا سنة الفجر إذا أمن فوت الجماعة وفي الكتاب المذكور في ص ۸۶ (۲) في باب إدراك الفريضة ومن حضرو كان الإمام في صلوة الفرض اقتدى به ولا يشتغل عنه بالسنة في المسجد ولو لم يفته شيء وإن كان خارج المسجد وخاف فوت ركعة اقتدى والإصلي السنة ثم اقتدى لإمكان جمعه بين الفضيلتين إلا في الفجر فإنه يصلي سنته ولو في المسجد بعيداً عن الصف إن أمن فوته ولو بإدراكه في التشهد وقوله صلوات الله عليه إذا أقيمت الصلوة فلا صلوة إلا المكتوبة محمول على غير صلوة الفجر لما قد مناه في سنة الفجر، وفي الهداية: ومن انتهى إلى الإمام في صلاة الفجر وهو لم يصل ركعتي الفجر إن خشي أن يفوته ركعة ويدرك الأخرى يصلي عند باب المسجد، ثم يدخل لأنه أمكنه الجمع بين الفضيلتين وإن خشي فوتها دخل مع الإمام لأن ثواب الجماعة أعظم والوعيد بالترك ألزم بخلاف سنة الظهر حيث يتركها في الحالين لأنه يمكنه أدائها في الوقت بعد الفرض هو الصحيح. (۳)

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في الأوقات المكروهة،

مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۱۹۰۔

(۲) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة

دار الكتاب ديوبند ص: ۴۵۲۔

(۳) هداية، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة أشرفية ديوبند ۱/ ۱۵۲۔

اور اسی طرح در مختار میں بھی موجود ہے عبارت کی طوالت کی وجہ سے انہیں دو کتابوں کی عبارت کو نقل کیا ورنہ اور بہت سی کتابوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے؟

الجواب: اور کتابوں سے جو مفہوم ہوتا ہے وہی صحیح ہے۔ معلوم نہیں علم الفقہ میں جو کہ بہشتی گوہر کی اصل ہے تعیم کیسے لکھ دی۔ بہشتی گوہر اس سے اس طرح منتخب کیا گیا ہے کہ سرسری نظر سے مضامین کے اول و آخر پر نشان بنا دیا کا تب نے نقل کر لیا ایک ایک لفظ نہیں دیکھا گیا بوجہ اعتماد کے۔ (ترجیح خامس ص ۱۴۲)

سنت کے دوران تکبیر شروع ہو جائے تو کیا کریں؟

سوال (*) (۳۹۷): قدیم ۱/۴۶۲ - مردے نیت چہار رکعت سنت خواہ نفل نمودہ یک رکعت

(*) سوال: ایک شخص نے چار رکعت سنت یا نفل کی نیت کر کے نماز شروع کی جب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا تو فرض نماز کی اقامت کہی گئی، پس یہ شخص چار رکعتیں پوری کرے یا دو پر سلام پھیر کر نماز میں شامل ہو جائے؟ اور جو دو رکعتیں باقی رہ گئی ہیں، ان کی قضا کرے یا نہ؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل وإلا بأن رجى إدراك ركعة في ظاهر المذهب: وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالي تبعاً للبحر؛ ولكن ضعفه في النهر، لا يتركها؛ بل يصلّيها عند باب المسجد إن وجد مكاناً، وإلا تركها. الخ (الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ۵۱۰/۲، كراجي ۵۷/۲)

رجل انتهى إلى الإمام والناس في صلاة الفجر، إن خشي أن تفوته ركعة من الفجر بالجماعة ويدرك ركعة، صلى سنة الفجر ركعتين عند باب المسجد، ثم يدخل المسجد ويصلي مع القوم، وإن خاف أن تفوته الركعتان جميعاً دخل مع القوم في صلاتهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر مسائل التطوع، مكتبة زكريا ديوبند ۳۰۸/۲، رقم: ۲۵۱۱)

المحيط الرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر، التطوع قبل الفرض وبعده، المجلس العلمي ۲۳۸/۲، رقم: ۱۶۵۶ -

هندية، كتاب الصلاة، الباب العاشر في إدراك الفريضة قدیم زكريا ۱/۱۲۰، جدید زكريا

۱/۱۷۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

باتمام رسانیدہ بادائے رکعت دوم برخاست دریں ضمن کسے تکبیر نماز فرض گفت ادا کنندہ نفل وسنت ہر چہار رکعت تمام نماید یا بردور رکعت اکتفا سازد و دور رکعت باقی راقضا کندیانے؟

الجواب: (*) اگر در اثناے سنت یا نفل تکبیر شد بردور رکعت سلام دادہ در جماعت داخل شود رائج واشہر ہمین ست۔

والشارع في نفل لا يقطع ويتمه ركعتين وكذا سنة الظهر وسنة الجمعة إذا أقيمت أو خطب الإمام يتمها أربعا على القول الراجح لأنها صلوة واحدة وليس القطع للاكمال بل للإبطال خلا فالمارجحه الكمال در مختار قوله خلا لما روجه الكمال حيث قال وقيل يقطع على رأس الركعتين وهو الراجح لأنه يتمكن من قضائها بعد الفرض ولا إبطال في التسليم على الركعتين فلا يفوت فرض الاستماع والأداء على الوجه الأكمل بلا سبب الخ أقول وظاهر الهداية اختياره وعليه مشى في الملتقى ونور الإيضاح والمواهب وجمعة الدرر والفيض وعزاه في الشرنبلالية إلى البرهان وذكر في الفتح أنه حكى عن السغدی أنه رجع إليه لما رآه في النوادر عن أبي حنيفة وانه مال إليه السرخسی والبقالی وفي البزازیة انه رجع إليه القاضي النسفی و ظاهر كلام المقدسی الميل إليه ونقل في الحلية كلام شيخه الكمال ثم قال وهو كما قال هذا ومارجحه المصنف صرح بتصحيحه للوالجی وصاحب المبتغی والمحیط ثم الشمنی وفي جمعة الشرنبلالية وعليه الفتوى شامی مجتبائی جلد اول ص ۴۷۹ (۱)

(*) جواب: اگر سنت یا نفل کے درمیان اقامت ہو تو دور رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہو جائے رائج اور مشہور یہی ہے، پھر اگر وہ سنت تھیں تو فرض اداء کرنے کے بعد چاروں کی قضاء کرے اور اگر نفل تھیں تو کچھ بھی لازم نہیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ۵۰۶/۲-۵۰۷، کراچی ۵۳/۲-۵۴۔

بخلاف ما إذا كان في النفل لأنه ليس للإكمال، ولو كان في السنة قبل الظهر، والجمعة، فأقيم أو خطب يقطع على رأس الركعتين يروى ذلك عن أبي يوسف وقد قيل يتمها (هداية) و تحته في الفتح: قوله: يروى ذلك عن أبي يوسف، وعن أبي حنيفة أيضاً وحكي عن السغدی: كنت أفتي أنه يتم سنة الظهر أربعا بخلاف التطوع حتى رأيت في النوادر ←

پس بعد نماز فرض اگر سنت بود هر چهار قضا کند و اگر نفل بود هیچ لازم نیاید۔

وقضى ركعتين لونوى أربعا غير مؤكدة على اختيار الحلبي وغيره ونقض في خلال الشفع الأول أو الثانى أي وتشهد للأول وإلا يفسد الكل اتفاقاً در مختار بالطحطاوى مصرى ج ١ ص ٢٩٠. (١) واللّٰه اعلم (امداد ج ١ ص ١٨)

← عن أبي حنيفة إذا شرع في سنة الجمعة، ثم خرج الإمام قال: إن كان صلى ركعة أضاف إليها أخرى ويسلم فرجعت إليه، وإليه مال السرخسي والبقالي، وقيل يتمها وإليه أشار في الأصل أنها صلاة واحدة، والأول أوجه لأنه متمم من قضائها بعد الفرض ولا يبطل في التسليم على رأس الركعتين فلا يفوت فرض الاستماع والأداء على وجه الأكمل بلا سبب. (هداية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ١/٤٨٨-٤٨٩، كوئته ١/٤١١)

حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ٤٥١۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢١٠۔

حاشية الجلي على التبيين، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ١/٤٤٨-٤٤٩، امدادية ملتان ١/١٨١۔

(١) حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة كوئته ١/٢٩٠۔

وإن شرع في التطوع بنية الأربع، ثم قطع أي أفسد ما شرع فيه قبل إتمام شفع لا يلزمه إلا شفع أي الإقضاء شفع عند أبي حنيفة، ومحمد خلافاً لأبي يوسف، فإن عنده يلزمه قضاء أربع في رواية وإنما قيدنا بقبل إتمام شفع لأنه لو أفسد بعد إتمامه فإن كان قبل القيام إلي الثالثة يلزمه شفع واحد عنده وعندهما لا يلزمه شيء، وإن كان بعد القيام إليها لزمه قضاء شفع اتفاقاً قالوا هذا الحكم المذكور في غير السنن الرواتب كسنة الظهر، والجمعة أما إذا شرع في الأربع التي قبل الظهر أو قبل الجمعة أو بعدها، ثم قطع في الشفع الأول أو الثاني يلزمه الأربع أي قضاءها بالاتفاق؛ لأنها لم تشرع ←

قضاء نمازیں پڑھنا بہتر ہے یا نوافل

سوال (۳۹۸): قدیم ۱/۳۷۵ - نوافل پڑھنا بہتر ہے یا قضا نمازیں؟

الجواب: فی رد المحتار عن المضممرات الاشتغال بقضاء الفوائت أولى وأهم من النوافل إلا سنن المفروضة و صلاة الضحی و صلاة التسبیح و الصلوة التي رويت فيها الاخبار اه أي كتحية المسجد والأربع قبل العصر والست بعد المغرب (ج ۱ ص ۷۸) (۱) اس سے معلوم ہوا کہ قضاء نمازیں پڑھنا نفل سے بہتر ہے۔ بجز سنن مؤکدہ اور ان نوافل کے جن کا ذکر اوپر کی عبارت میں ہے۔ فقط

۱۲/ محرم ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۳ ج ۱)

رہائش گاہ میں فجر کی سنت پڑھنے کے بعد مسجد میں جا کر تحیۃ المسجد پڑھنا

سوال (۳۹۹): قدیم ۱/۴۷۷ - نماز سنت فجر مکان میں پڑھ کر مسجد میں نماز فجر کے لئے جاتا ہوں اس وقت نماز تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟

← إلا بتسليمه واحدة فإنها لم تنقل عنه عليه السلام إلا كذلك فهي بمنزلة صلاة واحدة. (حلي كبير، فصل في النوافل، مكتبة أشرفية ۳۹۳-۳۹۴)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، مكتبة زكريا وفي الحجة: الاشتغال بالفوائت أولى وأهم من النوافل إلا السنن المعروفة وصلاة الضحی و صلاة التسبیح، والصلوات التي رويت في الأخبار فيها سور معدودة وأذكار معهودة فتلك بنية النفل وغير بنية القضاء كذا في المضممرات. (هندي، كتاب الصلاة، قبيل الباب الثاني عشر في سجود السهو، قديم زكريا ۱/۱۲۵، جديد زكريا ۱/۱۸۴)

الاشتغال بقضاء الفوائت أولى وأهم من النوافل إلا السنة المعروفة، وصلاة الضحی، وصلاة التسبیح، والصلاة التي وردت في الأخبار، فتلك بنية النفل وغيرها بنية القضاء كذا في المضممرات عن الظهيرية. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ←

الجواب: اس وقت نہ تحیۃ الموضوع ہے (*) نہ تحیۃ المسجد ہے (۱) نیز ان (**) سنتوں کا

(*) اس لئے صبح صادق کے بعد دو رکعت سنت فجر کے علاوہ نوافل پڑھنا مکروہ ہے، اور مکروہ وقت میں تحیۃ المسجد اور تحیۃ الموضوع پڑھنا جائز نہیں ہے۔

وقد حکي الإجماع على سنيته، غير أن أصحابنا يكرهونها في الأوقات المكروهة تقديمًا لعموم الحاضر على عموم المبيح. (شامي، ۱/۶۳۵، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۵۸، کراچی ۱۸/۲)

(**) یعنی فجر کی سنتوں کا اصل مذہب یہ ہے کہ سنن مؤکدہ کا گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

والأفضل في عامة السنن والنوافل المنزل وهو المروي عن النبي صلى الله عليه وسلم الخ. (هداية، باب إدراك الفريضة، مكتبة أشرفية ديوبند ۱/۱۵۲)

لیکن اب مسجد میں پڑھنا بدو وجہ افضل ہے، اول تشبیہ باہل بدعت دوم لوگوں میں تہاون و سستی عام ہے، اور مشاغل روز افزوں ہیں؛ اس لئے اندیشہ ہے کہ گھر میں نہ پڑھ سکیں۔

قال في الفتح: وبه أي بأصل المذهب أفتى الفقيه أبو جعفر، قال: إلا أن يخشى أن يشتغل عنها إذا رجع، فإن لم يخف بالأفضل البيت الخ. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۴۹۴، کوئٹہ ۱/۴۱۶)

حضرت علامہ کشمیری فرماتے ہیں:

ثم أفتى أرباب الفتيا بأن الأفضل الأداء في المسجد كيلا يلزم التشبه بتركها بالروافض حيث لا يأتون بها ونظرًا إلى تهاون أهل عصرنا يمكن أن يفتى بأدائها في المسجد كيلاً يتشغلوا عنها في البيوت الخ. (معارف السنن، شرح ترمذي شريف از علامہ بنوری، كتاب الصلاة، باب ما جاء أنه يصليهما في البيت، مكتبة أشرفية ديوبند ۴/۱۱۱) سعید احمد پالن پوری

← باب قضاء الفوائت، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۴۴۷)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل العشرون في قضاء الفوائت، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۵۸، رقم: ۲۹۸۹۔

(۱) عن يسار مولى ابن عمر قال: رأني ابن عمر وأنا أصلي بعد طلوع الفجر، فقال يابسار: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج علينا ونحن نصلي هذه الصلاة فقال: ←

مسجد میں پڑھنا افضل ہے بلکہ جمیع سنن مؤکدہ کا تاکہ اتہام یا تشبہ باہل بدعت سے محفوظ رہے جو کہ تارکین ان سنن کے ہیں۔ (۱)

۱۰/۱ رجب ۱۳۳۵ھ (تمہ خامسہ ص ۱۷)

← لیبلغ شاهدکم غائبکم لا تصلوا بعد الفجر إلا سجدتین. (أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب من رخص فیہما إذا كانت الشمس مرتفعة، النسخة الهندية ۱/۱۸۱، دار السلام رقم: ۱۲۷۸)

عن یسار مولى ابن عمرؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صلاة بعد الفجر إلا سجدتین. (ترمذی شریف، کتاب الصلاة، باب ماجاء لا صلاة بعد طلوع الفجر إلا رکعتین، النسخة الهندية ۱/۹۶، دار السلام رقم: ۴۱۹)

عن ابن عمرؓ عن حفصةؓ قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا طلع الفجر لا يصلي إلا رکعتین خفیفتین. (المعجم الكبير للطبراني، دار أحياء التراث العربي ۲۳/۲۱۳، رقم: ۳۸۵)

وهو ما أجمع أهل العلم: كرهوا أن يصلي الرجل بعد طلوع الفجر إلا رکعتي الفجر ومعنى هذا الحديث إنما يقول: لا صلاة بعد طلوع الفجر إلا رکعتي الفجر. (ترمذی شریف، کتاب الصلاة، باب ماجاء لا صلاة بعد طلوع الفجر إلا رکعتین، النسخة الهندية ۱/۹۶)

ويكره النفل بعد طلوع الفجر بأكثر من سنته قبل أداء الفرض. (طحطاوي على مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، فصل في الأوقات المكروهة، دار الكتاب ص: ۱۸۸)

ومنع عن النفل بعد طلوع الفجر الصادق بأكثر من سنته. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۱۱۱)

تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، في المواقيت، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۲۳۴، امدادیہ ملتان ۱/۸۷-

(۱) أداء السنن في البيت سنة وأفضل كما في الهداية: وهذا أصل المذهب وأما أرباب الفتيا فافتوا بأن الأفضل في المسجد لئلا يلزم التشبه بالروافض فإنهم لا يأتون بالسنن ولو تركت في المسجد يتوهم الناظر أن أهل السنة أيضاً يتركون وأما في زماننا فيمكن الفتوى بأدائها في المسجد، فإن الناس متكاسلون ولا يأتون بها في البيوت إن فاتتهم في المسجد.

(العرف الشذی علی الترمذی، النسخة الهندية ۱/۱۰۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عشاء کی دو رکعت سنت کے بعد نفل کا ثبوت

سوال (۴۰۰): قدیم ۱/۴۶۷- ہمارے علاقہ پنجاب میں عشاء کی دو سنتوں کے بعد جو مؤکدہ ہیں دو رکعت نماز نفل اکثر لوگ بیٹھ کر پڑھتے ہیں اس دو رکعت نماز نفل کا کسی حدیث صحیح حسن یا ضعیف سے کچھ ثبوت ہے یا بدعت ہے؟

الجواب: عن عائشةؓ قالت ماصلى النبي ﷺ العشاء قط فدخل على الاصلی أربع ركعات أو ست ركعات (*). رواه أحمد وأبو داود وإسناده صحيح كذا في انوار السنن ص ۲۳ ج ۲- (۱)

۲۲ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالث ص ۲۰)

تہجد کی نمازوں کی تعداد رکعات

سوال (۴۰۱): قدیم ۱/۴۶۷- شامی مصری جلد یکم ص ۴۰۶ میں ہے۔
قوله وأقلها على ما في الجوهرة ثمان إلى قوله والله أعلم. (۲)
اس مجموعی عبارت سے نماز تہجد کا بارہ رکعت ہونا کہیں ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف آٹھ رکعتیں تو بہشتی زیور مدلل و مکمل حصہ دوم ص ۴۳ کی عبارت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں اس کا کیا مطلب اور کہاں سے لکھا گیا کچھ پتہ نہیں لگتا؟

(*) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ کر جب بھی میرے گھر میں تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعت پڑھتے (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسئلہ دو رکعتیں سنت ہیں بدعت نہیں ہیں) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الصلاة بعد العشاء، النسخة الهندية

۱/ ۱۸۵، دار السلام رقم: ۱۳۰۳

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة

زکریا دیوبند ۲/ ۴۶۸، کراچی ۲۵/۲.

رقم: ۹۸۲، ف: ۹۹۲. ←

الجواب: اس کو صلوٰۃ مجازاً کہہ دیا جاتا ہے اصل میں یہ ایک مجاہدہ ہے اور مجاہدہ ایک معالجہ ہے اور معالجہ کے لئے منقول و ماثور ہونا ضروری نہیں ہاں منہی عنہ نہ ہونا ضروری ہے سو یہ منہی عنہ نہیں لیکن اس وقت امزجہ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے لہذا مشائخ نے اس کو ترک فرما دیا ہے۔ (۱) (تمہ خامسہ ص ۶۵۸)

تاریخ ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ

← وأخرج الترمذي في شمائله عن ابن عباس رضي في حديث طويل، ثم قام إلى شن معلق فتوضأ منه فأحسن الوضوء، ثم قام يصلي قال عبد الله بن عباس: فقمتم إلي جنبه فوضع رسول الله صلى الله عليه وسلم يده اليمنى على رأسي، ثم أخذ بأذني اليمنى ففتلها فصلى ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين قال: معن ست مرات ثم أوتر الحديث. (شمائل ترمذي، باب ماجاء في عبادته صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ص: ۱۸)

وفي هامشه: فيه دليل على أن صلاة الليل ثنتي عشرة ركعة كما هو المختار عند أبي حنيفة. (هامش شمائل ترمذي، نسخة الهندية ۱/ ۲۶۰، بيت الأفكار رقم: ۷۶۳) صلاة الليل وقيامه، النسخة الهندية ۱/ ۲۶۰، بيت الأفكار رقم: ۷۶۳

(۱) دو چیزیں الگ الگ ہوتی ہیں:

(۱) باب احکام۔ (۲) باب تربیت اور باب تربیت میں بہت سے ایسے عمل جائز ہو جاتے ہیں، جو باب احکام میں جائز نہیں ہوتے مثلاً دس سال کے نابالغ بچہ پر نماز فرض نہیں ہے، اگر نماز نہ پڑھے تو اللہ کے یہاں کوئی حساب و کتاب اور کوئی سزا نہیں دی جائے گی، یہ بات باب احکام میں سے ہے؛ لیکن باب تربیت کے اعتبار سے نماز نہیں پڑھے گا، تو ماں باپ کو اسے مارنے کا حکم ہے، یہ بھی حدیث سے ثابت ہے، مگر یہ باب احکام میں سے نہیں؛ بلکہ باب تربیت میں سے ہے۔

اسی طرح مثلاً بخاری کا سبق پڑھنا اور اس کی حدیثیں پڑھنا بہت بڑی فضیلت کا عمل ہے؛ لیکن ایک طاب علم درجہ اول میں میزان، نحو میر میں داخل ہے اور وہ دورہ حدیث کے درجہ میں جا کر بخاری کے سبق میں بیٹھتا ہے، تو اس کو منع کیا جائے گا نہیں مانے گا تو سزا بھی دی جاسکتی ہے؛ حالانکہ بخاری کی حدیث پڑھنا افضل عمل ہے؛ اس لئے کہ اس کی فضیلت باب احکام میں سے ہے اور باب تربیت میں درجہ اول کے طالب علم کے لئے امر ممنوع ہے تو معلوم ہوا کہ باب احکام اور باب تربیت دو الگ الگ چیزیں ہیں، اسی طرح مشائخ کے یہاں جو صلوٰۃ معکوس تھی، وہ باب احکام میں سے نہیں تھی؛ بلکہ باب تربیت میں سے ایک چیز ہے؛ اس لئے حدیث و فقہ میں اس کی کوئی اصل نہیں مل سکتی۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عشاء سے پہلے چار رکعت سنت کی تحقیق

سوال (۴۰۳): قدیم ۱/۴۶۹ - قبل از عشاء چار رکعت سنت کس حدیث سے ثابت ہیں شیخ دہلویؒ نے لمعات میں لکھا ہے کہ میں نے کوئی حدیث اس مضمون کی نہیں دیکھی فقہاء نے اس کو کہاں سے ثابت کیا؟

الجواب (*): شاید ظہریا عصر پر قیاس کیا ہو۔ (۱) فقط واللہ اعلم ۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

(*) اس تحریر کے بعد صغیری دیکھنے سے اس مسئلہ کا جواب جو عبارت ذیل منقولہ عن الصغیری سے ظاہر ہوتا ہے معلوم ہوا وہ عبارت یہ ہے:

قال الحلبي في الغنية: أما الأربع قبل العشاء فلم يذكر في خصوصها حديث؛ لكن يستدل بعموم ما رواه الجماعة أنه صلى الله عليه وسلم قال بين كل أذانين صلاة، بين كل أذانين صلاة، ثم قال بعد الثالثة لمن شاء فهذا مع عدم المنافي من التنفل قبلها يفيد الاستحباب؛ لكن كونها أربعاً يتمشى على قول أبي حنيفة لأنها الأفضل عنده. (حلي كبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، مكتبة أشرافية ديوبند ص: ۳۸۵)

(۱) وندب أربع قبل العشاء لما روي عن عائشة، أنه عليه الصلاة والسلام كان يصلي قبل العشاء أربعاً، ثم يصلي بعدها أربعاً، ثم يضطجع. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في بيان النوافل، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۹۰)

وأما التطوع قبل العشاء فإن تطوع قبلها بأربع ركعات فحسن. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر في مسائل التطوع، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۰۰، رقم: ۲۴۸۸) المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر، التطوع قبل الفرض وبعده، المجلس العلمي ۲/۲۳۳، رقم: ۱۶۴۱ -

وندب الأربع قبل العصر والعشاء. (هندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل قديم زكريا ۱/۱۱۲، جديد زكريا ۱/۱۷۲)

ويستحب أربع قبل العصر وقبل العشاء. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۵۲، کراچی ۲/۱۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



۹ / باب التراویح

ایک مسجد میں متعدد تراویح کا حکم

سوال (۴۰۴): قدیم ۱/۴۶۹ - ایک جامع مسجد کہ جس کا طول ۲۸ گز اور عرض ۲۱ گز ہے اگرچاہیں کہ قرآن شریف دو جگہ مسجد مذکور میں دو حافظ بیچ تراویح کے پڑھیں اور درمیان میں کوئی آڑ روک ایسی کر دی جائے کہ ایک دوسرے کی آواز سے حرج واقع نہ ہو، آیا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایک مسجد میں دو جگہ تراویح پڑھنا بشرطیکہ ازراہ نفسانیت نہ ہو اور ایک کا دوسرے سے حرج نہ ہو جائز ہے مگر افضل یہی ہے کہ ایک ہی امام کے ساتھ سب پڑھیں۔

في البخاري عن عبد الرحمن ابن عبد القاري أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه ويصلي الرجل فيصلي بصلوته الرهط فقال: إني أرى لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبي بن كعب (الحديث) جلد اول ص ۲۶۹. (۱)

(۱) بخاري شريف، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، النسخة الهندية

۱/۲۶۹، رقم: ۱۹۶۵، ف: ۲۰۰۹۔

تصحح الاغلاط کے حوالہ سے مذکورہ حاشیہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اس استنباط میں تامل ہے؛ اس لئے کہ یہ اس زمانہ کا عمل تھا کہ جب تک تراویح کی جماعت کا اہتمام شروع نہیں ہوا تھا، اور جب حضرت عمرؓ نے اس کا اہتمام شروع فرمادیا، تو اس کے بعد ایک مسجد میں ایک ساتھ متعدد جماعتیں تراویح کی نہیں کی گئیں؛ اس لئے حضرات فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے؛ اس لئے یہی صحیح ہے کہ ایک مسجد میں دو حافظ دو جماعتوں سے تراویح پڑھائیں مکروہ ہے۔ جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

ولو صلى مرتين في مسجد واحد يكره. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة،

قبيل فصل في مقدار التراويح، قدیم زکریا ۱/۲۳۴، جدید زکریا ۱/۱۴۵) ←

اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ نے تراویح متفرق پڑھنے والوں پر تشنیع نہیں فرمائی۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے اور ایک امام کے ساتھ پڑھنے کو افضل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ افضل یہی ہے (*)۔ واللہ اعلم

۱۴/ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ (امداد ص ۱۹ ج ۱)

عذر کی وجہ سے تراویح کی نماز ہاتھی کی سواری پر پڑھنا

سوال (۴۰۵): قدیم ۱/۴۷۰ - رمضان شریف میں کوچ کے دن کوچ شب کو ہوگا تراویح کیوں کر پڑھیں آیا نوافل کی طرح سواری پر پڑھ سکتے ہیں۔ سواری ہاتھی کی ہوگی؟

الجواب: پڑھ سکتے ہیں فی رد المحتار بخلاف سنة التراویح لأنها دونها فی التأكد فیصح قاعداً وإن خالف المتوارث وعمل السلف كما فی البحر: (۱)

(*) اس استنباط میں تامل ہے؛ کیونکہ یہ حالت اس وقت کی تھی جب کہ جماعت کا اہتمام نہ تھا اور وجہ عدم تشنیع کی بھی یہی عدم اہتمام تھا، اس سے حکم مذکورہ کا استنباط مشکل ہے بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ اس سے وہ مقصود فوت ہوتا ہو، جس کے لئے حضرت عمرؓ نے یہ اہتمام فرمایا ہو۔ (تصحیح الاغلاط ص: ۵)

← ولو صلى التراویح مرتین فی مسجد واحد یکره. (هندیہ، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل قدیم زکریا ۱/۱۱۶، جدید زکریا ۱/۱۷۶)

صلوها بجماعة ثم أروا إعادتها بالجماعة یکره. (بزازیہ علی الہندیہ، کتاب الصلاة، الثالث فی التراویح، قدیم زکریا ۴/۲۹، جدید زکریا ۱/۱۲۲)

الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر فی التراویح، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۲۱، رقم: ۲۵۴۳۔

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۸۳، کراچی ۲/۳۶۔

أطلق فی التنفل فشمّل السنة المؤکدة والتراویح؛ لکن ذکر قاضی خاں فی فتاویٰ من باب التراویح الأصح أن سنة الفجر لا يجوز أداءها قاعداً من غیر عذر، والتراویح يجوز أداءها قاعداً من غیر عذر، والفرق أن سنة الفجر مؤکدة لا خلاف فیها، والتراویح فی التأكيد دونها ثم قال: الصحيح أنه لا يستحب فی التراویح لمخالفته للتوارث وعمل السلف.

(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۱۱، کوئٹہ ۲/۶۳)

قلت وأفادت المخالفة الكراهة وتجبر بالعذر وفي الدر المختار فهي صلوة على الدابة فتجوز حال العذر إلى قوله و ذهاب الرفقاء. (۱)

۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۱ ص ۳۷)

سفر کی وجہ سے تراویح کی رکعتوں میں کمی کا حکم

سوال (۴۰۶): قدیم ۱/۴۷۰ - اگر کوچ آٹھ نو بجے رات کو شروع کریں تو تراویح تعداد میں کم پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور کہاں تک کمی ہو سکتی ہے؟

الجواب: جب سواری پر جائز ہے پھر کم کرنے کی ضرورت نہیں (۲) جس قدر کوچ سے پہلے.....

← اتفقوا على أنه لا يستحب بغير عذرٍ واختلفوا في الجواز، قال بعضهم: لا يجوز بغير عذرٍ وقال بعضهم: يجوز أداء التراويح قاعدًا بغير عذرٍ، وفرقوا بين التراويح وبين سنة الفجر، وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم، ووجه الفرق: أن سنة الفجر سنة مؤكدة لا خلاف فيها، والتراويح في التأكيد دونها فلا يجوز التسوية بينهما. (خانية على الهندية، كتاب الصوم، فصل في أداء التراويح قاعدًا، قدیم زکریا ۱/۲۴۳، جدید زکریا ۱/۱۵۰)

الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب العاشر في إدراك الفريضة قدیم زکریا ۱/۱۱۸، جدید زکریا ۱/۱۷۷-۱۷۸ -

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۰۳ -

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زکریا دیوبند ۲/۴۸۹، کراچی ۲/۴۰ -

(۲) عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر. (مصنف ابن أبي شيبة، باب الصلاة، كم يصلي في رمضان من ركعة، مؤسسه علوم القرآن ۵/۲۲۵، رقم: ۷۷۷۴) ←

پڑھ سکیں اسکا بقیہ سواری پر پڑھ لیں (۱)۔ فقط

۱۵/شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۱ ص ۳۸)

أجرت لے کر تراویح میں قرآن سنانے کا حکم

سوال (۴۰۷): قدیم ۱/۴۷۱- ہمارے ملک میں چند سال سے رواج ہو گیا ہے کہ اکثر حفاظ تراویح میں ختم پڑھنے کیلئے مساجد میں رمضان شریف میں مبلغ مقرر کر کے ختم کرتے ہیں اگر کسی جگہ پر زیادہ مبلغ ملنے کی امید ہے تو بلا مقرر پڑھ دیتے ہیں اور یہ معلوم ہو جاوے کہ یہاں زہار مبلغ حاصل نہ ہوگا بالکل اقبال نہیں فرماتے۔ یہ امر اجرت علی الطاعة جس کی حرمت و منع شرع میں وارد ہے اس میں داخل ہے یا نہیں؟ اور بعض علماء فقط کراہت ہی کہتے ہیں اور بعض علماء جائز بتلاتے ہیں۔ فقہاء متاخرین امور اربعہ یعنی امامت و اذان و تعلیم و وعظ میں ضرورتاً جائز ہی کہتے ہیں سواں ختم کو اسی باب امامت میں داخل کر کے امامت.....

← المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۱/۳۹۳،

رقم: ۱۲۱۰۲۔

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان، دار الفكر ۴/۶۰، رقم: ۴۷۲۰۔
فالمسنون عند أبي حنيفة، والشافعي، وأحمد عشرون ركعة - إلى قوله - فإن السنة عندهم ما واطب عليه النبي صلى الله عليه وسلم أو الخلفاء الراشدون لتصريحهم بسنية الجماعة في التراويح وعشرين ركعة فيها بمواظبتهم على ذلك، وهذا هو متمسك الأئمة المجتهدين في المسئلة..... فقيام رمضان بعشرين ركعة هو السنة المؤكدة، يضلل تاركها ويلام من نقص عنها. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب التراويح، دار الكتب العلمية بيروت ۷/۸۴-۸۸)

التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء..... وهي عشرون ركعة هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبته زكريا ديوبند ۲/۴۹۳-۴۹۵، کراچی ۲/۴۳-۴۵) ←

تراویح بھی جس میں ختم ہوا مامت سے خارج نہیں کہتے ہیں فقہاء کی عبارات سے یا اور کتب سے حرمت اجرت ختم قرآن پر تراویح کی تصریح کہیں پائی نہ گئی سوائے قواعد و قیاس کے اگر نظر فیض منظر میں گزری ہے تو ترقیم فرمانا کیونکہ ایصال ثواب قراءۃ کے منع میں جو اجرت سے واقع ہو فقہاء نے اس کے منع میں تشدد کئے ہیں تراویح میں جو ایصال نہیں محل تامل ہے کہتے ہیں اور تعلیل فقہاء کی ففی الامتناع تصبیح حفظ القرآن کی جو تعلیم قرآن کی ہے حفظ قرآن میں بھی جاری ہے کہتے ہیں کیونکہ ختم تراویح ترک کریں تو حفظ میں فتور و قصور واقع ہوگا کبھی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے فتاویٰ سے جو تعلیم قرآن میں کہتے ہیں۔

درخانہ کسے رفتن و از صبح تا شام نشستن الخ کو محل اجارہ ٹھیرانے سے اس کی اجرت لینے میں کسی طرح کا خلاف نہیں کہتے ہیں اور کہتے ہیں گو کہ مبلغ کا دینا لینا واقع ہو مگر بطریق تبادل و تعارض نہ ہو بطریق صدقہ یا ہدیہ ہو جو چاہے سودے سکتے ہیں اور یہ لہ پڑھ سکتے ہیں اور اس کو اس طرح سے زبان سے تصریح کر دینے میں دوسرے احتمالات منعدم ہو جاتے ہیں انتہی۔

← تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۴۴۳، امدادیہ ملتان ۱/ ۱۷۸۔
مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، فصل فی التراویح، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۰۲۔
(۱) فہی صلاة علی الدابة فتجوز فی حالة العذر لا فی غیرها ومن العذر المطر، وطن ینغیب فیہ الوجه و ذهاب الرفقاء۔ (شامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۴۸۹، کراچی ۲/ ۴۰)۔

بخلاف سنة التراویح؛ لأنها دونها فی التأكد، فتصح قاعدًا وإن خالف المتوارث وعمل السلف كما فی البحر۔ (شامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۴۸۳، کراچی ۲/ ۳۶)۔

خانیة علی الہندیة، کتاب الصوم، فصل فی أداء التراویح قاعدًا قدیم زکریا ۱/ ۲۴۳، جدید زکریا ۱/ ۱۵۰۔

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، فصل فی التراویح، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۰۳۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ان صورتوں میں حق اور مطابق واقع اور صحیح وجہ مدلل مطلوب ہے اور ان امور کے سوائے اکثر پڑھنے والوں کی عادت یہ ہے کہ ترتیل اور قواعد تجوید سے عاری جلد طے کرنے کی طالب اور متعدد مقاموں میں غلطی بتلانیوالے جا بجا ٹوکتے ہیں تو وہ کبھی لیتے یا گڑبڑاتے یا وقفہ کر لیتے پھر اپنے خیال میں آئے بعد مقام معین تک پڑھ لیکر نماز بلا سہو تمام کر دینا اور اعراب والفاظ میں کلمات کفر کا لحاظ نہ رکھنا ایسے ختم میں امید اجر ہے یا موجب وزر۔ بیوا تو جرا؟

نتیجہ السؤال : الفصل الثالث أمور مبتدعة باطللة لا أصل لها في الشريعة
أكب الناس عليها على ظن أنها قرب مقصودة وهذه كثيرة فلنذكر أعظمها منها
وقف الأوقاف سيما النقود لتلاوة القرآن العظيم في أجزاء قرآنية عين الواقف
قرأتها في مكان مخصوص أو لم يعين له مكاناً أو لأن يصلى نوافل أو لأن يسبح أي
يقول له سبحان الله كذا أو لأن يهلل أو لأن يصلى أو أطلق في ذلك كله ولم يذكر
عدد أو يهدي ثوابها لروح الواقف أو لروح من أراده وأصل المسئلة صحيح فيمن
قرأ القرآن أو سبّح أو هلّل أو صلى كذا ركعة وأهدى ثواب ذلك لفلان الحي
أو الميت قال الوالد في شرحه على شرح الدرر في بيان الحج عن الغير اعلم أن
الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقة أو قراءة
قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا كذا في البحر: (۱) أما
قوله عليه الصلوة والسلام لا يصلى أحد عن أحد ولا يصوم أحد عن أحد فهو في حق
الخروج عن العهدة لا في حق الثواب فإن من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره
لألموات والأحياء جاز ويصل إليهم ثوابه عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع (۲)

(۱) البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰۵/۳،
کوئٹہ ۵۹/۳۔

من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها
إليهم عند أهل السنة والجماعة. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة
للميت وإهداء ثوابها له، مكتبه زكريا ۱۰۱/۳، کراچی ۲/۲۴۳)

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الحج، شرائط الأركان، الوقت، مكتبه زكريا ديوبند ۴۵۴/۲۔

ثم في البحر وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتاً أو حياً والظاهر أنه لا فرق بين أن ينوى به عند الفعل للغير أو يفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره لإطلاق كلامهم ولم أرحكم من أخذ شيئاً من الدنيا فيجعل شيئاً من عبادته للمعطي وينبغي أن لا يصح ذلك (١) قال الوالد رحمه الله: ففيه نظربل إطلاق ما سبق يقتضى الصحة انتهى ووجهه أن أخذ الدراهم صدقة من المعطي وأخذ الصدقة لا يمنع الثواب للمعطي ووجه الأول في المتن أن ثواب العبادة لا يدخل تحت عقد البيع لأن ذلك مخصوص بالأعراض الدنيوية بهذا السبب يبطل الوقف المشروط فيه ذلك لأن بدل أخذ المعلوم الوقف في مقابلة فعل الشرط الذى شرطها الواقف فهو كالبيع للثواب وإن اعتبرنا وجه كونه صدقة على من يقرأ الواقف القرآن أو يصلى له إلى آخره لا أن ذلك المعلوم عوض عن تلك القربة وثمر ثوابها ولكنه بمنزلة ما إذا كان الوقف على إمام الجامع أو الخطيب ونحو ذلك فإنها شروط على من اتصف بذلك فهي صدقة من الواقف على صاحب هذه الوصف المذكور لأن الوقف ليفعل الموقوف عليه ذلك في مقابلة أخذه للمعلوم المعين له ومنها الوصية باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته أو بعدها وبإعطاء دراهم معدودة لمن يطلب القرآن لروحه أو يسبح له أو يهلل أو بأن يبيت عند قبره أربعين ليلة أو أكثر أو أقل أو بأن يبنى على قبره بناء وكل هذه بدع منكورة أي أنكرها الشرع لمخالفتها لمقتضاه حيث اشتملت على بيع ثواب الطاعة وأخذ الشيء من الدنيا في مقابلته والوقف والوصية باطلان والماخوذ منها حرام للأخذ وهو عاص بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا والمفهوم منه أن الذي يأخذ ذلك لوتلى القرآن أو ذكر الله تعالى أو صلى كذا ركعة أو هلل أو كبر ونحو ذلك من أنواع القربات لا لأجل ما يأخذه من المعلوم المعين له في الوقف لمن فعل ذلك بل لوجه الله تعالى وأخذ المعلوم صدقة عليه من الواقف جاز وصح الوقف حينئذ وهو ماذهبنا إليه فيما تقدم في حق جميع الوظائف في الأوقاف كلها وليس الأمر مخصوصاً لهذا النوع منهما انتهى. حديقة الندية شرح طريقة محمديّة. ١٢ -

(١) البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبة زكريا ديوبند ١٠٥/٣،

كوثه ٥٩/٣ - شبير احمد قاسم عفا الله عنه

عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

واختلفوا في الإستئجار على قراءة القرآن على القبر مدة معلومة قال بعضهم: لا يجوز، وقال بعضهم: يجوز كذا في السراج الوهاج. (جلد ثالث في كتاب الإجارة ص ۱۳۵) (۱)

(*) رد المحتار میں اس عبارت کی توجیہ علی قراءۃ القرآن کی جائے پر علی تعلیم القرآن کی ضروری ہے کہا ہے ورنہ جمیع فقہاء کی تصریح کے خلاف ہے کہا ہے۔

مدارس کے فاضل مولوی صاحب صورتہ جواز کی اس طرح ترقیم فرماتے ہیں۔ نزد فقہاء متقدمین حنفیہ اجارہ عبادات باطل است لیکن متاخرین در اذان و امامت و تعلیم قرآن وغیرہ جائز داشته اند و امامت شامل میشود امامت نماز پنجگانہ و عیدین و تراویح را و بر اخراج امامت تراویح سندی یافتہ نمی شود و آنچه فقہاء در تعلیل جواز تعلیم قرآن میگویند کہ لظهور التواضع في الأمور الدينية ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن در امامت تراویح نیز جاری میشود کہ برائے امامت تراویح قرآن را خوب حفظ می کنند و بدون حفظ جید امامت آن نمی توانند و معائنہ می شود کہ حفاظے کہ امامت تراویح نمی کنند یا ترک کردہ اند در حفظ آنها قصور می باشد۔ پس از مانع جواز شوند ہرگز امامت تراویح نخواہند کرد و قصور در حفظ قرآن نخواہند شد بلکہ ترک حفظ خواہند نمود و ایست و قیست کہ امامت بر اجارہ واقع شود لیکن اگر اجارہ بر امور دیگر

(*) رد المختار جلد خامس ص: ۴۷ / مطلب: تحریر مهم فی عدم جواز

الاستیجار علی التلاوة. فتاویٰ عزیزی ۱/ ۱۲۲ (مجتبائی). ۱۲ سعید احمد پال پوری

(۱) الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع

في فساد الإجارة قديم زكريا ۴/ ۴۹، جديد زكريا ۴/ ۸۵ -

واختلفوا في الإستئجار على قراءة القرآن مدة معلومة، قال بعضهم: لا يجوز وقال بعضهم: يجوز وهو المختار والصواب أن يقال على تعليم القرآن فإن الخلاف فيه كما علمت لا في القراءة المجردة، فإنه لا ضرورة فيها، فإن كان ما في الجوهره سبق قلم فلا كلام، وإن كان عن عمد فهو مخالف لكلامهم قاطبة فلا يقبل. (شامي، كتاب الإجارة،

باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۷۷/ ۹، كراچی ۵۶/ ۶)

ورائے امامت واقع شود و امامت ضمناً واقع شود عدم جواز ش و چہ ندارد و در فتویٰ (*) شاہ عبدالعزیز صاحب واقع شدہ است قاعدہ اجارہ آن است کہ بر شئے واجب و مندوب منعقد نمی شود و تعلیم قرآن فرض کفایہ است و مندوب علی العین پس محل اجارہ نیست آرے در خانہ کسے رفتن از صبح تا شام نشستن و اطفال اور ایشانی کردن فعلیت و رائے تعلیم کہ براں اجارہ منعقد می تواند شد انتہی۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب اجارے کی دو قسم کر کے دوسری جہت میں تعلیم کا خیال ہے۔ واللہ اعلم اور ابھی اسی فتویٰ میں ہے۔ واگر در میان آنها عقد اجارہ واقع نشود گو کہ بقاعدہ المعروف کا کسر و طمحوں بر اجارہ خواہد شد لیکن در اں وقت نیت معاوضہ نہ داشتہ نیت صلہ و صدقہ دارد و بر اجارہ محمول نتواند خصوصاً اگر تصریح کند ایں رویہا بطور صلہ و تبرع است عبارت حدیقتہ الندیہ ہمین محمولست و در فتاویٰ عزیز یہ (**) واقع شدہ است شخصے طلب علم دینی یا حفظ قرآن یا اشتغال بطاعت دیگر میخواند لیکن از راہ تنگدستی و فقدان وجہ معاش فراغت اشتغال بایں امور ندارد و مردے دیگر صاحب مایہ ذمہ دار وجہ قوت او شود تا بفرغ بال مشغول بطاعت گردد و دریں صورت ہر دور اجر کامل بر ہر طاعت او حاصل میشود۔

قال تعالى: للفقراء الذين احصروا الخ، و اعانت بر طاعت کہ در حدیث جا بجا مدوح واقع شود ہمیں است لیکن ایں را اجر ت گفتن مجازست (***)۔ انتہی واللہ اعلم؟

الجواب: قاعدہ کلیہ فقہیہ ہے کل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستیجار علیہا عندنا۔ (۱)

(*) فتاویٰ عزیزی جلد اول ص: ۱۲۲ (مجتبائی) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) فتاویٰ عزیزی جلد اول ص: ۹-۱۲ سعید احمد پالن پوری

(***) اجرت دیگر خواہ مشروط ہو یا متعارف حافظ سے تراویح میں قرآن پاک سننے کے سلسلہ میں حضرت مجیب قدس سرہ کے فتاویٰ و طرح کے ہیں: ایک علی الاطلاق ممنوع ہونے کے، دوسرے گنجائش ہونے کے حضرت مجیب کی آخری رائے علی الاطلاق ممنوع ہونے کی ہے (جیسا کہ سوال نمبر ۲۸ کے جواب پر حاشیہ میں خود حضرت ہی نے تصریح فرمائی ہے۔

نوٹ: سوال نمبر ۲۲۶ و ۲۲۸ بھی اسی بحث سے تعلق رکھتے ہیں اور امداد الفتاویٰ جلد سوم ص ۶۷

(کتاب الاجارہ) میں بھی اس بحث سے متعلق ایک فتویٰ ہے ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) شامی، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار

علی الطاعات، مکتبہ زکریا دیوبند ۷۶/۲، کراچی ۵۵/۶ - ←

اور دلیل نقلی اس کی یہ ہے:

لقوله عليه السلام اقرؤا القرآن ولاتأكلوا به. (۱)
اور عقلی یہ ہے:

لأن القربة متى حصلت وقعت عن العامل ولهذا تتعين لأهليته فلا يجوز له أخذ
الأجرة من غيره كما في الصوم والصلوة هكذا في الشامية المجلد الخامس ص: ۵۲- (۲)
اور متاخرین نے چند فروع کو اس کلیہ سے استحساناً بعلت ضرورت بقاء وحفظ شعار دین
مستثنیٰ و مخصوص کر لیا ہے۔

في الدر المختار باب الإجارة الفاسدة ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه
والإمامة والأذان اه في رد المحتار وقد ذكرنا مسألة تعليم القرآن على استحسان اه.
يعنى للضرورة آه جلد ۵ ص ۵۳- (۳)

← والأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا
(هداية) وتحت في العيني: أي الأصل الذي بني عليه حرمة الاستئجار على
هذه الأشياء أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا؛
لأن هذه الأشياء قربة يقع على العامل. قال الله تعالى: وأن ليس للإنسان إلا
ما سعى، فلا يجوز أخذ الأجرة من غيره كالصوم والصلاة. (بناية شرح هداية،
مكتبة أشرفية ديوبند ۱۰/ ۲۷۸)

(۱) عن أبي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اقرؤوا القرآن ولاتأكلوا به،
ولا تستكثروا به، ولا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه. الحديث. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الكتب
العلمية بيروت ۶/ ۲۹۴، رقم: ۸۸۲۳، مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت
۵/ ۲۴۰، رقم: ۷۸۲۵، مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۴۲۸، رقم: ۱۵۶۱۴)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبة زكريا ديوبند
۷۶/۹، کراچی ۵۵/۶۔

(۳) الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبة زكريا ديوبند
۷۶-۷۷/۹، کراچی ۵۵-۵۶۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب حرمتہ استیجار علی الطاعة ہے اور استثناء بعض فروغ کا خلاف اصل مذہب بعثت ضرورتہ مذکور ہے پس ماسواء فروغ مذکور کے بقیہ طاعات کا حکم اپنی اصل پر رہے گا۔

قال في الشامية: بُعِدَ العبارة الأولى المذكورة وقد اتفقت كلمتهم جميعاً على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ما علمته فهذا دليل قاطع وبرهان ساطع على أن المفتي به ليس هو جواز الاستیجار علی کل طاعة بل علی ما ذكره فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب من طرد المنع فإن مفاهيم الكتب حجة ولو مفهوم لقب علی ما صرح به الأصوليون بل هو منطوق فإن الاستثناء من أدوات العموم كما صرحوا به أيضاً ٥٥. (١)

عبارت ہذا سے معلوم ہوا کہ ختم فی التراویح کی تصریح بہ خصوصیت نہ پایا جانا (اگر مسلم ہو) مضر حکم حرمتہ استیجار نہیں کیونکہ اولاً مفہوم مخالف روایات فقہیہ میں حجتہ ہے ثانیاً بوجہ عموم صدر کلام کے ماسوی المستثنیٰ کو اس ختم علی الأجر کی حرمتہ منطوق ومنصوص ہے چنانچہ عبارت مذکورہ آنفاً اس پر دال ہے اور اگر قواعد کلیہ کے بعد بھی ہر جزئی کی تصریح خصوصیت کے ساتھ ضروری ہوا کرے تو کسی مسکر جدید التریب کی حرمتہ پر کل مسکر حرام سے استدلال جائز نہ ہوگا و ہو باطل دوسرے تلاوۃ لا یصل الثواب جس کی حرمتہ استیجار بالخصوص مصرح ہے اس کی تعلیل میں حرمتہ کی تقریر میں علامہ عینیؒ نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے:

ويمنع القارئ للدين والاحذ والمعطى اثمان فالاحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للأمر والقراءة لأجل المال فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستاجر ولولا الأجرة ما قرء أحد لأحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً وسيلة إلى جمع الدنيا إنا لله وإنا إليه راجعون اه كذا في الشامية ص ٥٣. من المجلد الخامس. (٢)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الإجارة الفاسدة، مکتبہ زکریا دیوبند ۹/۷۶، کراچی ۶/۵۶۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الإجارة الفاسدة، مکتبہ زکریا دیوبند ۹/۷۷، کراچی ۶/۵۶، بنایۃ شرح ہدایۃ، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ۱۲/۲۳۷۔

اور ظاہر ہے کہ یہ علت ختم فی التراویح میں جاری ہے پس اشتراک علت سے یہ ختم بھی بالخصوص مصرح ہو گیا کیونکہ ختم تراویح میں بھی مقصود ثواب ہی ہے ورنہ فی نفسہ شعائر دین سے نہیں اور لوگوں نے اس کو مکسبہ بنا لیا ہے۔ پس اشتراک علت ثابت ہو گیا۔ بہر حال خصوصاً لیا جاوے یا عموماً پھر عموم میں مفہوماً لیا جاوے یا منطوقاً ہر طرح سے حرمت استیجار علی الختم ثابت ہو گئی اور اس سے زائد تصریح نہ ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ اس وقت رسم فاسد نہ ہوگی ہر مصنف اپنے زمانہ کے مفاسد پر تنبیہ کیا کرتا ہے لیکن جب دلیل حرمت کی قائم ہے تو ثبوت حکم متیقن ہے۔ اب باقی رہا جواب توجیہات جواز کا۔ سو جواز ہذا الختم کے لئے ضرورت کی یہ تقریر جو سوال میں مذکور ہے محض فاسد ہے جس کا منشاء سوء تدبر ہے اور بنا بر ضرورت مزعومہ کے اس کو تعلیم قرآن پر قیاس کرنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے کیونکہ تعلیم قرآن خود باعتبار اصل وضع کے موقوف علیہ ہے تعلیم کا جو موقوف علیہ ہے حفظ کا پس بحسب اس قاعدہ کے کہ موقوف علیہ کا موقوف علیہ موقوف علیہ ہوتا ہے تعلیم موقوف علیہ ہے حفظ کا اور باعتبار عارض عادة کے یہ تعلیم موقوف ہے اخذ اجرت پر پس اخذ اجرت موقوف علیہ ہوا حفظ کا بخلاف ختم مقیس کے کہ وہ باعتبار اصل کے موقوف علیہ نہیں ہے حفظ کا بلکہ معاملہ بالعکس ہے کہ خود حفظ موقوف علیہ ہے ختم کا؛ چنانچہ بدیہی ہے پس حفظ کا توقف ختم پر ثابت نہ ہوا غایت مافی الباب ختم بواسطہ حفظ کے موقوف ہوا، اس اجرت پر جو بعض تعلیم لی جاتی ہے سو اس کا جواز مفتی بہ ہے اور ختم بلا واسطہ حفظ گو اس اجرت پر موقوف ہے جو بمقابلہ ختم لی جاتی ہے لیکن تعلیم پر قیاس اس لئے جائز نہیں کہ ختم مثل حفظ کے مہمات دین سے نہیں چنانچہ فقہاء نے اس کے سنت ہونے کی تصریح کی ہے بلکہ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر قوم پر ختم ثقیل ہو تو اس کا ترک افضل ہے۔

في الدر المختار: ورد المختار: والختم مرة سنة ولا يترك لكسل القوم لكن في الاختيار الأفضل في زماننا قدر مالا يثقل عليهم وأقره المصنف وغيره إلى قوله ومن لم يكن عالماً بأهل زمانه فهو جاهل. قوله الأفضل في زماننا لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة إلى قوله: ولهذا قال في البحر: فالحاصل أن المصحح في المذهب أن الختم سنة لكن لا يلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد خصوصاً في زماننا فالظاهر اختيار الأخف على القوم مجلد أول ص ۴۳۹. (۱)

ان روایات سے اس کا ضروریات دین سے نہ ہونا ظاہر ہے پس جب ختم ضروریات سے نہ ہوا تو اس کا توقف جس اجرة پر بعارض عادت مثبت و مسلم ہو اس کا جواز علت ضرورة سے کیسے ثابت ہو سکتا ہے بلکہ ایسی حالت میں اس ختم ہی کا اہتمام چھوڑ دیا جاوے گا چنانچہ قاعدہ فقہیہ مقررہ ہے۔

إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة كذا في الشامية المجلد الأول صفحہ ۶۷۱. (۱)

پس جب اس سنت کے ادا سے ایک بدعت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے تو اس سنت ہی کو ترک کر دیں گے اور اگر کوئی شخص توقف حفظ علی الختم الموقوف علی الاجرة کی یہ توجیہ کرے کہ مراد توقف الحفظ علی تصور الختم بالاجرة و توقہ ہے سوا لا اس عاده کا فاشی اور شائع ہونا غلط ہے۔ ثانیاً تحصیل قرآن و حفظ کے وقت اکثر محصلین کو اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا اسی طرح اگر یہ توجیہ کی جاوے کہ بدون اجرت کے ختم نہ کریں گے اور بدون ختم کے محفوظ نہ رہے گا سو اس کا بھی اولاً عاده فاشیہ ہونا غلط ہزاروں بندگان خدا سامعین کو دیکر اپنے بقاء حفظ کیلئے پڑھتے ہیں۔ ثانیاً یہ توقف دونوں توجیہوں میں باعتبار اصل وضع کے نہیں ہے جیسا تعلیم میں تھا بلکہ اپنی سوء طمع سے ہے اگر اس کا اعتبار کیا جاوے تو صوم و صلوة میں بھی اگر کسی زمان یا مکان میں اشتراط اجرت ہونے لگے اور بدون اس کے کوئی نہ پڑھے تو چاہئے کہ اسی تقریر سے وہاں بھی اخذ اجرت کے جواز کا حکم کر دیا جاوے۔

و هو باطل بالإجماع والتبصير من الشارع والفقهاء. (۲)

اور تعلیم میں اس عاده کا اعتبار اسلئے کیا کہ تعلیم میں اس قدر مشغولی ہوتی ہے کہ دوسرے طریق سے اکتساب معاش نہیں کر سکتا اور ہر شخص فارغ البال و مرفہ الحال نہیں بخلاف ختم متنازع فیہ کے کہ اس سے معیشت کے دوسرے طرق مختل نہیں ہوتے اس لئے عاده متعلقہ تعلیم شرعاً معتبر و مخفف حکم ہوگی اور عاده متعلقہ ختم معتبر و مخفف حکم نہ ہوگی فافہم۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۴۰۹/۲، کراچی ۶۴۲/۱۔

(۲) والأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا (هداية) وتحتہ فی العینی: أي الأصل الذي بني عليه حرمة الاستئجار على هذه الأشياء ←

اسی طرح اس ختم کو باب امامت میں داخل کرنے کا دعویٰ اور اس بناء پر اس کو مستثنیٰ سمجھنا محض باطل ہے کیونکہ ختم نہ عین امامت ہے نہ اس کا موقوف علیہ جزئیۃً یا لزوماً ہے کیونکہ امامت بلا ختم بھی متحقق ہوتی ہے کما ہو مدرک بالحس پس دعویٰ استثناء کی اس بناء پر گنجائش نہ ہوئی اور شاہ صاحبؒ کے فتویٰ اولیٰ کو اس سے کچھ بھی مس نہیں کیونکہ یہ توجیہ جس کی مخصوص ہے صورتہ ضرورتہ کے ساتھ اور جہاں ضرورتہ مذکورہ نہ ہو وہاں یہ تاویل مقبول نہیں ورنہ طاعت کی ایک فرد بھی نہ رہے گی جس پر حرمت استیجار کا حکم کیا جاوے کیونکہ یہ تاویل ہر جگہ چل سکے گی علیٰ ہذا فتویٰ ثانیہ کو اس سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ اعانۃ علی الطاعة اور چیز ہے گو اس کو مجازاً اجرت کہا جاوے اور اجرت علی الطاعة اور چیز ہے اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اس وقت جو رسم ہے وہ حقیقۃً اجرت ہے کما ہو ظاہر و سیاتی قرینتہ عن الإمام الأستاذ و نیز اجرت کو مآول باعانت کرنا معلل ہے ضرورت کے ساتھ اور یہاں ضرورت نہیں کما مر اور یہ تاویل کہ یہ حبۃً للہ پڑھتے ہیں وہ حبۃً للہ دیتے ہیں الخ بالکل انکار حسیات اور تاویل العمل بما لا یرضی بہ العاقل ہے جو شخص ان فاعلین کے معاملہ کو دیکھے گا اس کو ہرگز شبہ نہ رہے گا کہ مقصود اصلی اجرۃ ہے اور ایسی تصریح کہ فعل ینکحلاف ہو اور متعاقدین کے نزدیک غیر مقصود ہو۔ ہزل محض ہے جو شرعاً بجز مستثنیات معدودہ کے قابل اعتبار نہیں۔

قال الإمام الأستاذ لا یطیب والمعروف كالمشروط اه قلت وهذا مما یتعین الأخذ به فی زماننا لعلمهم أنهم لا یذهبون إلا بأجر البتة كذا فی الشامیة المجلد الخامس صفحہ ۵۲ فی تقریر مسئلۃ أخرى اور دناھا احتجاجاً بالعلۃ (۱)

اور بعض بزرگوں سے جو یہ توجیہ نقل کی گئی ہے ان کے زمانے میں ممکن ہے کہ نیت میں اس قدر فساد نہ ہوگا ورنہ اس توجیہ کا غیر مقبول ہونا ظاہر و باہر ہے اور حدیقہ میں جو بحر کی عبارت منقول ہے اس کی نسبت شامی میں رداً منقول ہے۔

← أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا؛ لأن هذه الأشياء قربة يقع على العامل. قال الله تعالى: 'وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى، فلا يجوز أخذ الأجرة من غيره كالصوم والصلاة. (بنایۃ شرح ہدایۃ، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱۰/۲۷۸)

(۱) فالحاصل أن ما شاع فی زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز؛ لأنه فیہ الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للأمر والقراءة لأجل المال، فإذا لم یکن للقارئ ←

وقد اغتربما في الجوهرة صاحب البحر في كتاب الوقف وتبعه الشارح في كتاب الوصايا حيث يشعر كلامهما بجواز الاستيجار على كل الطاعات ومنها القراءة وقد ردّه الشيخ خير الدين الرملي في حاشية البحر في كتاب الوقف حيث قال: أقول المفتي به جواز الأخذ استحساناً على تعليم القرآن لا على القراءة المجردة كما صرح به في التاتارخانية الخ جلد خامس صفحہ ۵۳. (۱)

اور حسب تو ادر رسم مفتی چونکہ یہ قول مرجوح ہے لہذا اس پر عمل جائز نہ ہوگا اور عالمگیری میں جو عبارتہ ہے اس کے متعلق علامہ شامیؒ نے لکھا ہے۔

والصواب أن يقال على تعليم القرآن فإن الخلاف فيه كما علمت لا في القراءة المجردة فإنه لا ضرورة فيها فإن كان ما في الجوهرة سبق قلم فلا كلام وإن كان عن عمد فهو مخالف لكلامهم قاطبة فلا يقبل وقد أظنّب في ردّه صاحب تبیین المحارم مستنداً إلى النقول الصريحة إلى آخر ما قال. جلد خامس صفحہ ۵۲. (۲)

اسی طرح بعض نے جواز القراءة علی القبر سے جواز استیجار پر استدلال کیا ہے اس کی بھی تغلیط محققین نے کی ہے۔

قال الشامي: وفيه رد أيضاً على صاحب البحر حيث علل البطلان بأنه مبني على القول بكراهة القرآن على القبر وليس كذلك بل لما فيه من شبهة الاستيجار على القراءة كما علمت وصرح به في الاختيار وغيره ولذا قال في الولوالجية: مانصه

← ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولو لا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان؛ بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلة إلى جمع الدنيا إنا لله وإنا إليه راجعون. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ۷۷/۹، كراچی ۵۶/۶)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۷۷/۹، كراچی ۵۶/۶۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۷۷/۹، كراچی ۵۶/۶۔

ولو زار قبر صديق أو قريب له وقرء عنده شيئاً من القرآن فهو حسن أما الوصية بذلك فلا معنى لها ولا معنى أيضاً لصلة القارئ لأن ذلك يشبه استيجاره على قراءة القرآن وذلك باطل ولم يفعل ذلك أحد من الخلفاء اه جلد خامس صفحہ ۵۳. (۱)

ایک مقام پر شامی نے کہا ہے:

ولا ضرورة في استيجار شخص يقرأ على القبر أو غيره اه جلد خامس صفحہ ۶۷۷. (۲)

اس غیرہ کے لفظ میں غیر قراءۃ علی القبر بھی داخل ہے جو تراویح کو بھی شامل ہے۔ حاصل جواب یہ ہوا کہ رواج مذکور فی السوال محض باطل اور مخالف شرع ہے اور ایسا ختم ہرگز موجب ثواب نہیں بلکہ موجب معصیت ہے۔ واللہ اعلم

الربع ذی الحجۃ ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۴۰ ج ۱)

مختلف طریقہ سے اجرت لے کر حافظ صاحب کا تراویح میں قرآن سنانے کا حکم

سوال (۴۰۸): قدیم ۱/۴۸۱ - سلام مسنون، سوالات ذیل بطور استفتاء روانہ خدمت ہیں جواب باصواب سے جلد مطلع فرمائیں:

(۱) اس قصبہ میں عام طور سے اکثر مساجد میں نماز تراویح باجماعت تمام رمضان المبارک ہوتی ہے۔ لیکن حافظ جوان تراویحوں میں امام بن کر ختم کلام شریف کرتے ہیں بدون عوض نقدی نہیں ملتے۔

(۲) حفاظ کو معاوضہ دینے کی یہاں دو صورتیں رائج ہیں اکثر تو قبل شروع تراویح معاملہ صاف صاف کر لیتے ہیں لیکن زیادہ تعداد ایسے حافظوں کی ہے جو تعین عوض نہیں کرتے بلکہ جس روز کلام شریف ختم ہوتا ہے مقتدی ان نماز تراویح بطیب خاطر و برغبت حافظ صاحب کو نقدی ۸/۱ پیش کرتے ہیں جس کو حافظ صاحب حلوائے بے دودھ کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسد، مکتبہ زکریا دیوبند ۷۷/۹-۷۸، کراچی ۵۶/۶-۵۷۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الوصایا، باب العتق فی المرض، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۹۶/۱۰، کراچی ۶۰۱/۶-شہیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۳) ایک صورت یہ بھی مستعمل ہے کہ محلّہ کا رئیس یا کوئی ذی مقدرت شخص ایک حافظ کو محض ختم کلام شریف کے واسطے اپنی مسجد میں متعین کرتا ہے اور اس کی خدمت نقدی معاوضہ سے اپنی جیب خاص سے پوری کرتا ہے مقتدیوں کو کچھ نہیں دینا پڑتا ہے۔

(۴) رسالہ اصلاح الرسوم مؤلفہ آں مخدوم کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ طاعت الہی پر اجرت نہیں ہے لہذا مسئلہ بالا میں کوئی صورت بغرض جواز اقتداء امام ماجور اختیار کی جاسکتی ہے؟

(۵) جبکہ حافظ ماجور کی وبا عالمگیر ہو تو محض بیس رکعت نماز تراویح باجماعت جن میں چند سورتیں کلام پاک کی پڑھ لی جایا کریں افضل اور انسب ہے بہ نسبت اقتداء ان حافظ ماجور کے؟

(۶) اگر حافظ صاحب سے نہ قبل از تراویح معاملتہ کی جاوے اور نہ اختتام کلام پاک پر ان کو اجرت دی جاوے بلکہ تمام سال کے اندر بغیر تعین تاریخ ان کی کما حقہ نقدی سے خدمت کردی جائے تو کیا یہ نقدی معاوضہ لینا حافظ کو جائز ہے اور ایسے حافظ کی اقتداء کی جاسکتی ہے۔

(۷) ایک محلّہ میں نماز تراویح باجماعت پڑھی جاتی ہے لیکن اس میں ختم کلام شریف حسب رواج نہیں ہوتا لیکن صرف الم تر کیف سے آخر تک کی سورتیں پڑھی جاتی ہیں بس ان دو شخصوں میں سے کس کا فعل افضل ہے آیا اس شخص کا جو اپنے محلّہ کی ایسی نماز تراویح میں شریک ہوتا ہے یا دوسرے شخص کا جو دوسرے محلّہ میں کرایہ دار حافظ کے پیچھے اقتداء کر کے ختم کلام شریف پرفخر کرتا ہے۔

(۸) اگر کسی شہر میں حسن اتفاق سے کسی خاص مسجد میں کوئی حافظ محض بہ نیت ثواب بلا کسی معاوضہ نقدی کے کلام پاک نماز تراویح میں ختم کرتا ہے تو ایسی حالت میں دوسری مساجد میں نماز تراویح صرف الم تر کیف سے باجماعت قائم کرنا جائز ہے یا نہیں (۱) جبکہ وہ مسجد اس محلّہ میں نہ ہو (۲) جبکہ وہ مسجد دوسرے محلّہ میں ہو؟

الجواب: چونکہ تراویح میں قرآن سننا منجملہ مقاصد دینیہ ہے اور سلف سے اس کا اہتمام متوارث ہے اور وہ آجکل بوجہ فساد زمان کے مخلص ختم سننے والوں سے کم میسر ہوتا ہے اگر ایسے حافظ کے ساتھ قرآن نہ سنا جاوے تو یقیناً بعض مقامات پر بعض لوگ عمر بھر استماع ختم قرآن سے محروم رہیں اسلئے سننے والوں کو مضطر سمجھا جاوے گا اور شرعی قاعدہ ہے کہ اضطرار جالب تیسیر ہے اس لئے اگر ممکن ہو تو ان سننے والوں کے حق میں اس فعل کی کچھ تاویل کرنا مناسب ہے اور یہاں یہ تاویل ممکن ہے (*) کہ اس اجرت کو

(*) اس کے بعد ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ کو ایک فتویٰ اس کے علی الاطلاق ممنوع ہونے کا لکھا

گیا ہے (یہ فتویٰ سوال ۴۰۹ پر درج ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری) جس میں بناء تاویل کا جواب بھی ہے ←

 (خواہ وہ مشروط ہو یا معروف ہو کہ وہ بھی حکم مشروط میں ہے) بمقابلہ امامت کے کہا جاوے گا جس کو متاخرین نے جائز رکھا ہے (۱) اور چونکہ ختم سنانے والا مضطر نہیں ہے اس کے حق میں اس تاویل کا اعتبار نہ کیا جاوے گا پس اس کے حق میں یہ اجرت بحالہا نادرست رہے گی اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہو گیا اگر کسی خاص (سوال سے) اس کا انطباق ظاہر نہ ہو تو مکرر پوچھ لیا جاوے (مگر یہ پرچہ بھی واپس آوے)
 ۸/رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ (حوادث او ۲ ص ۱۱۶)

توضیح مسئلہ مذکورہ از ترجیح الرائج ص ۲۳۴

حوادث الفتاویٰ ۱۳۳۱ھ ص ۱۱۸ میں استماع قرآن من الحافظ الاجیر کا مسئلہ ہے اس کی سطر ۹ پر ایک حاشیہ ہے وہ ملاحظہ فرمایا جاوے اور تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ ص ۱۶۲ میں بھی اس مسئلہ کی تحقیق ہے اس کو بھی دیکھ لیا جاوے۔ (ترجیح ثالث ص ۲۳۴) (*)

سوال (۲۰۹): قدیم ۴۸۴/۱ - (۱) حافظ جو تراویح میں سنائے اس کو دینا بھی جائز ہے یا لینا دینا دونوں ناجائز؟

(۲) اور اگر بلا اجرت حافظ نہ ملے تو اجرت پر مقرر کرے یا الم تر کیف سے تراویح پڑھ لے؟
 (۳) اور جب امامت پر اجرت جائز ہے تو تراویح میں ایک قرآن بھی تو سنت مؤکدہ ہے اس پر اجرت کیوں ناجائز؟

← اور وہ بناء اس ختم کا مقاصد دینیہ سے ہونا ہے اور وہ جواب جو کہ خلاصہ ہے اس فتوے کا یہ ہے کہ جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت کہا ہے، جس سے ظاہر اسنت مؤکدہ مراد ہے، وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر ثقیل ہو وہاں الم تر کیف سے پڑھ دے، پس جب تقلیل جماعت کے محذور سے بچنے کے لئے اس سنت کے ترک کی اجازت دے دی، تو استیجار علی الطاعة کا محذور اس سے بڑھ کر ہے، اس سے بچنے کے لئے کیوں نہ کہا جاوے گا کہ الم تر کیف سے پڑھ لے آہ؛ چونکہ یہ فتویٰ بعد کا ہے، حضرت مجیب کے نزدیک عمل کے لئے یہی مستحسن ہے باقی فتویٰ سابق کا نقل کر دینا اس خیال سے ہے کہ دوسرے اہل علم بھی دونوں جوابوں کی بناؤں پر غور فرمائیں اور جو راجح ہو اس پر فتویٰ دیں ممکن ہے کہ مجیب احقر کی نظر قاصر رہی ہو۔ ۱۲ منہ عنہ مصحح
 (*) یہ سوال ۴۰۹/۲ ہے جو اس کے بعد درج کر دیا گیا ہے۔ ۱۲ ص

(۱) آگے سوال نمبر ۲۰۹ میں حضرتؒ نے واضح فرمادیا ہے کہ اگر بلا اجرت حافظ نہ مل سکے ←

الجواب: (۱) میں تو ناجائز سمجھتا ہوں (۲) میں تو الم تر کیف سے بتلا دیتا ہوں (۳) جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت کہا ہے جس سے ظاہراً سنت مؤکدہ مراد ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر ثقیل ہو وہاں الم تر کیف وغیرہ سے پڑھ دے پس جب تقلیل جماعت کے محذور سے بچنے کیلئے اس سنت کے ترک کی اجازت دیدی تو استیجار علی الطاعت کا محذور اس سے بڑھ کر ہے اس سے بچنے کیلئے کیوں نہ کہا جاوے گا کہ الم تر کیف سے پڑھ لے (۱) اور اسی سے نمبر ۲ کی وجہ بھی معلوم ہوگئی ہوگی۔

۱۰/رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۶۲)

← تو اجرت پر حافظ کو نہ لائیں؛ بلکہ الم تر کیف سے تراویح کی نماز پڑھ لیا کریں اور سامعین کے لئے گنجائش کی بات حضرت والا تھانویؒ نے ۸/رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ میں لکھا تھا اور ۱۳۳۲ھ میں اس کے خلاف تحریر فرمایا ہے کہ بلا اجرت حافظ نہ مل سکے تو اجرت دے کر حافظ کو نہ لائیں؛ بلکہ الم تر کیف سے تراویح کی نماز اداء کی جائے؛ لہذا ۱۳۳۱ھ والا جواب ۱۳۳۲ھ والے کے جواب سے ساقط ہو گیا، عربی جرنیات اگلے جواب کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) والختم مرة (کنز) وفي النهر: هذه المسئلة لم تذكر في ظاهر الرواية إلا أن أكثر المشايخ قالوا: إن الختم سنة وهو الصحيح كذا في الخانية وغيرها: وفي الخلاصة: الختم سنة والختمان فضيلة؛ لكن في المحيط: الأفضل في زماننا أن يقرأ ما لا يؤدي إلى تنفير القوم لأن تكثير الجمع أولى من تطويل القراءة. وفي المجتبى: والمتأخرون كانوا يفتنون في زماننا بثلاث قصار أو آية طويلة لئلا يمل القوم ويلزم تعطيلها وهذا أحسن. فقد روي الحسن عن الإمام أنه لو قرأ ذلك في الفرض بعد الفاتحة فقد أحسن ولم يسيء فما ظنك بغيره "وفي التجنيس" واختار بعضهم سورة الإخلاص في كل ركعة وبعضهم سورة الفيل أي البداية منها، ثم يعيدها وهذا أحسن لأنه لا يشتغل قلبه بعدد الركعات لعدم اشتباهها عليه فيتفرغ للتكفر والتدبر. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۰۷)

والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثاً أفضل، ولا يترك الختم لكسل القوم لكن في الاختيار: الأفضل في زماننا قدر ما لا يثقل عليهم لأنه تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة وأقره المصنف وغيره. وفي المجتبى عن الإمام: لو قرأ ثلاثاً قصاراً أو آية طويلة في الفرض فقد أحسن ولم يسيء فما ظنك بالتراويح؟ وفي فضائل رمضان للزاهدی: أفتي أبو الفضل الكرمانی والوبري أنه إذا قرأ في التراويح الفاتحة، وآية أو آيتين لا يكره. ←

تراویح میں ختم پر اجرت لینے کے لئے باطل حیلہ

سوال (۲۱۰): قدیم ۱/۴۸۴ - اگر زید کو کوئی شخص بغیر اجرت طے کئے ہوئے اپنی خوشی سے دس پانچ روپیہ دیوے یا ایک ماہ کیلئے امام مقرر کر کے کچھ اجرت دیوے اس طور سے عند الشرع اجرت حلال ہوگی یا نہیں اور امامت کی صورت میں تو حلال ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں معلوم ہوتا کیونکہ علماء متاخرین نے امامت کی اجرت پر فتویٰ دیا ہے آپ کی کیا رائے ہے تفصیل وائر تحریر کیجئے؟

الجواب: یہ جواز کا فتویٰ اس وقت ہے جب امامت ہی مقصود ہو حالانکہ یہاں مقصود ختم تراویح ہے (*) اور یہ محض ایک حیلہ ہے، دیانات میں جو کہ معاملہ فی مابین العبد و بین اللہ ہے حیل مفید جواز واقعی کو نہیں ہوتے لہذا یہ ناجائز ہوگا۔ (۱) ۶/ شوال ۱۳۳۳ھ

(*) قاعدہ ہے ”الأمور بمقاصدھا“ پس اگر کسی حافظ کو ختم قرآن شریف کے لئے تراویح کا امام بنایا جاوے تو ظاہر ہے کہ اس سے مقصود امامت نہیں ہے؛ بلکہ قرآن شریف کا ختم ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم جدید ۴/۲۷۳) لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے اس حیلہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے فرماتے ہیں ”اگر رمضان المبارک کے مہینہ کے لئے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت معین کر دی جائے تو یہ صورت جواز کی ہے؛ کیونکہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء نے اجازت دی ہے (دیکھو فتاویٰ رحیمیہ ۵/۲) لیکن ظاہر ہے کہ یہ حیلہ ہی حیلہ ہے، مقصود واقعی ختم قرآن شریف ہے، امامت مقصود ہرگز نہیں ہے اور دیانات میں حیلے مفید جواز نہیں ہوتے فالحق مافتی بہ الحجب قدس سرہ العزیز ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← وفي التجنيس: واختار بعضهم سورة الإخلاص في كل ركعة، وبعضهم سورة الفيل أي البداية منها، ثم يعيدها وهذا أحسن لئلا يشغل قلبه بعدد الركعات وعلى هذا استقرار عمل أئمة أكثر المساجد في ديارنا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۹۷-۹۸، ۴۷-۴۶/۲ کراچی)

حاشیہ الطحطاوی علی المراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة التراویح، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۴۱۴-۴۱۵ -

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، فصل فی التراویح، دار الكتب العلمية بیروت ۱/ ۲۰۳-۲۰۴ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) قال الله تعالى: وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا. [سورة البقر: ۴۱] ←

منفرد تراویح اور تہجد میں قرأت جہریہ کر سکتا ہے

سوال (۴۱۱): قدیم ۱/۴۸۵ - اسی طور پر جب اکیلا تراویح اور تہجد میں بھی پڑھتا ہو تو قراءت جہر سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

← قال أبو العالية: أي لاتأخذوا عليه أجراً. (تفسير ابن كثير، مكتبة زكريا

دیوبند ۱/۲۲۲)

عن عبد الله بن شبل قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به، ولا تجفوا عنه، ولا تغلوا فيه. الحديث. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطى، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۷۸۲۵/۲۴۰/۵، رقم: ۷۸۲۵)

مسند أحمد بن حنبل ۳/۴۲۸، رقم: ۱۵۶۱۴ -

عن عمران بن حصين أنه مر علي قارئ يقرأ، ثم سأل فاسترجع ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من قرأ القرآن فليسأل الله به، فإنه سيجبي أقوام يقرءون القرآن يسألون به الناس. (ترمذي شريف، أبواب فضائل القرآن، باب بالترجمة، النسخة الهندية ۱/۱۱۹، دار السلام: ۲۹۱۷ -

مسند أحمد بن حنبل ۴/۴۴۹، رقم: ۲۰۱۸۶ -

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۸/۱۶۶، رقم: ۳۶۰ -
عن سليمان بن بريدة عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (شعب الإيمان، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۳۳، رقم: ۲۶۲۵)

عن عبد الله بن معقل أنه صلى بالناس في شهر رمضان فلما كان يوم الفطر بعث إليه عبد الله بن زياد بحلة وبخمس مائة درهم فردّها وقال: إنا لا نأخذ على القرآن أجراً. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطى، مؤسسة علوم القرآن ۵/۲۳۷، رقم: ۷۸۲۱) ←

***** **الجواب:** پڑھ سکتا ہے (۱) ودلیلہ مامر (*)۔ ۶ شوال ۱۳۳۵ھ

(*) یہ اشارہ سوال نمبر ۳۸۲ کے جواب میں درج شدہ دلیل کی طرف ہے، اصل میں یہ دونوں جواب ایک ساتھ تھے ترتیب میں الگ الگ مقاموں پر رکھے گئے ہیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← والمعروف عرفاً كالمشروط شرطاً. (شامي، كتاب الوقف، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۶۷۲، كراچی ۴/۴۵۰، المؤسعة الفقهية الكويتية ۵/۱۱۳)

البنایة شرح الهدایة، کتاب الصلح فی الدین، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱۰/۲۹
 إن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لثمويه باطل فهي مكروهة. (هندیة، کتاب الحیل قدیم زکریا ۶/۳۹۰/جدید زکریا دیوبند ۶/۳۹۳)
 وقال النسفي في الكافي عن محمد بن الحسن، قال: ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلى إبطال الحق الخ. (عمدة القاري شرح البخاري، دار إحياء التراث العربي ۲۴/۱۰۹، زکریا دیوبند ۱۶/۲۳۹، رقم: ۶۹۵۳)
 (۱) وخیر المنفرد فی نفل اللیل حتی التراویح. (الدر المنتقى على ملتقى الأبحر، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۱۵۵-۱۵۶)

وخیر المنفرد فیما یجهر فیہ بین الجهر والإخفاء أداء کان أو قضاءً هو الأصح کمتنفل أي كما خیر المتنفل المنفرد باللیل بین الجهر والإخفاء، والجهر: أفضل ما لم يؤذ نائماً ونحوه والتقیید بالمنفرد لا بد منه لوجوب الجهر فی التراویح علی الإمام. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۲۲۸-۲۲۹)

فالحاصل أن الإخفاء في صلاة المخافتة واجب على المصلي إماماً كان أو منفرداً وهي صلاة الظهر، والعصر والركعة الثالثة من المغرب والأخريان من صلاة العشاء وصلاة الكسوف والاستسقاء وهو واجب على الإمام اتفاقاً وعلى المنفرد على الأصح، وأما الجهر في الصلاة الجهرية فواجب على الإمام فقط وهو أفضل في حق المنفرد وهي صلاة الصبح والركعتان الأوليان من المغرب، والعشاء، وصلاة العيدين، والتراویح، والوتر في رمضان. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۵۲۷، کوئٹہ ۱/۳۰۲)

الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۲۵۱، کراچی ۱/۵۳۳-شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شبہ متعارفہ سے متعلق دو مختلف فتاویٰ کے درمیان تحقیقی جائزہ

حکم شبہ

سوال (۳۱۲): قدیم ۱/۲۸۵ - حامد اومصلیاً۔ دونوں فتوے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ درحقیقت دونوں میں لفظی اختلاف ہے کیونکہ حکم جواز کا تعلق نفس عمل کے بشرط خلوص من المفسد کے ہے اور حکم منع کا در صورت لزوم واقتران مفسد کے ہے اور دونوں حکم صحیح ہیں اور حکم واقعی نہایت ظاہر ہے کہ اگر مفسد نہ ہوں تو جائز ہے اور اگر مفسد ہوں تو جائز نہیں۔ اب صرف یہ امر باقی رہ گیا کہ آیا اس وقت مفسد غالب ہیں یا نہیں سو یہ امر متعلق ہے مشاہدہ کے اور بنظر انصاف مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ مفسد غالب ہیں مثلاً اگر تراویح کے بعد یہ عمل ہو تو نفل کی جماعت مجمع کثیر کے ساتھ ہونا جو کہ مکروہ ہے اور اگر تراویح میں ہو تو امام کو جو تخفیف صلوٰۃ کا حکم ہے اس کی مخالفت لازم آنا اور قراء کا ترتیل و تجوید کو جلدی کی وجہ سے ترک کرنا اور اکثر فخر و نمود کا قصد ہونا اور کہیں عوض مالی کی امید ہونا اور سامعین کا اکثر استماع قرآن کے آداب کو ضائع کرنا و مثل ذلک مما یطول ذکرہ اور قاعدہ فقہیہ ہے کہ جس امر جائز؛ بلکہ مندوب میں جو کہ شرعاً اہتمام کے ساتھ مطلوب نہ ہو مفسد کا غلبہ ہو اس کو ترک کر دیا جاتا ہے خواہ وہ مفسد فاعلین کے اعتبار سے ہوں یا دوسرے عوام ناظرین کے اعتبار سے ہوں اس لئے اس زمانہ میں اس عمل کا ترک کرنا مناسب بلکہ کہیں کہیں واجب ہے۔ روایات ذیل اس تقریر کی مؤید ہیں۔

في الدر المختار مكروهات الصلوة وتركها (أي القلب الحصى) أولى وفي رد المحتار لأنه إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة اه (۱) وفي الدر المختار الأفضل في زماننا قدر ما لا يثقل عليهم (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۰۹، کراچی ۱/۶۴۲۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۹۷، کراچی ۲/۴۷۔

وفیه ای یکره ذلك (أي التنفل بالجماعة) لو على سبيل التداعى بأن يقتدى أربعة بواحد إلى قوله وفي الأشباه عن البزازیة یکره الاقتداء في صلاة رغائب وبراءة وقدر وبعید هذا ولا ینبغی أن یتكلف كل هذا التکلف لأمر مکروه وفي ردالمحتار: تحت هذا القول فلو ترک أمثال هذه الصلوات تارک لیعلم الناس أنه ليس من الشعائر فحسن اه وظاهره أنه بالنذر لم یخرج عن کونه أداء النفل بالجماعة (۱) وفي الدر المختار بحث سجدة الشکر لأن الجهلة یعتقدونها سنة أو واجبة وکل مباح یؤدی إلیه فمکروه اه (۲) وفي هذا کفاية إنشاء الله تعالیٰ لمن کان له قلب أو ألقى السمع وهو شهيد. والله تعالیٰ أعلم بحقائق الأمور. فقط ۱۹/رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۱ ج ۱)

سوال (۲۱۳): قدیم ۱/۲۸۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلام مجید شب بھر میں ختم کرنا جس کو عرف میں شبینہ کہتے ہیں خواہ ایک حافظ صرف ختم کرے خواہ چند حفاظ مجمع کر کے پورا کریں جائز ہے یا نہیں حسب الشرع موافق مذہب حنفیہ بیان فرماؤ مع سند عبارت فقہاء وغیرہم۔ بینوا تو جروا؟

الجواب: ظاہر حدیث سے ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ تین روز سے کم میں قرآن ختم کیا جاوے۔

في المشکوۃ عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله ﷺ قال: لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلث رواه الترمذی وأبو داؤد والدارمی. (۳)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۰۰-۵۰۱، کراچی ۲/۴۸-۴۹۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مطلب في سجدة الشکر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۹۸، کراچی ۲/۱۲۰۔

(۳) ترمذی شریف، أبواب القراءة، قبیل أبواب تفسیر القرآن، النسخة الهندية ۲/۱۲۳، دار السلام رقم: ۲۹۴۹۔

أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب تخريب القرآن، النسخة الهندية ۱/۱۹۸، دار السلام رقم: ۱۳۹۴۔

اسی بناء پر بعض علماء نے اس شبینہ کو مکروہ فرمایا ہے لیکن عادت سلف کی ختم قرآن میں مختلف منقول ہوئی ہے حتیٰ کہ بعض بزرگوں نے ایک شب و روز میں تین ختم کئے اور بعض نے آٹھ ختم کئے اس لئے مطلقاً تین روز سے کم میں ختم کرنے کو مکروہ کہنا مناسب ہے بلکہ اقرب الی تحقیق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر شبینہ میں قرآن صاف پڑھا جاوے اور حفاظ کو ریاقصود نہ ہو کہ فلاں نے اس قدر پڑھا اور فلاں نے اس قدر۔ اور جماعت کسل مند نہ ہو اور حاجت سے زیادہ روشنی میں تکلف نہ کریں اور تراویح میں پڑھیں اور قصد حصول ثواب کا ہو جائز ہے (*) اور حدیث مذکور کے معارض نہیں کیونکہ علت منع عدم تفقہ ہے اور جب ایسا صاف پڑھا جائے کہ تفقہ و تدبر ممکن ہو تو ممنوع نہیں۔ چنانچہ عادت بعض سلف کی تحریر ہو چکی یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ ان کے فعل کو مکروہ کہیں چنانچہ حدیث مذکورہ کے حاشیہ پر مرقوم ہے۔

ظاہرہ المنع من ختم القرآن في أقل من هذه المدة ولكنهم قالوا: قد اختلف عادات السلف في مدة الختم فمنهم من كان يختم في كل شهرين ختمةً واخرون في كل شهر وفي كل عشرو وفي أسبوع إلى أربع وكثيرون في ثلث وكثيرون في يوم وليلة في جماعة ثلث ختمات في يوم وليلة وختم بعض ثمانی ختمات في يوم وليلة والمختار أنه يكره التأخير في الختمة أكثر من أربعين يوماً وكذا التعجيل من ثلاثة أيام والأولى أن يختم في الأسبوع والحق أن تختلف باختلاف الأشخاص ۱۲۔ (۱)

(*) یہ حکم ہے فعل کافی نفسہ لیکن ہمارے زمانہ میں مفاسد عادت مثل لازم کے ہو گئے ہیں؛ لہذا منع ہی کرنا

احوط ہے۔ ۱۲ منہ

← مسند دارمی، دار المغنی بیروت ۲/۹۳۶، رقم: ۱۵۲۴۔

مسند أحمد بن حنبل ۲/۱۸۹، رقم: ۶۷۷۵۔

مشکوٰۃ شریف، کتاب فضائل القرآن، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۱۹۱۔

(۱) حاشیہ مشکوٰۃ شریف، کتاب فضائل القرآن، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۱۹۱۔

ظاہرہ المنع ختمہ فی أقل من هذه المدة، ولكنهم قالوا: قد اختلفت عادات السلف في مدة الختم من ختمة في شهرين إلى ثمانی ختمات في كل يوم وليلة، والمختار أنه يكره التأخير في ختمه أكثر من أربعين يوماً، وروي أنه يحاج القرآن لمن لم يختمه في أربعين يوماً، وكذا التعجيل من ثلاثة أيام لهذا الحديث ←

طولعات مختصراً (*) اور اگر اتنی جلد پڑھیں کہ حرف تک سمجھ میں نہ آوے نہ زیر کی خبر نہ زیر کی غلطی کا خیال نہ متشابہ کا اور فقط ریاکاری مقصود ہو اور جماعت بھی ادھر ادھر گری پڑی ہو یا حاجت سے زیادہ روشنی ہو یا تراویح پڑھ کر جماعت نوافل میں پڑھیں یہ بیشک مکروہ ہے۔

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا. (۱) وَلِقَوْلِهِ: وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاؤُنَ النَّاسَ الْخ (۲)

(*) روي الطحاوي بسنده عن عبد الله بن زبير[ؓ] أنه قرأ القرآن في ركعة، وعن سعيد بن جبیر[ؓ] أنه قرأ القرآن في ركعة في البيت أتتلى ۱۲ منه

← والأولى أن يختمه في الأسبوع يبدأ ليلة الجمعة ويختم ليلة الخميس، والحق أن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص كما ذكره الطيبي. (لمعات التنقيح، كتاب فضائل القرآن، مكتبه دار النوادر بيروت ۵/ ۹۵)

شرح الطيبي، كتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوة ودروس القرآن، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۳۴۰ - ۳۴۱۔

ثم جرى على ظاهر الحديث جماعة من السلف فكانوا يختمون القرآن في ثلاث دائماً وكرهوا الختم أقل من ثلاث ولم يأخذ به آخرون نظراً إلى أن مفهوم العدد ليس بحجة على ما هو الأصح عند الأصوليين، فختمه جماعة في يوم وليلة مرة، وآخرون مرتين وآخرون ثلاث مرات، وختمه في ركعة من لا يحصون كثرة..... قال النووي: المختار أن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص فمن كان يظهر له بدقيق الفكر اللطائف والمعارف فليقتصر على قدر يحصل كمال فهم ما يقرؤه ومن اشتغل بنشر العلم أو فصل الخصومات من مهمات المسلمين فليقتصر على قدر لا يمنعه من ذلك ومن لم يمكن من هؤلاء فليستكثر ما أمكنه من غير خروج إلى حد الملاله أو الهزيمة وهي سرعة القراءة. (مرقاة المفاتيح، مكتبه امدادية ملتان ۵/ ۱۰)

(۱) قال الله تعالى: أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا. [سورة المزمل: ۴]

(۲) [سورة النساء: ۱۴۲]

ولقوله: إن الله لا يحب المفسرين. (۱)

ولقول الفقهاء: إن جماعة النوافل مكروهة. (۲). والله اعلم،

۲۲/ رجب روز جمعہ ۱۳۰۲ھ امداد ص ۱۰۳ ج ۱

سوال (۴۱۴): قدیم ۱/ ۴۸۸ - کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد یا علاوہ

جامع مسجد کے اور کوئی مسجد یا علاوہ مسجد کے اور کسی جگہ شبینہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: چند شرائط سے درست ہے مگر عادتاً یہ شرائط کم پائے جاتے ہیں ترتیل نہ چھوٹے!

تراویح میں پڑھے "جماعت کے وقت تخلف نہ کریں۔ (۳)

۵/ شوال ۱۳۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۶۵)

(۱) [سورة الانعام: ۱۴۱]

(۲) والتطوع على سبيل التداعي مكروهة (در مختار) قال الطحطاوي: والتداعي أن يجتمع أربعة فأكثر على إمام ودون ذلك لا يكره إذا صلوا في ناحية من المسجد كذا في القهستاني، ونقله في البحر عن الصدر الشهيد وظاهر إطلاقه الكراهة أنها التحريمية. (طحططاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كوثه ۱/ ۲۴۰، حلبی کبیر، کتاب الصلاة، تتمات من النوافل، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۴۰۸)

(۳) شبینہ مروجہ مختلف مفاسد و خرابیوں کی وجہ سے "مثلاً حاضرین کا شروع سے جماعت میں شرکت نہ کرنا، دوران تلاوت باہم گفتگو کرنا، کھانے پینے کی چیزوں میں مشغول ہونا، قاری و حافظ کا اس قدر عجلت سے قرآن پڑھنا کہ حروف کی ادائیگی کا حق نہ ہو پائے" ممنوع و ناجائز اور قابل ترک ہے، چنانچہ خود حضرت والا تھانویؒ نے جواب مذکور میں شبینہ کو چند شرائط کے ساتھ جائز قرار دے کر اپنے قول "مگر عادتاً یہ شرائط کم پائے جاتے ہیں" کے ذریعہ شبینہ مروجہ کے ممنوع اور قابل ترک ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ قاسمیہ ۸/ ۳۹۷ تا ۴۰۶، رقم: ۳۲۱۵-۳۲۲۲۔

عن عبد الله بن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث. (ابن ماجه شريف، باب في كم يستحب يختم القرآن، النسخة الهندية ص: ۹۵، دار السلام، رقم: ۱۳۴۷، أبواب القراءة، قبيل أبواب تفسير القرآن، النسخة الهندية ۲/ ۱۲۳، دار السلام رقم: ۲۹۴۹) ←

کسی خاص شخص کی رعایت سے اس کے فوت شدہ قرآن کو تراویح میں لوٹانا

سوال (۴۱۵): قدیم ۴۸۹/۱ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امام کی نسبت کہ کسی خاص شخص کی رعایت سے قرآن شریف کی ترتیب پوری کرنی یعنی اگر اس شخص کا رمضان شریف میں قرآن شریف سننا ترک ہو گیا ہو تو پھر اس کو دوسرے روز انہیں بیس رکعت میں پڑھنا اس حالت میں مقتدیوں کو بار بار اور تکلیف اور وقت کی تنگی ہو اور امام اس شخص کی اکثر رعایت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا تو جروا؟

الجواب: نماز تو اس کے پیچھے جائز ہے مگر خود یہ فعل کہ ایک شخص کی رعایت کرے اور دوسروں کو گرانی ہو مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر یہ شخص مفسد ہے کہ اس سے اندیشہ ضرر ہے تو مکروہ بھی نہیں۔

في الدر المختار: وكره تحريماً إطالة ركوع أو قراءة لإدراك الجائي أي إن عرفه وفي رد المحتار: إلا إذا كان داعراً شريراً. وفي رد المحتار: وإن لم يعرفه فلا بأس إلى قوله لكن يطول مقدار ما لم يثقل على القوم ج ۱ ص ۵۱۶ (۱)

سلخ جمادی الاول ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولی ص ۳۰)

← أبو داود شریف، کتاب الصلاة، باب تخريب القرآن، النسخة الهندية ۱۹۷/۱، دار السلام رقم: ۱۳۹۴ -

مسند أحمد بن حنبل ۱۴۶/۲، رقم: ۶۵۳۵ -

ثم القراءة على ثلاثة أوجه..... وفي التراويح يقرأ بقراءة الأئمة بين التؤدة والسرعة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، مكتبة زكريا ديوبند ۶۷/۲، رقم: ۱۷۶۲)

تصحیح الحروف أمر لازم لا بد منه ولا تصير قراءة إلا بعد تصحيح الحروف. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي ۳۸/۲، امدادية ملتان ۵۸/۱)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي۔ مكتبة زكريا ديوبند ۱۹۸/۲، كراچی ۴۹۴/۱ -

ولو أطال الإمام الركوع لإدراك الجائي الركوع لا تقرباً به لله تعالى فهو مكروه كراهة تحريم حتى قال أبو يوسف سألت أبا حنيفة عن هذا فقال أكره له ذلك وأخشى عليه ←

تراویح میں دوسری رکعت پر بیٹھنے کا وجوب

سوال (۴۱۶): قدیم ۱/۲۸۹۔ تراویح میں اگر دوسری رکعت پر نہ بیٹھے اور کھڑا ہو جاوے تو سیدھا کھڑے ہونے کے بعد بیٹھے یا نہ اور چوتھی رکعت میں سجدہ سہو کرے یا نہیں اور نماز تراویح ہوگی یا نفل اور اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب: (*) جزئی نہیں دیکھی کلیہ کا مقتضایہ ہے کہ بیٹھنے کی ضرورت نہیں اخیر میں سجدہ سہو کرے

(*) اس جواب میں تسامح ہوا ہے اور اس سلسلہ میں صریح جزئی موجود ہے جو آگے سوال نمبر ۴۳۷ کے جواب میں آ رہی ہے۔ نیز یہ مسئلہ پہلے بھی سوال نمبر ۳۷۵ پر مجملاً گزرا ہے، اس سلسلہ میں تفصیل سوال نمبر ۴۳۷ کے جواب اور اس پر حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← امرًا عظیمًا..... وأكثر العلماء حملوا لكرامة وكذا المروي على ما إذا كان الإمام يعرف الجائي بعينه أما إذا كان لا يعرفه فقد قالوا لا بأس به لأنه إعانة على الطاعة؛ لكن يطول مقدار ما لا يثقل على القوم بأن يزيد تسبيحة أو تسبيحتين على المعتاد لأن الزيادة على ذلك سبب للتنفير كما تقدم وعلى هذا لو طول القراءة في الركعة الأولى ليدرک الناس تلك الركعة لا بأس به إذا كان مقدار ما لا يثقل. (حلي كبير، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، مكتبته أشرفيه ديوبند ص: ۳۱۷)

أطال الإمام الركوع أو السجود لإدراك الجائي قال الإمام: أخشى عليه أمرًا عظيمًا وقال أبو مطيع: لا بأس بذلك ليدرک الركعة ويؤجر وقيل إن عرف الجائي يكره وإلا لا وهو تاويل المروي ولا خلاف أنه لو ثقل على القوم لا يفعل. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبته زكريا ديوبند ۱/ ۲۱۴)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب في صفة الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۴۵۔ حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، مكتبته دار الكتاب ديوبند ص: ۲۶۵۔

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبته زكريا ديوبند ۱/ ۵۵۱-۵۵۲،

کوئٹہ ۱/ ۳۱۶۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور تراویح ہوگئی اور حاجت اعادہ نہیں۔ (۱)

في الدر المختار: والأصل أن كل شفع صلاة إلا بعارض اقتداء أو نذر أو ترك
قعوداه مع رد المحتار ج ۱ ص ۱۲، (۲) ووجوب سجدة السهو ظاهر. فقط
۱۱ شعبان ۱۳۲۱ھ (تمہ اولی ص ۳۷)

تراویح میں ترویجہ (جلسہ) کی مقدار

سوال (۴۱۷): قدیم ۱/۴۹۰ - مقدار ترویجہ جو جلسہ میں توقف کرنے کی مقدار ہے اس ترویجہ سے مراد کیا ہے آیا وہ چار رکعت جن میں قرآن پڑھا گیا ہے یا جتنی دیر میں چار رکعت نفل پڑھیں ادنیٰ ما یجوز بہ الصلوٰۃ سے؟
الجواب: بعد کل أربعة بقدرها سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص رکعات جتنی دیر میں پڑھی گئی ہیں مگر قول قہستانی:

فیقال ثلاث مرات سبحان ذی الملک والملکوت الخ اور قول نہر، وأهل
المدينة یصلون أربعاً سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً اربعہ مراد ہے۔

(۱) رائج اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ ان میں سے صرف دو ہی رکعت معتبر ہوگی اور آخری دونوں رکعتوں کا پڑھا ہوا قرآن معتبر ہوگا اور پہلی دونوں رکعتوں کا قرآن لوٹانا ہوگا۔

وعن الشيخ أبي بكر الاسكاف أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة في التراويح ولم
يقعد على رأس الثانية قال إن تذكر في القيام ينبغي أن يعود إلى القعدة فيقعد ويسلم،
في الخانية: ما لم يقيد الثالثة بالسجدة وإن تذكر بعد ما ركع للثالثة وسجد فإن أضاف
إليها ركعة أخرى كانت الأربعة عن ترويجة واحدة. وفي الخانية: يعني عن الركعتين
الخ. (الفتاوى التاتارخانية، ۲/۳۳۰، رقم: ۲۵۷۲)

ولو صلى أربعاً بتسليمه واحدة ويقعد على رأس الركعتين ففي القياس وهو قول
محمد، وزفر وإحدى الروايتين عن أبي حنيفة أنه يفسد صلوته ويلزمه قضاء هذه الترويجة
الخ. (الفتاوى التاتارخانية، ۲/۳۳۰، رقم: ۲۵۷۱)

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند
۴۷۸/۲، کراچی ۲/۳۲ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وهذا أيسر كذا في ردالمحتار بحث التراويح. (۱)

۲۵/ رمضان ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولی ص ۳۹)

تراویح کی نماز عورت و مرد دونوں پر سنت مؤکدہ ہے

سوال (۳۱۸): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح سنت کفایہ ہے یا نہیں۔ درمختار میں ہے تراویح سنت کفایہ ہے؟ (*)

(*) سائل کو دھوکہ ہوا ہے، درمختار میں تراویح کی ”جماعت کو سنت کفایہ لکھا ہے نہ کہ ”تراویح“، کو اسعدی پالن پوری

(۱) یجلس ندباً بین کل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر، ويخيرون بين تسبيح وقرأة وسكوت وصلاة فرادي (در مختار) وفي الشامية: قوله: بين تسبيح قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات سبحان ذي الملك والملكوت الخ. وقوله: صلاة فرادی: أي صلاة أربع ركعات فيزاد ست عشرة ركعة..... وفي النهر: وأما الصلاة فقليل مكروهة، وقيل سنة، وهو ظاهر ما في السراج وأهل مكة يطوفون وأهل المدينة يصلون أربعاً. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۴۹۷/۲، كراچی ۴۶/۲)

والختم مرة بجلسة بعد كل أربع بقدرها (كنز) قوله بعد كل أربع بقدرها بيان لمقدار المستنون منها، قال الشارح: إلا أنها مستحبة فقط للتوارث..... ثم هو مخير في هذه الجلسة بين القراءة والتسبيح والسكوت، وأما الصلاة، فقليل مكروهة وقيل حسنة وهو ظاهر ما في السراج، وأهل مكة يطوفون وأهل المدينة يصلون أربعاً. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۳۰۷/۱)

وجلسة بعد كل أربع بقدرها (ملتقى الأبحر) وفي المجمع: أي بقدر أربعة من ركعاته، لو قال: وانتظار بقدرها لكان أولى فإن بعض أهل مكة يطوفون بين كل ترويحتين سبعاً، وأهل المدينة يصلون بدل ذلك أربع ركعات وأهل كل بلدة بالخيار يسبحون أو يهللون أو ينتظرون سكوتاً. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، دار الكتب العلمية بيروت ۲۰۳/۱)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب إدراك الفريضة، مكتبه زكريا ديوبند

۱۲۲/۲، کوئٹہ ۶۹/۲ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: تراویح کا سنت کفایہ ہونا کہیں بھی مذکور نہیں اس میں صاف لکھا ہے سنۃ مؤکدة

للرجال والنساء اجماعاً یہ صریح ہے سنت علی العین ہونے میں۔ (۱)

۳۰ شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۰)

دینی مصلحت کے پیش نظر تراویح کا سنت مؤکدة علی تعین ہونا

سوال (۲۱۹): قدیم ۱/۴۹۰ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین تراویح کے بابت تراویح کی جماعت

سنت کفایہ ہے۔ از عالمگیری؟

الجواب: واقعی ایک قول یہ بھی ہے مگر دوسرا قول اسکے خلاف ہے۔

(۱) التراویح سنة مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء اجماعاً.

(شامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۹۳، کراچی ۲/۴۳)

التراویح سنة کما فی الخلاصة: وهي مؤکدة کما فی الاختیار وروی أسد بن عمرو عن أبي يوسف قال: سألت أبا حنیفة عن التراویح وما فعله عمرؓ فقال: التراویح سنة مؤکدة، ولم يتخرصه عمر من تلقاء نفسه ولم یکن فیہ مبتدعاً ولم یأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي سنة عین مؤکدة علی الرجال والنساء. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة التراویح، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ۴۱۱-۴۱۲)

التراویح سنة مؤکدة للرجال والنساء جميعاً بإجماع الصحابة ومن بعدهم من الأئمة. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل فصل فی التراویح، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۲۰۲)

حلبی کبیر، کتاب الصلاة، التراویح، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۴۰۰ -

بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، صلاة التراویح، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۶۴۴ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کما فی رد المحتار: وقیل إن الجماعة فیها (أي التراویح) سنة عین فمن صلاها وحده أساء وإن صلیت فی المساجد وبه کان یفتی ظهیر الدین ج ۱ ص ۷۳۸، (۱)
اور اس وقت مصالح دین پر نظر کر کے اس پر فتویٰ ہونا چاہئے۔ ۳۰ شوال ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۹۰)

تراویح کی ایک رکعت میں ”قل هو الله“ کے تکرار کا حکم

سوال (*) (۲۲۰): قدیم ۱/۴۹۱ - جناب کتابیکہ از تالیف حضور فیض گنجور است مسمی بہ بہشتی گوہر و حصہ یازدہم کہ بہشتی زیور است در اں مکتوب است کہ خواندن قل هو الله در نماز ختم تراویح بہ سہ مرتبہ مکروہ است چنان کہ حافظان ایں زمانہ بروزے کہ ختم آخری شود قل هو الله را بہ سہ مرتبہ در نماز خوانند ایں قسم خواندن مکروہ است یا نہ اگر باشد بچہ وجہ۔

(*) خلاصہ سوال: بہشتی گوہر صفحہ ۳۶ میں ہے ”مسئلہ صحیح یہ ہے کہ قل هو الله کا تراویح میں تین مرتبہ پڑھنا جیسا کہ آج کل دستور ہے مکروہ ہے“ کراہت کی کیا وجہ ہے؟ یعنی تکرار سورت کی وجہ سے کراہت ہے یا رواج کی وجہ سے؟ اور کراہت کونسی ہے؟ سعید احمد پالن پوری

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۹۵، کراچی ۲/۴۵۔
وصلاتها بالجماعة سنة كفاية فلا إثم على من لم يحضر الجماعة إلا أن يتركها جميعاً أو يكون فقيهاً يقتدي به وقال المرغيناني: إنها سنة عين. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في صلاة التراویح، دار الكتاب دیوبند ۱۲/۴۱)

التراویح سنة مؤکدة في كل ليلة من رمضان بعد العشاء قبل الوتر وبعده بجماعة أي إقامتها بالجماعة سنة فمن ترك التراویح بالجماعة وصلاتها في البيت فقد أساء عند بعضهم والصحيح إن إقامتها بالجماعة سنة على الكفاية. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، دار الكتب العلمية بیروت ۱/۲۰۲)

وسن في رمضان عشرون ركعة بعد العشاء قبل الوتر وبعده بجماعة في مسجد أو غيره إلا أنها في المسجد أفضل على ما عليه الإعتاد وهو ظاهر في أنها على الأعيان وهو قول المرغيناني: والصحيح الذي عليه العامة أنها على الكفاية. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۲۰، کوئٹہ ۲/۶۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

آیا بوجہ تکرار سورہ یا بوجہ رواج گردانیدن؟ و اگر مکروہ باشد کد ام مکروہ؟ جناب ایں قسم خواندن در ملک بنگالہ رواج کثیر شدہ اگر کسے منع کند عالم و جاہل ہمگنان اور انفرت می کنند و گویند کہ ایں قسم خواندن از زمانہ جناب مولانا حافظ احمد صاحب جاری شدہ اگر منع بودے او نیز منع کردے آں منع نہ کردن دلیل است بر جواز و بسے مولوی انکار نمودہ و چند مولوی اقرار نمودہ اکنون فساد برپا شد و تحقیق آں مشغول شدہ بعد چند روز شخصے از کتاب مفید القاری کہ از تالیف مولوی عبدالمنان است آورده کہ نزد فقیہ ابواللیث خواندن قل هو اللہ سہ بار جائز است و بعض مستحسن فہمید و بعضے غیر مستحسن و بعد از اں نوشتہ کہ در شرح منیہ نوشتہ:

ویکروہ تکرار السورة في المكتوبة دون النوافل. (۱)

پس باقی مانند نماز تراویح نفل است یا سنت اگر نفل است جائز است باتفاق و اگر سنت باشد جائز نشود یا نہ؟ و اوشاں کتاب جناب دیدند و گفتہ اند کہ از کد ام کتاب نقل کردہ آیا کہ معتبر است یا غیر معتبر۔

هل يجوز تكرار السورة في السنة والواجب.

اگر معتبر باشد و علمائے متین دستخط کنند و گرفتن آں شکے نہ ماند فلہذا امید نزد جناب ایں کہ از روئے شفقت و رضاء اللہ دو قلم تحریر فرمودہ مکروہ است یا نہ؟ ثابت کردہ و ہم از کتاب است عبارتش نوشتہ از چند علمائے فحول مسجل کنانیدہ ایں فساد را دور کنند و ثواب دارین حاصل کنند۔ ان اللہ لا یضیع أجر المحسنین؟

الجواب (*): بہشتی گو ہر ملخص است از علم الفقہ کہ از تالیفات مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی است ندانم کہ از کجا نقل فرمودند و وقت تلخیص بسبب وثوق بریشاں تفتیش ماخذ نہ نمودہ شد اگر دل خواہد از وشاں تحقیق نماید نشان اوشاں لکھنؤ چوک مدرسہ مولانا عین القضاۃ صاحب کافی است لیکن تبرعاً برائے تحقیق دلیل بندہ ہم بکتب رجوع کردہ روایت ذیل در عالمگیریہ از نظر گزشت۔

(*) ترجمہ جواب: بہشتی گو ہر علم الفقہ (مؤلفہ مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی) سے ملخص کی گئی ہے، معلوم نہیں انہوں نے یہ مسئلہ کہاں سے نقل کیا ہے، تلخیص کے وقت ان پر اعتماد کی وجہ سے حوالہ کی تفتیش نہیں کی گئی، اگر دل چاہے تو ان سے تحقیق کر لیں۔ ان کا پتہ ”لکھنؤ چوک مدرسہ مولانا عین القضاۃ صاحب“ ہے۔

لیکن تبرعاً بغرض تحقیق بندہ نے بھی کتابوں کی مراجعت کی، عالمگیری میں مندرجہ ذیل روایت نظر سے گزری ویکروہ تکرار السورة.....۔

(۱) ویکروہ تکرار السورة في الفرض ولا يكره في التطوع. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة،

کراہیۃ الصلاة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۳۵۵)

ویکھرہ تکرار السورۃ فی رکعۃ واحدۃ فی الفرائض ولا بأس فی التطوع کذا فی فتاویٰ قاضیخان، وإذا کرر ایه واحدۃ مراراً فإن کان فی التطوع الذی یصلیٰ وحدہ فذلک غیر مکروہ، وإن کان فی الصلوۃ المفروضۃ فهو مکروہ الخ ج ص ۶۸ (۱)

← ظاہر ہے کہ تکرار سورت اور تکرار آیت متساوی الحکم ہیں اور نوافل میں آیت کے تکرار کی عدم کراہت کو الذی یصلیٰ وحدہ سے مقید کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ نوافل میں سورت کے تکرار کی عدم کراہت سے مراد بھی وہی نوافل ہیں، جو تنہا پڑھی جائیں اور تراویح جو فرائض کی طرح جماعت سے پڑھی جاتی ہے بحکم فرائض ہے؛ لہذا فرائض کی طرح تراویح میں بھی سورت کا تکرار مکروہ ہوگا۔

علاوہ بزیں یہ التزام و اصرار، جو لوگوں نے اختیار کر لیا ہے، یہ بھی کراہت کی مستقل دلیل ہے، دلیل اول کا مقتضاء کراہت تنزیہی ہے اور دلیل ثانی کا مقتضاء کراہت تحریمی ہے۔ واللہ اعلم
اضافہ: بہشتی گوہر کے حاشیہ میں ہے، ”وجہ کراہت یہ ہے کہ آج کل عوام نے اس کو لوازم ختم سے سمجھ لیا ہے جیسا کہ ان کے طرز عمل سے ظاہر ہے؛ لہذا مکروہ ہے نہ یہ کہ اعادہ سورۃ فی نفسہ مکروہ ہے، جیسا کہ مولانا رحمۃ اللہ نے تتمۃ ثالثۃ امداد الفتاویٰ ۱۱۸/۱ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے (جو یہاں سوال ۳۲۱ پر درج ہے ۱۲ سعید احمد) پس اعادہ سورۃ خواہ فی نفسہ جائز ہو یا مکروہ رسم ہذا قابل ترک ہے ۱۲ الصحیح الاغلاط ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) ہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب السابع، الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلاۃ وما لا یکرہ قدیم زکریا ۱/۱۰۷، جدید زکریا ۱/۱۶۶۔

وفي المحيط: إذا کرر آیه واحدۃ مراراً إن کان فی التطوع الذی یصلیہ وحدہ فذلک غیر مکروہ وإن کان فی الفریضۃ فهو مکروہ وهذا فی حالۃ الاختیار أما فی حالۃ العذر والنسیان فلا بأس بہ. (حلبی کبیری، کتاب الصلاۃ، تتمات فیما یکرہ من القرآن فی الصلاۃ، وما لا یکرہ، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۴۹۴)

المحیط البرہانی، کتاب الصلاۃ، الفصل الثانی فی الفرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمی ۲/۴۹، رقم: ۱۲۰۸۔

نفلوں میں تنہا پڑھنے کی بات اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔

عن أبی سعید الخدریؓ، أن رجلاً سمع رجلاً یقرأ قل هو اللہ أحد، یرددها فلما أصبح جاء إلى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذكر ذلك له وكان الرجل یتقالتها فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: والذي نفسی بیده أنها لتعدل ثلث القرآن الحدیث. (بخاری شریف، ۷۵۰/۲، رقم: ۴۸۲۲، ف: ۵۰۱۳)

پس ظاہر است کہ تکرار سورت و تکرار آیت تساوی الحکم هستند و در عدم کراهت تکرار آیت فی التطوع قید ”الذی یصلی و حده“ اضافہ فرمودہ پس واضح شد کہ مراد از تطوع در تکرار سورت نیز ہماں تطوع است کہ تنہا گزاردہ می شود و تراویح کہ مثل فرائض بجماعت ادا کردہ میشود دریں حکم مثل فرائض است پس مثل فرائض در آن ہم تکرار سورت مکروہ باشد و علاوہ بریں ایں چنین التزام و اصرار کہ مردمان اختیار کردہ اند ہم دلیل مستقل است بر کراهت (۱) و مقتضائے دلیل اول کراهت تزیہیہ است و مقتضائے دلیل ثانی تحریمیہ۔ واللہ اعلم، (تمتہ ثانیہ ص ۱۷۸)

سوال (۲۲۱): قدیم ۱/۳۹۳ - عرصہ چند ماہ کا ہوا کہ اس جگہ کچھ جھگڑا ہوا ہے دربارہ مسئلہ قراءۃ سورۃ اخلاص شریف تراویح میں تین مرتبہ مجوزین فرماتے ہیں کہ کوئی وجہ منع کی نہیں بلکہ یہ موجب ثواب ہے چونکہ تین مرتبہ سورت مذکور کو پڑھنا برابر ثواب میں کل قرآن شریف کے ہے اور مانعین فرماتے ہیں کہ تکرار نماز میں نہیں ہے؛ چنانچہ حضور والا کے بہشتی زیور کے گیارہویں حصہ بہشتی گوہر میں مرقوم ہے اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے جیسا کہ آجکل رواج ہے پس وہ سوال کرتے ہیں کہ اس کے کیا معنی آجکل کا رواج کس طور پر ہے پس جناب والا تکلیف فرما کر جواب باصواب تحریر فرمائیں مع حوالہ کتب۔ فقط؟

الجواب: اس وقت خاص اس کا جزئیہ تو جلدی میں ملا نہیں لیکن درمختار کے اس قول پر کہ:

لا بأس أن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية.

(۱) ومن أصر على أمر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة ومنكر. (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء فی التشہد، مکتبہ امدادیۃ ملتان ۲/۳۵۳)

وقد مر أن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع. (سعاۃ، کتاب الصلاۃ، الفصل فی القراءۃ، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۲/۲۶۵)

فکم من مباح یصیر بالإلتزام من غیر لزوم وبالتخصیص من غیر مخصص مکروہًا. (مجموعۃ رسائل الکھنوی، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ۳/۳۴، بحوالہ محمودیہ ڈابھیل ۱۱/۲۰۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

علامۃ شامی کا یہ قول ملا:

أفاد أنه يكره تنزيهاً وعليه يحمل جزم القنية بالكراهة ويحمل فعله عليه الصلوة والسلام لذلك على بيان الجواز ج ۱ ص ۵۷۰۔ (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک سورۃ کا دو رکعت میں اعادہ کرنا مکروہ ہے تو ایک رکعت میں اس کا اعادہ و تکرار تو بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا اور اگر شبہ ہو کہ اس کے بعد درمختار میں ہے:

ولا يكره في النفل شيء من ذلك.

اس کا جواب یہ ہے کہ ردالمحتار میں فتح سے اس پر نقل کیا ہے:

وعندي في هذه الكلية نظر الخ

پھر ردالمحتار ہی میں حلبی سے نقل کیا ہے:

إنهم نصوابان القراءة الخ ج ۱ ص ۵۷۱ (۲)

(۱) الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا

دیوبند ۲/ ۲۶۸، کراچی ۱/ ۵۴۶۔

ولابأس بأن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية كما روي ذلك من فعله عليه الصلاة والسلام كذا في الشرح وجزم في القنية بالكراهة والظاهر أنها تنزيهية ولفظ لا بأس لا ينافيها ويحمل فعله عليه الصلاة والسلام على بيان الجواز. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا دیوبند ۱/ ۲۳۷)

(۲) ولا يكره في النفل شيء من ذلك (در مختار) وفي الشامية: عزاه في الفتح إلى الخلاصة، ثم قال: وعندي في هذه الكلية نظر، فإنه صلى الله عليه وسلم نهى بلالاً رضي الله عنه عن الانتقال من سورة إلى سورة وقال له: إذا ابتدأت سورة فأتّمها على نحوها حين سمعه ينتقل من سورة إلى سورة في التهجد، واعترض الحلبي أيضاً بأنهم نصّوا بأن القراءة على الترتيب من واجبات القراءة، فلو عكسه خارج الصلاة يكره فكيف لا يكره في النفل تأمل؟. (الدرالمختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا دیوبند ۲/ ۲۶۹، کراچی ۱/ ۵۴۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے اور بوجہ قوت دلیل کے ترجیح کراہت کی معلوم ہوتی ہے یہی حاصل ہے بہشتی گوہر کے مسئلہ کا چنانچہ یہ قول کہ صحیح یہ ہے الخ دال ہے اختلاف پر بھی اور بہشتی گوہر میں جو لکھا ہے کہ جیسا کہ آج کل دستور ہے اس کے معنی ظاہر ہیں کیوں کہ آج کل ایسا کرتے ہیں پھر بعد تحریر اس جواب کا جزئیہ بھی مل گیا جس سے جواب مذکور کی تائید ہوتی ہے اور وہ جزئیہ یہ ہے، در شرح منیٰ می آرد۔

قراءة قل هو الله أحد ثلاث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشايخ وقال الفقيه أبو الليث: هذا شيء استحسنته أهل القرآن وأئمة الأمصار فلا بأس به إلا أن يكون الختم في المكتوبة فلا يزيد على مرة انتهى^(۱)۔

دور ہماں کتاب بجائے دیگر است

ویکړه تکرار قراءة السورة في الفرض ولا يكره تكرار السورة في التطوع لأن باب النفل أوسع ملخصاً۔

فتاویٰ مولانا عبدالحی جلد سوم ص ۱۳۵۹ (۲) ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۱۸)

کمزوری کی وجہ سے تراویح کی بیس رکعت کی تعداد میں کمی کی ممانعت

سوال (۴۲۲): قدیم ۱/۴۹۵ - اگر کوئی شخص بسبب شکایت ضعف جسمانی یا دیگر امراض تراویح کی بیس رکعتیں نہ پڑھ سکے اور ۸ یا ۱۲ پڑھ لے تو گنہگار تو نہ ہوگا؟

(۱) حلبی کبیری، کتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۴۹۶۔
قراءة "قل هو الله أحد" ثلاث مرات عقیب الختم لم يستحسنها بعض المشايخ، واستحسنها أكثر المشايخ لجبر نقصان دخل في قراءة البعض الخ. (هندیہ، کتاب الکراہیہ، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح الخ قدیم زکریا ۵/۳۱۷، جدید زکریا ۵/۳۶۶)

(۲) ویکړه تکرار السورة في ركعة واحدة من الفرض، وقيد بالفرض لأنه لا يكره في النفل لأن شأنه أوسع لأنه صلى الله عليه وسلم قام إلى الصباح بآية واحدة يكررها في تهجد. (طحطاوي على المراقي، کتاب الصلاة، فصل في المكروهات، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۳۵۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: بیس کو سنت موکدہ لکھا ہے اس سے کم کا پڑھنے والا سنت موکدہ کا تارک ہوگا پس جو عذر ترک سنت موکدہ کے لیے معتبر ہے وہ اس میں بھی معتبر ہوگا ورنہ اگر کھڑے ہو کر دشوار ہو تو بقدر دشواری کے بیٹھ کر پڑھ لے۔ (۱)

۸ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۷۲)

تراویح میں دوسورتوں کے درمیان بسم اللہ جہرا پڑھنے کی تحقیق

سوال (۲۲۳): قدیم ۱/۲۹۵ - اگر (مروجہ) خفص کی روایت میں قرآن مجید رمضان المبارک میں

(۱) تراویح کی نماز بیس رکعت سنت موکدہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بیس رکعت پڑھنے کا سلسلہ جاری تھا، مگر باضابطہ ایک امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ پڑھنے کا معمول نہیں رہا اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جماعت سے پڑھنے کا اہتمام شروع ہوا ہے اور حضرت عمرؓ نے تعداد میں کچھ بھی نہیں کیا؛ بلکہ بیس رکعت کی تعداد پہلے ہی سے جاری تھی، مگر صحابہ ان بیس رکعتوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے، تو حضرت عمرؓ نے صرف ان بیس رکعتوں کو جماعت سے پڑھنے کا اہتمام شروع فرمایا تھا، مگر رکعتوں کی تعداد میں کمی بیشی نہیں فرمائی؛ بلکہ جو رکعتیں صحابہ پڑھ رہے تھے، ان کو ایک امام کے پیچھے پڑھنے پر معمول فرمایا تھا؛ چنانچہ اس کے لئے حضرت ابی بن کعبؓ کو امام مقرر فرمایا۔ صحیح بخاری میں اس کی صراحت موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الرحمن بن عبد القاري، أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلى المسجد إذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل نفسه ويصلي الرجل فيصلي بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أرى لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل، ثم عزم فجمعهم على أبي بن كعب، ثم خرجت معه ليلة أخرى والناس يصلون بصلاة قارئهم قال عمر نعم البدعة هذه الخ. الحديث. (بخاري شريف، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان ۱/ ۲۶۹، رقم: ۱۹۶۶، ف: ۲۰۱۰)

مالک عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في رمضان بثلاث وعشرين ركعة. (موطأ إمام مالك، كتاب الصلاة، باب ماجاء في قيام رمضان، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۴۰)

عن حسن بن عبد العزيز بن رفيع قال: كان أبي بن كعب يصلي بالناس ←

تراویح میں سنایا جائے تو بین السورتین بسم اللہ باواز بلند پڑھنی چاہیے۔ یا کہ خفی۔ شاطبی میں لکھا ہے کہ قراء سبعہ میں سے ساڑھے تین قراء کے نزدیک بین السور بسم اللہ ہے اور ساڑھے تین کے نزدیک بین السورتین بسم اللہ نہیں فقط اول میں جبکہ حفص کے نزدیک بین السورتین بسم اللہ ہے تو بلند آواز سے نہ پڑھنے کی کیا وجہ امام کا تو قرآن مجید پورا ہو جائے گا لیکن سامعین کے قرآن مجید ختم ہونے میں ۱۱۳ آیات کی کمی رہے گی؟

الجواب (*): بسم اللہ بین السورتین ہونے سے اس کی جزئیات تو لازم نہیں آتی کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بسم اللہ مطلق قرآن کا جزو ہے کسی خاص سورت کا یا ہر سورت کا جزو نہیں (۱)

(*) اس سلسلہ میں مفصل بحث سوال نمبر: ۲۶۹-۲۷۰ میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← في رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويؤثر بثلاث. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلي في رمضان من ركعة؟ مؤسسه علوم القرآن ۵/ ۲۲۴، رقم: ۷۷۶۶)

عن الحارث أنه كان يؤم الناس في رمضان بالليل عشرين ركعة ويؤثر بثلاث ويقنت قبل الركوع. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلي في رمضان من ركعة، مؤسسه علوم القرآن ۵/ ۲۲۴، رقم: ۷۷۶۷)

عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة الحديث. (السنن الكبرى للبيهقي، دار الفكر بيروت ۴/ ۶۱، رقم: ۴۷۲۳)

ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تراویح کا اطلاق بیس رکعت ہی پر ہوتا ہے؛ لہذا بیس رکعت سے کم تراویح نہیں ہوتی؛ اس لئے اگر کھڑے ہو کر پڑھنے میں عذر ہے، تو جس طرح آسانی ہو اس طرح بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ یا اشارہ سے پڑھ لے، عذر کی وجہ سے رکعتوں کی تعداد میں کمی نہیں ہوتی ہے؛ لہذا اگر بیس رکعت سے کم تراویح پڑھی جائے گی تو وہ تراویح نہیں ہوگی؛ بلکہ وہ الگ سے نفل ہوگی۔

(۱) وهي آية واحدة من القرآن كله أنزلت للفصل بين السور. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۹۳/۲، کراچی ۱/ ۴۹۱)

ثم يأتي بالتسمية ويخفيها، وهي من القرآن آية أنزلت للفصل بين السور. (هندية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، قديم

زكريا ۱/ ۷۴، جديد زكريا ۱/ ۱۳۱) ←

پس اس کا مقتضایہ ہے کہ ایک جگہ ضرور جہر ہو ورنہ سامعین کا قرآن پورا نہ گا۔ گو قاری کا تو اخفاء بسم اللہ میں بھی ہو جاوے گا کیونکہ بعض اجزاء کا جہر بعض کا اخفاء جائز ہے۔ (۱) فن قرأت سے تو اس مسئلہ کا صرف اس قدر تعلق ہے آگے فقہ سے تعلق ہے اور اس میں بسم اللہ کا اخفاء ہے۔ (۲)

۶۷ یقعدہ ۱۳۳۵ھ (تمتہ خاصہ ص ۳۷)

← وتسمن التسمية أول كل ركعة أي باللفظ المخصوص لا مطلق الذكر كما في الذبيحة والوضوء وهي آية واحدة من القرآن. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب سنن الصلاة، مكتبته دار الكتاب، ديوبند ص: ۲۶۰)

أحكام القرآن للحصاص، القول في أنها من فاتحة الكتاب، مكتبته زكريا ديوبند ۹/۱۔

(۱) ولو قرأت تمام القرآن في التراويح ولم يقرأ البسملة في ابتداء سورة من السور سوا ما في النملة لم يخرج عن عهد السنية ولو قرأها سرًا خرج عن العهدة؛ لكن لم يخرج المقتدون عن العهدة. (أحكام القنطرة في أحكام البسملة ص: ۲۷۳، بحواله فتاوى محموديه ميرٹھ ۳۷۶/۱۱، ڈابھیل ۳۰۱/۷)

قوله: بناء على أنها آية من الفاتحة عنده الخ. اختلفوا فيه على أقوال تسعة ولكل وجهة هو موليها، فاختار الشافعي أنها السور واختار المتأخرون من أصحابنا أنها آية من القرآن أنزلت للفصل؛ لكن لا من سورة وفعروا عليه أن من لم يقرأ البسملة في صلاة التراويح في تمام القرآن مرة واحدة أيضًا لا تتأدى سنته وهذا هو الأصح كما حققه التفازاني في حواشي الكشاف والزيلعي في نصب الراية لأحاديث الهداية وغيرها وتفصيل جميع المذاهب مع ذكر أدلتها والجواب عنها مذكور في رسالتي أحكام القنطرة في أحكام البسملة. (سعاية، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، تحقيق إخفاء التسمية، مكتبته أشرفيه ديوبند ۱۷۰/۲)

(۲) عن أنس[ؓ] أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسر بسم الله الرحمن الرحيم وأبو بكر[ؓ]، وعمر[ؓ]. (المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي ۲۵۵/۱، رقم: ۷۳۹)

عن أنس[ؓ] قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر[ؓ]، وعمر[ؓ]، وعثمان رضي الله عنهم يفتتحون القراءة بالحمد لله رب العلمين. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في افتتاح القراءة بالحمد لله رب العلمين النسخة الهندية ۵۷/۱، دار السلام رقم: ۲۴۶) ←

قرآن سننے پر اجرت لینے کا حکم

سوال (۴۲۴): قدیم ۱/۴۹۶ - سماعت قرآن کی اجرت اور قراءۃ قرآن کی اجرت میں کیا فرق ہے کہ ثانی حرام۔ اور اول حلال۔؟

الجواب: سماعت قرآن سے غرض یہ ہے کہ جہاں بھولے گا بتلاوے گا پس یہ تعلیم ہے اور تعلیم پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ ہے (۱) بخلاف قراءۃ کے اس میں تعلیم مقصود نہیں اس لئے کلیۃ حرمت اجر علی الطاعت میں داخل رہے گا۔ فقط واللہ علم

یکم رمضان ۱۴۳۲ھ (امداد ص ۶۱ ج ۳)

← العمل علی هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين ومن بعدهم كانوا يستفتحون القراءة بالحمد لله رب العلمين. (ترمذي شريف، النسخة الهندية ۵۷/۱، تحت رقم الحديث ۲۴۶)

عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسر ببسم الله الرحمن الرحيم وأبابكر، وعمر، وعثمان وعلياً رضي الله عنهم ومن تقدم من التابعين وهو مذهب الثوري وابن المبارك وهو قول ابن مسعود وابن الزبير وعمار بن ياسر وعبد الله ابن المغفل والحكم والحسن والشعبي، والنخعي، والأوزاعي، وقتادة، وعمر بن عبد العزيز، وأعمش، والزهري، ومجاهد، وحماد، وأبي عبيد، وأحمد، وإسحاق الخ. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲۹۸/۱، كوئٹہ ۲۵۴-۲۵۵)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه أشرفیه ديوبند ص: ۳۰۷-۳۰۸۔

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے سامع کے لقمہ کو تعلیم قرآن پر قیاس کر کے کسی زمانہ میں اس کی اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا تھا؛ لیکن جب بعد میں اس مسئلہ پر تحقیق فرمائی تو یہ تعلیم قرآن کے مشابہ نہیں ہے؛ کیونکہ نماز میں امام کو تعلیم دے کر قرآن سکھایا نہیں جاتا؛ بلکہ وہ پہلے ہی سے تعلیم یافتہ اور سیکھا ہوا ہے؛ لہذا لقمہ دینا تعلیم نہیں ہے؛ بلکہ بھولنے پر تذکیر اور یاد دہانی ہے؛ اس لئے حضرت والا تھانویؒ نے ←

فوت شدہ تراویح کی رکعتیں وتر کے بعد اداء کریں

سوال (۴۲۵): قدیم ۱/۴۹۶ - تراویح کی جماعت قائم ہوئی چار یا چھ رکعت گزارنے کے بعد ایک شخص آیا اور فرض پڑھ کر امام کے ساتھ جماعت تراویح میں داخل ہو گیا جب امام کی نماز تمام ہو جائے گی تو وہ شخص امام کے ساتھ وتر کی جماعت میں شامل ہو گیا یا اپنی مافات کو ادا کرے گا؟

الجواب: فی العالمگیریۃ: وإذا فاتتہ ترویحة أو ترویحتان فلو اشتغل بها يفوته الوتر بالجماعة يشتغل بالوتر ثم يصل مافاتہ من التراويح وبه كان يفتي الشيخ الإمام الأستاذ ظهير الدين كذا في الخلاصة ص ۵۷۱ ج ۱۔ (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ شخص وتر میں شریک ہو جاوے پھر بقیہ تراویح پڑھ لے۔
کیم محرم ۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۶)

← اپنے اس فتویٰ سے رجوع فرما کر عدم جواز کا فتویٰ جاری فرمایا ہے، اور رجوع کا فتویٰ حضرت کی کتاب التذکیر والتہذیب ۳/۸۳ پر موجود ہے، وہاں سے ملاحظہ فرمائیے، اتفاق سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ جس وقت امداد الفتاویٰ کی ترتیب دے رہے تھے، اس وقت رجوع والا فتویٰ ان کو دستیاب نہ ہو سکا تھا، اور امداد الفتاویٰ میں شامل کرنے سے رہ گیا تھا، اور امداد الفتاویٰ زیادہ متداول ہونے کی وجہ سے اس میں جو جواز کا فتویٰ ہے، وہ لوگوں کے درمیان مشہور ہو گیا اور التذکیر والتہذیب زیادہ متداول نہ ہونے کی وجہ سے رجوع والا فتویٰ پردہٴ خفا میں رہ گیا اور سامع کی اجرت کے عدم جواز کا فتویٰ فتاویٰ رشیدیہ جدید مکتبہ زکریا دیوبند ص: ۳۷۱، قدیم ۳۹۲، جواہر الفقہ قدیم ۳۸۲، جدید ذکر یا ۳۵۲، احسن الفتاویٰ ۳/۵۱۶، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۴/۲۹۵، میں موجود ہے اور اس بارے میں چند جوابات فتاویٰ قاسمیہ ۵۴۶/۸ تا ۵۵۱، رقم: ۳۲۸ تا ۳۲۹۲ میں موجود ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ہندیۃ، کتاب الصلاة، فصل فی التراويح، قدیم زکریا دیوبند ۱/۱۱۷، جدید زکریا ۱/۱۷۶۔

وإذا فاتت ترویحة أو ترویحتان، وقام الإمام فی الوتر: تابع فی الوتر أم يأتي بمافاتہ من الترویحات؟ فقد اختلف مشايخ زماننا، في واقعات الناطفي أنه يوتر مع الإمام. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح والوتر، المجلس العلمي)

تراویح میں اجرت لے کر پڑھانے والے کے سامعین کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

سوال (۴۲۶): قدیم ۱/۴۹۶۔ جس جگہ حافظ قرآن اجرت پر بلا کر اس سے کلام اللہ تراویح میں سنتے ہیں معین تو نہیں کرتے مگر رواج عام اس بات پر ہو رہا ہے کہ لوگوں سے چندہ وصول کر کے ختم کے روز حافظ کو دیتے ہیں تو اس صورت میں تراویح سننے کا ثواب ہوگا یا نہیں۔ اگر ثواب نہ ہو تو کیا کرے آیا گھر پر تنہا پڑھ لیا کرے مگر اس صورت میں جماعت سے محروم ہوگا بلکہ فرضوں کی جماعت کا ترک بھی غالب ہوگا۔؟

الجواب: سننا جدا عمل ہے (۱) اس میں کوئی امر مانع ثواب نہیں اس کا ثواب ہوگا۔ (*)

۱۲ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمثہ ثالثہ)

(*) اس میں شرط یہ ہے کہ سننے والا امام کو معاوضہ دینے والوں میں داخل نہ ہو۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراویح، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۳۳۶، رقم: ۲۵۸۷۔

فاتتہ ترویحة أو ترویحتان وقام الإمام إلى الوتر ذکر في واقعات الناطفي عن أبي عبد الله الزعفراني أنه يوتر مع الإمام ثم يقضي ما فاتته. (حلبی کبیر، کتاب الصلاة، صلاة التراویح، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۴۰۹-۴۱۰)

فلو فاتته بعضها وقام الإمام إلى الوتر أو تر معه ثم صلي ما فاتته. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۹۴، کراچی ۲/۴۵۰)

النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۱۹، کوئٹہ ۲/۶۷۔

(۱) سننا الگ چیز ہے اور لین دین دوسری چیز ہے؛ لہذا جو اجرت دینے میں شامل ہوں گے وہ سب گنہگار ہوں گے لینے والا تو ہے ہی اور دونوں اجرت و ثواب سے بھی محروم ہو جائیں گے؛ لیکن وہ لوگ جو لینے دینے میں شریک نہیں ہیں؛ بلکہ وہ لوگ صرف قرآن سننے کے لئے آکر نماز تراویح میں شریک ہو جاتے ہیں تو ان کو قرآن سننے کا ثواب ملے گا، اسی کو حضرت والا نے بیان فرمایا ہے۔

إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ وقال العيني: في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطي آثمان الخ. (شامی، کتاب الإجارة، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة، مکتبہ زکریا دیوبند ۷۷/۹، کراچی ۶/۵۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تراویح کی دو رکعت پر قعدہ نہ کر کے چار رکعت پڑھنا

سوال (۴۷۷): قدیم ۱/۴۹۶ - تراویح میں اگر دو رکعت کی جگہ امام چار پڑھ جاوے اور درمیان میں قعدہ نہ کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے تو نماز تراویح ہوں گی یا نہیں۔ اور اگر ہوں گی تو دو ہوں گی یا چار۔ اور اگر دو ہوں گی تو اول کی دویا آخر کی اور کون سی رکعات کے قرآن شریف کے اعادہ کی ضرورت ہوگی؟

الجواب (*): فی الفتاویٰ: ولو صلی أربعاً بتسلیمة ولم یقعد فی الثانیة ففی الاستحسان لا تفسد وهو اظهر الروایتین عن أبی حنیفة وابی یوسف وإذا لم تفسد

(*) مسئلہ زیر بحث کے سلسلہ میں ایک مجمل جواب سوال نمبر ۳۷۳ پر گزرا ہے اور دوسرا جواب سوال نمبر ۴۱۶ پر گزرا ہے (جس میں تسامح ہے) صحیح مسئلہ اس طرح ہے۔

اگر تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہو جائے تو جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو بیٹھ جائے اور باقاعدہ سجدہ سہو کر کے نماز پوری کرے، اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو چوتھی رکعت ملا کر سجدہ سہو کر کے سلام پھیرے لیکن یہ چار رکعت صرف دو رکعت شمار ہوں گی اور پہلے شفعہ میں جو قرآن پڑھا گیا ہے، اس کا اعادہ کرنا ہوگا؛ کیونکہ پہلا شفعہ قعدہ آخرہ ترک کرنے کی وجہ سے فاسد ہو گیا ہے؛ لہذا تراویح میں محسوب نہ ہوگا اور اس میں پڑھے گئے قرآن کا اعادہ ضروری ہوگا؛ البتہ تحریمہ استحساناً باقی ہے؛ اس لئے دوسرا شفعہ صحیح ہو جائے گا اور اس میں پڑھا ہو قرآن بھی معتبر ہوگا۔

اور اگر دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہوا تھا اور تیسری رکعت پڑھ کر قعدہ کر کے سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دیا تو تینوں رکعتیں بے کار گئیں، پہلا شفعہ بوجہ فاسد ہو جانے کے اور دوسرا شفعہ بوجہ ناتمام رہ جانے کے اور تینوں رکعتوں میں پڑھے ہوئے قرآن کا اعادہ ضروری ہوگا۔

اور اگر دوسری رکعت پر بقدر تشہد قعدہ کر کے کھڑا ہوا ہے اور چار رکعت پڑھ کر سلام پھیرا ہے، تو چاروں رکعتیں صحیح ہوں گی اور سب تراویح میں محسوب ہوں گی اور سجدہ سہو کی حاجت نہیں ہوگی اور اگر تین پر قعدہ کر کے سلام پھیر دیا تو پہلا شفعہ صحیح ہو گیا اور تیسری رکعت بے کار گئی، اس کی قرأت کا اعادہ کرنا ہوگا تفصیل کے لئے دیکھئے فتاویٰ رحیمیہ ۱/۳۵۱، فتاویٰ دارالعلوم جدید ۴/۶۶۲ و ۵/۲۷، کفایۃ المفتی ۳/۳۹۹ و ۳۶۰ و ۳۶۴۔

قال محمد بن الفضل: تنوب الأربع عن تسليمه واحدة وهو الصحيح كذا في السراج الوهاج وهكذا في فتاوى قاضيخان وعن أبي بكر الاسكاف أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة في التراويح ولم يقعد في الثانية قال: إن تذكر في القيام ينبغي أن يعودو يقعد ويسلم وإن تذكر بعد ما سجد للثالثة فإن أضاف إليها ركعة أخرى كانت هذه الأربع عن تسليمه واحدة

← في شرح المنية: إن صلى أربع ركعات بتسليمه واحدة، والحال أنه لم يقعد على ركعتين منها قدر التشهد، تجزئ الأربع عن تسليمه واحدة أي عن ركعتين، عند أبي حنيفة، وأبي يوسف، وهو المختار اختاره الفقيه أبو جعفر، وأبو بكر محمد بن الفضل، قال قاضي خان: وهو الصحيح لأن القعدة على رأس الثانية فرض في التطوع، فإذا تركها كان ينبغي أن تفسد أصلاً، كما هو قول محمد وزفر، وهو القياس: وإنما جاز على قول أبي حنيفة، وأبي يوسف استحساناً فأخذنا بالقياس في فساد الشفع الأول وبالإستحسان في حق بقاء التحريمة، وإذا بقيت صح شروعه في الشفع الثاني، وقد أتمه بالقعدة فجاز عن تسليمه واحدة، وقال الفقيه أبو الليث: تنوب عن تسليمتين، والأصح الأول، ولو قعد على رأس الركعتين جازت عن تسليمتين بالإتفاق. (حلي كبيرى ۳۹۰، كتاب الصلاة، صلاة التراويح، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۴۰۸)

وفي الدر المختار: وهي عشرون ركعة بعشر تسليمات، فلو فعلها بتسليمه، فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة والإنايت من شفع واحد به يفتى اه، وفي رد المحتار: قوله: به يفتى، لم أر من صرح بهذا اللفظ هنا، وإنما صرح به في النهر عن الزاهدي فيما لو صلى أربعاً بتسليمه وقعدة واحدة اه. (شامي، ۶۶۰/۱، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۴۹۵/۲-۴۹۶، كراچي ۴۵/۲)

وفي العالمگیریه، وإذا فسد الشفع، وقد قرأ فيه، لا يعتد بما قرأ فيه، ويعيد القراءة ليحصل له الختم في الصلوة الجائزة، وقال بعضهم: يعتد بها، كذا في الجوهره النيرة. (هندي قديم زكريا ۱۱۸/۱، فصل في التراويح، جديد زكريا ۱۷۷/۱) ۱۲ سعید احمد پال پوری

وإن قعد في الثالثة قدر التشهد اختلفوا فيه فعلى قول العامة يجوز عن تسليمتين وهو الصحيح هكذا في فتاوى قاضى خان آه عالمگیریہ۔ ج ۵ ص ۷۵۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قعدہ نہ کرنے سے شفعہ اولیٰ بھی فاسد نہ ہوگا۔ البتہ مجموعہ معتبر بھی نہ ہوگا۔ بلکہ دونوں شفعہ مل کر بجائے ایک شفعہ کے سمجھے جاویں گے اور جب مجموعہ شفعہ معتبر نہ ہوگا تو ایک شفعہ اور پڑھا جاوے گا۔ رہا یہ امر کہ کونسے شفعہ کا پڑھا ہوا قرآن معتد بہ ہوگا اور کونسے کا قابل اعادہ۔ تو یہ اس پر موقوف ہے کہ یہ متعین ہو جاوے کہ کونسا شفعہ تراویح ہے کہ اس میں پڑھا ہوا قرآن معتد بہ ہو اور کونسا نفل کہ اس میں پڑھا ہوا قابل اعادہ ہو۔ سو اس میں مجھ کو تردد ہے۔ دوسرے علماء سے تحقیق کیا جاوے۔ اور میرے خیال میں اگر صرف اعادہ قرآن کے حق میں سہولت کیلئے دوسرے قول پر عمل کر لے جو دونوں شفعہ کو معتبر کہتے ہیں تو گنجائش ہے۔ پس شفعہ تو ایک اور پڑھ لے اور قرآن کا اعادہ نہ کرے۔

۲۵ رمضان المبارک ۲۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۰۹)

(۱) ہندیہ، کتاب الصلاة، فصل في التراويح، قديم زكريا ۱/۱۸۸، جديد زكريا ۱/۱۸۷۔

ولو صلى أربعاً بتسليمة واحدة ولم يقعد على رأس الركعتين ففي القياس وهو قول محمد، وزفر وإحدى الروایتين عن أبي حنيفة أنه تفسد صلوته ويلزمه قضاء هذه الترويحة، وفي الاستحسان وهو قول أبي حنيفة في المشهور وقول أبي يوسف يجوز لكن عن تسليمة واحدة أو عن تسليمتين؟ قال بعضهم عن تسليمتين..... وكان الشيخ أبو جعفر يقول يجزیه عن تسليمة واحدة، وفي الخانية: وهو الصحيح وبه كان يفتي الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل قال القاضي الإمام ابو على النسفي: قول الفقيه أبي جعفر، والشيخ الإمام أبي بكر أقرب إلى الاحتياط، وكان الأخذ به أولى وعليه الفتوى: وعن الشيخ الإمام أبي بكر الإسكاف: أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة في التراويح ولم يقعد على رأس الثانية قال: إن تذكر في القيام ينبغي أن يعود إلى القعدة ويسلم، وفي الخانية: ما لم يقيد الثالثة بالسجدة، وإن تذكر بعد ما ركع للثالثة وسجد فإن أضاف إليها ركعة أخرى كانت هذه الأربعة عن ترويحة واحدة، وفي الخانية: يعني عن الركعتين الخ. (الفتاوى التاتارخانية،

كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۳۰، رقم: ۲۵۷۱-۲۵۷۲)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، المجلس العلمي

۲/۲۵۷، رقم: ۱۷۰۱-۱۷۰۲۔

خانية على الهندية، كتاب الصوم، فصل في التراويح، قديم زكريا ۱/۲۳۹-۲۴۰،

جديد زكريا ۱/۱۴۸۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

تراویح میں ختم قرآن کے سنت ہونے پر دلائل

سوال (۴۲۸): قدیم ۱/۴۹۹ - کل ایک صاحب نے مراد آباد میں یہ روایت بیان کی کہ حضور والا نے ایک مجلس میں جس میں مولانا۔۔۔ صاحب اور مولوی۔۔۔ صاحب بھی تھے یہ فرمایا کہ مجھے آثار صحابہ وتابعین و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے تراویح میں ختم قرآن شریف کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اور اس رمضان میں میں نے تراویح میں ختم قرآن شریف تمام نہیں پڑھوایا۔ اس کے بعد انہی راوی صاحب کا بیان ہے کہ۔۔۔ صاحب کی خدمت میں یہ روایت بیان کی گئی۔ اس پر ان صاحب نے فرمایا کہ اس صورت میں فتنہ عظیم کا اندیشہ ہے۔ لوگ کہیں گے کہ ان لوگوں کو ابھی مسائل کی بھی تحقیق نہیں ہوئی کیا معلوم ہے کہیں نماز کے متعلق جدید تحقیق نہ ہونے لگے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ ہے کہ مراد آباد سے یہ روایت سیوہارہ پنچنی اور مخالفین نے اعتراضات شروع کئے۔ چونکہ صحیح واقعہ کا علم نہیں اس وجہ سے اپنے علم کے موافق معترضین کو خدام نے جواب دیا میں اس وقت اسی مسئلہ کی تحقیق میں کتابیں دیکھ رہا تھا۔ خوش قسمتی سے یہی مضمون حجت الاسلام سند الحمد ثین مولانا شاہ محمد عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کے فتاویٰ میں نظر سے گزر ارفال حمد للہ تعالیٰ علیٰ ذلک۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ حضور والا کے ہم خیال سلف صالحین میں بھی موجود ہیں۔ اب اگر حضور کی جانب فتنہ کی نسبت کی جائے گی تو پہلے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی طرف نسبت ہوگی۔ نعوذ باللہ تعالیٰ عن ذلک۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں (*)۔ و نیز ختم قرآن رادریں نماز سنت می گویند ایں از کجائیم در حدیث آمدہ کہ آنحضرت ﷺ در ہر رمضان با جبریل علیہ السلام مدرست قرآن می کرد در رمضان اخیر دوبار کرد از بیجا سنت ختم در رمضان ثابت میشود دلیل و نہاراً خارج الصلوٰۃ الخ ۱۱۸/۱ مجموعہ فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مجتہائی دہلی۔ امید کہ حضور والا صحیح واقعہ سے مطلع فرمائیں گے؟

(*) یہ سائل کی شدید غلطی ہے، جو عبارت وہ حضرت شاہ صاحب دہلوی قدس سرہ کی طرف منسوب کر کے نقل کر رہا ہے، وہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت نہیں ہے؛ بلکہ حضرت شاہ صاحب سے سوال کرنے والے سائل کی عبارت ہے دیکھئے فتاویٰ عزیزی ۱/۱۱۸، (مجتہائی) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

الجواب: مجھ کو اس معاملہ میں دو تردد تھے ایک یہ کہ آیا ختم کا سنت مؤکدہ ہونا اصل مذہب ہے یا صرف مشائخ کا قول ہے مراجعت کتب فقہیہ سے یہ ثابت ہوا کہ یہ علماء احناف میں مختلف فیہ ہے اکثر کا قول تو تا کدہ ہی ہے بعض کا قول عدم تا کدہ بھی ہے اور منشاء اختلاف کا یہ سمجھ میں آیا کہ امام حسنؑ نے امام صاحب سے اس کی سنیت نقل کی ہے من غیر تصریح بتا کدھا او عدمہ اکثر مشائخ نے اس کو سنت مؤکدہ سے مفسر کیا ہے اور بعض نے تا کدہ کی دلیل نہ ملنے سے مطلق سنت پر محمول کیا ولو مستحباً۔ اسی واسطے بعض متون میں اس کی سنیت کو لیا ہے اور بعض میں مثل قدوری کے نہیں لیا پھر قائلین بالتا کدہ میں بھی متاخرین نے عذر کی حالت میں تا کدہ کو ساقط کر دیا۔ ومنہ کسل القوم او نحوہ۔ خانقاہ میں گاہ گاہ ختم نہ ہونا ہی قول عدم تا کدہ پر مبنی ہے خواہ یہ عدم تا کدہ اصل ہی سے ہو۔ خواہ کسی عذر سے ہو۔ اور عذر ہر ایک کا جدا ہے۔ دوسرا تردد یہ تھا اور ہے کہ قائلین بالتا کدہ کی دلیل کیا ہے سو اسی کو میں متعدد علماء سے استفسار کیا کرتا ہوں جس سے مقصود تا کدہ کی نفی نہیں بلکہ اس پر طلب دلیل ہے اگر اس پر بھی اعتراض ہے تو اس اعتراض کا حاصل تو یہ ہوا کہ جو امر معلوم نہ ہو اس کو طلب نہ کرنا چاہیے تو اہل انصاف خود ہی غور کر لیں کہ آیا دین میں طلب علم مقصود ہے یا بقاء علی الجلیل۔ اشرف علی ۲۴ شوال ۱۴۳۳ھ (ترجیح ۵ ص ۱۶۰)

جن بلاد میں رات یا دن بہت بڑے ہوتے ہیں وہاں نماز، روزہ اور تراویح کے احکام

سوال (۲۲۹): قدریم ۱/۵۰۱۔ ایک کالج کے طالب علم نے ایک بد دین کا اعتراض مجھ سے نقل کیا کہ مسلمان کہتے ہیں کہ ہماری شریعت بمقتضائے وما أرسلناک إلا کافۃ للناس۔ تمام انسانوں کے لیے ہے اور اگر ایسا ہوتا تو چاہیے تھا کہ جملہ مقامات کے انسانوں کے لیے اس میں احکام ہوتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قطبین کے رہنے والوں کے لیے جہاں چھ ماہ کارات و دن ہوتا ہے اس میں احکام نہیں۔ مثلاً روزہ ایسے مقام کے لوگ کیونکر رکھیں اگر چھ ماہ کا حکم دیا جائے تو ناممکن العمل۔ اور اگر اس سے کم تو قرآن وحدیث میں صاحب مذہب سے کہیں منقول ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ قانون اکثری حالت کے تابع ہوتے ہیں اور چونکہ قطبین پر اول تو آبادی کا ہونا ثابت نہیں اور اگر ہو بھی تو چونکہ اکثر حصہ زمین کی یہ حالت نہیں اس لیے اکثری حالت کے موافق احکام مقرر ہوئے رہا نہ اور مستثنیٰ صورتیں ان کے لیے قیاس کے ذریعہ سے خاص احکام مستنبط کر کے حکم دیا جاسکتا ہے ہر جرنی کا حکم صراحۃً قرآن وحدیث میں ہونا ضروری نہیں بلکہ کثیر الوقوع امور کا حکم صاحب شریعت سے منقول ہے جو بمنزلہ اصول کے ہو سکتا ہے

جیسا کہ ان مقامات کے لیے جہاں کہ شفق تمام رات غائب نہیں ہوتی (کتاب ہیئت دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ۲۲ مئی سے لیکر ۲۱ جولائی تک لندن کے افق سے ۱۸ درجے نیچے آفتاب نہیں جاتا لہذا اتنے عرصہ تک تمام رات شفق باقی رہتی ہے لندن کا عرض البلد $51\frac{1}{2}$ درجہ ہے) بعض فقہاء نے لکھا کہ وہاں عشاء کا وقت نہیں آتا اور ان سے عشاء کی نماز ساقط ہے بعض فقہاء نے اختلاف بھی کیا ہے ارض بلغار کے متعلق علامہ شامیؒ نے بھی اس کا حکم لکھا ہے میں نے یہ جواب تو دے دیا لیکن روزہ کے متعلق عالمگیری میں تلاش کرنے سے بھی کوئی جزئیہ نہیں ملا یعنی مثلاً لندن کے لوگ کس وقت تک سحر کھا سکتے ہیں اور تراویح جو تابع عشاء کے معلوم ہوتی ہے ادا کریں یا نہ ادا کریں؟ کیا جناب والا کی نظر سے کوئی جزئی ایسے مقامات پر روزہ اور تراویح کے متعلق گزری ہے یا قیاس کے موافق کیا حکم ہو سکتا ہے نیز میرا جواب غلط یا نامکمل تو نہیں ہے اگر ہو تو تصحیح و تکمیل فرمادیں، اگر کوئی دوسرا جواب ہو سکتا ہو تو وہ بھی تحریر فرمادیں کتاب ہیئت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لندن میں سب سے بڑا دن $19\frac{1}{2}$ گھنٹہ کا اور سب سے چھوٹی رات $1\frac{1}{2}$ گھنٹہ کی ہوتی ہے سینٹ پیٹرسبرگ دارالسلطنت روس ۶۰ درجہ شمال عرض البلد پر ہے۔ وہاں تقریباً ۱۹ گھنٹہ کا سب سے بڑا دن ہوتا ہے اتنا طویل روزہ ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ بریں بعض ایسے مقامات آباد بھی ہیں جہاں سب سے بڑا دن ۲۴ گھنٹہ یا اس سے زائد ہوتا ہے یعنی آفتاب بغیر غروب کے حرکت رحوی کرتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ ۶۵ درجہ ۵۴ دقیقہ عرض البلد شمالی پر سب سے بڑا دن ۲۴ گھنٹہ کا اور ۶۶ درجہ ۵۳ دقیقہ پر گرمیوں میں ۳۱ دن تک آفتاب غروب نہیں ہوتا یعنی ایک دن ۳۱ دن کے برابر ہوتا ہے وہاں روزہ کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب: آپ نے جو جواب دیا بالکل کافی و مکمل ہے تمام سلطنتوں کے قوانین کلیہ پر مقامی حکام کو احکام جزئیہ کی تفریع کرنی پڑتی ہے جن میں سے بعض میں استنباط کی بھی حاجت ہوتی ہے اور وہ سب ان ہی کلیات کے تحت میں داخل اور ان قوانین کو ان کے لیے شامل سمجھا جاتا ہے ان جزئیات مقامیہ کے مصرحاً مذکور فی کتب القانون نہ ہونے سے ان مقامات کے خارج عن اثر السلطنت ہونے پر کوئی بھی استدلال نہیں کرتا جب کہ اس سلطنت کا احاطہ دلیل صحیح سے ثابت ہو اور اگر کوئی استدلال کرنے لگے تو محقق اس استدلال کو دلیل صحیح کے تابع بنا دے گا اسی طرح جب دلائل قطعیہ سے عموم بعثت معلوم ہے تو معارض کو دفع کریں گے چنانچہ جیسا اشتمال مثال مذکور میں ہے ایسا ہی اشتمال کلیات شرعیہ میں متحقق ہے جس کی بناء پر فقہائے اسلام نے ان مقامات کے احکام سے تعرض بھی کیا ہے گو اس وجہ سے کہ کسی نے کسی کلیہ میں داخل سمجھا اور کسی نے کسی میں باہم اختلاف بھی ہو گیا لیکن یہ اختلاف ہمارے لیے اصل مقصود میں قادح نہیں

کیونکہ ان کلیات کی بنا پر حکم کرنے سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ شریعت محمدیہؐ نے ایسے کلیات مقرر کئے ہیں (۱) جو ان مقامات کی ضرورتوں کو حاوی ہیں گو وجہ تطبیق میں آراء مختلف ہو جاویں جیسا ایک عدالت سے ایک حکم ایک قانون کی بناء پر ہوتا ہے اور عدالت اپیل سے دوسرے قانون کی بناء پر اس کے خلاف حکم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نماز سے فقہاء کا تعرض تو خود سوال ہی میں منقول ہے رہا روزہ اگر بالخصوص اس سے تعرض بھی نہ ہوتا تب بھی وہی دلائل نماز کے یہاں بھی با اشتراک اصول روزہ کے لئے بھی کافی ہوتے لیکن فقہاء نے اس پر کفایت نہیں کی بلکہ روزہ سے بلکہ اس کے علاوہ اور اعمال و معاملات سے بھی تعرض تصریحاً فرمایا ہے۔

في رد المحتار عن الرملة في شرح المنهاج ويجرى ذلك فيما لو مكث الشمس عند قوم مدة اه ح وفيه عن إمداد الفتاح قلت و كذلك يقدر لجميع الأجل كالصوم والزكوة والحج والعدة وآجال البيع والسلم والإجارة وينظر ابتداء اليوم

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے جس اصول و کلیہ کی طرف اشارہ کیا ہے، جس کی روشنی میں مذکورہ فی السوال جیسے مقامات کے لئے نماز و روزہ کا حکم مقرر کیا جائے گا، وہ حدیث دجال میں ”جو کہ مسلم شریف، ترمذی شریف وغیرہ میں نواس بن سمان کلابیؒ سے مروی ہے“ موجود ہے، جس کا مختصر سا حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیں:

عن النواس بن سمان قال: ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم الدجال ذات غداة قلنا يا رسول الله! ما لبثه في الأرض؟ قال: أربعون يوماً، يوم كسنة ويوم كشهر، ويوم كجمعة وسائر أيامه كأيامكم، قلنا يا رسول الله! فذلك اليوم الذي كسنة أتكفيها فيه صلاة يوم قال لا، أقدروا له قدره الحديث. (مسلم شريف، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال وصفته، النسخة الهندية ۲/ ۴۰۱، بيت الأفكار رقم: ۲۹۳۷)

ترمذی شریف، النسخة الهندية ۲/ ۴۸، دار السلام رقم: ۲۲۴۰۔

ومعنى أقدر والله قدره أنه إذا مضى بعد طلوع الفجر قدر ما يكون بينه وبين الظهر كل يوم فصلوا الظهر، ثم إذا مضى بعده قدر ما يكون بينها وبين العصر فصلوا العصر، وإذا مضى بعد هذا قدر ما يكون بينها وبين المغرب فصلوا المغرب، وكذا العشاء والصبح، ثم الظهر، ثم العصر، ثم المغرب، وهكذا حتى يقضى ذلك اليوم، وقد وقع فيه صلوات سنة فرائض كلها موداة في وقتها. (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۲/ ۴۰۱)

فیقدر کل فصل من الفصول الأربعة بحسب ما يكون كل يوم من الزيادة والنقص كذا في كتب الأئمة الشافعية ونحن نقول بمثله إذ أصل التقدير مقول به إجماعاً في الصلوات ۵ ج ۱ ص ۳۷۸. (۱) وفيه بعد نصف صفحة لم أر من تعرض عندنا لحكم صومهم فيما إذا كان يطلع الفجر عندهم كما تغيب الشمس أو بعده بزمان لا يقدر فيه الصائم على أكل ما يقيم بنيته ولا يمكن أن يقال بوجوب موالاة الصوم عليهم لأنه يؤدي إلى الهلاك فإن قلنا بوجوب الصوم يلزم القول بالتقدير وهل يقدر ليلهم بأقرب البلاد إليهم كما قاله الشافعية هنا أيضاً أم يقدر لهم بما يسع الأكل والشرب أم يجب عليهم القضاء فقط دون الأداء كل محتمل فليتأمل ولا يمكن القول هنا بعدم الوجوب أصلاً كالعشاء عند القائل به فيها لأن علة عدم الوجوب فيها عند القائل به عدم السبب وفي الصوم قد وجد السبب وهو شهود جزء من الشهر و طلوع فجر كل يوم هذا ما ظهر لي والله أعلم ۵۱/ ۱-۳۷۹. (۲)

اس تقریر سے اس اعتراض کا جواب تو ہو گیا۔ اب یہ بات کہ ہمارے فقہاء کے اقوال میں کس کو کس پر ترجیح ہے اس تحقیق پر اصل جواب موقوف نہیں ہاں خود ایک مستقل تحقیق ہے جس کی ضرورت مسلم کے لیے ہوگی سو احوط نماز میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انداز کر کے سب نمازیں پڑھا کریں اور روزہ میں جو مقامات ایسے ہیں جہاں بعض ازمہ میں لیل شرعی نہیں ہوتی رمضان میں روزہ رکھیں کہ شہود شہر پایا گیا اور چونکہ افطار و سحر نہ شرعی میں واقع ہوا ہے اس لیے شبہ کے دوسرے زمانہ میں قضا بھی کر لیں اور جہاں لیل شرعی ہوتی ہے وہاں جس جگہ نہار کا طول بقدر تحمل صوم ہو اور فطرۃ ان کا تحمل ہم سے زائد ہوگا۔ لٰنہم معتادون بطول النهار وطول أكثر الأعمال فيه وہاں روزہ رکھیں اور ادا بھی ہو جائے گا اور جہاں بقدر تحمل نہ ہو وہاں انداز کر کے عدد پورا کریں اور بعد اداء اگر ایسے ایام مل جاویں جس کا تحمل ہو سکے تو احتیاطاً قضا بھی کر لیں اور اگر ایسے ایام نہ ملیں تو وہی انداز کے روزے کافی ہو جائیں گے۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، قبیل مطلب فی طلوع الشمس من مغربها،

مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۲۲-۲۳، کراچی ۱/ ۳۶۵۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، مطلب فی طلوع الشمس من مغربها، مکتبہ

زکریا دیوبند ۲/ ۲۳-۲۴، کراچی ۱/ ۳۶۶۔

وفي رد المحتار: في جواز فطر من لا يقدر ثم قضاءه ما نصه وقال الرملى وفي جامع الفتاوى ولو ضعف عن الصوم لا شتغاله بالمعيشة فله أن يفطر ويطعم لكل يوم نصف صاع هـ . أي إذا لم يدرك عدة من أيام أخر يمكنه الصوم فيها وإلا وجب عليه القضاء وعلى هذا الحصاد إذا لم يقدر عليه مع الصوم ويهلك الزرع بالتأخير لا شك في جواز الفطر والقضاء إلى آخر ما قيده بما إذا لم يكن عنده ما يكفيه وعياله وإذا خاف هلاك زرعه أو سرقته ولم يجد من يعمل له بأجرة المثل وهو يقدر عليها ج ٢ ص ١٨٢ - (١)

٢٠ جمادى الأولى ١٣٣٢هـ (تتمه الجزء ٣٣)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ٣/٤٠١، كراچی ٢/٤٢٠ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



۱۰ / باب إدراك الفريضة وقضاء الفوائت

صاحب ترتیب کی تعریف کی تحقیق

سوال (۴۳۰): قدیم ۱/۵۰۵ - ایک شخص نے صاحب ترتیب کی تعریف کئی عالموں سے پوچھی جواب مختلف ملے جوابات حضور والا میں گزران کراٹمینان بخش جواب کا طالب ہے۔؟

الجواب: (نمبر ۱) زید نے علی الاتصال چالیس روز تک نماز پڑھی اس کی کچھ نمازیں فوت ہو گئیں فائتہ کو ادا کرنے کے بعد زید صاحب ترتیب ہے۔ (نمبر ۲) زید زمانہ فرضیت سے نماز برابر پڑھتا رہا اس کی کچھ نمازیں قضا ہو گئیں قضا پوری کرنے کے بعد زید صاحب ترتیب ہوا۔ (نمبر ۳) فقہ سے ثابت ہوا کہ زید کی پانچ یا کم پانچ سے نمازیں فوت ہو گئیں فائتہ کے ادا کرنے کے لیے زید پر ترتیب فرض ہے اس لیے زید صاحب ترتیب ہے یہاں تک کہ زید نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی عشاء کے وقت سے نماز پڑھنا اپنے اوپر لازم کیا اسی عشاء کی صبح سے پھر پانچ یا پانچ سے کم نماز چھوٹ گئیں چھوٹی ہوئی نماز کو ترتیب سے پڑھنا زید پر فرض ہے اور زید اس صورت میں بھی صاحب ترتیب ہے جوابات ثلاثہ بحیثیت شبہات ہیں ملاحظہ فرماتے ہوئے صاحب ترتیب کی جامع و مانع و عام فہم لفظوں میں تعریف ارقام فرما کر مطمئن فرمائیے۔ بینواتو جروا۔

الجواب: في الدر المختار: لو فاتت ست اعتقادية إلى قوله ولو متفرقة أو قديمة على المعتمد لأن نه متى اختلف الترتيب يرجح إطلاق المتن بحر ووافق الشامي ج ۲ ص ۷۲۔ (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبہ زکریا دیوبند

۵۲۶/۲ - ۵۲۷، کراچی ۲/۶۸ - ۶۹۔

والحنفية يقولون بوجوب الترتيب بين الفوائت نفسها إلا أن تزيد الفوائت على ست صلوات فيسقط الترتيب فيما بين الفوائت نفسها كما يسقط بينها وبين الوقتية وحدها الكثرة عندهم أن تصير الفوائت ستاً الخ. (المؤسعة الفقيه الكويتية ۳/۳۴)

ويسقط الترتيب بضيق الوقت والنسيان وصيرورتها ستاً أي بصيرورة الفوائت ستاً ←

اس سے معلوم ہوا کہ جس کے ذمہ چھ نمازیں ہوں (*) خواہ پرانی یا نئی مسلسل یا متفرق وہ صاحب ترتیب نہیں اور جس کے ذمہ یہ نہ ہوں اس پر ترتیب واجب ہے۔

۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تممہ ثانیہ ص ۴۵)

قضاء کے وقت نماز کی تعیین کرنا

سوال (۴۳۱): قدیم ۱/۵۰۶۔ بہشتی زیور حصہ دوم میں مرقوم ہے کہ اگر کئی مہینے یا کئی سال کی نمازیں قضا ہوں تو مہینہ اور سال کا نام بھی لیوے اور کہے کہ فلا نے سال کی فلا نے مہینہ کی فلاں تاریخ کی فجر کی نماز پڑھتی ہوں بے اس طرح نیت کئے قضا صحیح نہیں ہوتی۔ کسی کو اس طرح نیت کرنے کا علم نہ تھا اور اس نے دو سال کی قضا نمازیں (صرف اتنا کہہ کر کہ نیت کرتا ہوں میں نماز قضاے عمری کی) پڑھیں تو اس کی نماز درست ہوئی یا نہیں اور اس پر صحیح نیت سے جو (بہشتی زیور حصہ دوم میں تحریر ہے) پھر از سر نو کل نمازیں پڑھنی واجب ہیں یا نہیں؟

الجواب: فی رد المحتار: قیل لا یلزمہ التبعین الی آخر ما قال وأطال ص ۷۰ ج ۱۔ (۱)

(*) یعنی صاحب ترتیب وہ شخص ہے، جس کے ذمہ بلوغ سے اب تک چھ نمازیں قضا نہ ہوں (کفایۃ المفتی ۳/۴۳۹) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← وبکل واحد من هذه الثلاثة. (تبيين الحقائق، الصلاة، باب قضاء

الفوائت، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۴۶۰، امدادیہ ملتان ۱/۱۸۶)

”و صیرورتها ستاً“ أي يسقط الترتيب بصيرورة الفوائت ست

صلوات. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۴۹، کوئٹہ ۲/۸۴)

الفتاویٰ التاتارخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل العشرون قضاء الفائتة، مکتبہ

زکریا دیوبند ۲/۴۴۵، رقم ۲۹۲۹-۲۹۳۰۔

ہندیہ، الصلاة، الباب الحادي العشرفي قضاء الفوائت، قدیم زکریا ۱/۱۲۳،

جدید زکریا ۱/۱۸۲۔

(۱) کثرة الفوائت نوى أول ظهر عليه أو آخره (درمختار) وفي الشامية: ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے لہذا قضا پر بھی ہوئی نمازوں میں چونکہ وہ کثیر ہیں دفع حرج کے لیے اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ (*)

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۶۴)

(*) یعنی اصل مسئلہ تو وہی ہے جو ہشتی زیور میں ہے؛ لیکن اگر کسی نے بلا تعین تاریخ و دن قضاء نماز میں پڑھ لیں تو اس کا یہ حکم ہے کہ اگر اعادہ آسان ہو تو دہرا لے، اور اگر دشوار ہے تو وہی نماز کافی ہوں گی (از حاشیہ ہشتی زیور ۱۵/۲) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← قوله كثرة الفوائد الخ.) مثاله، لوفاتته صلاة الخميس والجمعة والسبت فإذا قضاها لا بد من التعيين، لأن فجر الخميس مثلاً غير فجر الجمعة فإذا أراد تسهيل الأمر يقول: أول فجر مثلاً، فإنه إذا صلاه يصير ما يليه أولاً، أو يقول آخر فجر، فإن ما قبله يصير آخراً وقيل لا يلزمه التعيين أيضاً كما في صوم أيام من رمضان واحد، ومشى عليه المصنف في مسائل شتى آخر الكتاب تبعاً للكنز وصححه القهستاني عن المنية، لكن استشكله في الأشباه وقال: إنه مخالف لما ذكره أصحابنا كقاضيخان وغيره والأصح الاشتراط، قلت وكذا صححه في الملتقى هناك وهو الأحوط وبه جزم في الفتح كما قدمناه في بحث النية وجزم به هناك صاحب الدرر أيضاً. (شامي، كتاب الصلاة، قبيل باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۵۳۸/۲ - ۵۳۹، كراچی ۷۶/۲)

ومن قضى الفوائد ينوي أول ظهر لله عليه أو آخر ظهر لله عليه احتياطاً ولولم يقل الأول والآخر وقال نويت الظهر الفاتئة جاز. (البحر الرائق، الصلاة، باب قضاء الفوائد، مكتبه زكريا ديوبند ۱۵۹/۲، كوئٹہ ۹۰/۲)

وإذا كثرت الفوائد يحتاج لتعيين كل صلاة فإذا أراد تسهيل الأمر عليه نوى أول ظهر عليه أو آخره فيحصل التعيين ويخالف هذا ما قاله في الكنز في مسائل شتى: أنه لا يحتاج لتعيين وهو الأصح على ما قاله في القنية: من يقضي ليس عليه أن ينوي أول صلاة كذا أو آخر فينوي ظهراً عليّ أو عصرراً أو نحوهما على الأصح، وإن خالفه تصحيح الزيلعي فقد اتسع الأمر باختلاف التصحيح ←

مرتد ہونے کی وجہ سے سقوط قضاء کی تحقیق

سوال (۴۳۲): قدیم ۱/۵۰۷ - زید مسلمان تھا اس کے بعد مرتد ہو گیا اور پھر مسلمان ہوا ہے اور قبل مرتد ہونے کے حالت اسلام اول میں اس کی چند نمازیں اور روزے قضا ہوئے تھے تو اب بعد ارتداد جو اسلام لایا ہے ان نمازوں کی قضاء کریگا یا نہیں؟

الجواب (*): فی رد المحتار: عن البحر عن الخانية إذا كان علی المرتد قضاء صلوات وصیامات ترکھا فی الإسلام ثم أسلم قال شمس الأئمة الحلواني عليه قضاء

(*) حاصل جواب قضاء کرنی ہوگی، دلیل شامی کا وہ جزئیہ ہے جو جواب میں نقل فرمایا گیا ہے؛ لیکن مختصر الطحاوی ص ۲۹ میں ہے:

ولا يقضى المرتد شيئا من الصلوات، ولا ممتاعه سواها (وفي نسخة: ولا شيئا يعبد به) ويكون بارتداد كمن لم يزل كافراً.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا نہیں ہے اور اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ ترک صلوٰۃ وصیام معصیت ہے اور ارتداد کے بعد بھی معصیت باقی رہتی ہے؛ لیکن جب دوبارہ مسلمان ہوا تو حسب ارشاد نبوی: الإسلام يهدم ما كان قبله وہ معصیت ختم ہوگئی۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← فليرجع للكنز فإنه واسع والله رؤف رحيم واسع عليم. (طحاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، قضاء الفوائت، مكتبه دار الكتاب ديوبند ۴/۴۴)

الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل العشرون قضاء الفوائت، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۵۴، رقم ۲۹۴۸ -

الأشباه والنظائر قديم ص ۶۰ -
خانية الهندية، الصلاة، باب قضاء الفوائت، قديم زكريا ۱/۱۱۱،

جديد ۱/۷۰ -

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ما ترک فی الإسلام لأن ترک الصیام والصلوة معصية والمعصية تبقى بعد الردة. آه (۱)
فافهم. ج ۱ ص ۶۹ (۲)

۱۳ محرم ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۸)

(۱) ترجمہ جواب - ردالمحتار میں خانیہ اور بحر سے نقل کیا گیا ہے مرتد کے اوپر زمانہ اسلام کی نمازوں اور روزوں کی قضا ہے یا نہیں؟ جن کو اس نے ترک کر رکھا تھا پھر اسلام قبول کر لیا ہے، تو شمس الأئمة حلوائی فرماتے ہیں کہ زمانہ اسلام میں جو نماز و روزہ چھوڑ رکھا تھا ان کی قضا اس پر لازم ہے؛ اس لئے کہ ترک صوم و صلوٰۃ معصیت ہے اور بعد ردت معصیت اپنی جگہ باقی رہتی ہے۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۳۷، کراچی ۲/۷۵۔

فإن كان على المرتد الذي تاب صلاة فائتة قبل ردّته أو صوم أوزكاة فهل يلزمه القضاء؟ ذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والحنابلة إلى وجوب القضاء لأن ترك العبادة معصية والمعصية تبقى بعد الردة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/۲۰۰)

رجل ارتد - والعياذ بالله تعالى - وعليه قضاء صلوات أو صيامات تركها في حالة الإسلام، ثم أسلم بعد ذلك قال شمس الأئمة الحلواني يقضى ما ترك في الإسلام لأن ترك الصيام والصلوة معصية والمعصية تبقى بعد الردة. (خانية على الهندية، كتاب السير، باب الردّة وأحكام أهلها: قديم زکریا ۳/۵۸۲، جدید زکریا ۳/۴۳۳)

ولذا قال في الخانية: إذا كان على المرتد قضاء صلوات أو صيامات تركها في الإسلام ثم أسلم قال شمس الأئمة الحلواني: عليه قضاء ما ترك في الإسلام لأن ترك الصلاة والصيام معصية والمعصية تبقى بعد الردة. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين مکتبہ زکریا دیوبند ۵/۲۱۴، کوئٹہ ۵/۱۲۷)۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فرض اور وتر کی قضاء لازم ہے سنتوں کی نہیں

سوال (۴۳۳): قدیم ۱/۵۰- کسی وقت کی نماز اگر قضاء ہو جاوے دوسرے وقت قضا کرتے ہوئے سنت کو ترک کر کے فقط فرض اور وتر پڑھنا بس ہے یا کہ مع سنت کے پڑھنی ہوگی۔ حضور نے بہشتی زیور کے دوسرے حصہ میں تحریر فرمایا ہے (قضا فقط فرض نمازوں اور وتر کی پڑھی جاتی ہے سنتوں کی قضاء نہیں ہے) اور عالمگیری ص ۱۹۹ میں لکھا ہے۔

والقضاء فرض فی الفرض و واجب فی الواجب و سنة فی السنة. (۱)
اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنتوں کی قضا پڑھنا سنت ہے اور حضور فرماتے ہیں سنتوں کی قضا نہیں ہے اس میں کیا راز مخفی ہے بندے کی سمجھ ناقص میں نہیں آتا ہے حضور اس کا فیصلہ فرمادیں۔؟
الجواب: بہشتی زیور کا مطلب یہ ہے کہ بعد خروج وقت کے سنت کی قضاء نہیں اور عبارت عالمگیری کا مطلب یہ ہے کہ وقت کے اندر سنت کی قضا ہے اور وہ بھی سب سنتوں کی نہیں بلکہ جن کی ہوتی ہے جیسے قبل ظہر والی سنت رہ گئی اور بعد فرض کے ادا کیں اس کو بھی مجازاً قضاء کہہ دیتے ہیں اس قضاء کو سنت میں قضا کہہ رہے ہیں چنانچہ صاحب درمختار کے اس قول پر۔

القضاء فعل الواجب بعد وقته وإطلاقه على غير الواجب كالتي قبل الظهر مجاز. ۱
علامہ شامی نے کہا ہے:

قوله وإطلاقه الخ أي كما في قول المصنف الأتي: وقضاء الفرض والواجب والسنة الخ وقول الكنز: وقضى التي قبل الظهر في وقته قبل شفعه إلى قوله: أما إذا أتى بها بعده فهي قضاء؛ إذ لا شك أنه ليس وقتها وإن كانت وقت الظهر فافهم.
اس کے بعد درمختار کے اس قول پر:

وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض و واجب وسنة لف ونشر مرتب الخ.

(۱) ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، قدیم زکریا دیوبند

۱۲۱/۱، جدید زکریا ۱/۱۸۰-

علامہ موصوف لکھتے ہیں:

قوله: والسنة يوههم العموم كالفرض والواجب وليس كذلك فلو قال: وما يقضى من السنة لرفع هذا الوهم. رملی ص ۷۵۹ ج ۱. (۱)

وفی الهدایة: لهما أن الأصل في السنة أن لا تقضى لا اختصاص القضاء بالواجب إلى قوله وأما سائر السنن سواها لا تقضى بعد الوقت وحدها واختلف المشايخ في قضائها تبعا للفرض وفي الحاشية عن العناية فقال بعضهم يقضيها وقال بعضهم لا يقضيها لا اختصاص القضاء بالواجب وهو الصحيح ص ۱۳۳ ج ۱. (۲)

ان روایات سے سب شبہات رفع ہو گئے۔ ۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۱۶)

(۱) درمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبہ زکریا

دیوبند ۲/ ۵۲۳-۵۲۴، کراچی ۲/ ۶۵-۶۶۔

وقوله: إسقاط الواجب يفيد أن السنة لا توصف بالقضاء وإذا أريد ما هو أعم أبدلنا الواجب بالعبادة فيقال: الأداء فعل العبادة في وقتها والإعادة فعل مثلها لخلل غير الفساد، وغير عدم صحة الشروع والقضاء فعلها بعد وقتها فتكون السنة التي تفعل في وقتها أداءً ومأذن الشارع في فعله منها في غير وقته قضاءً كسنة الفجر وأما سنة الظهر القبليّة إذا صليت بعد إطلاق القضاء عليها مجاز على كل حال لأنها مفعولة في وقتها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، باب القضاء الفوائت، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۴۴۰)

(۲) هداية مع حاشية، الصلاة، باب إدراك الفريضة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/ ۱۵۳۔ ولم تقض سنة الفجر إلا تبعا لقضاء الفرض لأن الأصل في السنة عدم القضاء لاختصاصه بالواجب ومن ثم قال في البناية: الأصح أنها لا تقضى إلا تبعا لما قلنا..... قيّد بالتبعيّة لأنها لا تقضى وحدها عندهما وقال محمّد: أحبّ إليّ أن يقضيها إلى وقت الزوال ولا خلاف أن غيرها لا يقضى وحده واختلف في القضاء مع الفرض والصحيح أنها لا تقضى كذا في العناية وغيرها: (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب إدراك

الفريضة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۳۱۱) ←

صرف توبہ سے قضاء نمازوں کا معاف نہ ہونا

سوال (۴۳۴): قدیم ۱/۵۰۸- ایک مسئلہ میں اشکال بظاہر معلوم ہوتا ہے توبہ سے تمام گناہ صغائر کبار معاف ہو جاتے ہیں۔ (لاحقاً العباد۔ مگر ہمارے فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی نماز یا روزہ قضا ہو گیا ہو تو وہ توبہ بھی کرے اور قضا بھی پڑھے۔ توبہ سے گناہ معاف ہو جاوے گا نماز معاف نہ ہوگی۔ اشکال یہ آن کر پڑتا ہے جب نماز حقوق اللہ سے ہے تو محض توبہ کی وجہ سے معاف کیوں نہیں ہوتی اور جبکہ توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو پھر قضا نہ پڑھنے پر گرفت کیسی اور گناہ کیسا؟ یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ قضا نہ پڑھنے سے محروم رہے گا نماز کی فضیلت و تقرب الی اللہ سے مگر گناہ گار کیوں ہوگا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ نماز کے اندر دو حیثیت ہیں۔ ایک نماز کا ادا کرنا دوسرے اس کو عین وقت پر پڑھنا اور توبہ سے تاخیر نماز کا گناہ معاف ہو جاتا ہے نماز معاف نہیں ہوتی تب بھی اشکال وہی رہتا ہے کہ حقوق اللہ میں سے ہے نماز پھر توبہ سے معاف کیوں نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ مانا جاوے کہ نماز من وجہ حقوق العباد سے ہے کیوں کہ اس کا نفع اسی کو پہنچتا ہے۔ اس لیے معاف نہیں ہوتی تو حضور والا اس طرح سے ہر معصیت میں دو حیثیت ہیں۔ مثلاً کذب ایک حیثیت سے حقوق اللہ سے ہے اور چونکہ اس کے گناہ سے اس کی ذات کو نقصان پہنچتا ہے اس لیے حقوق العباد ہوا؛ اس لیے وہ بھی توبہ سے معاف نہ ہونا چاہیے۔ مگر کذب معاف ہو جاتا ہے۔؟

«ولا تقضى إلا تبعاً للفرض وعند محمد تقضى بعد الطلوع ويترك سنة الظهر في الحالين ويقضيها في وقته قبل شفعه وغيرهما وغير الفرائض الخمس والوتر لا يقضى أصلاً» (ملتقى الأبحر)

وفي المجمع: قوله غيرهما أي غير سنة الفجر والظهر من السنن، وغير الفرائض الخمس والوتر لا يقضى أصلاً أي لافي الوقت ولا بعده ووحدها بالاتفاق، ولا تبعية فرائضها إلا عند بعض المشايخ فإنهم قالوا: يقضيها تبعاً لقضاء فرائضها، لكن الأول هو الأصح كما في الدرر: (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دار لكتب العلمية بيروت ۱/۲۱۱-۲۱۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: حقوق اللہ کے معاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذنوب معاف ہوتے ہیں نہ کہ طاعات سو نماز طاعات میں سے ہے۔ اور اس کا بدل ممکن اور مشروع ہے۔ لہذا قضاء واجب ہوئی پھر قضاء کا بدل فدیہ ہے (۱)۔ اگر قضا پر قدرت نہ ہوئی فدیہ واجب ہوگا یا اس کی وصیت۔ اگر اس پر بھی قدرت نہ ہوئی یا وسعت نہ ہوئی نہ اس کا کوئی بدل ہے اب یہ کوتاہی ذنب محض رہ گئی یہ توبہ سے معاف ہونے کی امید گاہ ہے۔ اب سب اشکالات رفع ہو گئے۔

(۱) قال الفقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: الذنب علی وجهین ذنب فیما بینک وبين اللہ وذنب فیما بینک وبين العباد. أما الذنب الذی بینک وبين اللہ تعالیٰ فتوبتہ الاستغفار باللسان، والندم بالقلب والإضمار أن لا تعود فإن فعل ذلك لا یبرح من مکانہ حتی یغفر اللہ له إلا أن یتَرَک شیئاً من الفرائض فلا تنفعه التوبة مالم یقض مافاتہ ثم یندم ویستغفر. (تنبیہ الغافلین، باب التوبة، دارالکتب العلمیة بیروت ص: ۷۸)

وعلى جميع الاعتبارات لابد من التنبيه على أن الإقلاع عن الذنب لا يتم إلا برّد الحقوق إلى أهلها، أو باستحلالهم منها في حالة القدرة وهذا كما يلزم في حقوق العباد يلزم كذلك في حقوق اللہ تعالیٰ. (المؤسوعة الفقهية الكويتية ۱۴/۱۲۱)

وأيضاً قد نصّوا على أن أركان التوبة ثلاثة، الندامة على الماضي. والإقلاع في الحال والعزم على عدم العود في الاستقبال فالأولى أن يقال معنى الندم توبة أنه عمدة أركانها كقوله عليه السلام: الحج عرفة، ثم هذا إن كانت التوبة فيما بينه وبين اللہ تعالیٰ كشراب الخمر وإن كانت عمّا فرط فيه من حقوق اللہ كصلوات وصيام وزكوات فتوبته أن یندم على تفريطه أولاً ثم یعزم على أن لا يفوت أبداً ولو بتأخير صلاة عن وقتها ثم يقضي مافاتہ جميعاً. (شرح فقه أكبر، بیان أقسام التوبة، مكتبة اشرفیة ص ۱۹۴)

وفي شرح المقاصد قالوا: إن كانت المعصية في خالص حق اللہ تعالیٰ فقد يكفي الندم كما في ارتكاب الفرار من الزحف وترك الأمر بالمعروف وقد تفتقر إلى أمرزائد كتسليم النفس للحد في الشرب وتسليم ماوجب في ترك الزكاة ومثله في ترك الصلاة. (روح المعاني، سورة التحريم، آیت ۸/ مكتبة زكريا ديوبند جزء ۲۸، ۱۵/۲۳۵)

خلاصہ مختصر یہ ہوا کہ جس عبادت کا شرع میں بدل ہے بدل پر قدرت ہونے تک وہ توبہ سے معاف نہیں ہوتی۔ بعد عجز وہ بھی معاف ہو جاتی ہے (۱)۔

۹ شعبان المعظم ۱۲۲۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۸۷)

جس کو فساد نماز کا علم نہ ہو اس کے حق میں سقوط ترتیب کا حکم

سوال (۴۳۵): قدیم ۱/۵۰۹۔ کسی صاحب ترتیب نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی، پھر مغرب کے وقت معلوم ہوا کہ امام کی نماز صحیح نہیں ہوئی۔ تو یہ ظہر اور عصر کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: فی البحر عن المحيط: لو صلی العصر ثم تبین له أنه صلی الظهر بلا وضوء يعيد الظهر فقط؛ لأنه بمنزلة الناسی. رد المحتار باب الفوائد ج ۱ ص ۷۱۔ (۲)
اس روایت سے معلوم ہوا کہ بعد کی نمازیں سب صحیح ہو گئیں۔ صرف صبح کی نماز قضا کرنا پڑے گی۔
۹ شعبان ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۸۸)

(۱) لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا. (سورة البقرة آیت ولومات وعليه صلوات فائتة الخ. (درمختار) وفي الشامية: قوله ”وعليه صلوات فائتة الخ“ أي بأن كان يقدر على أدائها ولو بالإيماء فيلزمه الإيماء بها وإلا فلا يلزمه وإن قلت بأن كانت دون ست صلوات لقوله عليه الصلاة والسلام فإن لم يستطع فالله أحق بقبول العذر منه. (درمختار مع الشامي، الصلاة، باب قضاء الفوائد، مكتبة زكريا ديوبند ۵۳۲/۲، کراچی ۷۲/۲)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، فصل في اسقاط الصلاة والصوم، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۴۳۶۔

(۲) شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائد، مكتبة زكريا ديوبند ۵۲۶/۲، کراچی ۶۸/۲۔

وقد ذكر في المحيط معزيا إلى النوادر: لو صلی الظهر على ظن أنه متوضي ثم توضأ وصلى العصر ثم تبين يعيد الظهر خاصة لأنه بمنزلة الناسي في حق الظهر فلم يلزمه مراعاة الترتيب. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائد، مكتبة زكريا ديوبند ۱۴۹/۲، کوئٹہ ۸۴/۲) ←

تنہاء مغرب پڑھنے کے دوران جماعت کھڑی ہو جائے تو دو رکعت پڑھنے پر نماز ختم نہ کرنا

سوال (۴۳۶): قدیم ۱/۵۱۰۔ بہشتی گوہر میں جماعت میں شامل ہونے کے مسائل ہیں اور اس میں مغرب کے وقت دوسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو دو رکعت پر سلام پھیر دے ہے مگر عالمگیری و درمختار میں لکھا ہے کہ نماز پوری کر لے۔؟

الجواب: (بقلم المولوی عبدالکریم المصطوی) صحیح یہی ہے کہ اگر مغرب کی دوسری رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو سلام نہ پھیرے بلکہ نماز تنہا ہی پوری کر لے اور جماعت میں شامل نہ ہو۔
فی الشامی ص ۲۵ ج ۱۔ (۱) وإن فی غیر رباعی قطع واقتدی مالم یسجد للثانیة
فإن سجد أتم ولم یقتد. آه و هكذا فی العالمگیریة.

← هذا الترتیب یسقط بعذر النسیان وفي الینابیع: وبما هو فی معنی النسیان کمن صلی الظهر علی ظن أنه علی طهارة وهو ذاکر للظهر، ثم صلی العصر علی طهارة، وهو ذاکر للظهر ثم علم أنه صلی الظهر علی غیر طهارة. (الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الصلاة، الفصل العشرون قضاء الفوائت، مکتبة زکریا دیوبند ۲/۴۴۲، رقم ۲۹۱۷)

و كذلك الرجل صلی الظهر بغیر وضوء تام بأن ترک مسح الرأس ناسياً وظن أن وضوءه تام فإنه یجزئه العصر إذا مسح الرأس أو جدد الوضوء للعصر لأنه صلی العصر وظن أنه لاظهر علیه فیجزئه کمالو ترک الظهر أصلاً. (المحیط البرهانی، کتاب الصلاة، الفصل العشرون: قضاء الفوائت، المجلس العلمي ۲/۳۵۲، رقم ۱۹۵۸)

ولو صلی الظهر علی ظن أنه متوضئ ثم توضأ و صلی العصر، ثم تبین أنه صلی الظهر من غیر وضوء یعید الظهر خاصة لأنه بمنزلة الناسي فی حق الظهر. (هندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادي عشري قضاء الفوائت، قدیم زکریا ۱/۱۲۲، جدید زکریا ۱/۱۸۱)

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب إدراك لفضيلة، مکتبة زکریا دیوبند ۲/۵۰۵، کراچی ۲/۵۲۔ ←

اور بہشتی گوہر میں اگر اس کے خلاف ہے وہ غلطی ہے؛ لیکن سوال میں جو عبارت بہشتی گوہر کی طرف منسوب کی ہے وہ عبارت اس میں نہیں، نقل میں احتیاط لازم ہے۔

۹/شوال ۱۳۳۳ھ (ترجیح خامس ص: ۱۵۸)

← إن صلیٰ رکعة من الفجر أو المغرب فأقیم یقطع ویقتدی وکذا یقطع الثانية مالم یقیدها بالسجدة وإذا قیدها بها لم یقطعها. (ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب العاشر فی إدراک الفریضة، قدیم زکریا ۱/۱۱۹، جدید ۱/۱۷۸)

فإن صلیٰ رکعة من الفجر أو المغرب فأقیم یقطع ویقتدی لأنه لو أضاف إليها رکعة أخرى تفوته الجماعة لإتيانه بالکل في الفجر أو الأكثر، وکذا یقطع الثانية مالم یقیدها بالسجدة وإذا قیدها بها لما یقطعها لما ذکرنا. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب إدراک الفریضة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۴۵۰، امادیہ ملتان ۱/۱۸۱)

فإن صلیٰ رکعة من الفجر أو المغرب فأقیم یقطع ویقتدی لأنه لو أضاف إليها أخرى لفاته الجماعة لوجود الفراغ حقيقة في الفجر أو شبهه في المغرب لأن للأكثر حکم الكل وشمل کلامه ما إذا قام إلى الثانية ولم یقیدها بالسجدة وقید بالرکعة احترازاً عما إذا قید الثانية بسجدة فإنه لا یقطعها ويتمّها. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب إدراک الفریضة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۲۷، کوئٹہ ۲/۷۲۔

النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب إدراک الفریضة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۰۹۔
مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب إدراک الفریضة، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۲۰۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



۱۱/ باب أحكام اللاحق والمسبوق

قعدہ اولیٰ یا اخیرہ میں شریک ہونے والے مسبوق کا تشہد مکمل کرنے کا حکم

سوال (۴۳۷): قدیم ۱/۵۱۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسبوق امام کے ساتھ قعدہ اولیٰ میں ملا۔ اور قبل اس کے کہ مسبوق تشہد ختم کرے امام اٹھ گیا تو مسبوق امام کی متابعت کرے یا تشہد ختم کر کے اٹھے؟

الجواب: اس صورت میں مسبوق تشہد ختم کر کے اٹھے بدون ختم کرنے تشہد کے نہ اٹھے۔ (*)

(*) لیکن اگر تشہد ادھورا رکھ کر اٹھ گیا یا آئندہ سوال میں تشہد پڑھے بغیر اٹھ گیا تو حلبی رحمہ اللہ کی رائے میں نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ہوگی، علامہ شامی رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف ہے؛ لیکن علامہ طحاوی رحمہ اللہ بغیر کسی قسم کی کراہت کے نماز کو صحیح کہتے ہیں، صاحب درمختار کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، نیز فقہ ابو اللیث رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

ولو تم جاز (در مختار) قوله: جاز، ای من غیر کراہۃ لأنه قد تعارض واجبان فیخیر من غیر کراہۃ. ۵ (طحطاوی بر در مختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتہ کوئٹہ ۱/۲۲۰)

قوله: وإن لم يتمه جاز لتعارض واجبين فیتخیر بینہما وهذا هو المشہور فی المذہب ۵. (طحطاوی علی المراقی ص: ۱۶۹، کتاب الصلاة، فصل فیما یفعلہ المقتدی بعد فراغ إمامہ، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۳۱۰)

قال ابن عابدین: ثم رأيت في الذخيرة ناقلاً عن أبي الليث والمختار عندی أنه يتم التشہد، وإن لم یفعل أجزاء ۵. اه قوله: ولم يتم جاز أي مع کراہۃ التحريم كما أفاده "ح" ونازعه "ط" والرحمتي وهو مفاد ما في شرح المنية الخ. (شامي ۱/۶۳، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا ۲/۲۰۰، کراچی ۱/۴۹۶)

نوٹ: اس سلسلہ میں ایک جواب ۳۳۱ پر بھی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

ہکذا فی رد المحتار: عبارته هذا قوله لا يتابعه الخ أي ولو خاف إن تفوته الركعة الثالثة مع الامام كما صرح به في الظهيرية وشمل بإطلاقه ما لو اقتدى به في اثناء التشهد الأول أو الأخير فحين قعد قام إمامه أو سلم ومقتضاه أنه يتم التشهد ثم يقوم . فقط والله اعلم بالصواب . (۱) (امداد ص ۲۱ ج ۱)

سوال (۴۳۸): قدیم ۱/۵۱۱- مسبق جو سلام پھیرنے کے قریب آکر داخل جماعت ہوا ہے التحیات کے دو تین کلمے پڑھنے پایا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو یہ مسبق امام کے سلام پھیرتے ہی باقی نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے یا پوری التحیات پڑھ کر کھڑا ہو؟

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۰۰، کراچی ۱/۴۹۶۔

إذا أدرك الإمام في التشهد وقام الإمام قبل أن يتم المقتدي أو سلم الإمام في آخر الصلاة قبل أن يتم المقتدي التشهد فالمختار أن يتم التشهد . (هنديّة، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل السادس فيما يتابع الإمام وفيما لا يتابعه، قديم زكريا ۱/۹۰، جديد زكريا ۱/۱۴۷)

وإذا قام الإمام إلى الثالثة قبل أن يفرغ المقتدي من التشهد فإن المقتدي يتم التشهد ثم يقوم وكذا لو سلم الإمام قبل أن يفرغ المقتدي من التشهد فإنه يتم التشهد . (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لا يصح، قديم زكريا ۱/۹۶، جديد زكريا ۱/۶۲)

من أدرك الإمام في التشهد فقام الإمام أو سلم في آخر الصلاة قبل أن يتم المقتدي تشهده، قال الفقيه أبو الليث المختار عندي أنه يتم تشهده لأن التشهد من الواجبات الخ . (الفتاوى تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۹۲، رقم: ۲۱۱۲)

حلبی کبیر، کتاب الصلاة، باب الإمامة، شروط المحاذات، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۲۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: پوری التحیات پڑھ کر کھڑا ہو۔

كذا في الدر المختار: فصل شروع الصلوة بعد بيان كيفية الركوع. (۱)

یکم صفر ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولی ص ۳۳)

مسبق کا امام کے ساتھ سلام پھیرنے کا حکم

سوال (۴۳۹): قدیم ۵۱۲/۱۔ مسبق نے امام کے ساتھ بھول کر سلام دونوں طرف پھیر دیا اور اپنے یا دوسرے کے کہنے سے اسی وقت یا کچھ توقف کر کے کھڑا ہو گیا۔ ان چاروں صورتوں میں سجدہ سہولازم ہے یا نہیں؟

(۱) بخلاف سلامه أو قيامه لثالثة قبل تمام المؤتمر التشهد فإنه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه، (درمختار) وفي الشامية، قوله: فإنه لا يتابعه الخ: وشمل بإطلاقه ما لو اقتدى به في أثناء التشهد الأول أو الأخير فحين قعد قام إمامه أو سلم ومقتضاه أنه يتم التشهد ثم يقوم. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للحاجي، مكتبة زكريا ديوبند ۱۹۹/۲ - ۲۰۰، كراچی ۱/۴۹۶)

إذا أدرك الإمام في التشهد وقام الإمام قبل أن يتم المقتدي أو سلم الإمام في آخر الصلاة قبل أن يتم المقتدي التشهد فالمختار أن يتم التشهد. (هندي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل السادس، قديم زكريا ديوبند ۱/۹۰، جديد زكريا ديوبند ۱/۴۷۷)

من أدرك الإمام في التشهد فقام الإمام أو سلم في آخر الصلاة قبل أن يتم المقتدي تشهده قال الفقيه أبو الليث المختار عندي أنه يتم تشهده؛ لأن التشهد من الواجبات الخ. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، مكتبة زكريا ۱۹۲/۲، رقم ۲۱۱۲)

إذا قام الإمام إلى الثالثة قبل أن يفرغ المقتدي من التشهد فإن المقتدي يتم التشهد ثم يقوم وكذا لو سلم الإمام قبل أن يفرغ المقتدي من التشهد فإنه يتم التشهد. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لا يصح، قديم زكريا ديوبند ۱/۹۶، جديد زكريا ديوبند ۱/۶۲) ←

الجواب: اگر امام سے پہلے یا اس کے ساتھ سہواً سلام پھیرا تو سجدہ سہو لازم نہیں جمیع صورت مندرجہ سوال میں؛ کیونکہ یہ ہنوز موقت ہے اور سہو موقت سے سجدہ لازم نہیں اور اگر بعد سلام امام کے پھیرا تو سجدہ سہو لازم ہے۔

على عموم الصور المذكورة ولا سجود عليه إن سلم سهوا قبل الإمام أو معه وإن سلم بعده لزمه لكونه منفرد حينئذٍ بحر. ۱۲ شامی فی بحث سجود المسبوق سهوا. ج ۱ ص ۴۹۹. (۱)

اور اس مسبوق کو قبل کلام و تحویل عن القبلة بناء جائز ہے۔

ويسجد للسهو ولو مع سلامه للقطع ما لم يتحول عن القبلة أو يتكلم
در مختار باشامی۔ ج ۱ ص ۵۰۵۔ (۲)

← حلبی کبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الإمامة، شروط المحاذات، مكتبة اشرفية دیوبند ص: ۵۲۷۔

طحطاوي على المراقبي، كتاب الصلاة، فصل فيما يفعله المقتدي بعد فراغ إمامه: مكتبة دار الكتاب دیوبند ص: ۳۱۰۔

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا دیوبند ۵۴۶/۲-۵۴۷، کراچی ۸۲/۲-۸۳۔

وعليه يفرع ما إذا سلم ساهياً فإن كان الإمام أو معه فلا سهو عليه وإن كان بعده فعليه كما ذكرناه. (الحرارائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا دیوبند ۱۷۷/۲، كوئٹہ ۱۰۰/۲)

ومنها أنه لو سلم مع الإمام ساهياً أو قبله لا يلزمه سجود السهو وإن سلم بعده لزمه كذا في الظهيرية هو المختار كذا في جواهر الأخطا. (هندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب السادس في الحدث في الصلاة، قديم زكريا ۹۱/۱، جديد زكريا ۱۴۹/۱)

(۲) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا دیوبند ۵۵۸/۲، کراچی ۹۱/۲۔ ←

اور دوسرے کے کہنے سے کھڑے ہونے میں احتیاط یہ ہے کہ اس کے کہنے کے ذرا بعد کھڑا ہوتا کہ قیام اپنی رائے سے ہو اس کا امتثال نہ ہو؛ کیونکہ نمازی کو غیر نمازی کے امتثال کا مفسد و غیر مفسد ہونا مختلف فیہ ہے اگرچہ اصح عدم فساد ہے۔

حتی لو امتثل امر غیرہ فقیل له تقدم فتقدم أو دخل فرجة الصف أحد فوسع له فسدت بل یمکث ساعة ثم يتقدم برأيه. قهستانی معزیا للزاهدی و مرویاتی قنیة و درمختار. ۱۲ قوله و مرفی باب الامامة عند قوله ویصف الرجال و قد مناعن الشر نبالی عدم الفساد و تقدم تمام الکلام هناک. ۱۲ شامی. ج ۱ ص ۲۱۸. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب و الیہ المرجع والمآب. (الامداد ص ۲۲ ج ۱)

← وهل يلزمه سجود السهو لأجل سلامه، ينظر إن سلم قبل تسليم الإمام أو سلماً معاً لا يلزمه لأن سهوه سهو المقتدي وسهو المقتدي متعطل وإن سلم بعد تسليم الإمام لزمه لأن سهوه سهو المنفرد فيقضي ما فاتته ثم يسجد للسهو في آخر صلاته. (بدائع الصنائع، بيان من يجب عليه السهو، مكتبة زكريا ۱/ ۴۲۲)

ويسجد للسهو وجوباً وإن سلم عامداً مريداً للقطع لأن مجرد نية تغيير المشروع لا تبطله ولا تعتبر مع سلام غير مستحق وهو ذكر فيسجد للسهو لبقاء حرمة الصلاة ما لم يتحول عن القبلة أو يتكلم. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة دارالكتاب دیوبند ص: ۴۷۲)

(۱) الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، وما یکره فیها، مكتبة زكريا دیوبند ۲/ ۳۸۱، کراچی ۱/ ۶۲۲۔

و ذکر عن کتاب التجانس لوقیل للمصلي تقدم فتقدم أو دخل فرجة الصف أحد فجانب المصلي فوسعه له فسدت صلاته لأنه امتثل غير أمر الله تعالى في الصلاة و ينبغي أن یمکث ساعة ثم يتقدم برأيه قال يعني نفسه فالإجابة بالرأس أو باليد مثله انتهى. (حلبی کبیر، کتاب الصلاة، باب مفسد الصلاة، مكتبة اشرفية دیوبند ص: ۴۴۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

امام کے سلام کے بعد مسبوق کے نماز پوری کرنے کا طریقہ

سوال (۴۴۰): قدیم ۵۱۲/۱۔ جو شخص فرض ظہر یا عصر کی چوتھی رکعت میں شریک ہوا وہ تین رکعت باقی کس طور سے ادا کرے۔ کس رکعت کے بعد جلسہ کریں۔ اور کن رکعتوں میں ختم سورۃ کرے، کے رکعت بدون سورۃ کے پڑھے۔ اور جو شخص تیسری رکعت میں شریک ہوا وہ دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے جو مغرب کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا وہ اپنی دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے جلسہ اور ختم سورۃ کن رکعت میں کرے۔ فقط؟

الجواب: جس کی کوئی رکعت امام کے ساتھ فوت ہوگئی ہو اس کو مسبوق کہتے ہیں اس کی باقی نماز حق قراءت میں اول ہوتی ہے اور حق تشہد میں آخر ویقضي أول صلوٰۃ فی حق قراءۃ و آخرها فی حق تشہد۔ درمختار۔ (۱)

پس جو شخص ظہر یا عصر میں چوتھی رکعت میں شریک ہوا بعد فراغ امام کے کھڑا ہو کر ثنا و تعوذ پڑھ کر

(۱) الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، مطلب فی أحکام المسبوق الخ، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۴۷/۲، کراچی ۵۹۶/۱

وہنا من أحکام المسبوق أنه یقضي أول صلاته فی حق القراءۃ و آخرها فی حق التشہد۔ (ہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الفصل السابع فی المسبوق واللاحق، قدیم زکریا ۹۱/۱، جدید زکریا ۱۴۹/۱)

والمسبوق فیما یقضي یقضي أول صلاته فی حق القراءۃ و آخر صلاته فی حق التشہد۔ (خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، ما یصل بمسائل الاقتداء مسائل المسبوق، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ۱۶۵/۱)

ومن أحکامہ أنه یقضي أول صلاته فی حق القراءۃ و آخرها فی حق التشہد۔ (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الحدث فی الصلاۃ، مکتبۃ زکریا دیوبند ۶۶۴/۱، کوئٹہ ۳۷۹/۱)

فاتحہ وسورۃ پڑھے اور یہ رکعت پوری کر کے قعدہ کرے پھر کھڑا ہو کر وہ رکعت بھی فاتحہ وسورۃ سے پڑھ کر
چھپی رکعت فقط فاتحہ سے پڑھ کر نماز تمام کرے اور جو تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں رکعتیں فاتحہ وسورۃ
سے پڑھے اور ان دونوں کے بیچ میں جلسہ نہ کرے دونوں کے بعد قعدہ اخیرہ کر کے فارغ ہو (۱)۔

جو مغرب کی تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں میں فاتحہ وسورۃ پڑھے اور ہر رکعت پر بیٹھے۔ (۲)

واللہ اعلم۔ (امداد ص ۲۲ ج ۱)

(۱) لو أدرك مع الإمام ركعة في ذوات الأربع فقام إلى القضاء قضى ركعة
يقرأ فيها بفاتحة الكتاب وسورة ويتشهد ثم يقوم فيقضي ركعة أخرى يقرأ فيها بفاتحة
الكتاب وسورة وفي الثالثة هو بالخيار والقراءة أفضل على ما عرف - (بدائع الصنائع،
كتاب الصلاة، حكم المسبوق، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۵۶۷)

ولو أدرك ركعة من الرباعية فعليه أن يقضي ركعة يقرأ فيها الفاتحة والسورة
ويتشهد ويقضي ركعة أخرى كذلك ولا يتشهد وفي الثلاثة بالخيار والقراءة أفضل.
(هندية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، قديم
زكريا ديوبند ۱/ ۹۱، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۴۹)

شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۴۷،
کراچی ۱/ ۵۹۶۔

(۲) وإذا أدرك الرجل ركعة مع الإمام من المغرب، فلما سلم الإمام قام يقضي، قال
يصلی ركعة ويقعد وهذا استحسان والقياس يصلی ركعتين ثم يقعد. (المبسوط للسرخسي،
كتاب الصلاة، الحدث في الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸۹)

حتى لو أدرك مع الإمام ركعة من المغرب، فإنه يقرأ في الركعتين الفاتحة والسورة
ويقعد في أولهما لأنها ثانية ولولم يقعد جاز استحساناً لا قياساً. (منحة الخالق على
البحر الرائق، كتاب الصلاة، الحدث في الصلاة، مكتبة زكريا ۱/ ۶۶۴، كوثه ۱/ ۳۷۹)
بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، حكم المسبوق، مكتبة زكريا ديوبند
۱/ ۵۶۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسبقوک کے حق میں ثناء اور تعوذ پڑھنے کا حکم

سوال (۴۴۱): قدیم ۵۱۳/۱ - فتاویٰ اشرفیہ میں ایک شخص نے سوال مسبقوک کے متعلق کیا کہ جماعت سے رہی ہوئی باقی رکعتیں کس طرح پوری کرے۔ حضور نے جواب میں فرمایا کہ بعد سلام امام وہ مسبقوک اٹھے اور ثناء و تعوذ و بسم اللہ پڑھ کر الحمد و سورۃ پڑھے نیز بہشتی گوہر کے تتمہ میں حضور نے اشد فرمایا کہ بعد سلام امام وہ مسبقوک کسی وقت یعنی بعد جماعت کے ثناء و اعوذ و بسم اللہ نہ پڑھے ثناء ساقط ہوگئی اس میں کیا مصلحت ہے؟

الجواب: معلوم ہوتا ہے آپ نے بہشتی زیور کے ضمیمہ کو بالکل نہیں سمجھا اور افسوس ہے کہ عبارت بھی اس کی بعینہ نقل نہیں کی اپنی طرف سے غلط سمجھ کر خلاصہ نکال کر نقل کر دیا ایسا تصرف نقل میں گناہ بھی ہے۔ میں نے جو ثناء کا نہ پڑھنا لکھا ہے تو امام کے ساتھ شریک ہونے کی حالت میں لکھا ہے یعنی نہ نیت باندھ کر پڑھے اور نہ امام کی قراءت کے وقفات میں پڑھے یہ کہاں لکھا ہے کہ جب اپنی بقیہ نماز پڑھنے کھڑا ہو تب بھی نہ پڑھے سائل نے اس کو پوچھا ہی نہیں۔ (۱)

۲۹ ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۲۷)

(۱) ومنها: أنه إذا أدرك الإمام في القراءة في الركعة التي يجهر فيها لا يأتي بالثناء كذا في الخلاصة هو الصحيح، كذا في التجنيس: وهو الأصح هكذا في الوجيز للكردي سواء كان قريباً أو بعيداً أولاً لا يسمع لصممه هكذا في الخلاصة فإذا قام إلى قضاء ماسبق يأتي بالثناء ويتعوذ للقراءة كذا في قاضي خان والخلاصة. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۹۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۴۸)

أما المسبوق إذا أدرك الإمام في القراءة في الركعة التي يجهر فيها لا يأتي بالثناء فإذا قام إلى قضاء ماسبق به يأتي بالثناء ويتعوذ للقراءة..... ثم في الثناء سواء كان قريباً من الإمام أو بعيداً أو لا يسمع لصممه في صلاة الجهر يسكت. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، مايتصل بمسائل الاقتداء مسائل المسبوق، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۱۶۵) ←

سوال (۴۴۲): قدیم ۱/۵۱۴- مسبوق رکعات جہریہ و خفیہ میں ثناء و تعوذ اور تسمیہ تینوں پڑھے یا نہیں اور جب بعد فراغت کے اپنی بقیہ رکعتیں ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو تو اس وقت ثناء و تعوذ و تسمیہ تینوں پڑھے یا صرف تعوذ و تسمیہ پر قناعت کرے جو کچھ فرق اس مسئلہ کے متعلق رکعات جہری و سری میں ہو مطلع فرمائیے گا؟

الجواب: في الدر المختار: قبل باب الا ستخلاف والمسبوق منفرد حتى يثني ويتعوذ ويقرأ وإن قرء مع الإمام لعدم الاعتداد بها لكرهتهما مفتاح السعادة فيما يقضيه مختصراً (۱)

← المسبوق إذا أدرك الإمام في القراءة التي يجهر فيها لا يأتي بالثناء فإذا قام إلى قضاء ما سبق يأتي بالثناء ويتعوذ للقراءة. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل في المسبوق، قدیم زکریا ۱/۱۰۴، جدید زکریا ۱/۶۶)

الفتاوی التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث كيفية الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۹۵/۲، رقم: ۲۱۲۰۔

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث فيما يفعله بعد الشروع في الصلاة، المجلس العلمي ۱۳۳/۲، رقم: ۱۴۰۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۳۴۶/۲۔ ۳۴۷، کراچی ۵۹۶/۱۔

وأقول: عبارته فيها المسبوق فيما يقضي له جهتان، جهة الانفراد حقيقة حتى يثني ويتعوذ ويقرأ وجهه الاقتداء حتى لا يؤتم به وإن صلح للخلافة الخ. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲۶۴/۱)

منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۶۶۱/۱، كوئٹہ ۳۷۷/۱۔

والمسبوق، من سبقه الإمام بكل الصلاة أو ببعضها وحكمه أنه كالمنفرد بعد البدء بقضاء ما فاتته، فيأتي بدعاء الثناء والتعوذ لأنه للقراءة ويقرأ لأنه يقضي أول صلاته في حق القراءة فلو ترك القراءة فسدت صلاته الخ. (الفقه الاسلامي وأدلته، كتاب الصلاة، أنواع الصلاة، مكتبة هدى انتر نيشنل ديوبند ۱۹۲/۲) ←

اس روایت سے دو امر مستفاد ہوئے ایک یہ کہ مسبوق امام کے ساتھ ثناء و تعوذ و تسمیہ نہ پڑھے دوسرے یہ کہ بعد فراغ امام کے جب اپنی یقینہ نماز پڑھنے کھڑا ہو سب چیزیں اور قراءت پڑھے اور جہری و سری اس حکم میں دونوں برابر ہیں لا طلاق الدلیل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۶)

مسبوق کو رکعات فائتہ میں جہر کا حکم

سوال (۴۴۳): قدیم ۵۱۴/۱۔ مسبوق کو اپنی فوت شدہ رکعت نماز جہریہ کی جہر سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر جہر سے پڑھنا جیسا جائز ہے (جیسا کہ مؤطا امام مالکؒ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے) تو ایک مسبوق ہو خواہ دس بیس ہوں سب کو جہر سے پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: مسبوق کو جہر جائز ہے خواہ ایک ہو یا متعدد۔

فی الدر المختار: کمن سبق برکعة من الجمعة فقام یقضیہا یجہر (۱)
قلت وهو بإطلاقه یعم الواحد والكثیر. فقط واللہ اعلم

۷ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولی ص ۱۴)

← المسبوق إذا أدرك الإمام في القراءة في الركعة التي يجهر فيها لا يأتي بالثناء فإذا قام إلى قضاء ما سبق يأتي بالثناء ويتعوذ للقراءة. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، ما يتصل بمسائل الاقتداء مسائل المسبوق، مكتبة اشرفية دیوبند ۱/۱۶۵)

المسبوق إذا أدرك الإمام في القراءة التي يجهر فيها لا يأتي بالثناء فإذا قام إلى قضاء ما سبق يأتي بالثناء ويتعوذ للقراءة. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل في المسبوق، قدیم زکریا دیوبند ۱/۱۰۴، جدید زکریا دیوبند ۱/۶۶)

ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، قدیم زکریا دیوبند ۱/۹۰، جدید زکریا دیوبند ۱/۱۴۸۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في الكلام على الجهر والمخافتة، مكتبة زکریا دیوبند ۲/۲۵۲، کراچی ۱/۵۳۴۔

جواب سوالات اربعہ (*) متعلقہ بأحكام لاحق ومسبوق

سوال (۴۴۴): قدیم ۱/۵۱۵ - السلام علیکم دعواتِ عبدیت کا حصہ مقالات و مجادلات کے مطالعہ سے مستفیض ہوا۔ خدا جزائے خیر دے جناب صدیق احمد صاحب اور دیگر مشیعین و ضابطین کو کہ ان کی بدولت غائبین بھی فیض صحبت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس رسالہ مقالات کے صفحہ ۹ نمبر ۲۱ میں جو مسئلہ درج ہے اس کے دو جزوؤں میں احقر کو کچھ شبہ ہے جس کی تحقیق کے لیے حضرت والا کو تکلیف دینا مناسب سمجھا کہ امر حق واضح ہو اور اسی کے متعلق دو امر اور بھی تحقیق طلب تھے اس لیے مکلف خدمت ہوں کہ ان کو ملاحظہ فرما کر امر حق سے مطلع فرمایا جاوے۔

(*) خلاصہ بحث:۔۔ یہاں زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ جب مقيم خض چار رکعت والی نماز میں مسافر امام کے پیچھے دوسری رکعت میں یا قعدہ میں شریک ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر پہلی رکعت میں شریک ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں دورائے ہیں۔

پہلی رائے یہ ہے کہ جب پہلی رکعت میں شریک ہوا ہو تو وہ صرف لاحق ہے، لہذا امام کے سلام پھیرنے پر اپنی بقیہ دو رکعتیں بغیر قراءت پڑھے اور جب دوسری رکعت یا قعدہ میں شریک ہوا ہو تو وہ مسبوق بھی ہے اور لاحق بھی؛ لہذا امام کے فارغ ہونے کے بعد پہلے وہ رکعتیں پڑھے جن میں لاحق ہے، یعنی آخر والی، اور ان میں نہ فاتحہ پڑھے نہ سورت، کیونکہ ان رکعتوں میں وہ حکماً امام کے پیچھے ہے پھر وہ رکعتیں پڑھے جن میں مسبوق ہے، یعنی پہلی ایک رکعت، یا دو رکعتیں، اور ان میں فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے۔

(کفایۃ المفتی ۳/۳۸۷، فتاویٰ دارالعلوم جدید ۴/۴۸۹، فتاویٰ رشیدیہ ص: ۲۹۲) ←

← لو سبق رجل يوم الجمعة ثم قام لقضاء ما فاتته كان بالخيار: إن شاء جهر وإن شاء خافت كالمنفرد في صلاة الفجر هكذا في الخلاصة. (هندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب السابع عشر في صلاة العيدين، قدیم زکریا ۱/۱۴۹، جدید زکریا ۱/۲۱۰)

وفي السراج الوهّاج: ولو سبق رجل يوم الجمعة برکعة ثم قام لقضاء ما فاتته كان بالخيار إن شاء جهر وإن شاء خافت. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زکریا دیوبند ۱/۵۸۷، کوئٹہ ۱/۳۳۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اول: رسالہ مذکورہ ص ۹ میں مقیم مقتدی بالمسافر کا دور رکعت کو بلا قراءت پڑھ کر اس رکعت کو جو فوت ہوگئی تھی پڑھنا افضل لکھا ہے اور میری فہم ناقص میں ترتیب واجب ہے اس کے ترک سے نماز صحیح تو ہو جائے گی

← پھر یہاں چند ذیلی اسحاث ہیں:

پہلی بحث: یہ ترتیب کہ پہلے دو رکعت بغیر قراءۃ پڑھے اور بعد کی رکعات قراءت سے واجب ہے، یا افضل؟ حضرت مجیب قدس سرہ نے دعوات عبدیت میں افضل قرار دیا ہے، سائل اس پر نقد کر رہا ہے اور ترتیب کا واجب ہونا ثابت کرتا ہے، حضرت رحمہ اللہ جواباً اپنے قول کی بنیاد فرماتے ہیں سائل اس پر بھی نقد کرتا ہے، تو حضرت رحمہ اللہ اپنے قول کی وجہ ”ابتلائے عوام“ بیان فرماتے ہیں۔

دوسری بحث: جب یہ مقیم مقتدی، دوسری رکعت میں شریک ہوا ہو تو امام کے فارغ ہونے پر باقی تین رکعات پڑھتے وقت پہلی دو رکعتوں کے درمیان قعدہ کرے یا نہ کرے؟ دعوات عبدیت میں حضرت رحمہ اللہ نے بغیر قعدہ کے پڑھنے کو فرمایا ہے جس پر سائل نے نقد کیا ہے وہ درمیان میں قعدہ کرنا ضروری ثابت کرتا ہے، حضرت نے اس کے نقد کا جواب دیا ہے، جسے سائل نے تسلیم کر لیا ہے۔

تیسری بحث: پہلی دو رکعتوں کے درمیان اگر قعدہ ہو تو، بقدر تشہد قعدہ ہوگا یا قعدہ طویلہ؟ سائل کے خیال میں قعدہ طویلہ ہونا چاہئے، حضرت رحمہ اللہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا، اور تسلیم نہ ہونے کی وجہ بیان فرمائی ہے جس پر سائل نے نقد کیا اور حضرت نے اس کے نقد کا جواب عنایت فرمایا۔

چوتھی بحث: اصل مسئلہ میں اس پہلی رائے سے صلوٰۃ الخوف کے جزئیات متعارض ہیں، حضرت رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ شاید وہ جزئیات صلوٰۃ الخوف ہی کے ساتھ مخصوص ہوں جس پر سائل نے بحث کی تو حضرت نے دیگر علماء سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔

دوسری رائے: جب مقیم شخص مسافر امام کے ساتھ پہلی رکعت میں شریک ہو تو وہ صرف لاحق ہے، لہذا البقیہ دو رکعتیں بغیر قراءت کے پڑھے اور جب وہ دوسری رکعت میں یا امام کے قعدہ اخیرہ میں شریک ہو تو وہ صرف مسبوق ہے، لہذا یہ شخص اٹھ کر پہلی رکعت میں ثناء، تعوذ فاتحہ اور سورت پڑھ کر قعدہ کرے اور پھر دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھے، اور آخری دو رکعتوں کے درمیان قعدہ نہ کرے، اور اگر وہ تمام رکعات کا مسبوق ہے (یعنی جب قعدہ میں فاتحہ کے ساتھ پڑھے)۔

یہ دوسری رائے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ (صاحب بذل المجہود) کی ہے، حضرت نے

اس سلسلہ میں بہت ہی مفصل و مدلل فتاویٰ ارقام فرمائے ہیں جو ماہنامہ نظام کا پینور (شمارہ مئی و جون ۱۹۶۴ء) ←

مگر تارک آثم ہوگا؛ اس لیے کہ مقتدی مذکور مسبوق ہونے کے ساتھ ہی علی الاصح لاحق بھی ہے اور لاحق مسبوق کو قضاء لاحق فیہ و ماسبق بہ میں ترتیب واجب یہ ہے کہ پہلے لاحق فیہ کو قضاء کرے پھر ماسبق بہ کو؛ اس لیے کہ محل قضاء ماسبق بعد الفراغ عن الاقتداء ہے اور وہ بعد قضاء لاحق فیہ ہے۔ اس لیے کہ لاحق تقدیراً خلف الامام اور حکماً مقتدی ہے پس جن رکعات میں لاحق ہے وہ رتبۃً ان رکعات سے جن میں مسبوق ہے مقدم ہوں گی اور ترتیب بین الركعات واجب ہے۔ پس تقدم قضاء لاحق واجب ہوگا اور اس کا تارک آثم ہوگا نیز تاخیر قضا لاحق کا موجب آثم ہونا درمختار کی اس عبارت ”ولو عكس صح وأثم لترك الترتيب“ سے ثابت ہے ایسے ہی ردالمحتار ص: ۴۴۰ مطبوعہ مصر کی اس عبارت سے جو کہ تحت میں قول صح و آثم کے ہے وجوب قبلیت قضاء لاحق فیہ ثابت ہے۔

حيث قال لأن الترتيب بين الركعات ليس بفرض لا نهـا فعل مكرر في جميع الصلوة وإنما هو واجب. (۱)

دوم: رسالہ مذکورہ میں مقیم مقتدی بالمسافر کا بعد فراغ امام کے تین رکعت باقیہ میں سے دو پہلی رکعتیں بلا قعدہ درمیانی پڑھنے کو لکھا ہے؛ حالانکہ ردالمحتار سے مفہوم ہوتا ہے کہ لاحق قضاء لاحق فیہ

← اور احسن الفتاویٰ میں شائع ہوئے ہیں۔ احقر کے ناقص خیال میں یہ دوسری رائے ہی صحیح ہے اور وہی عمل و فتویٰ کے لئے متعین ہے اور اس کے لئے مشیع دلائل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے آخری مفصل و مدلل جواب میں موجود ہیں۔ فراجمعہ ۱۲ سعید احمد پالنپوری

(۱) ثم صلی مانام فیہ بلا قراءۃ ثم ماسبق بہ بها إن کان مسبوقاً أيضاً ولو عکس صح وأثم لترك الترتيب. (درمختار) وفي الشامية: قوله صح وأثم أي خلافاً لـ زفر فعندہ لا یصح وعندنا یصح، لأن الترتيب بين الركعات ليس بفرض لأنها فعل مكرر في جميع الصلاة وإنما هو واجب. (شامي، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۴۶، کراچی ۱/ ۵۹۵-۵۹۶)

وهذا بناءً على أن اللاحق المسبوق يقضي أولاً لاحق فيه ثم ماسبق فيه وهذا عند زفر ظاهر وعندنا وإن صح عكسه لكن يجب هذا. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ۱/ ۶۲۴، كوئٹہ ۱/ ۳۵۶-۳۵۷)

میں بترتیب نماز امام بھی تقعد کرے اور بترتیب اپنی نماز کے بھی اس بناء پر صورت ہذا میں مقتدی بعد سلام امام کے پہلی رکعت میں بھی قعدہ کرے؛ اسلئے کہ وہ اس کی نماز کی ترتیب سے دوسری ہے۔ ملاحظہ ہو عبارت شامی ص ۴۳۹۔

تحت قوله ثم ماسبق به بها الخ فيصلی ركعة مما نام فيه مع الإمام ويقعد متابعه له لأنها ثانیة إمامه ثم یصلی الأخری مما نام فيه و یقعد لأنها ثانیته (ای المقتدی) الخ (۱)

سوم: پھر میری فہم ناقص میں آتا ہے کہ پہلی رکعت میں جو اس کی دوسری ہے تقعد بقدر تشہد ہو اور صرف التحیات پڑھے اور دوسری جو امام کی چوتھی ہے ایسی ہی تیسری جو اس کی چوتھی اس میں قعدہ طویلہ ہو اور درود و دعا بھی پڑھے اس لیے کہ لاحق جب کہ مقدار قیام و رکوع و سجود بلکہ جملہ امور میں امام کا تابع ہے حتیٰ کہ ترک تقعد سہایا میں تو مقدار و کیفیت تقعد میں بدرجہ اولیٰ تابع ہوگا پس جس رکعت میں امام نے قعدہ طویلہ کیا ہے اور تشہد کے ساتھ درود و دعا بھی پڑھا ہے اس میں اسے بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔ اس امر قیاسی کی کہیں صراحت نہیں دیکھی اس لیے استدعاء ہے جو اسمیں احقر کی غلطی ہو اصلاح فرمائی جاوے۔

چہارم: صلوٰۃ خوف میں طائفہ اولیٰ کو مطلقاً حکم عدم قراءت ہے اگرچہ بعض رکعات میں وہ مسبوق بھی ہو جیسے ظہر کی دوسری رکعات میں ملنے والا تینوں میں قراءت نہ کرے جیسا کہ رد المحتار ص ۲۱۵ (۲) جو کہ تحت میں قول ”لا نهم لاحقون“ کے ہے والمسبوق إن إدرك ركعة من الشفع الأول فهو من أهل الأولیٰ وإلا فمن الثانیة سے مستفاد ہے ایسے ہی طائفہ ثانیہ کو مطلقاً حکم قراءت ہے اگرچہ بعض میں لاحق بھی ہو جیسے مقیم مقتدی بالمسافر صلوٰۃ خوف ذی رکعات اربعہ کی دوسری رکعت میں شریک ہو تو تینوں میں قراءت کرے باوجودیکہ دو رکعتوں میں وہ لاحق ہے جیسا کہ عالمگیری ص ۱۲۲ ج ۱۔ (۳)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا دیوبند ۳۶/۲، کراچی ۵۹۶/۱۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الخوف، مكتبة زكريا دیوبند ۷۵/۳، کراچی ۱۸۷/۲۔

(۳) الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الصلاة، الباب العشرون فی صلاة الخوف، قدیم زکریا دیوبند ۱۵۵/۱، جدید زکریا دیوبند ۲۱۵/۱۔

باب العشرون فی صلوٰۃ الخوف میں ہے وإن كان الإمام مسافراً والقوم مقيمين صلى بالطائفة التي معه ركعة، ثم انصرفوا بإزاء العدو و صلى بالطائفة الثانية ركعة وسلم ثم يجيئ الطائفة الاولى فيصلون ثلث ركعات بغير قراءة الخ وتجيئ الطائفة الثانية الى مكان صلاتهم فيصلون ثلث ركعات الأولى بفاتحة الكتاب و سورة لأنهم مسبقون فيها والآخرين بفاتحة الكتاب.

حالانکہ قیاس اس بات کو مقتضی ہے کہ طائفہ اولیٰ جن رکعات میں مسبوق ہے ان میں قراءہ کرے اور طائفہ ثانیہ جن میں لاحق ہے ان میں قراءت نہ کرے تو اس اطلاق خلاف قیاس کی کیا وجہ ہے تحریر فرمائی جائے؟

الجواب عن السؤال المذكور: واقعی منقول تو وجوب ہی ہے اور اس ترتیب کو افضل کہنا میرا قیاس ہے جس کا مقیاس علیہ تو مسبوق کا یہ مسئلہ ہے جو کہ درمختار اور ردالمحتار میں مذکور ہے۔

وهو منفرد فيما يقضيه أي بعد متابعتة لإمامه الخ متعلق بقوله: يقضيه أي أن محل قضائه لما سبق به إنما هو بعد متابعتة لإمامه فيما أدر كه عكس اللاحق كما مر لكن هنا لو عكس بأن قضى ماسبق به، ثم تابع إمامه ففيه قولان مصححان إلى قوله: وفي شرح الشيخ اسمعيل عن جامع الفتاوى يجوز عند المتأخرين وعليه الفتوى آه وبه جزم في الفيض ج ۱ ص ۲۲۳. (۱)

(۱) الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند

۳۴۷/۲، کراچی ۱/۵۹۶۔

ذهب الفقهاء إلى أن المسبوق إذا تخلف في صلاته بر كعة أو أكثر فإنه يتابع إمامه فيما بقي من الصلاة ثم يأتي بما فاتته من صلاته وقال ابن عابدين: لو قضى المسبوق ماسبق به ثم تابع إمامه ففيه قولان مصححان، واستظهر في البحر القول بالفساد لقولهم: إن الانفراد في موضع الاقتداء مفسد ونقل عن البزازیة أن عدم الفساد أقوى لسقوط الترتيب وعن جامع الفتاوى: يجوز عند المتأخرين وعليه الفتوى وقالوا يكره له ذلك لأنه خالف السنة.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/۱۶۱) ←

پس جس طرح اس جزئیہ میں باوجود لزوم ترتیب خاص کے اس کی تغیر کو متاخرین نے جائز کہا ہے اور اس پر فتویٰ بھی ہو گیا باوجودیکہ بعض اس صورت میں فساد صلوٰۃ کے بھی قائل ہیں تو مقیس بدرجہ اولیٰ اس حکم جواز کا مستحق ہے اس لیے کہ اول تو مقیس علیہ میں بعض فساد کے بھی قائل ہیں یہاں فساد کا کوئی قائل نہیں تو مقیس میں وجوب اخف ہے بہ نسبت مقیس علیہ کے جب اس اشد میں وسعت ہوگئی تو اخف میں بدرجہ اولیٰ وسعت ہو سکتی ہے۔ دوسرے مقیس علیہ اقل وقوعاً ہے اور عام لوگ اس میں غلطی نہیں کرتے اور مقیس کثیر الوقوع ہے اور عام لوگ اس میں بہت غلطی کرتے ہیں تو یہاں وسعت کرنا احق ہونا چاہئے وجہ قیاس تو یہ ہے۔ اور وجہ اختیار یہ ہے کہ اس مسئلہ کو بہت کم لوگ جانتے ہیں اور اس غلطی میں ابتلائے عام ہے اس لیے فتویٰ میں آسانی مناسب ہے۔ پس یہ منشاء ہے میرے اس قول کا۔ چنانچہ عوام کو محض اس بے ترتیبی سے اعادہ کا حکم نہیں کرتا ہوں لیکن منقول کے سامنے میری رائے کوئی چیز نہیں دوسرے علماء سے رجوع کیا جائے اگر اس کو غلط بتاویں میں بھی غلط کہوں گا۔

جواب سوال دوم: سوال دوم: واقعی ردالمحتار میں اسی طرح ہے جس طرح سوال میں نقل کیا گیا ہے لیکن مدت ہوئی اس مقام پر میں نے ایک حاشیہ لکھا ہے اس وقت صرف اس کو نقل کئے دیتا ہوں اس کو بھی دوسرے علماء سے تحقیق فرمالیا جاوے۔

وهی هذه قلت هذا لا يصح دراية ولا رواية. أما الأول فلأن اللاحق لما كان حكمه كمؤتم فكيف يقعد في الثانية مع أنها ثالثة إمامه ومقتضاه عدم القعود وأما الثاني فلعدم صحة النقل عن شرح المنية: فإن عبارته كمارواه بعض الثقات من احبابي وقال انه رآه في أصله هكذا ثم يصلى الأخرى مما نام فيه ولا يقعد لأنها ثالثته آه وهكذا أفتى. والله أعلم۔

← ومن جملتها أنه لو ابتداء بقضاء ماسبق به قيل تفسد صلاته والأصح أنها لا تفسد ولكن تكره. (حلي كبير، كتاب الصلاة، مفسدات الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۶۹)

إذا ابتداء المسبوق بقضاء ماسبق يكره وقيل يفسد لأنه عمل بالمنسوخ والأول أقوى لسقوط الترتيب. (بزازية على الهندية، كتاب الصلاة، نوع في المسبوق، قديم زكريا ۶۰/۴، جديد زكريا ۴۱/۱)

جواب سوال سوم: یہ قیاس میرے خیال میں نہیں آتا اس لیے کہ لاحق حکماً مؤتم ہے۔ اور حکمی مؤتم حقیقی مؤتم سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور حقیقی مؤتم جبکہ امام کا قعدہ اخیرہ ہو اور اس مؤتم کا قعدہ اخیرہ نہ ہو صرف تشہد پر اکتفا کرتا ہے تو یہ لاحق کیسے درود و دعا پڑھے گا باقی نہ میں نے کہیں دیکھا اور نہ یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میری اس تقریر پر کوئی خدشہ نہیں ہے اس لیے اس کو بھی دوسرے علماء سے رجوع کر لیا جاوے۔

جواب سوال چہارم: صریح نقل ملنے سے تو مایوسی تھی وجوہ مختلفہ خیال میں آئے مگر ان کا درجہ نکات و لطائف سے زیادہ نہ معلوم ہوا سب سے اخیر میں جو وجہ ذہن میں آئی اور وہ اور وجوہ سے اقرب معلوم ہوتی ہے وہ عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہ نماز خود خلاف قیاس مشروع و منقول ہوئی ہے اس لیے احکام قیاسیہ کا چلنا اس میں ضرور نہیں اور نص قرآنی سے کہ اس باب میں بوجہ اضطراب احادیث کے وہی نص ماخوذ بہ ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ طائفہ اولیٰ لاحق ہے اور طائفہ ثانیہ مسبوق۔

کما یدل علی الأول قوله تعالى: (۱) فلتقم طائفة منهم معک الیٰ قوله فإذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم وعلی الثانی قوله تعالى و لتأت طائفة أخرى لم یصلوا فلیصلوا معک اور فلیکونوا من ورائکم کی ضمیر طائفہ اولیٰ کی طرف راجع ہونا ظاہر ہے اس میں جو شخص یکونوا من ورائکم کے ساتھ متصف ہوگا وہ طائفہ اولیٰ میں داخل ہے چنانچہ اگر ثنائی نماز ہو اور کوئی شخص بعد قومہ کے شریک ہو تو وہ بھی بعد سجدہ کے یکون من ورائکم کا مامور ہونے سے طائفہ اولیٰ میں داخل ہوگا ورنہ یہ شخص کسی طائفہ میں داخل نہ ہوگا اولیٰ میں تو اس لیے کہ رکعت اولیٰ نہیں ملی اور ثانیہ میں اس لیے کہ اس ثانیہ کے آنے سے پہلے یہ شخص سجدہ سے اٹھ کر ورائکم چلا گیا لظاہر قوله تعالى فإذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم فأمر بکونهم من ورائهم بعد السجدة۔

(۱) قوله تعالى: وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ الآية: سورة النساء آیت ۱۰۲۔

اور ظاہر ہے کہ یہاں دو ہی طائفہ ہیں پس لامحالہ ایک میں داخل ہونا چاہئے اور اول میں داخل ہونا اس لیے احق ہے کہ وہ یکون من ورائکم کیساتھ متصف ہے لما مر۔ پس جس طرح ثانی میں اس شخص کو اس بناء پر طائفہ اولیٰ میں داخل کیا کہ وہ مامور ہے یکون من ورائکم کا اسی طرح رباعی میں اس شخص کو جس کو مثلاً ایک رکعت ملی ہو یا بلکہ ایک رکعت بھی نہ ملی ہو مگر تشہد میں مل گیا ہو اسی بناء مذکور پر طائفہ اولیٰ میں داخل کہیں گے اور لاحق کا حکم دیں گے۔ پس یہ شخص گو حقیقۃً لاحق نہیں مگر حکماً لاحق ہے اسی طرح لم یصلوا کی ضمیر کا طائفہ آخری کی طرف راجع ہونا بوجہ اسکے کہ وہ موصوف و صفت ہیں ظاہر ہے اس میں جو شخص لم یصلوا مع الطائفة الاولى کے ساتھ متصف ہوگا وہ طائفہ آخریٰ میں داخل ہے پس اس بناء پر جس شخص کو رباعیہ کی اخیر ملے وہ حکماً بقیہ میں مسبوق ہوگا اور تینوں میں قراءت کرے گا اور عالمگیریہ کے ایک جزئیہ سے اس تقریر کی من وجہ تائید ہوتی ہے۔

ومن دخل فی قسم غیرہ صار حکمہ حکم ذلک الغیر إلا إذا دخل بعد ما فرغ من نفسه فإن صلی الظهر بالطائفة الأولى رکعتین وانصرفوا إلا رجل بقى حتى صلی الثانية ثم انصرف فصلوته تامة؛ لأنه وإن دخل فی قسم الثانية لكن لم یصر منها لأنها فرغ من قسم نفسه کذا فی محیط السر خسی آ۵۔ (۱)

لیکن اس تقریر کی صحت موقوف ہے اس پر کہ جزئیات مذکورہ تقریر کا حکم اس کے خلاف کہیں نہ نکل آوے یا کوئی جزئی مستقل جو مستلزم ہو اس کلیہ مذکورہ تقریر کو منقول نہ نکل آوے؛ اس لیے اس میں بھی دوسرے علماء سے رجوع ضروری ہے۔ اشرف علی کیم محرم ۱۳۳۲ھ

پھر سوالات ذیل آئے

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ، صحیفہ والا آیا جس سے بہت سی مفید باتیں معلوم ہو کر نہایت مسرت ہوئی لیکن ابھی چند شبہات اپنی کم استعدادی کی وجہ سے باقی ہیں جن کے جواب کیلئے دوبارہ جناب ہی کو تکلیف دینا مناسب سمجھا اگرچہ جناب کی تکلیف احقر کی کلفت کا باعث ہے اور آپ کے وقت عزیز کا بھی خیال ہے

(۱) ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب العشرون فی صلاة الخوف، قدیم زکریا

۱/ ۱۵۵، جدید زکریا ۱/ ۲۱۶۔

مگر شوق استفادہ غالب ہے اور صحیفہ والا کے مطالعہ سے لطف ملاقات بھی تکلیف جواب کی طرف آمادہ کرتا ہے؛ اسلئے عارض مدعا ہوں کہ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلیٰ دیکھی بیشک اس میں جیسا کہ جناب نے جواب نمبر ۲ میں تحریر فرمایا ہے: لایقعہد لأنها ثالثہ اور ایک نسخہ میں لأنها ثانیۃ ہے جو دلیل منفی ہو سکتی ہے میں اس جزئیہ میں حکم قعود کو درایت و نیز اس اصل کے جو اس کی تعلیل میں خود علامہ شامیؒ نے شرح منیۃ سے نقل کیا ہے خلاف ہونے سے متخیر تھا کہ مجہد حضرت کی تحریر سے امر حق واضح ہو گیا۔ اب باقی اجوبہ کے متعلق جو امور دریافت طلب ہیں عرض ہیں۔

شبہ بر جواب اول: قیاس میں تو مقیس علیہ کا حکم مقیس کو دیتے ہیں مگر قیاس ہذا میں ایسا نہیں؛ اسلئے کہ مقیس علیہ میں جو متاخرین نے حکم جواز دیا ہے اس سے مراد مع الکرہتہ التحریمہ ہے جیسا کہ کبیری ص ۲۴۱ شرح منیۃ المصلیٰ میں ہے۔

لو ابتداء بقضاء ما سبق به قيل تفسد صلوٰتہ والأصح أنها لا تفسد ولكن تكره. (۱)
اور مقیس میں جو جناب کا فتویٰ ہے وہ ترک اولیٰ ہے پس دونوں کے حکموں میں تغائر ہوگا۔ دوسرے مقیس علیہ میں جس قول یعنی کراہت تحریمیہ پر جو فتویٰ ہوا ہے اس کی اصحیت کے بعض قائل ہیں اور مقیس میں عدم کراہت کا کوئی قائل ہی نہیں جو مستحق توسیع ہو اور خلاف ہے بھی تو زمر کا جو فساد کے قائل ہیں۔ تیسرے مقیس علیہ میں عدم فساد مع الکرہتہ کی علت ترک ترتیب واجب ہے اور یہی علت مقیس میں بھی موجود ہے پس یہ بھی حکم کراہت کا مستحق ہوگا۔

شبہ بر جواب نمبر ۳: اگر مؤتم حقیقی کو جبکہ مسبوق ہو بجائے درود و دعاء کے جس کے بعض قائل ہیں بنا بر قول صحیح ترسل کرنا چاہئے لیکن نفس تقعد زائد علی قدر التشہد میں سوائے چند مواضع عذر کے امام کا تابع ہے جیسا کہ در مختار عالمگیری رسائل الارکان میں ہے کہ مسبوق کا قبل سلام کے کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے پس لاحق کو بھی بوجہ اقتداء حکمی کے نفس تقعد زائد علی قدر التشہد الامام میں اتباع کرنا چاہئے اور اس میں تقعد طویل میں جیسا کہ مسبوق میں بعض درود و دعاء کے پڑھنے اور بعض سکوت اور بعض تکرار کے قائل ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ترسل کرے ایسے ہی اسمیں بھی ہوگا۔

(۱) حلبی کبیر، کتاب الصلاة، مفسدات الصلاة، قبیل فروع سبق برکعة، مکتبۃ

شبه بر جواب نمبر ۷: اول جواب آنے کے بعد عالمگیری کی اس عبارت:

وإن عادت الطائفة الثانية (أي الذين صلوا الركعة الثانية من الشفع الأول) صلوا الركعة الثالثة والرابعة بغير قراءة، ثم يقضون الركعة الأولى بقراءة ج ۱ ص ۱۲۵ (۱) پر نظر پڑی جس سے بالکل مطابق قیاس کے ثابت ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز خوف کی دوسری رکعت میں ملنے والا لاحق مسبوق ہے؛ لہذا دو پچھلی رکعتوں میں قراءت نہ کرے اور ایک پہلی رکعت میں قراءت کرے ایسے ہی عالمگیری کے ان دو جزیوں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

ويقضون ركعتين إحداهما بغير قراءة والثانية بقراءة وتقضى الثانية ركعتين الركعة الثانية بغير قراءة. (۲)

لیکن عبارت رد المحتار باب صلوة الخوف مندرجہ سوال نمبر ۴:

والمسبوق إن أدرك ركعة من الشفع الأول فهو من أهل الأولى وإلا فمن الثانية دلالة. (۳)

اس کے معارض ہے تو ان دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے۔ دوم وإلا فمن الثانية سے معلوم ہوا کہ قومہ یا تشہد قسم اول میں شریک ہونے والا طائفہ ثانیہ سے ہے پس احکام طائفہ ثانیہ کے اس پر جاری ہوں گے اور اسی قسم ثانی میں امام کیساتھ شریک ہونا اور بعد اتمام طائفہ اولیٰ کے قسم اول کو بقراءت قضا کرنا ہوگا اور اگر ایسا نہیں تو پھر وإلا فمن الثانية کے کیا معنی ہوں گے اور اگر یہی مراد ہے جو عرض کیا گیا تو کیا اس کی تطبیق آیت قرآنی سے یوں صحیح ہو سکتی ہے کہ مراد سجدوا سے اتموا رکعة ہے اور امر بكونهم من ورائهم مشروط بالسجدة أي الركعة ہے پس ایک رکعت سے کم پانے والا

(۱) ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب العشرون في صلاة الخوف قديم زكريا ديوبند ۱/۱۵۵،

جدید زکریا دیوبند ۱/۲۱۶۔

(۲) ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب العشرون في صلاة الخوف قديم زكريا

دیوبند ۱/۱۵۵-۱۵۶، جدید زکریا دیوبند ۱/۲۱۶۔

(۳) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب صلاة الخوف، مكتبة زكريا ديوبند

۷۵/۳، کراچی ۱۸۷/۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(یعنی رکوع رکعت اولیٰ ثنائی یا رکعت ثانیہ غیر ثنائی کے بعد ملنے والا) بوجہ فقدان شرط کے یکون من ورائکم کا مامور نہ ہوگا۔ اور لم یصلوا الركعة مع الطائفة الأولى کے ساتھ متصف ہونے سے فلیصلوا معک کا مامور ہوگا پس اُسے بعد ختم قسم اول صلوٰۃ کے مقابل عدو میں جانا ہوگا بلکہ قسم ثانی کو طائفہ ثانیہ کے ساتھ پڑھنا ہوگا۔ سوم تقریر جواب سے یہ سمجھ میں نہ آیا کہ مثلاً ظہر کی نماز خوف میں امام مسافر ہو اور مقیم دوسری رکعت میں ملے تو عالمگیریہ و شامی میں مصرح ہے کہ تینوں رکعتوں میں قراءت کرے حالانکہ صلوٰۃ امن میں ایسا نہیں اس نماز کا خلاف قیاس مشروع ہونے کا یہ نتیجہ ہو سکتا ہے کہ بعض امور میں جس میں نص وارد ہے جیسے اثنائے صلوٰۃ میں نماز سے علیحدگی وغیرہ ان میں قیاس کو مجال نہ ہو لیکن جن امور میں نص ساکت ہے اور وہ اسی نماز کی کسی صورت میں مثبت بالقیاس ہیں ان کو اسی نماز کی دوسری صورت میں باوجود اشتراک فی العلة کے بدون استحسان کے ترک کی کیا وجہ ہے مثلاً جو خلف المقیم ظہر کی دو پہلی رکعتوں میں شریک ہو اس کو دو پچھلی رکعتوں میں حکم ترک قراءت دیتے ہیں اور جو مقیم خلف المسافر ظہر کی دوسری رکعت میں شریک ہو اس کو تینوں رکعتوں میں حکم قراءت دیا ہے تو پہلی صورت میں جو حکم ترک قراءت فقہاء نے دیا ہے وہ نصی تو ہے نہیں قیاسی ہے جس کی علت اشتراک تقدیری فی الاداء ہے اور یہ علت صورت ثانیہ کی دو پچھلی رکعتوں میں بھی موجود ہے؛ اس لئے کہ اس نے اس کا التزام کیا تھا کہ باقی نماز امام کے ساتھ ادا کرے لیکن بوجہ عذر (قصر امام) کے یہ حاصل نہ ہو سکا اور یہی معنی اشتراک تقدیری فی الاداء کے ہیں پس جبکہ صلوٰۃ خوف کی ایک صورت میں اس قیاس کو چلایا گیا تو دوسری صورت میں فقہاء کا قیاس ہذا کے ترک کی کیا وجہ ہے اگر کوئی استحسان ہے تو وہ معلوم ہو اور اگر کوئی اور وجہ ہے تو وہ بیان فرمائی جاوے۔

نیا زمند سعید احمد مہتمم مدرسہ رفاہ المسلمین انکی محلہ، لکھنؤ

الجواب عن السوالات المتصلة

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تائید و موافقت فی جواب السوال الاول سے مسرور ہوا۔ بقیہ سوالات کی نسبت عرض کرتا ہوں۔

الجواب عن الشبهة على الجواب الاول

جواز مع الكراهة كاشبه مجھ کو بھی ہوا تھا مگر مراجعت کتب کی فرصت نہ ملنے سے تحقیق نہ کر سکا اب اس شبہ کی قوت آپ کی نقل سے ثابت ہوئی۔ اصل میں میری رائے کا مبنی ابتلائے عام ہے ایسے امر میں جو بہت سے خواص پر بھی خفی ہو باقی جزئیہ زیادہ تقویت کیلئے لکھ دیا تھا اگر یہ مبنی سہولت کا ہو سکتا ہے جیسا فقہاء نے لکھا ہے ”ما ضاق امر الا اتسع“ تو میرا حکم صحیح ہے ورنہ غلط۔ اس سے زیادہ میرے پاس دلیل نہیں اور نہ اپنے فتویٰ پر اصرار ہے مگر جی چاہتا ہے کہ آسانی کی جاوے۔ (*)

(*) اس کے بعد یہ واقعہ ہوا کہ ایسی صورت کے متعلق کہ مقیم مقتدی نے ایک رکعت ہو جانے کے بعد خواہ دوسری رکعت میں اور خواہ اس کے بھی بعد مسافر امام کی اقتدا کی ہو مدرسہ سہارنپور میں ایک فتویٰ لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق نہیں ہے صرف مسبوق ہے، تو یہ شخص اپنی نماز میں قراءت والی رکعتوں کو مقدم کرے اور مدرسہ دیوبند میں یہ فتویٰ لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق و مسبوق دونوں ہے؛ اس لئے غیر قراءت والی رکعتوں کو مقدم کرے، پس جس ترتیب کو بندہ جائز غیر اولیٰ کہتا تھا، وہ فتویٰ سہارن پور میں واجب ہے اور جس کو بندہ اولیٰ کہتا تھا وہ اس فتوے میں ناجائز ہے، اور فتویٰ دیوبند موافق مشہور کے ہے، ناظرین اس کی مزید تحقیق اپنے موقع اطمینان سے کر لیں اور اگر بعد تحقیق کسی کی ترجیح ثابت نہ ہو تو مثل مسائل اختلافیہ کے کسی جانب پر قصد آیا بوجہ عدم تحقیق اتفاقاً عمل کرنے والے پر ملامت نہ کی جائے اور اس کے عمل پر صحت کا حکم لگا دیا جاوے اور یہ موافق ہوگا میرے قول اوّل یعنی ہر دو کے جواز کے جس کے متعلق اس فصل کے مباحث ہیں اور بعد تحقیق تو وہی شق عمل اور تعلیم کے لئے متعین ہو جاوے گی اور ادلہ جائین کے بعض تو استنباطات میں جو بوجہ دوسری توجیہ کے احتمالات کے حجت نہیں اور بعض صریح ہیں چنانچہ فتویٰ مظاہر علوم کی دلیل عالم گیر یہی کی صلوٰۃ الخوف کی وہ روایت ہے جو اس فصل کے سب سے اول کے سوال میں منقول ہیں جس میں یہ عبارت ہے۔

وتجئ الطائفة الثانية إلى مكان صلوتهم فيصلون ثلث ركعات الأولى بفاتحة الكتاب
وسورة لأنهم مسبوقون فيها والآخر بين بفاتحة الكتاب۔

سے قولہ قرأت والی رکعتوں کو الخ قول یعنی جن میں قرأت فاتحہ مع السورۃ ضروری ہے، آخرین میں صرف فاتحہ مندوب ہے۔ ۱۲، از بندہ رشید احمد مدرس دارالعلوم کراچی۔

الجواب عن الشبهة على الجواب الثالث

چونکہ قعدہ زائد علی التثبہد خود امام ہی پر واجب نہیں اسلئے اس کو لازم قرار دیکر درجہ حکمی میں اس کی رعایت نہ کی جاوے گی جیسا خود قیام میں ضروری نہیں کہ فاتحہ کی قدر کھڑا ہو بلکہ بقدر تین تسبیح کے بھی کافی ہے گو امام کے لئے سنت بھی ہے کہ آخرین میں فاتحہ پڑھے۔

← جس سے معلوم ہوا کہ غیر اولیٰ میں ملنے والا مقیم خلف المسافر صرف مسبوق ہے اور صلوٰۃ الخوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں اور دارالعلوم کی صریح دلیل شامی کی یہ روایت ہے۔

وقد يكون (أي المقيم المؤتم بالمسافر) مسبوقاً أيضاً كما إذا فاتته أول صلوٰۃ إمامه المسافر ط ص ۶۲۱ ج ۱. أحكام المسبوق والمدرک والأحق. (شامی کراچی ۱/ ۵۹۴، زکریا ۲/ ۳۴۴) مگر مظاہر علوم کی دلیل میں نہر کے ایک جزئیہ سے جو فصل ہذا کے سب سے اخیر کے سوال میں منقول ہے جس میں یہ عبارت ہے۔

والمسبوق إن أدرك ركعة من الشفع الأول فهو من أهل الأولى وإلا فمن الثانية (ج ۱/ ص ۸۸۶، النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الخوف، زکریا دیوبند ۱/ ۳۷۸) یہ شبہ پڑ گیا کہ جیسا نہر کا یہ حکم ہوا کہ شفعہ اولیٰ کی رکعت ثانیہ پانے والا طائفہ اولیٰ میں سے قرار دیا گیا اور اس لئے اس قراءت سے منع کیا گیا، چنانچہ طائفہ اولیٰ بقیہ نماز میں قراءت نہیں کیا کرتا ہے۔

(لأنه لاحق حقيقة كمدرك الركعة الأولى' حکما كمدرك الركعة الثانية من الشفعة الأولى) اس شخص کے عدم مسبوقیت حقیقہ کو اور دوسرے مسبوقین کی طرف اس منع قراءت کے تعدیہ کو کسی کے نزدیک مستلزم نہیں ہوا اسی طرح عالم گیر یہ حکم کہ رکعت ثانیہ کا پانے والا بقیہ میں قراءت کرے اس کے عدم لاحقیت کو اور دوسرے لاحقین کی طرف اس قراءت کے تعدیہ کو بھی مستلزم نہ ہونا چاہئے؛ بلکہ نہر کے جزئیہ میں اس شخص کو حکم لاحق کہیں گے اور عالم گیر یہ کے جزئیہ میں اس شخص کو حکماً مسبوق کہیں گے اور جب نہر کا حکم صلوٰۃ الخوف کے ساتھ خاص ہوگا لعدم التعدیہ اسی طرح عالم گیر یہ کے حکم کو بھی صلوٰۃ الخوف کے ساتھ خاص کہیں گے اور دونوں حکم کسی استحسان پر مبنی ہوں گے، جو ہم کو ظاہر نہیں ہوا اور یہ دونوں جزئیہ مقیم خلف المسافر صلوٰۃ الخوف سے متعلق ہونے میں مشترک بھی ہیں، پس دونوں شقوں کی ایک حالت ہوگی، پس وہ مقدم کی صلوٰۃ خوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں مخدوش ہو گیا ۱۲۔

سے قوله والمسبوق إن أدرك الخ: اقول حضرت قدس سرہ نے اس جزئیہ کو مقیم خلف المسافر ←

الجواب عن الشبهة على الجواب الرابع

چونکہ اس کے متعلق تقریر میں کچھ پہلے ہی سے شرح صدر نہ تھا اسلئے کہ اس وقت میں نے آپ کے شبہات کو دیکھنے کے قبل ہی وہ پہلا جواب تجویز کر لیا کہ اصل سوال ہی میں دوسرے علماء سے رجوع کر لیا جاوے۔ وما أنا من المتكلفين، ۲ صفر ۱۳۳۲ھ (ترجیح ثانی ص: ۱۹۰)

طلوع آفتاب کے اندیشہ کے وقت مسبوق کا امام کے سلام کا انتظار نہ کرنے کا حکم

سوال (۴۲۵): قدیم ۱/ ۵۲۸- نماز فجر میں اگر کوئی شخص دوسری رکعت میں شریک ہوا تو امام کے ساتھ التحیات وغیرہ میں شریک ہوتا ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تب تو آفتاب نکلنے سے پہلے اپنی نماز پوری نہیں کر سکتا اور اگر امام کو قعدہ میں چھوڑ کر اپنی رکعت پوری کرتا ہے تو طلوع آفتاب سے پہلے فارغ ہو جاوے گا تو دوسری صورت مقتدی کے لئے جائز ہے یا نہ؟

← سے متعلق قرار دیا ہے، کما یدل علیہ قولہ ”اور یہ دونوں جملے مقیم خلف المسافر الخ“ اس میں حضرت قدس سرہ سے تسامح ہوا ہے؛ اس لئے کہ خلف المسافر شفعہ ثانیہ میں شرکت تو متصور ہی نہیں ہو سکتی، پس شبہ واقعہ ساقط ہو گیا اور ”فہو من الأولی“ میں یہ کچھ تصریح نہیں کہ یہ شخص رکعات ثلاثہ میں لاحق ہے؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ذہاب وایاب وغیرہ اعمال میں اور آخرین میں ترک قراءت کے حق میں طائفہ اولیٰ کی طرح ہے نہ کہ رکعت مسبوقہ میں بھی، وہو ظاہر، علاوہ ازیں سہارن پور کے فتویٰ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ نے صلوٰۃ خوف کے جزئیہ کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے تحریر فرمائے ہیں جن کا جواب نہیں دیا گیا اور دارالعلوم کی دلیل کا جواب تحریر کیا گیا ہے، نیز مولانا مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی قدس سرہ کی تحقیق بھی سہارن پور کے فتوے کے مطابق ہے۔

اس مسئلہ کی پوری تفصیلی بندہ کے فتاویٰ مسمیٰ باحسن الفتاویٰ ص: ۲۶۷ تا ۲۷۴ میں ملاحظہ ہو۔

از بندہ رشید احمد، لدھیانوی، مدرس دارالعلوم کراچی۔

الجواب: قواعد سے توجاز معلوم ہوتا ہے۔ (*) (۱)

۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ رابعہ ص ۱۶)

(*) یعنی امام کے ساتھ قدرتشہد بیٹھنے کے بعد جائز ہے۔

فی شرح المنیۃ: ولا ینبغی للمسبوق أي لایباح له أن یقوم إلی قضاء ماسبق به قبل سلام الإمام، بل یکره تحریماً..... إلا أن یکون القیام لضرورة صون صلاته عن الفساد، كما إذا خشی أن تنتظره أن تطلع الشمس قبل تمام صلوته فی الفجر..... فلا یکره أن یقوم قبل سلامه بعد قعوده قدراً لتشهد ولا یقوم قبل قعوده قدر التشهد أصلاً. (کبیری ص ۴۳۹، کتاب الصلاة، فصل فی سجود السهو، مکتبة اشرفیة دیوبند ص: ۶۶، وکذا فی البحر ۱/۳۷۸، والعالمگیریة ۱/۹۱، فی فصل المسبوق واللاحق، والدروالرد ۱/۵۵۹)

اور امام کے ساتھ قعدہ میں شریک ہوئے بغیر یا قدرتشہد بیٹھنے سے پہلے کھڑے ہونے میں تفصیل ہے جو شرح منیہ اور در مختار و ثامی (حوالہ بالا) میں ملاحظہ فرمایا جائے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) ومنها أنه لا یقوم قبل السلام بعد قدر التشهد إلا فی مواضع: إذا خاف المسبوق الماسح زوال مدّته أو صاحب العذر خاف خروج الوقت أو خاف المسبوق فی الجمعة دخول وقت العصر أو دخول وقت الظهر فی العیدین أو فی الفجر طلوع الفجر أو خاف أن یسبقه الحدث له أن لا ینتظر فراغ الإمام ولا سجود السهو. (هندیة، کتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل السابع فی المسبوق واللاحق قدیم زکریا دیوبند ۱/۹۱، جدید زکریا دیوبند ۱/۱۴۹)

ومن أحكامه أنه لا یقوم المسبوق قبل السلام بعد قدر التشهد إلا فی مواضع إذا خاف وهو ماسح تمام المدّة لو انتظر سلام الإمام أو خاف المسبوق فی الجمعة والعیدین والفجر أو المعذور خروج الوقت أو خاف أن یتدره الحدث أو أن تمرّ الناس بین یدیه. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الحدث فی الصلاة، مکتبة زکریا دیوبند ۱/۶۶۲، کوئٹہ ۱/۳۷۸)

ولا یقوم المسبوق قبل سلام الإمام بعد قدر التشهد إلا فی مواضع: إذا خاف ←

← المسبوق الماسح زوال مدته أو خاف صاحب العذر خروج الوقت أو خاف المسبوق في صلاة الجمعة دخول وقت العصر أو دخول الظهر في العيدين أو في الفجر طلوع الشمس أو خاف أن يسبقه الحدث فله أن لا ينتظر فراغ الإمام ولا سجود السهو، وكذلك إذا خاف المسبوق أن يمرّ الناس بين يديه لو انتظر الإمام قام إلى قضاء ماسبق قبل فراغه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/٦٣)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة دار لكتاب ديوبند ص: ٤٦٤ -

الدارالمختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ٣٤٩/٢، كراچي ١/٥٩٨ - شبير احمد قاسمى عفا الله عنه



۱۲/ باب السهو في الصلوة وأحكامه

قعدة اولیٰ میں سہواً تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے پر سجدہ سہو

سوال (۴۴۶): قدیم ۱/ ۵۲۸ - اگر چار رکعت کے درمیان قعدہ میں سوائے التیات کے اگر چند لفظ بھی درود شریف کے پڑھے جاویں تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سہو کا سجدہ واجب ہوگا اگر اس قدر پڑھ لیا۔ اللہم صل علیٰ محمد، (۱) فقط (امداد صفحہ ۱۳۵ ج ۱)

(۱) عن الشعبي قال: من زاد في الركعتين الأوليين على التشهد فعليه سجدة السهو. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب قدر كم يقعد في الركعتين الأوليين، مؤسسة علوم القرآن ۳/ ۴۷، رقم: ۳۰۳۹)

ولایزید فی الفرض علی التشہد فی القعدة الأولى إجماعاً فإن زاد عامداً کره فتجب الإعادة، أو ساهياً وجب عليه سجود السهو إذا قال: اللهم صلي على محمد فقط على المذهب المفتي به. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۲۲۰، کراچی ۱/ ۵۱۱)

إذا شرع في الصلاة على النبي عليه الصلاة والسلام بعد الفراغ من التشهد في الركعة الثانية ناسياً، ثم تذكر فقام إلى الثالثة قال السيد الإمام أبو شجاع والقاضي الإمام الماتريدي: عليه سجود السهو كما هو جواب مشايخنا غير أن السيد الإمام قال: إذا قال اللهم صلي على محمد وجب. وفي المضمرات: وهو المختار. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۴۰۰، رقم: ۲۷۹۰)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، المجلس العلمي ۲/ ۳۱۴، رقم: ۱۸۶۹ -

ولو زاد في القعدة الأولى على التشهد، وقال: اللهم صل على محمد يلزمه السهو. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل في ما يوجب السهو وما لا يوجب السهو، قديم زکریا ۱/ ۱۲۱، جدید زکریا ۱/ ۷۶) ←

تیسری رکعت میں سہواً بقدر تسبیح بیٹھنے پر سجدہ سہو کا وجوب

سوال (۴۴۷): قدیم ۱/۵۲۹- منیۃ المصلیٰ میں لکھا ہے کہ پہلی رکعت اور تیسری رکعت میں بیٹھنے

سے سجدہ سہو لازم ہے اور یہ عبارت ہے

و یحب سجدة السهو بمجرد الجلوس اور صاحب مقاصد الصلوٰۃ نے مقدار ایک تسبیح کی قید لگائی اور شامی میں مجرد جلوس موجب سہو نہیں لکھا ہے یعنی بقدر جلسہ استراحت اگر سہواً کوئی شخص جلسہ کرے تو سجدہ سہو واجب نہیں کیونکہ یہ جلسہ استراحت کا اختلاف بین الشافعية والحنفية اختلاف فی السنیة وعدم السنیة ہے پس جس نے جلسہ استراحت کی مقدار جلسہ کیا اس نے سنت کے خلاف سہواً کیا اور سجدہ سہو ترک واجب سے ہوتا ہے نہ ترک سنت سے پس جب اختلاف فقہاء کی عبارات میں ہوتا ہے تو یہاں بھی احتمال ہے اس لئے تحقیق کی درخواست کی خود مجھے ایسا اتفاق ایک مرتبہ ہو گیا میں نے شامی کی رائے کو رائج سمجھ کر اس پر عمل کر لیا تھا مگر پھر بھی اپنے جی کو اس مسئلہ میں پورا اطمینان نہیں اس دوسرے مسئلہ میں حضور کی کیا تحقیق ہے؟

الجواب: مجھ کو بھی مدت سے تردد ہے (*) مگر عمل اس پر ہے کہ بحر جلوس سجدہ سہو کرتا ہوں۔

(*) اس مقام کی تحقیق پر ایک حاشیہ بر خوردار مولوی محمد تقی سلمہ نے لکھا ہے جو میرے نزدیک صحیح ہے۔

۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

أقول وبالله استعین: عبارات ذیل زیر بحث مسئلے میں قابل غور ہیں:

(۱) قال في ملتقي الأبحر: ويجب إن قرأ في ركوع أو قعود أو قدم ركناً أو آخره ←

← وكذا إذا زاد على التشهد الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم لأنه آخر ركناً وهو القيام إلى الثالثة، واختلفوا في قدر الزيادة فقال بعضهم: يجب عليه سجود السهو بقوله: اللهم صل على محمد، وقال آخرون لا يجب حتى يقول: وعلى آل محمد والأول أصح. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند

۱/ ۴۷۴-۴۷۵، امدادية ملتان ۱/ ۱۹۳)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في السهو في الصلاة، جنس في

القراءة والأذكار، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۱۷۷ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

لا لأنه ترك السنة بل لان فيه التأخير فى القيام -
اور ایک تسبیح کی قدر تو عادتہ جلوس ہو ہی جاتا ہے اس میں ذرا غور کیجئے۔

۲۰ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۰۷)

← أو كرده أو غير واجباً أو تركه، كركوع قبل القراءة وتأخير القيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد. وقال شارح العلامة شيخ زاده: واختلفوا في مقدار الزيادة، فقال بعضهم: بزيادة حرف و كلام المصنف يشير إلى هذا وقال بعضهم: بقدر ركن وهو الصحيح كما في أكثر الكتب. (مجمع الأنهر ۱/ ۴۸، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۲۰-۲۲۱)

(۲) وقال تحته شارحه العلامة ابن عابدين بقدر ركن. (الحواله المستورة، الدر المنتقى في شرح الملتقى، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۲۰)

(۳) قال الإمام ظهير الدين المرغيناني: لا يجب بقوله اللهم صل على محمد وإنما المعتبر مقدار ما يؤدي فيه ركناً كذا في الظهيرية. (برجندی شرح وقایہ ۱/ ۱۴۹، شرح الوقایہ، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه بلال دیوبند ۱/ ۱۸۵)

(۴) قال ابن البزاز الكردي: سها في صلوته أنها الظهر أو العصر أو غير ذلك إن تفكر قدر ما يؤدي فيه ركن كالركوع لزم وإن قليلاً فإن شك في صلوة صلاها الخ. (الجامع الوجيز على هامش الهندية، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في السهو، قديم زكريا ۷۰/ ۴، جديد زكريا ۱/ ۴۳)

ان تمام عبارات سے مشترکہ طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تاخیر واجب کی مقدار اکثر فقہاء نے یہ قرار دی ہے کہ اتنی دیر تاخیر ہو جائے، جس میں کوئی رکن نماز مثلاً رکوع یا سجدہ وغیرہ ادا ہو سکے، اور وہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے وقفہ میں ہوتا ہے۔

بہ صرح الطحطاوی فی حاشیتہ علی المراقی حیث قال ولم یبینوا قدر الرکن وعلی قیاس ما تقدم أن يعتبر الرکن مع سنته وهو مقدر بثلاث تسيحات (طحطاوی ص: ۲۵۸)
اس قول کے علاوہ بھی بہت سے اقوال ذکر کئے گئے ہیں، جن میں سے یا تو مرجوح ہیں یا وہ کہ جن کا مال یہی نکلتا ہے، صاحب تنویر الابصار نے اس مسئلہ کو دو جگہ ذکر کیا ہے، اور بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے،
باب صفة الصلاة میں ان کی عبارت یہ ہے۔ ←

اولیین میں ضم سورت ترک ہونے پر آخرین میں ضم سورت کا حکم

سوال (۴۲۸): قدیم ۱/۵۳۱ - فرض ظہر میں پہلے دونوں رکعتوں میں ضم سورہ نہیں کیا دونوں رکعت اخیرہ میں ضم سورت کرے یا کہ نہیں اور سجدہ سہو کرے یا نہیں۔ فقط؟

← (فإن زاد عامداً كره) فتجب الإعادة (أو ساهيا وجب عليه سجود السهو إذا قال: اللهم صل على محمد) فقط (على المذهب) المفتى به لا لخصوص الصلوة بل لتأخير القيام. (شامی، ۱/۴۷۷، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۲۰، كراچی ۱/۵۱۱) اس کے تحت علامہ شامی نے کئی اقوال نقل کر کے بحر، زیلعی، شرح منیہ کبیری وغیرہ سے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ ربیع اور شرح منیہ صغیری سے علی آل محمد کی زیادتی کا مرجع ہونا ذکر کیا ہے۔ اور باب سجود السهو میں صاحب تنویر فرماتے ہیں: وتأخير قيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقدر ركن.

صاحب درمختار نے لکھا:

وقيل بحرف وفي الزيلى الأصح وجوبه اللهم صلى على محمد -

علامہ ابن عابدین نے اس تعارض کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

(قوله وفي الزيلى الخ) جزم به المصنف في متنه في فصل إذا أراد الشروع، وقال أنه المذهب واختاره في البحر تبعاً للخلاصة والخانية والظاهر أنه لاينا في قول المصنف هنا بقدر ركن تأمل. (شامی، ۱/۶۹۴، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۴۴-۵۴۵، كراچی ۲/۸۱)

جس سے معلوم ہوا کہ اللہم صلی علی محمد اور بقدر رکن دونوں اقوال کا حاصل اور مال ایک ہی نکلتا ہے تو گویا جس نے اللہم صلی علی محمد کو مقدار تاخیر قرار دیا ہے، اس نے بقدر رکن کے قول کے منافی کوئی بات نہیں کہی، وبالعکس۔

رہی وہ عبارت جو منیۃ المصلیٰ میں ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی یا تیسری رکعت کے آخر میں بیٹھ جائے تو مطلق بیٹھ جانے ہی سے سجدہ سہو واجب ہو جائے گا، خواہ مقدار رکن بیٹھا ہو یا نہیں، اسی طرح اس میں یہ بھی ہے کہ جلسہ استراحت سے سجدہ سہو لازم آجائے گا (کبیری ۴۳۲) سو اس بارہ میں تحقیق وہ ہے جو درمختار اور ردالمحتار میں لکھی گئی۔ ←

الجواب: کرنا جائز ہے اور واجب ہونے میں اختلاف ہے لیکن سجدہ سہو ہر حال میں ہے کیونکہ واجب ترک ہوا۔

← (۱) قال العلامة الحصكفيّ في واجبات الصلاة وترك قعود قبل ثانية أو رابعة وكل زيادة تتخلل بين الفرضين، وقال الشامي: تحته وكذا القعدة في آخر الركعة الأولى أو الثالثة فيجب تركها ويلزم من فعلها أيضًا تأخير القيام إلى الثانية أو الرابعة عن محله، وهذا إذا كانت القعدة طويلة أما الجلسة الخفيفة التي استحبها الشافعيّ فتركها غير واجب عندنا؛ بل هو الأفضل. (شامي، ۴۳۸/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۶۶، كراچی ۱/۶۹-۴۷۰)

(۲) قال في الدر المختار ويكبر للنهوض على صدور قدميه بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لا بأس، وقال الشامي تحته، قال شمس الأئمة الحلوانيّ الخلاف في الأفضل حتى لو فعل كما هو مذهبنا لا بأس به عند الشافعيّ، ولو فعل كما هو مذهبه لا بأس به عندنا كذا في المحيط الخ، قال في الحلية والأشبه أنه سنة أو مستحب عند عدم العذر فيكره فعله تنزيهاً لمن ليس به عذر الخ وتبعه في البحر - أقول ولا ينافي في هذا ما قدمه الشارح في الواجبات حيث ذكر منها ترك قعود قبل ثانية و رابعة لأن ذلك محمول على القعود الطويل. (رد المحتار ۱/۴۷۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۱۳-۲۱۴، كراچی ۱/۵۰۶)

اس لئے ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دو رکعتوں کے درمیان جلسہ خفیفہ عمدًا جائز ہے اور شامیؒ کی تصریح کے مطابق ترک قعود جو واجب ہے وہ قعود طویل ہے قصیر نہیں روایت کا مقتضا بھی یہی ہے؛ کیونکہ یہ فعل عمدًا جائز ہے تو سہوً بدرجة اولیٰ ہونا چاہئے۔ نیز چونکہ یہ قول ”بقدر رکن“ کی تقدیر کے مطابق ہے؛ اس لئے اسی کو ترجیح ہونا چاہئے اور جب اس روایت کے ساتھ شامیؒ کی یہ روایت مل گئی تو اس دعوے میں مزید قوت پیدا ہو گئی اور خود علامہ ابراہیم حلبیؒ کی تصریح علامہ شامیؒ نے نقل فرمائی ہے کہ:

عن شرح المنية: أنه لا ينبغي أن يعدل عن الدراية أي الدليل، فإذا وافقتها رواية. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۵۷، كراچی ۱/۴۶۴)

خلاصہ: یہ کہ جو مقدار جلسہ استراحت کی شوافع کے یہاں مسنون ہے، اس مقدار تک بیٹھنے سے سجدہ سہو لازم نہ آنا چاہئے۔ هذا ما بدا لي والله سبحانه وتعالى أعلم بالصواب۔ احقر محمد تقی عثمانی غفرلہ مکرم ۱۳۸۰ھ۔

أقول كذا في فتاوى دار العلوم ديوبند (جدید) ۴۰/۲۷۷، فهو الصحيح ۱۲۔ سعید احمد پالن پوری

في الدر المختار: بحث القراءة ولو ترك سورة أولي العشاء مثلاً قرأها وجوباً وقيل ندباً وفي رد المحتار ويسجد للسهو لو ساهيا وليعم الرباعية السرية ٥١ (١)

۱۷/ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۹ ج ۱)

اسی قسم کا ایک مسئلہ ص ۱۲۹ ج ۱ پر گزر چکا ہے (امداد ص ۱۰۷ ج ۱) اسی قسم کا ایک مسئلہ ص ۵۸ ج ۱ پر گزر چکا ہے (تمتہ ثالثہ ص ۷۷)

بھول سے تعدیل ارکان ترک کرنے کا حکم

سوال (۲۴۹): قدیم ۱/۵۳۲ - اگر سہواً تعدیل صلوٰۃ ترک شود برائے جبر نقصان فقط اعادہ واجب است یا اختیار ما بین سجدہ سہو اعادہ ہست بنیوا تو جروا؟ (*)

(*) ترجمہ سوال: اگر بھولے سے تعدیل ارکان نہ کیا تو نقصان کی تلافی کے لئے اعادہ ہی واجب ہے یا اعادہ اور سجدہ سہو میں اختیار ہے ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۵۴، کراچی ۱/۵۳۵-۵۳۶

ولو ترك المصلي قراءة السورة في أولي العشاء مثلاً عمداً كان أو سهواً وخصهما وإن كان الظاهر كذلك لقوله بعد جهراً قرأها في الآخرين، تبع الجامع الصغير، بالإخبار الجاري من المجتهد مجرى إخبار الشارع الذي هو أكد من الأمر دلالة على الوجوب وهو الأصح كما في غاية البيان، وصرح في الأصل بالاستحباب الخ. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۲۹)

فإن ترك سورة أولي العشاء قرأها بعد فاتحة أخريه (شرح الوقاية) وتحتة في السعاية: "قال فإن ترك" ظاهر إطلاق المتون تعميم الترك عن العمد، والخطأ - إلى قوله - ويسجد للسهو بالإتفاق في الفصلين جميعاً إذا تركهما ناسياً هذا إذا ترك بعد ما قيد الركعة بالسجدة وما قبله يعود إلى قراءة السورة، وينقص ما بينهما انتهى ملخصاً، فقوله: ويسجد للسهو صريح في أن وضع المسئلة في العمد والنسيان كليهما إلا أن في النسيان يسجد للسهو وفي العمد لا "قال سورة أولي العشاء" خصه بالذكر وإن كان الحكم في المغرب ←

الجواب: (*) فی الدر المختار ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا فی العمدة والسهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها يكون فاسقا أثما. (۱) وفيه تعديل الأركان وفي رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۴ فيمكن في الركوع والسجود وفي القومة بينهما حتى يطمئن كل عضو منه هذا هو الواجب عند أبي حنيفة ومحمد رحمهم الله تعالى لو تركها أو شيئاً منها ساهياً يلزمه السهو. (۲)

(*) ترجمہ جواب: فی الدر المختار ولها واجبات اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ عنہا میں سجدہ سہو واجب ہے، سجدہ اور اعادہ میں اختیار نہ ہوگا، ہاں اگر سجدہ سہو نہ کیا تو پھر متعین طور پر اعادہ ہی واجب ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← أيضاً كذلك..... قال في النهر خصهما وإن كان الحكم في الظهر أيضاً كذلك لقوله بعد جهر "قال قرأها أي وجوباً كما هو مقتضى الجامع الصغير لكنه صرح في الأصل بالاستحباب. (سعاية، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، مكتبة اشرفية ديوبند ۲/۲۷۲)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجبات الصلاة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۲۵۴۔

خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيما يوجب السهو وما لا يوجب السهو قديم زكريا ۱/۱۲۱، جديد زكريا ۱/۷۶۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۴۶، كراچی ۱/۴۵۶۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۵۷، كراچی ۱/۴۶۴۔

حكم الواجب استحقاق العقاب بتركه عمداً وعدم إكفار جاحده والثواب بفعله ولزوم سجود السهو لنقص الصلاة، بتركه سهواً أو إعادتها بتركه عمداً أي مادام الوقت باقياً، وكذا في السهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها حتى خرج الوقت تسقط مع النقصان وكراهة التحريم ويكون فاسقاً أثماً. (طحطاوي على المراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجبات الصلاة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۲۴۷-۲۴۸) ←

پس ازین روایات حاصل شد کہ در صورت مسئول عنہا سجدہ سہو واجب باشد مخیر در میان سجدہ سہو و اعادہ نباشد آری اگر سجدہ سہو نہ کرد اعادہ واجب ست علی التعمین۔ واللہ اعلم

۲۶ شوال ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۸۱ ج ۱)

خارج صلاۃ شخص کے کہنے پر امام کے عمل کرنے کا حکم اور حدیث ذوالیدین کی تحقیق

سوال (۲۵۰): قدیم ۱/۵۳۴۔ صلوٰۃ مغرب میں امام نے سہواً دو رکعت پر سلام پھیرا اور سلام ہی پھیرنے میں اس کو شبہ ہوا کہ شاید دو رکعتیں پڑھیں مگر عدم یقین اور اس شبہ کی مرجوحیت کے باعث توجہ نہ کی سلام پھیرنے کے بعد مقتدی نے کہا دو رکعت ہوئیں مقتدی کے اس قول سے اس کا شبہ رائج ہوا اور امام فوراً کھڑا ہو گیا سب مقتدی بھی کھڑے ہو گئے اور تیسری رکعت پر سلام پھیر کر سجدہ سہو کر لیا نماز ہوئی یا نہیں۔ اگر ہوئی تو اس مقتدی متکلم کی بھی ہوئی یا نہیں اسی میں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ تکلم عند الاحناف مطلق مفسد صلوٰۃ ہے خواہ اصلاح الصلوٰۃ ہو یا نہیں۔ ذوالیدین کی حدیث کس حدیث سے منسوخ ہے؟

الجواب: اس قسم کی جزئیات میں فروع مختلف لکھی ہیں۔ (*)

(*) یعنی تلقین من الخارج میں ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← وذكر صدر القضاة وإتمام الركوع وإكمال كل ركن واجب عند أبي حنيفة، ومحمد، وعند أبي يوسف، والشافعي فرض، وكذا رفع الرأس من الركوع حتى ينتصب قائماً ويطمئن كل عضو منه، وكذا في السجود ولو ترك شيئاً من ذلك ناسياً يلزمه سجدة السهو ولو تركها عمداً يكره أشد الكراهة ويلزمه أن يعيد الصلاة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۵۲۳، كوئٹہ ۱/۳۰۰)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، واجبات الصلاة، مكتبه اشرفية ديوبند

ص: ۲۹۴-۲۹۵۔

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، دار الكتب العلمية

بیروت ۱/۱۳۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کما يظهر من مطالعة الدر المختار ورد المحتار صفحہ ۵۹۶ و ۶۵۰ و ۶۷۳۔ (۱)

لیکن اس باب میں طحاوی نے خوب فیصلہ کیا ہے جس سے سب فروغ بھی متفق ہو جاتی ہیں۔ (۲)

(۱) وبهذا يعلم جهل من يستمسك عند دخول داخل بجنبه في الصف ويظن أنه رياء كما بسط في البحر؛ لكن نقل المصنف وغيره عن القنية وغيرها ما يخالفه، ثم نقل تصحيح عدم الفساد في مسألة من جذب من الصف فتأخر فهل ثم فرق؟ فليحرر (در مختار) وفي الشامية: قوله: لكن نقل الصف الخ. استدراك على ما استنبطه في البحر والفتح من الحديث بأنه مخالف للمنقول في المسألة: وعبرة المصنف في المنع بعد أن ذكر لوجذبه آخر فتأخر الأصح لا تفسد صلاته وفي القنية: قيل لمصل منفرد تقدم فتقدم بأمره أو دخل رجل فرجة الصف فتقدم المصلي حتى وسع المكان عليه فسدت صلاته، وينبغي أن يمكث ساعة، ثم يتقدم برأي نفسه، وعَلَّله في شرح القدوري: بأنه امتثال لأمر الله تعالى: هذا وقد ذكر الشرنبلالي في شرح الوهبانية ما مر عن القنية وشرح القدوري، ثم رده بأن امتثاله إنما هو لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يضر؛ لكن لا يخفى أنه تبقي المخالفة بين الفرعين ظاهرة وكأن الشارح لم يجزم بصحة الفرق الذي أبداه المصنف، فلذا قال: فليحرر: وجزم في مكروهات الصلاة وفي مفسداتها بما في القنية تبعاً لشرح المنية. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ۳۱۳/۲ - ۳۱۴، كراچی ۵۷۰/۱، زكريا ۳۸۱/۲، كراچی ۶۲۲/۱، زكريا ۴۱۲/۲، كراچی ۶۴۴/۱)

(۲) قال السيد أحمد الطحطاوي: تحت قول الدر المختار "فليحرر" حرره الشرنبلالي في شرح الوهبانية فإنه بعد ما ذكر الحديث الذي ذكره الشارح قال: وبه يندفع ما نقل عن كتاب يسمى المتجانس من أنه إذا قيل لمصل تقدم فتقدم أو دخل فرجة الصف أحد فتجانب المصلي توسعة له فسدت صلاته لأنه امتثل أمر غير الله في الصلاة، وينبغي أن يمكث ساعة، ثم يتقدم برأيه لأن امتثاله إنما هو لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يضر الخ. ما للشرنبلالي: وما نقل عن القنية هو عين ما عن المتجانس الخ حلي، أقول لو قيل بالتفصيل بين كونه امتثالاً لأمر الشارع فلا تفسد وبين كونه امتثالاً لأمر الداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمر الشارع فتفسد لكان حسناً. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الإمامة،

شامی نے صفحہ ۵۹۶ میں اس طرح نقل کیا ہے۔ (۱)

وقال لوقيل بالتفصيل بين كونه امثلا لأمير الشارح فلا تفسدو بين كونه امثلا
أمر الداخل مراعاة لخطره من غير نظر لأمر الشارح فتفسد لكان حسناؤه. (*)

پس جب امام کا شبر رائج ہو گیا تو امر شارح کے سبب سے وہ کھڑا ہوا ہے: اس لئے اس کی اور مقتدیوں کی سب کی نماز ہو گئی بجز کلام کرنے والے مقتدی کے کہ اس کی نماز بوجہ کلام کے فاسد ہو گئی جیسا حنفیہ کا مذہب مشہور اور متون میں مذکور ہے (۲) اور حدیث کے متعلق بحث اس مسئلہ میں ہے کہ مسلم میں یہ تین حدیثیں نبی عن الکلام میں وارد ہیں ایک معاویہ بن حکم سلمیٰ کی جس میں یہ ارشاد ہوا ہے:

إن هذه الصلوة لا تصلح فيها شيء من كلام الناس (۳) قلت عموم شيء لكونه نكرة
ووقوعه تحت النفي يشمل كل كلام بأى وجه كان عامدا أو ناسيا أو لإصلاح الصلوة.

(*) اس مسئلہ میں مجھے شرح صدر نہیں ہوا غور کر لیا جائے۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص: ۱۵ سعید احمد پالن پوری

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۳۱۴،
کراچی ۱/ ۵۷۱۔

(۲) یفسد الصلاة مطلقاً التكلم: أي النطق بالحروف سمي كلاماً أولاً. (النهر الفائق،
کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۲۶۶)

یفسدها أي الصلاة الکلام ولو ساهياً. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب ما یفسد
الصلاة، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۱۷۷، شامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، مکتبہ
زکریا دیوبند ۲/ ۳۷۰، کراچی ۱/ ۶۱۳)

(۳) أخرج المسلم عن معاوية بن الحكم السلمي في حديث طويل - ثم
قال: إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس إنما هو التسبيح
والتكبير وقراءة القرآن الحديث. (مسلم شریف، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۲، بیت
الأفکار رقم: ۵۳۷)

أبو داود شریف، کتاب الصلاة، باب تسميت العاطش في الصلاة، النسخة الهندية
۱/ ۱۳۴، دار السلام رقم: ۹۳۰۔

دوسری حدیث عبد اللہ بن مسعودؓ کی نجاشی کے پاس سے آنے کے وقت فقلنا یا رسول اللہ کنا نسلم علیک فی الصلوٰۃ قال إن فی الصلوٰۃ شغلا (۱) تیسری زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی کنا نسلم فی الصلوٰۃ (إلى قوله) فأمرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام (۲) قلت إطلاق الكلام فی الحديث الأخير وكذا كونه منافيا لشغل الصلوٰۃ كما فی الحديث الذى قبله يعم كل كلام.

اور یہ تینوں حدیثیں بوجہ اشتغال علی النہی کے حدیث ذوالیہدین سے ظاہراً معارض ہیں۔ اب مسلک مشہور علمائے حنفیہ کا یہ ہے کہ قصہ ذی الیہدین کو نہی عن الکلام سے مقدم کہتے ہیں اسلئے قصہ ذی الیہدین کو منسوخ اور نہی عن الکلام کو ناسخ قرار دیتے ہیں اس پر شبہ مشہور ہے کہ رجوع عن الحبشة ابتداء میں ہوا ہے اور قصہ ذی الیہدین میں حضرت ابو ہریرہؓ موجود تھے اور ان کا اسلام بعد خیبر کے ہوا ہے پس حدیث نہی کی مقدم ہے اور حدیث کلام کی مؤخر ہے پس نسخ صحیح نہیں اور حنفیہ نے جواب دیا ہے کہ ابو ہریرہؓ کا قصہ میں موجود ہونا مسلم نہیں۔ اور سند مع یہ ہے کہ ذوالیہدین بدر میں شہید ہوئے ہیں اور بدر خیبر سے بہت پہلے ہے تو ابو ہریرہؓ اس قصہ میں کس طرح موجود ہو سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ابو ہریرہؓ کسی اور سے روایت کرتے ہیں پس ممکن ہے کہ یہ قصہ حدیث نہی عن الکلام سے مقدم ہو اور منسوخ ہو باقی ابو ہریرہؓ کا یہ قول کہ بینا أن أصلى يا صلى بنایا صلى لنا محمول ہے معنی صلى بالمسلمین اور روایت بالمعنی پر پھر اس پر یہ شبہ ہوا ہے کہ مقتول بالبرذر والشمالین ہیں نہ کہ ذوالیہدین پھر اس کا جواب دیا ہے کہ دونوں نام ایک ہی کے ہیں پھر اس پر شبہ ہوا کہ امکان تقدم سے وقوع تقدم لازم نہیں آتا جواب یہ ہے کہ میح اور محرم میں جب تعارض ہوتا ہے بدلیل مذکور فی الاصول میح کو مقدم رکھ کر منسوخ کیا جاتا ہے۔

(۱) أخرج المسلم عن عبد الله قال كنا نسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو في الصلاة فإمرنا فلما رجعنا من عند النجاشي سلمنا عليه، فلم يرد علينا فقلنا يا رسول الله كنا نسلم عليك في الصلاة، فترد علينا فقال: إن في الصلاة شغلاً. (مسلم شريف، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۴، بيت الأفكار رقم: ۵۳۸)

(۲) عن زيد بن أرقم قال: كنا نتكلم في الصلاة يكلم الرجل صاحبه وهو إلى جنبه في الصلاة حتى نزلت وقوموا لله قانتين فأمرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام. (مسلم شريف، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۴، رقم: ۵۳۹)

یہ مختصر کلام ہے جو جانبین سے پیش کیا جاتا ہے (۱) اور اس احقر کا مسلک ان سب دعوؤں سے قطع نظر کر کے یہ ہے کہ آپ کا کلام فرمانا خصوصیات میں سے ہو سکتا ہے اور صحابہؓ کا کلام رسول کیساتھ تھا اور کلام مع الرسول مفسد صلوة نہیں جیسا کہ بعض علماء نے اس حدیث میں لکھا ہے کہ آپ نے ابی بن کعبؓ کو پکارا تھا پھر بعد نماز کے آپ ﷺ نے یہ آیت یاد دلائی استجبوا للہ وللرسول إذا دعاکم الاٰیة (۲) یا کلام بالایماء ہو جیسا البوداؤد میں ہے أو مئوا ٰی نعم (۳)

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

العرف الشذی علی هامس الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی الرجل یسلم فی الركعتین من الظهر والعصر، النسخة الهندیة ۱/۹۲ تا ۹۴۔
إعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب فساد الصلاة بکلام الناس مطلقاً، دار الكتب العلمیة بیروت ۵/۲۳ تا ۴۰۔

معارف السنن، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی الرجل یسلم فی الركعتین من الظهر والعصر، مکتبه اشرفیة دیوبند ۳/۵۰۴ تا ۵۲۷۔
شرح معانی الآثار، کتاب الصلاة، باب الکلام فی الصلاة لما یحدث فیها من السهو، مکتبه اشرفیة دیوبند ۱/۲۹۲-۲۹۴۔

(۲) عن أبی هریرةؓ، أن رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج علی أبی بن کعب فقال: رسول الله صلی الله علیه وسلم یا أبی وهو یصلی فالتفت أبی فلم یجبه وصلی أبی فخفف، ثم انصرف إلى رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: السلام علیک یا رسول الله! فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: وعلیک السلام ما منعک یا أبی أن تجیني إذ دعوتک فقال: یا رسول الله إني كنت فی الصلاة قال: أفلم تجد فیما أوحی الله إلی أن استجبوا لله وللرسول إذا دعاکم لما یحییکم، قال: بلی ولا أعود إن شاء الله الحدیث. (ترمذی شریف، أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل فاتحة الكتاب، النسخة الهندیة ۱/۱۱۵، دار السلام رقم: ۲۸۷۵)

(۳) عن أبی هریرةؓ قال: صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم إحدى صلاتي العشی الظهر أو العصر -إلی قوله- فقام رجل کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسمیه ذا الیدین فقال: یا رسول الله أنسیت أم قصرت الصلاة؟ قال: لم أنس ولم تقصر الصلاة، ←

 عدم فساد بالكلام مع الرسول اور ایماء کو نوئی نے شرح مسلم صفحہ ۲۱۴ (۱) میں نقل کیا ہے -
 واللہ اعلم، (امداد ص ۸۱ ج ۱)

امام کے سہو پر مقتدی کا سبحان اللہ کے علاوہ دوسرے لفظ سے لقمہ دینے کا حکم

سوال (۲۵۱): قدیم ۱/۵۳۶- امام کے سہو اقعہ پر مقتدی بجائے سبحان اللہ کے التحیات للہ کہے جو تعلیم ہے یا یوں کہے بیٹھ جاؤ نماز ہو گئی یا نہیں؟

الجواب: سبحان اللہ اور التحیات دونوں جائز ہیں (۲) اور یہ تعلیم و تلقین التحیات کی نہیں ہے

← قال: بل نسيت يا رسول الله فأقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم على القوم فقال: أصدق ذو اليمين؟ فأومؤوا أي نعم الحديث. (أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب السهو في السجدين، النسخة الهندية ۱/۱۴۴، دار السلام رقم: ۱۰۰۸)

(۱) فإن قيل كيف تكلم ذو اليمين والقوم وهم بعد في الصلاة فجوابه من وجهين أحدهما أنهم لم يكونوا على يقين من البقاء في الصلاة لأنهم كانوا مجوزين نسخ الصلاة من أربع إلى ركعتين ولهذا قال قصرت الصلاة أم نسيت، والثاني: أن هذا كان خطاباً للنبي صلى الله عليه وسلم وجواباً وذلك لا ييطل عندنا وعند غيرنا والمسئلة مشهورة بذلك، وفي رواية لأبي داؤد بإسناد صحيح أن الجماعة أو موا أي نعم فعلى هذه الرواية لم يتكلموا. (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۱/۲۱۴)

(۲) مستفاد: عن أبي هريرة ^{رض} عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: التسييح للرجال والتصفيق للنساء. (بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب التصفيق للنساء، النسخة الهندية ۱/۱۶۰، رقم: ۱۱۸۹، ف: ۱۲۰۳)

مسلم شريف، كتاب الصلاة، النسخة الهندية ۱/۱۸۰، بيت الأفكار رقم: ۴۲۲ -
 وإذا أخبر بما يعجبه فقال: سبحان الله أو لا إله إلا الله أو الله أكبر إن لم يرد به الجواب لا تفسد صلاته عند الكل. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، قدیم زکریا ۱/۹۹، جدید زکریا ۱/۱۵۸) ←

بلکہ تذکیر ہے: البتہ یہ کہنا درست نہیں کہ بیٹھ جاؤ اور اگر یہ کلمہ کہہ دیا تو اس کی نماز تو فاسد ہو جاوے گی (۱)
 اور امام کی نماز میں جواب سوال سابق میں تفصیل آچکی ہے کہ امر شائع سمجھ کر عمل کیا تو مفسد صلوٰۃ نہیں
 اور اگر محض اس کی خاطر سے اس کے کہنے پر عمل کر لیا تو مفسد صلوٰۃ ہے۔ (۲) (امداد ص ۸۳ ج ۱)

← حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل القراءة خارج الصلاة، مکتبہ

اشرفیہ دیوبند ص: ۴۴۹ -

(۱) أخرج المسلم عن معاوية بن الحكم السلمي في حديث طويل - إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس إنما هو التسبيح والتكبير وقراءة القرآن.
 (مسلم شریف، النسخة الهندية ۳۰۲/۱، بیت الأفكار رقم: ۵۳۷)

يفسد الصلاة مطلقاً التكلم: أي النطق بالحرف سمي كلاماً أولاً. (النهر الفائق،
 كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۶۶/۱)

يفسدها أي الصلاة كانت الكلام ولو سهواً أو جهلاً أو خطأ أو مكرهاً أو ناسياً
 أو في نوم لحديث مسلم إن صلاتنا لا يصلح فيها شيء من كلام الناس والعبرة لعموم
 اللفظ لا لخصوص السبب. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب يفسد الصلاة،
 دار الكتب العلمية بيروت ۱۷۷/۱)

يفسدها التكلم عمدته وسهوه قبل قعوده قدر التشهد سيان وسواء كان ناسياً أو نائماً
 أو جهلاً أو مخطئاً أو مكرهاً هو المختار الخ. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب ما
 يفسد الصلاة وما يكره فيها، مکتبہ زکریا ۳۷۰/۲، کراچی ۶۱۳/۱)

(۲) لكن نقل المصنف وغيره عن القنية وغيرها ما يخالفه، ثم نقل تصحيح عدم
 الفساد في مسألة من جذب من الصف فتأخر فهل ثم فرق؟ فليحرر (در مختار) وفي
 الشامية: قوله: لكن نقل المصنف الخ. استدراك على ما استنبطه في البحر والفتح من
 الحديث بأنه مخالف للمنقول في المسألة: وعبرة المصنف في المنع بعد أن ذكر لوجذبه
 آخر فتأخر الأصح لا تفسد صلاته وفي القنية: قيل لمصل منفرد تقدم فتقدم بأمره أو دخل
 رجل فرجة الصف فتقدم المصلي حتى وسع المكان عليه فسدت صلاته، وينبغي أن يمكث
 ساعة، ثم يتقدم برأي نفسه، وعلله في شرح القدوري: بأنه امتثال لغير أمر الله تعالى: ←

امام مسافر کے اعلان پر مقیم مقتدیوں کا عمل کرنا

سوال (۴۵۲): قدیم ۱/۵۳۶- مسافر امام کے ساتھ مقیم مقتدی سلام پھیر دے اور امام یوں کہے کہ کھڑے ہو جاؤ یا نماز پوری کرو اور وہ بلا اعتماد علی ظنہ کھڑا ہو جس کا یہ مطلب ہے کہ محض امام کے کہنے سے یا برابر والے کے بتلانے اور تعلیم کرنے سے مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں؟

← هذا وقد ذكر الشرنبلالي في شرح الوهبانية ما مر عن القنية وشرح القدوري، ثم ردّه بأن امثاله إنما هو لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يضر؛ لكن لا يخفى أنه تبقي المخالفة بين الفرعين ظاهرة وكان الشارح لم يجزم بصحة الفرق الذي أبداه المصنف، فلذا قال: فليحرر: وجزم في مكروهات الصلاة وفي مفسداتها بما في القنية تبعاً لشرح المنية: وقال: لو قيل بالتفصيل بين كونه امتثل أمر الشارع فلا تفسد وبين كونه امتثل أمر الداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمر الشارع فتفسد لكان حسناً.. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۱۳-۳۱۴، كراچی ۱/۵۷۰، زكريا ۲/۳۸۱، كراچی ۱/۶۲۲، زكريا ۲/۴۱۲، كراچی ۱/۶۴۴)

قال السيد أحمد الطحطاوي: تحت قول الدر المختار: قوله: "فليحرر" حرره الشرنبلالي في شرح الوهبانية: فإنه بعد ذكر الحديث الذي ذكره الشارح قال: وبه يندفع ما نقل عن كتاب يسمى المتجانس من أنه إذا قيل لمصل تقدم فتقدم أو دخل فرجة الصف أحد فتجانب المصلي توسعه له فسدت صلاته لأنه امتثل أمر غير الله في الصلاة، وينبغي أن يمكث ساعة، ثم يتقدم برأيه. اه لأن امثاله إنما هو لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يضر. اه ما للشرنبلالي: وما نقل عن القنية: هو عين ما عن المتجانس. اه حلي، أقول لو قيل بالتفصيل بين كونه امتثل أمر الشارع فلا تفسد وبين كونه امتثل أمر الداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمر الشارع فنفسد لكان حسناً. (طحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، المكتبه العربية كوئته ۱/۲۴۶-۲۴۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: وہی تفصیل ہے جیسے سوال بالا کے جواب میں گزری ہے۔ (۱) فقط (امداد ص ۸۳ ج ۱)

(۱) قال السيد أحمد الطحطاوي: تحت قول صاحب الدر المختار: قوله: فليحرر حرره الشرنبلالي في شرح الوهبانية: فإنه بعد ما ذكر الحديث الذي ذكره الشارح قال: وبه يندفع ما نقل عن كتاب يسمى المتجانس من أنه إذا قيل لمصل تقدم فتقدم أو دخل فرجة الصف أحد فتجانب المصلي توسعة له فسدت صلاته لأنه امتثل أمر غير الله في الصلاة، وينبغي أن يمكث ساعة، ثم يتقدم برأيه. اهـ لأن امتثاله إنما هو لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يضر. اهـ. ماللشرنبلالي: وما نقل عن القنية: هو عين ما عن المتجانس. اهـ حلي، أقول لو قيل بالتفصيل بين كونه امتثل أمر الشارع فلا تفسد وبين كونه امتثل أمر الداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمر الشارع فتفسد لكان حسناً. (طحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة عربية كوئته ۱/ ۲۴۶-۲۴۷)

لكن نقل المصنف وغيره عن القنية وغيرها ما يخالفه، ثم نقل تصحيح عدم الفساد في مسألة من جذب من الصف فتأخر فهل ثم فرق؟ فليحرر (در مختار) وفي الشامية: قوله: لكن نقل المصنف وغيره الخ. استدراك على ما استنبطه في البحر والفتح من الحديث بأنه مخالف للمنقول في المسألة: وعبارة المصنف في المنح بعد أن ذكر لوجذبه آخر فتأخر الأصح لا تفسد صلاته وفي القنية: قيل لمصل منفرد تقدم فتقدم بأمره أو دخل رجل فرجة الصف فتقدم المصلي حتى وسع المكان عليه فسدت صلاته، وينبغي أن يمكث ساعة، ثم يتقدم برأي نفسه، وعلله في شرح القدوري: بأنه امتثال لغير أمر الله تعالى:..... هذا وقد ذكر الشرنبلالي في شرح الوهبانية ما مر عن القنية وشروح القدوري، ثم رده بأن امتثاله إنما هو لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يضر الخ..... وقال: لو قيل بالتفصيل بين كونه امتثل أمر الشارع فلا تفسد وبين كونه امتثل أمر الداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمر الشارع فتفسد لكان حسناً. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۱۳-۳۱۴، كراچی ۱/ ۵۷۰، زكريا ۲/ ۳۸۱، كراچی ۱/ ۶۲۲، زكريا ۲/ ۴۱۲، كراچی ۱/ ۶۴۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

منفرد کی اقتداء کے بعد سورہ فاتحہ کو جہری نماز میں سری پڑھنے کے بعد جہری کے ساتھ اعادہ یا عدم اعادہ کا حکم

سوال (۴۵۳): قدیم ۱/۵۳۶۔ اگر منفرد نے نماز جہری شروع کی تھی اور کچھ قراءۃ خفی کر چکا تھا کہ کسی نے اس کی اقتداء کی تو جو پڑھ چکا ہے اسکے اعادہ بخیر کرنے میں اختلاف ہے اگرچہ شامی نے عدم اعادہ کو ترجیح دی ہے لیکن درمختار و بحر وغیرہ سے اعادہ مرجح معلوم ہوتا ہے یا کہ امام غلطی سے قراءۃ خفی تھوڑی کر چکا تھا کہ اس کے بعد خیال آیا تو بھی اختلاف عدم اعادہ کی صورت میں تو ظاہر ہے کہ سجدہ سہو صورت اولیٰ میں واجب نہ ہوگا اور صورت ثانیہ میں اگر مقدار مایجوز بہ الصلوٰۃ پڑھ چکا ہے تو واجب ہوگا لیکن بر تقدیر اعادہ کیا حکم ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے جیسا کہ عالمگیری میں تصریح ہے اگر اکثر فاتحہ پڑھ کر اعادہ کرے تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے تو آیا سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں صورت اولیٰ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اعادہ بقصد ہوا ہے؛ اس لئے سجدہ سہو قصد سے واجب نہیں ہوتا لیکن صورت ثانیہ میں بھی یہی حکم ہوگا کہ کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ اعادہ کی وجہ سے سجدہ سہو واجب نہ ہوگا لیکن جب مقدار مایجوز بہ الصلوٰۃ سہو خفی کر چکا ہے تو سجدہ سہو واجب ہو چکا ہے اور اس تلافی سے وہ رفع نہ ہوگا یا رفع ہو جائیگا۔ شامی نے عدم اعادہ صورت اولیٰ میں ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اعادہ فاتحہ سے سجدہ واجب ہوتا ہے اسلئے اعادہ نہ کرنا چاہئے؟

الجواب: یہ تو معلوم ہوا کہ دونوں صورتوں میں اعادہ و عدم اعادہ مختلف فیہ ہے پس اگر اعادہ نہیں کیا گیا تو اس وقت دونوں صورتوں میں یہ تفصیل ہے کہ قائلین بعدم اعادہ کے نزدیک نماز کامل رہی اور قائلین بالا اعادہ کے نزدیک نماز مکروہ ہوئی لترك الواجب اور چونکہ یہ ترک عمدًا واقع ہوا ہے اس لئے سجدہ سہو اس کا جائز نہیں ہو سکتا اور اعادہ نماز لازم ہوگا کما هو مقتضى القواعد. (۱) اور اگر اعادہ کر لیا تو اس وقت تفصیل یہ ہے کہ قائلین بالا اعادہ کے نزدیک نماز کامل ہوگی اور قائلین بعدم الاعادہ کے نزدیک نماز مکروہ ہوگی اور سجدہ سہو سے جبر نقصان نہ ہو سکے گا۔ لہذا مگر اقرب الفقہ عدم وجوب اعادہ ہے۔

(۱) ولہا واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقاً آثماً. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،

لأن فيه التحرز عن تكرار الفاتحة في ركعة وتأخير الواجب عن محله وهو موجب لسجود السهو فكان مكروها وهو أسهل من لزوم الجمع بين الجهر والإسرار في ركعة على أن كون ذلك الجمع شنيعا غير مطرد لما ذكره في آخر شرح المنية أن الإمام لوسها فخافت بالفاتحة في الجهرية ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد ولو خافت بآية أو أكثر يتمها جهرا ولا يعيد وفي القهستاني ولا خلاف أنه إذا جهر بأكثر من الفاتحة يتمها مخافتة كما في الزاهدي اه أي في الصلوة السرية وكون القول الأول نقله في الخلاصة عن الأصل كما في البحر والأصل من كتب ظاهر الرواية لا يلزم منه كون الثاني لم يذكر في كتاب آخر من كتب ظاهر الرواية فدعوى أنه ضعيف رواية ودراية غير مسلمة فافهم اه. شامى (١)

← حكم الواجب استحقاق العقاب بتركه عمداً وعدم إكفار جاحده والثواب بفعله ولزم سجود السهو لنقص الصلاة، بتركه سهواً أو إعادتها بتركه عمداً أي مادام الوقت باقياً، وكذا في السهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها حتى خرج الوقت تسقط مع النقصان وكرهه التحريم ويكون فاسقاً آثماً. (طحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجبات الصلاة، مكتبته دار الكتاب ديوبند ص: ٢٤٧-٢٤٨)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مكتبته زكريا ديوبند ٢/٢٥٠، كراچي ١/٥٣٢-

شَرَعَ منفرداً في صلاة جهرية فقرأ الفاتحة مخافتة، ثم اقتدى به جماعة يجهر بالسورة إن قصد الإمامة وإلا فلا.....سها الإمام فخافت بالفاتحة في الجهرية، ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد ولو خافت بآية أو أكثر يتمها جهراً ولا يعيد. (حلي كبير، كتاب الصلاة، مسائل شتى، مكتبته اشرفية ديوبند ص: ٦١٨)

وفي اليتيمة: سئل أبو الفضل عمن شرع في صلاة يجهر فيها بالقراءة وليس أحد يقتدي به فاختر المخافتة ولو قرأ الفاتحة، ثم دخل في صلاته جماعة أيجهر بالفاتحة أم يخافت؟ قال إن قصد الإمامة يجهر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، مكتبته زكريا ديوبند ٢/٥٩، رقم: ١٧٣٩) ←

اب رہی یہ بات کہ اگر اعادہ کر لیا تو کیا حکم ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ احتیاطاً اعادہ مناسب ہے
للتحرز عن الاختلاف اور اگر اعادہ نہ کرے تو نماز ہو جاوے گی۔ لما فيه من السعة
للاختلاف المذکور فیہا عالمگیری کا جزئیہ سو وہ مطلق نہیں ہے بلکہ مقید بسہو ہے (۱) اور صورت
ثانیہ میں اعادہ فاتحہ سے سجدہ سہو سا قطنہ ہوگا کیونکہ حکم اعادہ جبر نقصان کیلئے نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے
کہ جمع بین الجہر والمخافتة لازم نہ آئے ہذا عندنا، واللہ اعلم، فقط،

۱۶/ محرم ۱۴۲۵ھ (امداد ص ۸۴)

سوال (۲۵۴): قدیم ۱/ ۵۳۸۔ منفرد نماز جہر یہ کو سری پڑھ رہا ہے کچھ قراءت کر چکا تھا مثلاً فاتحہ
اور اس کے پیچھے ایک اور شخص آ ملا اب یہ اول سے یعنی فاتحہ سے اعادہ قراءت کرے جیسا کہ درمختار سے
مفہوم ہوتا ہے یا جہاں سے پڑھ رہا تھا وہیں سے جہر کرنا شروع کر دے؟

الجواب: درمختار میں تو دوسرے قول کی طرف بھی اشارہ ہے بلکہ یہ عنوان استدراک لانے
سے کسی قدر قول ثانی کی ترجیح مترشح ہوتی ہے اور علامہ شامی کی تحقیق سے بھی قول ثانی کی ترجیح معلوم
ہوتی ہے خصوصاً آخر شرح منیہ کے جزئیہ نے اس قول کو بہت قوی کر دیا اور شامی نے سب نقل کر کے
بعض کی تضعیف کا بھی جواب دیا ہے۔ ج ۱ ص ۵۵۵، فصل فی القراءۃ (۲) البتہ طحاوی نے قول اول
.....

«وفي المجتبى سها الإمام فخافت في الفاتحة، ثم تذكر يجهر بالسورة ولا بعيد
الفاتحة، قال شرف الأئمة: لا خلاف أنه إذا جهر بأكثر الفاتحة، ثم ذكر يتمها مخافتة ولو
خافت بأكثر الفاتحة يجهر قيل يتمها. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه
زكريا ديوبند ۱/ ۳۲۵)

(۱) عالمگیری کا جزئیہ ملاحظہ ہو: ولو قرأ الفاتحة إلا حرفاً أو قرأ أكثرها، ثم أعادها ساهياً
فهو بمنزلة ما لو قرأها مرتين كذا في الظهيرية. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في
سجود السهو قدیم زکریا ۱/ ۱۲۶، جدید زکریا ۱/ ۱۸۶)

(۲) وقيل لم يعد وجهر فيما بقي من بعض الفاتحة أو السورة كلها أو بعضها كما في القنية:
..... ولعل وجهه أن فيه التحرز عن تكرار الفاتحة في ركعة وتأخير الواجب عن محله
وهو موجب لسجود السهو فكان مكروها وهو أسهل من لزوم الجمع بين الجهر ←

کونقل کر کے اس پر کچھ کلام نہیں کیا جس سے ان کا رجحان قول اول کی طرف سمجھنے کی گنجائش ہے (۱)
لیکن راقم کے نزدیک قول ثانی کو ترجیح ہے، لقوة دليله وضعف دعوى الشناعة فى الجميع.
۱۲/ محرم ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۸)

← والإسرار فى ركعة على أن كون ذلك الجمع شيعياً غير مطرد لما ذكره فى آخر شرح المنية
أن الإمام لوسها فخافت بالفاتحة فى الجهرية ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد ولو خافت بأية
أو أكثر يتمها جهراً ولا يعيد وفى القهستانی ولا خلاف أنه إذا جهر بأكثر من الفاتحة يتمها مخافتة
كما فى الزاهدی. اهـ أى فى الصلوة السرية وكون القول الأول نقله فى الخلاصة عن الأصل كما
فى البحر: والأصل من كتب ظاهر الرواية لا يلزم منه كون الثانى لم يذكر فى كتاب آخر من كتب
ظاهر الرواية فدعوى أنه ضعيف رواية ودراية غير مسلمة فافهم. (الدر المختار مع الشامى،
كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فى القراءة، مكتبة زكريا ۲/ ۲۵۰، كراچي ۱/ ۵۳۲)
شَرَعَ مُنفَرِداً فى صلاة جهرية فقرأ الفاتحة مخافتة، ثم اقتدى به جماعة يجهر
بالسورة إن قصد الإمامة..... سها الإمام فخافت بالفاتحة فى الجهرية، ثم تذكر يجهر
بالسورة ولا يعيد ولو خافت بأية أو أكثر يتمها جهراً ولا يعيد. (حلبى كبيرى، كتاب الصلاة،
مسائل شتى، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۶۱۸)

وفى اليتيمة: سئل أبو الفضل عمن شرع فى صلاة يجهر فيها بالقراءة وليس
أحد يقتدي به فاختر المخافتة ولو قرأ الفاتحة، ثم دخل فى صلاته جماعة أيجهر
بالفاتحة أم يخافت؟ قال إن قصد الإمامة يجهر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل
الثانى فى القراءة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۵۹، رقم: ۱۷۳۹)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۲۵ -
(۱) طحاوی کی عبارت ملاحظہ ہو: قال السيد أحمد الطحطاوي: تحت قول صاحب الدر
المختار: قوله: أعادها جهراً أي وجوباً لأنه حكم الإمام فى الصلاة الجهرية وجهه أن الجهر
فيما بقي صار واجباً بالإقتداء والجمع بين الجهر والمخافتة فى ركعة واحدة شنيع بحر، والعلة
تقتضي أنه لو أئتم به بعد قراءة بعض السورة أنه يعيد الفاتحة والسورة وإلا لزم الإسرار بعد
وجوب الجهر أو الأمر الشنيع الخ. (طحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، صفة الصلاة،
مكتبة كوئته ۱/ ۲۳۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سجدہ سہو کے بعد تشهد پڑھنے کا حکم

سوال (۲۵۵): قدیم ۱/۵۳۹ - ایک صاحب اکثر سہو کا سجدہ بلا تشهد کرتے ہیں اور تشهد کا ثبوت حدیث صحیح نص صریح سے مانگتے ہیں؟

الجواب: فی الحدیث المتفق علیہ عن ابن مسعودؓ قال علیہ السلام إذا شک أحدکم فی صلوٰتہ فلیتحر الصواب فلیتم علیہ ثم لیسلم ثم یسجد سجدة ینتفق علیہ (۱) وأیضاً فی المتفق علیہ مرفوعاً حتیٰ إذا قضی الصلوٰة وانتظر الناس تسلیمہ کبر وهو جالس فسجد سجدة ین (۲) وفی حدیث الترمذی عن عمران بن حصین أن النبی ﷺ صلی بہم فسہی فسجد سجدة ین ثم تشهد ثم سلم کذا فی مشکوٰۃ (۳)

(۱) بخاری شریف، کتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، النسخة الهندية ۱/۵۸، رقم: ۳۹۹، ف: ۴۰۱)

مسلم شریف، کتاب المساجد، باب السهو فی الصلاة والسجود له، النسخة الهندية ۱/۲۱۱-۲۱۲، بیت الأفكار رقم: ۵۷۲ -

(۲) عن عبد الله بن بحينة أنه قال: صلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين من بعض الصلوات فلم يجلس فقام الناس معه فلما قضى صلاته ونظرنا تسليمه كبر قبل التسليم فسجد سجدة ین وهو جالس ثم سلم. (بخاری شریف، کتاب السهو، النسخة الهندية ۱/۱۶۳، رقم: ۱۲۱۰، ف: ۱۲۲۴)

مسلم شریف، کتاب المساجد، باب السهو فی الصلاة والسجود له، النسخة الهندية ۱/۲۱۱، بیت الأفكار رقم: ۵۷۰ -

مشکوٰۃ شریف، کتاب الصلاة، باب السهو، الفصل الاول، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۹۲-۹۳ -

(۳) ترمذی شریف، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی التشهد فی سجدة السهو، النسخة الهندية ۱/۹۰، دار السلام رقم: -

مشکوٰۃ شریف، کتاب الصلاة، باب السهو، الفصل الثاني، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۱/۹۳ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حدیث اول میں فلیتم علیہ سے تشہد قبل سجدہ سہو ثابت ہے کیونکہ بدون تشہد کے صلوٰۃ ناقص ہے اسی طرح حدیث ثانی سے کیونکہ بدون تشہد کے انتظار سلام کا نہیں ہو سکتا اور حدیث ثالث سے تشہد بعد سجدہ سہو ثابت ہے پس مجموعہ سے مجموعہ ثابت ہو گیا۔ (*) فقط واللہ اعلم

یکم ربيع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۹ ج ۱)

تشہد کے بعد سہو کی صورت میں تشہد کے تکرار کا حکم

سوال (۲۵۶): قدیم ۱/۵۴۰۔ قعدہ اخیرہ میں بعد تشہد کے امام نے سلام پھیر دیا درود نہیں پڑھا

مقتدی نے اللہ اکبر کہا اب امام پھر تشہد پڑھ کر سجدہ سہو ادا کرے یا کہ سجدہ سہو نہ کرے؟

الجواب ():** خروج بفعل مصلیٰ جو کہ فرض ہے اُس میں تاخیر ہوئی اس لئے سجدہ سہو واجب ہے اور اُسی طرح واجب ہے جس طرح اس کا طریقہ مشروع ہے یعنی تشہد کے بعد کیونکہ جو تشہد پڑھا جا چکا ہے وہ قبل سہو ہوا تھا لہذا وہ کافی نہ ہوگا۔ فقط

یکم ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۲ ج ۱)

(*) پھر رحمت مہداتہ میں ابوداؤد و نسائی کی روایت سے ایک حدیث نظر سے گزری، جس میں

مجموعہ تشہدین مصرح ہے۔

عن عبد الله بن مسعود عن رسول الله صلى الله عليه قال: إذا كنت في صلوٰۃ فتشككت في ثلث أو أربع أكبر ظنك على أربع تشهدت، ثم سجدت سجدتين وأنت جالس قبل أن تسلم ثم تشهدت أيضاً ثم تسلم. (أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب من قال يتم على أكثر ظنه، النسخة الهندية ۱/۴۷، دار السلام رقم: ۱۰۲۸)

(**) اس جواب میں تسامح ہوا ہے اور غالباً منشا تسامح یہ ہے کہ بادی النظر سوال سے معلوم ہوتا

ہے کہ سائل کے نزدیک یہ امر متعین ہے کہ امام نے سلام جو پھیرا ہے وہ نا کافی ہے اور اسے دوسرا سلام خروج صلوٰۃ کے لئے پھیرنا ہوگا اور ترداس کو صرف اس امر میں ہے کہ آیا اس صورت میں سجدہ سہو کرنا چاہئے یا نہیں؟ اگر کرنا چاہئے تو تشہد پڑھ کر یا بلا تشہد؟ اس تعین سے حضرت مولانا کو دھوکا ہو گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ خروج بفعل مصلیٰ جو کہ فرض ہے، اس میں تاخیر ہوئی الخ لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے؛ بلکہ صحیح جواب یہ ہے کہ امام کی نماز تمام ہوگئی اور سجدہ سہو کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔ ←

سوال (۲۵۷): قدیم ۱/۵۴۰۔ بہشتی زیورص: ۷۰/ اگر چوتھی رکعت پڑھی اور التحیات پڑھ کر کھڑی ہوگئی تو سجدہ کرنے سے پہلے جب یاد آوے بیٹھ جاوے اور التحیات نہ پڑھے بلکہ بیٹھ کر ترت سلام پھیر کر سجدہ کرے۔ عبارت در مختار بھی اس کی مؤید ہے۔

وإن قعد فی الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد وسلم ولو سلم قائماً صح. الخ (۱)

← **تنبیہ:** اس جواب پر کسی شخص نے دوسرے عنوان سے شبہ کیا ہے جس کا جواب حضرت مولانا نے بلامراجعت الی اصل الکتاب دیا ہے، وہ سوال و جواب ملکھات تہ اولیٰ فتاویٰ امدادیہ ۳۳۱ میں درج ہیں سو بجائے اس جواب کے جو وہاں درج ہے، یہ صحیح جواب سمجھنا چاہئے کہ مسئلہ بہشتی زیور صحیح ہے اور جواب فتاویٰ غلط ہے، اور منشاء غلطی عنوان سوال سائل ہے اور صحیح جواب سوال فتاویٰ کا یہ ہے کہ نماز تمام ہوگئی سجدہ سہو کی ضرورت نہیں، حضرت مولانا مظہم العالی نے ترجیح الراجح حصہ سوم ۲۰۰ مطبوعہ مطبع کانپور میں اس مسئلہ کے متعلق اپنا تردّد ظاہر فرمایا ہے جیسا کہ سوال ۴۵۸ کے آخر میں آ رہا ہے اور تحقیق کا مشورہ دیا ہے جو احقر نے عرض کی ہے۔

۱۲ واللہ اعلم (الفتح الاغلاط ص: ۱۷)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب سجود السہو، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۵۳، کراچی ۲/۸۷۔

وإن قعد الجلوس الأخير قدر التشهد، ثم قام ولو عمداً وقرأ ورکع عاد للجلوس لأن مادون الركعة بمحل الرقص وسلم فلو سلم قائماً صح وترك السنة لأن السنة التسليم جالساً من غير إعادة التشهد لعدم بطلانه بالقيام. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب سجود السہو، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۴۷۰)

وإن قعد فی الرابعة قدر التشهد، ثم قام إلى الخامسة ولم یسلم یظنّها القعدة الأولى عاد إلى القعود ما لم یسجد فی الخامسة ویسلم ویسجد للسہو؛ لأن التسليم فی حالة القيام غیر مشروع فی الصلاة المطلقة فإن سلم قائماً لا تفسد صلاته ولو عاد لا یعيد التشهد. (الجوهر النيرة، کتاب الصلاة، باب سجود السہو، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ۱/۹۴)

ولو قعد فی الرابعة، ثم قام، ولم یسلم عاد إلى القعدة ما لم یسجد للخامسة (هدایة) وتحتھا فی الفتح: قوله: عاد إلى القعدة إنما یعود مع أنه لو لم یعد وسلم قائماً حکم بصحة فرضه وإذا عاد لا یعيد التشهد. (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب سجود السہو، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۵۲۷-۵۲۸، کوئٹہ ۱/۴۳۶-۴۳۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فتاویٰ امدادیہ حصہ اول ص ۹۴، میں مذکور ہے سجدہ سہو واجب ہے اور اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کا طریقہ مشروع ہے یعنی تشہد کے بعد کیونکہ جو تشہد پڑھا جا چکا ہے وہ قبل سہو ہوا تھا لہذا وہ کافی نہ ہوگا۔ گزارش یہ ہے کہ عبارت مزکورہ میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

الجواب: یہ قواعد سے لکھ دیا ہوگا جواب اول صحیح ہے۔

۲۱/ رجب ۱۳۳۲ھ (تمتہ اولیٰ ص ۳۴۱)

قعدہ اولیٰ میں تشہد کا تکرار موجب سجدہ سہو ہے قعدہ اخیرہ میں نہیں

سوال (۴۵۸): قدیم ۱/۵۴۰۔ کوئی سورت یا التحیات دو دفعہ پڑھ لیں تو سجدہ سہو جائز ہے یا کیا؟ پہلے جواب ذیل لکھا گیا تھا۔ سورۃ کو دو دفعہ پڑھنے میں سجدہ سہو نہیں ہے کیونکہ اس کو تطویل قراءت سمجھا جاوے گا (۱) اور تکرار تشہد میں سجدہ سہو ہوگا کہ فرض میں یعنی خروج عن الصلوٰۃ میں تاخیر ہوئی۔ یہ جواب قواعد سے دیا گیا ہے اگر کوئی خاص جزئیہ اس کے خلاف مل جاوے تو وہ مقدم ہوگا۔ ۱۸/ صفر ۱۳۳۳ھ مگر پھر مولوی ابوالحسن صاحب نے اس کے خلاف یہ جزئیہ لکھا۔

فی الطحطاوی شرح مراقی الفلاح ص: ۲۵۷ ولوقرأ آية بعد التشهد فإن كان في الأخير فلا سهو عليه لعدم ترك واجب لأنه موسع له في الدعاء والثناء بعده فيه

(۱) البتہ فرائض میں قصد ایک رکعت میں ایک سورۃ بار بار پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

ویکروہ تکرار السورة في ركعة واحدة من الفرض وقيد بالفرض لأنه لا يكره في النفل لأن شأنه أو سع لأنه صلى الله عليه وسلم قام إلى الصباح بآية واحدة يكررها في تهجد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات قديم ص: ۱۹۳)

ویکروہ تکرار السورة في ركعة واحدة في الفرائض ولا بأس بذلك في التطوع كذا في فتاوى قاضيخان. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره قديم زكريا ۱/۱۰۷، جديد زكريا ۱/۱۶۶)

والقراءة تشتمل عليهما ولو قرأ التشهد مرتين في القعدة الأخيرة أو تشهد قائماً أو راکعاً أو ساجداً لاسهوا عليه منية المصلي. (۱)

پس اب صورت مسئلہ کے جواب میں تفصیل ہوگی کہ اگر اتحیات قعدہ اولیٰ میں دوبار پڑھی ہے تو سجدہ سہو ہوگا اور اگر قعدہ اخیرہ میں پڑھی ہے تو سجدہ سہو نہ ہوگا۔

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

اسی طرح ایک مسئلہ فتاویٰ امدادیہ جلد اول ص ۹۴ میں چھپ گیا ہے اسلئے اسمیں بھی شبہ ہو گیا اس کی بھی دوبارہ تحقیق کر لی جاوے۔ اور وہ سوال اس عبارت سے شروع ہوا ہے قعدہ اخیرہ میں بعد تشهد کے الخ، اور جواب اس عبارت سے شروع ہوا ہے۔ خروج بفعل مصلي الخ۔

اور اس کی تحریر کی تاریخ یکم ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ ہے۔ فقط (ترجیح ثالث ص ۱۹۹)

نماز میں سجدہ تلاوت کے احکام

سوال (۲۵۹): قدیم ۵۴۲/۱۔ اگر امام نے سجدہ تلاوت نماز میں سہو کیا اور جب یاد آیا تو اسی رکعت میں یا دوسری رکعت میں ادا کیا پس سجدہ سہو اس پر واجب ہوا یا نہیں اور اگر سجدہ تلاوت بعد فراغ نماز کے یاد آیا تو جبر اس نقصان کا کس طرح کرے آیا دوسرے شفع تراویح میں سجدہ تلاوت ادا کرے یا نماز کا مع قراءۃ وسجدہ تلاوت اعادہ کرے؟

الجواب: (*) سجدہ تلاوت علی الفور واجب ہے (***) اور معنی علی الفور کے یہ ہیں کہ دو یا تین آیات سے زیادہ فصل نہ ہو پس جب اپنے فعل سے سہو تاخیر ہوگئی تو جب یاد آوے اس وقت ادا کر لے اور بوجہ ترک واجب کے بنا بر مذہب مختار کے سجدہ سہو اس پر واجب ہوگا۔

(*) اس سلسلہ میں سوال نمبر ۴۶۶ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) یعنی صلاتی سجدہ تلاوت علی الفور ادا کرنا واجب ہے الخ۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب سجود السہو، مکتبہ

دارالکتاب دیوبند ص: ۴۶۱۔

وفي الذخيرة: وكذلك تكرار التشهد على هذا التفصيل يعني إن كررها ←

وهى على التراخى إن لم تكن صلوية فعلى الفور لصيرورتها جزءاً منها وياً ثم بتأخيرها و يقضيها مادام فى حرمة الصلوة ولو بعد السلام فتح آه. درمختار. قوله فعلى الفور تفسير الفور عدم طول المدة بين التلاوة والسجدة بقراءة أكثر من آيتين أو ثلاث على ماسياتى حلية قوله وياً ثم بتأخيرها ولذا كان المختار وجوب سجود السهو لو تذكرها بعد محلها كما قد مناه فى بابه عند قوله بترك واجب آه. رد المحتار. (١)

← فى القعدة الأولى فعليه السهو، وإن كررها فى القعدة الثانية فلا سهو عليه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر فى سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ٣٩٢/٢، رقم: ٢٧٦١)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر فى سجود السهو، المجلس العلمي ٣١٥/٢، رقم: ١٨٧٠ -

ولو كرر التشهد فى القعدة الأولى فعليه السهو..... ولو كررها فى القعدة الثانية فلا سهو عليه كذا فى التبيين. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثانى عشر فى سجود السهو، قديم زكريا ١٢٧/١، جديد زكريا ١٨٧/١)

أو قرأ التشهد مرتين فى القعدة الأخيرة أو تشهد قائماً أو راکعاً أو ساجداً لا سهو عليه. (حلبى كبيرى، كتاب الصلاة، فصل فى سجود التلاوة، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٤٦٠)

(١) الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبه زكريا ديوبند ٥٨٤/٢، كراچي ١٠٩/٢ - ١١٠.

وأما ما وجب أداءها فى الصلاة، فوقتها فور الصلاة لما مر أن وجوبها فى الصلاة على الفور وهو أن لا تطول المدة بين التلاوة وبين السجدة فأما إذا طالت فقد دخلت فى حيز القضاء وصار آثماً بالتفويت عن الوقت ثم الأمر فى مقدار الطول على ما ذكرنا من اختلاف المشايخ (وهو قوله) وأكثر مشايخنا لم يقدرُوا فى ذلك تقديرًا فكان الظاهر أنهم فوضوا ذلك إلى رأي المجتهد كما فعلوا فى كثير من المواضع، وبعض مشايخنا قالوا: إن قرأ آية أو آيتين لم تطل القراءة وإن قرأ ثلاث آيات طالت، ←

اور اگر بعد فراغ یاد آیا سواگر عمداً چھوڑا تھا تو اس کا تدارک بجز استغفار کے کچھ نہیں۔ اور اگر سہواً چھوٹ گیا تھا سواگر علی الفور اس شخص نے بعد تلاوت آیت سجدہ کے رکوع کر کے سجدہ نماز کا کیا تھا تب تو سجدہ تلاوت بھی ادا ہو گیا اگر چہ نیت نہ کی ہو اور اگر اس طرح ادا نہیں ہو اپس اگر کوئی عمل منافی نماز کے ہنوز صادر نہیں ہوا تو اس وقت ادا کر کے سجدہ سہو کرے ورنہ بجز استغفار کے کچھ چارہ نہیں اور اعادہ شفعہ سے کچھ نہیں ہوتا کیونکہ اگر اسمیں سجدہ کیا بھی تو اس شفعہ اولیٰ سے تو خارج ہے۔

ولو تلاها في الصلوة سجدها فيها لا خارجها لما مر وفي البدائع وإذا لم يسجد أثم فتلزمه التوبة در مختار قوله وإذا لم يسجد أثم الخ أفاد أنه لا يقضيها قال في شرح المنية: وكل سجدة وجبت في الصلوة ولم تؤد فيها سقطت أي لم يبق السجود لها لفوات محله اه أقول وهذا إذا لم يركع بعدها على الفور والإدخلة في السجود وإن لم ينوها كما سيأتي وهو مقيد أيضاً بما إذا تركها عمداً حتى سلم وخرج من حرمة الصلوة أما لو سهواً وتذكرها ولو بعد السلام قبل أن يفعل منافيآت بها ويسجد للسهو كما قدمناه اه رد المحتار (۱) واللہ اعلم

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ (امداد ص ۱۰۰ ج ۱)

← وصارت السجدة بمحل القضاء. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، سجدة التلاوة، بيان وقت أدائها، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۴۴۸)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱۸/۲، كوئٹہ ۱/ ۴۷۰ -

ولو سلم وعليه سجدة التلاوة وسجدتا السهو إن سلم وهو غير ذاكر لهما أو ذاكر للسهو خاصة فإن سلامه لا يكون قاطعاً للصلاة ويسجد للتلاوة أولاً، ثم يشهد ويسلم ثم يسجد للسهو. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۱۹۰/۲، كوئٹہ ۲/ ۱۰۷)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في السهو في الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱۷۹/۱ -

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند

۵۸۵/۲، کراچی ۱۱۰/۲ -

سورت بھولنے والے کو رکوع سے عود کر جانے کا حکم

سوال (۴۶۰): قدیم ۱/۵۴۳- نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھی اور سورت ملانے کو بھول گیا جب رکوع میں گیا اور تسبیح پڑھنے لگا تسبیح پڑھ چکا تب یاد ہوئی کہ سورت نہیں ملائی، اب قیام کی طرف عود کرے اور سورت پڑھے اور پھر رکوع کرے تب سجدہ میں جاوے یا بلا سورت ملائے رکوع سے سجدہ میں چلا جائے اولیٰ کیا ہے۔ بینوا توجروا، فقط؟

الجواب: اس صورت میں قیام کی طرف عود کرے اور سورت ملائے پھر رکوع کرے تب سجدہ میں جاوے۔ (*)

فی الدر المختار: باب سجود السهو کرکوع قبل قراءة الواجب إلى قوله فلو تذكر ولو بعد الرفع من الركوع عاظم أبعاد الركوع ۵۱. (۱)
 ۵ ربيع الاول ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۴)

(*) یہ اولیٰ صورت کا بیان ہے (شامی ۵۰۰/۶۹۳) اور یہ بھی جائز ہے کہ رکوع کے بعد سجدہ میں چلا جائے اور آخر میں سجدہ سہو کرے (فتاویٰ دارالعلوم جدید ۴/۳۹۸) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← ولو ركع لصلاته على الفور وسجد تسقط عنه سجدة التلاوة نوى في السجدة للتلاوة أو لم ينو. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والعشرون في سجدة التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۷۸، رقم: ۳۰۵۹۰)

ويجزئ عن سجدة التلاوة ركوع الصلاة إن نواها ويجزئ عنها أيضا سجودها أي سجود الصلاة، وإن لم ينوها إن لم ينقطع فور التلاوة بأن يقرأ أكثر من آيتين بعد آية سجدة التلاوة بالإجماع. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ص: ۴۸۶-۴۸۷)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۴۳-۵۴۴، کراچی ۲/۸۰- ←

تعداد رکعات بھول جانے کی صورت میں امام و مقتدی کے اختلاف کا حکم

سوال (۴۶۱): قدیم ۵۴۴/۱ - چار رکعت کی نماز امام نے پانچ رکعت پڑھیں اور چوتھی رکعت پر قعدہ نہیں کیا اور پانچویں رکعت پوری پڑھ لی اور سوائے کہنے نمازیوں کے اس کو بذاتہ کوئی شبہ بھی نہیں ہے کہ چار سے زیادہ پڑھی گئی ہیں ایسی حالت میں نماز امام اور مقتدیوں کیلئے کیا حکم ہے؟

الجواب: فی العالمگیریۃ: ولو وقع الاختلاف بین الإمام والقوم فقال القوم صلیت ثلاثاً وقال الإمام صلیت أربعاً إن کان الإمام علی الیقین لا یعید الصلوۃ بقولهم وفيها أيضاً ولو کان الإمام استیقن أنه صلی ثلاثاً، وواحد استیقن بالتمام

← وفي الخانية: إذا ركع ولم يقرأ السورة رفع رأسه وقرأ السورة وأعاد الركوع وعليه السهو، هو الصحيح. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۹۱، رقم: ۲۷۵۹)

ولو ترك السورة فتذكرها في الركوع أو بعد الرفع منه قبل السجود، فإنه يعود ويقرأ السورة ويعيد الركوع وعليه السهو. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۴۶۰ - ۴۶۱)

ولو قرأ الفاتحة وآيتين فخر راعكاً ساهياً، ثم تذكر فعاد وأتم ثلاث آيات فعليه سجود السهو. وفي المحيط: لو ترك السورة فذكرها قبل السجود عاد وقرأها..... ومتى عاد في الكل فإنه يعيد ركوعه لارتفاعه. وفي الخلاصة ويسجد للسهو فيما إذا عاد أو لم يعد إلى القراءة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۶۶، كوئثه ۹۴/۲)

تذكر ترك السورة في الأولى أو الثانية في الركوع أو بعد الرفع منه قبل السجدة عاد وقرأ السورة وركع ولزمه ولو قنت ففيه روايتان ولزمه السهو عاد أم لا. (بزاوية على الهندية، الفصل السادس عشر في السهو، قدیم زكريا ۴/۶۴، جدید زكريا ۱/۴۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

كان عليه أن يعيد بالقوم ولا إعادة على الذي تيقن بالتمام هذا
فى المحيط ص ٥٩. (١)

(١) هندية، كتاب الصلاة، الفصل السابع فى المسبوق واللاحق، قبيل الباب السابع فى الحدث فى الصلاة، قديم زكريا ٩٣/١، جديد زكريا ١٥١/١. وإذا وقع الاختلاف بين الإمام والقوم، فقال القوم: صليت ثلاثاً وقال الإمام صليت أربعاً، فإن كان بعض القوم مع الإمام يؤخذ بقول من كان مع الإمام ويترجح من كان مع الإمام بسبب الإمام، وإن لم يكن بعض القوم مع الإمام ينظر إن كان الإمام على يقين لا يعيد الإمام الصلاة. وفى الفتاوى العتابية: وأعاد القوم، وإن لم يكن على يقين أعاد بقولهم..... وفى فتاوى أهل سمرقند: إذا صلى الإمام بقوم واستيقن واحد منهم أن الإمام صلى أربعاً ويستيقن واحد منهم أنه صلى ثلاثاً والإمام والقوم فى شك، فليس على الإمام والقوم شئ ولا يستحب للإمام إعادة وعلى الذي استيقن بالنقصان إعادة لأن تيقنه لا يبطل بيقين غيره. وفى الظهيرية: ولا إعادة على الذي تيقن بالتمام. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثامن، مسائل الاختلاف الواقع بين الإمام والمأموم، مكتبه زكريا ٤٣٦/٢، رقم: ٢٩٠٤-٢٩٠٦)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثامن عشر، المجلس العلمي ٣٤٢/٢-٣٤٣، رقم: ١٩٣٦-١٩٣٨. وفى الشرح لو اختلف الإمام والمؤتمون فقالوا ثلاثاً وقال أربعاً إن كان على يقين لا يأخذ بقولهم وإلا أخذ..... ولو استيقن واحد بالتمام وآخر بالنقص وشك الإمام والقوم لا إعادة على أحد إلا على متيقن النقص لأن يقينه لا يبطل بيقين غيره، ولو كان الإمام استيقن أنه صلى ثلاثاً كان عليه أن يعيد بالقوم ولا إعادة على متيقن التمام لما قلنا. (حاشية الطحطاوى على المراقي، كتاب الصلاة، فصل فى الشك، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٤٧٦)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ١٩٣/٢، كوثته ١٠٩/٢ -

وفیہا من الظہیریۃ: قال محمد بن الحسن: أما أنا فأعید بقول واحد عدل بكل حال ص ۸۴. (۱)

روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ امام کی نماز ہوگئی اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی اور روایت ثالثہ سے معلوم ہوا کہ امام کیلئے بھی بہتر ہے کہ مقتدیوں کے کہنے سے اعادہ کرے۔ (تمتہ اولیٰ ص ۱۶)

صلوٰۃ ثنائیہ یا ثلاثیہ میں ایک دو رکعت زیادہ ہو جانے کا حکم

سوال (۴۶۲): قدیم ۱/۵۴۴ - دو رکعت کی نماز میں اگر ایک یا دو رکعت زیادہ پڑھی گئی تو اس کیلئے کیا حکم ہے؟

الجواب: وہی حکم ہے جو سوال ما قبل کے جواب میں لکھا گیا ہے جبکہ بدون تعدہ اخیرہ کے ایک رکعت زیادہ پڑھی گئی (۲)۔ (حوالہ بالا)

(۱) ہندیۃ، کتاب الصلاۃ، قبیل الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ، قدیم زکریا ۱/۱۳۱، جدید زکریا ۱/۱۹۱۔

وفی الظہیریۃ: قال محمد بن الحسن: أما أنا فأعید بقول واحد عدل بكل حال. (الفتاویٰ التاتاریخانیۃ، کتاب الصلاۃ، الفصل الثامن عشر مسائل الاختلاف الواقع بین الإمام والمأموم، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۳۷، رقم: ۳۹۰۸)

(۲) لو وقع الاختلاف بین الإمام والقوم، فقال القوم: صلیت ثلاثاً وقال الإمام صلیت أربعاً، إن کان الإمام علی الیقین لا یعید الصلاۃ بقولہم. ولو کان الإمام استیقن أنه صلی ثلاثاً وواحد استیقن بالتمام کان علیہ أن یعید بالقوم ولا إعادة علی الذی تیقن بالتمام هكذا فی المحيط. (ہندیۃ، کتاب الصلاۃ، قبیل الباب السابع فی الحدث فی الصلاۃ، قدیم زکریا ۱/۹۳، جدید زکریا ۱/۱۵۱)

وفي الشرح: لو اختلف الإمام والمؤمنون فقالوا ثلاثاً وقال أربعاً إن كان على يقين ←

بصورت ترک قعدہ اخیرہ ایک رکعت یا زیادہ کے اختلاف کا حکم

سوال (۴۶۳): قدیم ۱/۵۴۴۔ بعض نمازی ایک رکعت کا بہ ترک قعدہ اخیرہ کے پڑھا جانا بیان کرتے ہیں اور بعض کو کچھ یاد نہیں ہے جن کو یاد ہے ان کی نماز کی نسبت کیا حکم ہے اور جن کو کچھ یاد نہیں ہے ان کی نماز کیلئے کیا حکم ہے؟

← لا يأخذ بقولهم وإلا أخذ ولو استيقن واحد بالتمام وآخر بالنقص وشك الإمام والقوم لا إعادة على أحد إلا على متيقن النقص لأن يقينه لا يبطل بيقين غيره، ولو كان الإمام استيقن أنه صلى ثلاثاً كان عليه أن يعيد بالقوم ولا إعادة على متيقن التمام لما قلنا. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في الشك، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۴۷۶)

وإذا وقع الاختلاف بين الإمام والقوم، فقال القوم: صليت ثلاثاً وقال الإمام صليت أربعاً، فإن كان بعض القوم مع الإمام يؤخذ بقول من كان مع الإمام ويترجح من كان مع الإمام بسبب الإمام، وإن لم يكن بعض القوم مع الإمام ينظر إن كان الإمام على يقين لا يعيد الإمام الصلاة. وفي الفتاوى العتابية: وأعاد القوم، وإن لم يكن على يقين أعاد بقولهم..... وفي فتاوى أهل سمرقند: إذا صلى الإمام بقوم واستيقن واحد منهم أن الإمام صلى أربعاً ويستيقن واحد منهم أنه صلى ثلاثاً والإمام والقوم في شك، فليس على الإمام والقوم شيء ولا يستحب للإمام الإعادة وعلى الذي استيقن بالنقصان الإعادة لأن تيقنه لا يبطل بيقين غيره. وفي الظهيرية: ولا إعادة على الذي تيقن بالتمام. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثامن، مسائل الاختلاف الواقع بين الإمام والمأموم، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۳۶، رقم: ۲۹۰۴-۲۹۰۶)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثامن عشر، المجلس العلمي ۲/۳۴۲-۳۴۳، رقم: ۱۹۳۶-۱۹۳۸۔

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۹۳، كوئٹہ ۲/۱۰۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: فى العالم كبرى: ولو اختلف القوم قال بعضهم: صلى ثلاثاً وقال بعضهم: صلى أربعاً والإمام مع أحد الفريقين يؤخذ بقول الإمام وإن كان معه واحد كذا فى الخلاصة وفيها ولو استيقن واحد من القوم أنه صلى أربعاً والإمام والقوم فى شك ليس على الإمام والقوم شيئ كذا فى الخلاصة ص ٥٩. (١)

(١) هندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب السادس فى الحدث فى الصلاة، قديم زكريا ٩٣/١، جديد زكريا ١٥١/١ -

وإن اختلف القوم والإمام مع فريق أخذ بقوله: ولو كان معه واحد، ولو استيقن واحد بالتمام وآخر بالنقص وشك الإمام والقوم لإعادة على أحد إلا على متيقن النقص لأن يقينه لا يبطل بيقين غيره. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فى الشك، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٤٧٦)

ولو وقع الاختلاف بين الإمام والقوم فقال القوم صليت ثلاثاً وقال الإمام صليت أربعاً إن كان الإمام على اليقين لا يعيد الصلاة بقولهم وإن لم يكن على يقين يعيد الصلاة بقولهم ولو اختلف القوم قال بعضهم صلى ثلاثاً وقال بعضهم أربعاً والإمام مع أحد الفريقين يؤخذ بقول الإمام وإن كان معه واحد..... ولو استيقن واحد من القوم أنه صلى ثلاثاً واستيقن واحد أنه صلى أربعاً والإمام والقوم فى شك ليس على الإمام والقوم شيئ وعلى المستيقن بالنقصان إعادة. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر فى السهو فى الصلاة، مكتبه اشرفية ١/ ١٧١)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثامن عشر، مسائل الاختلاف الواقع بين الإمام والمأموم، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٣٦-٤٣٧، رقم: ٢٩٠٤-٢٩٠٦ - المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثامن عشر، الشك فى مقدار ماصلى، المجلس العلمى بيروت ٢/ ٣٤٢، رقم: ١٩٣٦-١٩٣٨ -

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٩٣، كوئته ١٠٩/٢ -

شبير احمد قاسمى عفا الله عنه

بنابر روایات بالا حکم یہ ہے کہ اگر امام کو ایک شق کا یقین ہے تو وہی شق معتبر ہوگی۔ علی الروایۃ الاولیٰ، اور اگر اس کو بھی شبہ ہے تو جس کو زیادہ ہونا یقیناً یاد ہے وہ اعادہ کریں گے اور جن کو پورا پڑھنا یقیناً یاد ہے یا شبہ ہے وہ اعادہ نہ کریں گے۔ علی الروایۃ الثانیۃ، (حوالہ بالا)

عیدین و جمعہ میں سجدہ سہو کا حکم

سوال (۴۶۳): قدیم ۱/۵۴۵۔ اگر عیدین کی تکبیریں تحریمہ کے بعد کی بھول جاوے یا دوسری رکعت میں تکبیریں بھول جاوے اور سجدہ سہو بھی نہ کرے وہ نماز ہو جاوے گی یا نہیں؟ خلاصہ یہ کہ اگر عیدین میں کوئی واجب ترک ہو جاوے اور سجدہ سہو کا نہ کیا ایسی نماز جائز ہے یا از سر نو پڑھنی چاہئے؟

الجواب: فی الدر المختار: والسهو فی صلوۃ العید والجمعة والمکتوبۃ والتطوع سواء والمختار عند المتأخرین عدمہ فی الأول لدفع الفتنة كما فی الجمعة البحر وواقره المصنف وبه جزم فی الدررہاء۔ فی ردالمحتار لکنہ قیدہ محشیہا الوانی بما إذا حضر جمع كثير وإلا فلا داعی إلى الترك۔ ط ج ۱ ص ۷۸۔ (۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر جمعہ و عیدین میں مجمع کثیر ہو تو ان میں سجدہ سہو نہ کرے۔ ۳/شوال ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۶۰، کراچی ۲/۹۲۔

ولا یأتی الإمام بسجود السهو فی الجمعة والعیدین دفعاً للفتنة بکثرة الجماعة وبطلان صلاة من یرى لزوم المتابعة وفساد الصلاة بترکہ..... وأخذ العلامة الوانی من هذه السببۃ أن عدم السجود مقید بما إذا حضر جمع كثير، أما إذا لم يحضروا، فالظاهر السجود لعدم الداعي إلى الترك وهو التشویش. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص ۶۵-۶۶) ←

امام تارک سجدہ سہو کے اعادہ کے وقت اقتداء کا حکم

سوال (۲۶۵): قدیم ۱/۵۴۵- کوئی شخص امام تھا سہو اترک واجب کیا پھر سجدہ سہو بھی سہو اترک کر دیا۔ بعدہ استیناف کیا اب مقتدی نو وارد جو پہلے شریک نہ تھا شریک ہونے سے اس کا فرض ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فی الدرالمختار: باب الجنائز فإذا أعادها (الولی) وقعت فرضاً مكملًا للفرض الأول نظیر إعادة الصلوة المؤداة بكراهة فإن كلا منهما فرض كما حققناه في محله. ج ۱ ص ۹۲۳ (۱)

اس سے ثابت ہوا (*) کہ نو وارد کا فرض شریک ہونے سے ادا ہوگا۔ (۲)

۲۶/شوال ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۱)

(*) یہ جواب مختار قول کے مطابق نہیں ہے، مختار قول یہ ہے کہ نو وارد کی نماز صحیح نہ ہوگی، پھر سے پڑھنی ہوگی؛ کیونکہ امام کی یہ دوسری نماز مستقل نماز نہیں ہے؛ بلکہ اول نماز کی تکمیل کے لئے ہے لہذا مستقل فرض پڑھنے والے کی اقتداء ایسے امام کے پیچھے صحیح نہیں ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (فتاویٰ رحیمیہ ۱/۱۹۸، شامی ۱/۴۲۶، کفایۃ المفتی ۳/۹۳-۹۶، فتاویٰ دارالعلوم جدید ۳/۳۷۱-۳۷۲) واللہ سبحانہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالنپوری۔

← السهو في الجمعة والعیدین والمكتوبة والتطوع واحد إلا أن مشايخنا قالوا: لا يسجد للسهو في العیدین والجمعة لئلا يقع الناس في فتنة كذا في المضممرات ناقلاً عن المحيط. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، قديم زكريا ۱/۱۲۸، جديد زكريا ۱/۱۸۷)

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۱۲۴، کراچی ۲/۲۲۳۔

(۲) جو نماز ترک واجب کی وجہ سے لوٹائی جاتی ہے، اس میں نو وارد یعنی بعد میں آنے والے کے شریک ہونے سے اس کا فرض ادا ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کے دو طرح کے جزئیات ہمارے سامنے ہیں (۱) وہ جزئیات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فرض ادا ہو جائے گا (۲) وہ جزئیات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فرض ادا نہ ہوگا، اب ہم دونوں قسم کے جزئیات ذیل میں درج کرتے ہیں (۱) وہ جزئیات جن میں دوسری نماز کو فرض قرار دیا گیا ہے اور جن سے نو وارد کی نماز مطلقاً صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے، ایسے چار جزئیات نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو: ←

تشہدِ اخیر کے بعد سجدہ تلاوت کے یاد آنے کا حکم

سوال (۴۶۶): قدیم ۱/۵۴۶۔ کسی شخص نے اول رکعت میں آیت سجدہ کی پڑھی اور سجدہ کرنا بھول گیا جب قعدہ اخیرہ میں بیٹھا اس وقت یاد آیا تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟

← (۱) علامہ شامیؒ نے فقیہ ابوالیسر کا قول نقل فرمایا ہے۔ ومقابلہ ما نقلوه عن أبي اليسر أن الفرض هو الثاني. (شامی، کتاب الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۴۸، کراچی ۱/۴۵۷)

(۲) علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں تین جگہ صلاۃ المعادۃ کا تذکرہ کیا اور طویل بحث کے بعد اس کی فرضیت کو ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

فإذا أعادها الولي وقعت فرضا مكملا للفرض الأول نظير إعادة صلاة لمؤداة بكرة
فإن كلا منهما فرض. (شامی، کتاب الجنائز، مکتبہ زکریا دیوبند ۳/۱۲۴، کراچی ۲/۲۲۳)

(۳) علامہ حسن بن عمار الشرنبلالی نے مراقی الفلاح میں صلاۃ المعادۃ کے مستقل فرض ہونے کو قیل کہہ کر ذکر فرمایا ہے:

قيل تكون الثانية فرضاً فهي مسقطه. (طحطاوي على مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، قدیم ص: ۲۵۱، دارالکتاب دیوبند ۴۶۲)

(۴) علامہ ابراہیم بن محمد حلبی نے فرمایا کہ بعض مشائخ نے صلاۃ المعادۃ کو فرض فرمایا ہے۔
ومن المشايخ من قال يلزمه أن يعيد ويكون الفرض هو الثاني. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فرائض الصلاة، الفرض الثاني تعديل الاركان، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۲۹۴)

(۲) وہ جزئیات جن میں پہلی نماز کو فرض اور دوسری نماز کو پہلی نماز کے لئے جابر اور نفل قرار دیا گیا ہے جن سے نو وارد کا فرض ادا نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، ایسے آٹھ جزئیات نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

(۱) علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ علامہ ابن ہمام نے صلاۃ المعادۃ کے جابر ہونے کے قول کو اختیار کیا ہے۔

اختار ابن الهمام الأول لأن الفرض لا يتكرر. (شامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،

مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۴۸، کراچی ۱/۴۵۷)

(۲) علامہ علاء الدین الحسکفیؒ نے صلاۃ المعادۃ کے جابر ہونے کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔ ←

الجواب : اب سجدہ تلاوت کر کے سجدہ سہو کرے جس کے قبل و بعد تشهد ہوتا ہے پھر سلام فراغ پھیرے۔

- ← کل صلاة أدیت مع كراهة التحريم تجب إعادتها والمختار أنه جابر للأول. (شامي ، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۸۱، كراچی ۱/۵۷۷)
- (۳) علامہ ابراہیم بن محمد حلبی نے حلبی کبیری میں صلاة المعادة کے جابر ہونے کو مختار قرار دیا ہے۔
- ومن المشايخ من قال يلزمه أن يعيد ويكون الفرض هو الثاني والمختار أن الفرض هو الأول. (حلبی کبیری، كتاب الصلاة، فرائض الصلاة، الفرض الثامن تعديل الأركان، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۲۹۴)
- (۴) علامہ ابراہیم نے صغیری میں بھی صلاة المعادة کے جابر ہونے کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔
- والمختار أن الفرض هو الأول والثاني جبر للخلل الواقع فيه بترك الواجب (صغیری، مطبع مجتبائی دہلی ص: ۱۶۰)
- (۵) علامہ ابن نجیم مصری نے الأشباه والنظائر کے اندر صلاة المعادة کے جابر ہونے کو نقل فرمایا ہے۔
- أما الصلاة المعادة لإرتكاب مكروه أو ترك واجب فلا شك أنها جابرة لا فرض لقولهم بسقوط الفرض بالأول. (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية الأمور بمقا صدها قديم ص: ۷۲)
- (۶) علامہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں صلاة المعادة کے جابر ہونے کے قول کو اختیار فرمایا ہے۔
- فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولى. (مراقی الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۴۶۲، قديم ص: ۲۵۱)
- (۷) علامہ طحطاوی نے طحطاوی علی المراقی میں صلاة المعادة کے نفل اور جابر ہونے کو مختار قرار دیا ہے۔
- والمختار أن المعادة لترك واجب نفل جابر والفرض سقط بالأولى لأن الفرض لا يتكرر. (طحطاوي على المراقی، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، قديم ص: ۱۳۴، دارالكتاب ص: ۲۴۸)
- (۸) الموسوعة الفقهية الكويتية میں صلاة المعادة کو نفل قرار دیا گیا ہے۔
- والصلاة المعادة تكون نافلة، هذا قول الحنفية والحنابلة والشافعية بالجديد.
- (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۱۷۴) ←

فی الدرالمختار: ولونسی السهو أو سجدة صلبية أو تلاوية يلزمه ذلك وفي ردالمحتار فإذا تذكّر يلزمه ذلك الذي تذكّره إلى قوله ثم يتشهد ويسلم ثم يسجد للسهو. ج ۱ ص ۸۶. (۱)

وفي الدرالمختار: لأن سجود السهو يرفع التشهد دون القعدة لقوتها بخلاف الصلبية فإنها ترفعهما وكذا التلاوية على المختار وفي ردالمحتار: لأنها أثر القراءة وهي ركن فاخذت حكمها بحر أي تأخذ حكمها بعد سجودها أما قبله فإنها واجبة حتى لو سلم ولم يسجد لها فصلاته صحيحة بخلاف الصلبية فإنها ركن أصلي من كل وجه كما سيأتي. ج ۱ ص ۷۳. (۲)

۱۲/ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۲)

← اب دونوں قسم کے جزئیات کے درمیان تطبیق کی شکل یہی ہے کہ جس نووارد کو اس بات کا علم ہو کہ یہ لوٹائی جانے والی نماز ہے، اس کا فرض ادا نہ ہوگا اور جس کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ یہ لوٹائی جانے والی نماز ہے، اس کے شریک ہونے سے اس کا فرض ادا ہو جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

فتاویٰ قاسمیہ ۷/ ۵۵۱ تا ۵۶۴، رقم: ۲۸۷۳ تا ۲۸۸۰ -

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبہ زکریا

دیوبند ۲/ ۵۵۸، کراچی ۲/ ۹۱ -

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبہ

زکریا دیوبند ۲/ ۵۴۱، کراچی ۲/ ۷۸-۷۹ -

ولو سلم وعليه تلاوية وسهوية غير ذاكر لهما أو ذاكرًا للسهو خاصة لا يعدّ سلامه قاطعاً فإذا تذكّر يسجد للتلاوة أو لا ثم يتشهد ويسلم لما قدّ منا من أن سجدة التلاوة ترفع القعدة ثم يسجد للسهو ويتشهد ويسلم. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۵۳۲، کوئٹہ ۱۵/ ۴۱) ←

کسی نے رکعتیں آخریین میں سہواً ضم سورت کر لیا اور اس کو

موجب سجدہ سہو سمجھ کر سجدہ کیا تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں

سوال (۴۶۷): قدیم ۱/ ۵۴۷- اگر آخرین میں کسی نے ضم سورۃ سہواً کیا اور اس نے سجدہ سہو اس کو موجب سہو سمجھ کر کر لیا تو نماز ہو جاوے گی یا نہیں آیا سجدہ بے ضرورت کو زیادت فی الرکن قرار دیکر اعادۃ صلوٰۃ لازم قرار دیں گے یا نہیں؟

الجواب: فی الدرالمختار: واجبات الصلوٰۃ ولفظ السلام مرتین فالثانی واجب (۱) وفيه قبيل باب الاستخلاف ولو ظن الإمام السهو فسجد له فتابعه (أي المسبوق) فبان أن لا سهو فالأشبه الفساد لاقتدائه في موضع الانفراد وفي ردالمحتار وفي الفيض وقيل لا تفسدوبه يفتى وفي البحر عن الظهيرية قال الفقيه أبو الليث في زماننا لا تفسد لأن الجهل في القراء غالب ۵۱. (۲)

← ولو سلّم وعليه سجدة التلاوة وسجدتا السهو إن سلّم وهو غير ذاكر لهما أو ذاكر للسهو خاصة فإن سلامه لا يكون قاطعاً للصلاة ويسجد للتلاوة أولاً ثم يتشهد ويسلّم ثم يسجد للسهو. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۹۰، كوئٹہ ۲/ ۱۰۷-۱۰۸)

خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في السهو في الصلاة، جنس آخر في الأفعال، مكتبة اشرفية ۱/ ۱۷۹ -

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۶۲، کراچی ۱/ ۴۶۸ -

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل باب الاستخلاف، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۵۰، کراچی ۱/ ۵۹۹ - ←

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) نماز ہو جاوے گی۔ (۲) اگر دونوں طرف سلام پھیرا ہے تو اعادہ واجب نہیں اور اگر ایک طرف سلام پھیرا ہے تو چونکہ ایک واجب یعنی سلام ثانی ترک کر دیا اعادہ واجب ہوگا۔ (۳) اگر یہ شخص امام ہے تو اس کے ساتھ اگر کوئی مسبوق ہو اور اس نے بھی سجدہ سہو اور اس کے بعد قعدہ میں اس کا اقتداء کیا اس مسبوق کی نماز مختار کے قول پر اور وہی مقتضائے قواعد کا ہے فاسد ہوگئی لیکن اگر اس کو اس فضول سہو کا پتہ ہی نہ لگا تو یہ معذور ہے اور میرے نزدیک صاحب فیض اور ابواللیث کے حکم عدم فساد کا محمل اسی کو قرار دیا جاوے تو بہتر ہے کہ جب مسبوق کو پتہ نہ لگے پس دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاوے گی۔ فقط

۱۰ محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۵)

سنن مؤکدہ میں قعدہ اولیٰ ترک کرنے کا حکم

سوال (۲۶۸): قدیم ۱/۵۴۷- ایک شخص نے ظہر کے وقت چار رکعت سنت کی نیت باندھی اور قعدہ اولیٰ فراموش کر کے تیسری رکعت کیلئے اٹھ کھڑا ہوا اور قراءت شروع کر دی تو کیا اس کو یاد آ جانے پر قعدہ کی جانب پھر عود کرنا چاہئے اور نماز تمام کر کے سجدہ سہو کر لینا چاہئے اور اگر یاد آنے نہ آنے پر قعدہ کی طرف نہ عود کرے اور نماز تمام کرے تو کیا حکم ہے؟

← الحاوي: ظن الإمام أن عليه سجدتا السهو ففسد سجدة الإمام وتابعه المسبوق ثم تبين أنه لم يكن عليه، قيل: لا تفسد صلاة المسبوق، وقيل: تفسد والأحوط أن يعيد صلاته: وفي الغياثية: صلاته جائزة عند المتأخرين وعليه الفتوى. (تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۲۷، رقم: ۲۸۷۲)

وظن الإمام أن عليه سهواً ففسد سجدة وتابعه المسبوق ثم علم أن لاسهو عليه ففيه روايتان وبناءً عليهما اختلف المشايخ وأشبههما فساد صلاة المسبوق وقال أبو حفص الكبير لا وبه أخذ الصدر الشهيد. (حلي كبرى، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو،

مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۴۶۵) ←

الجواب: في الدر المختار: والأصل أن كل شفع صلوة إلا بعارض الخ. وفي رد المحتار: ينبغي أن يستثنى أيضاً من الأصل المذكور المؤكدة بناء على اختيار الحلبي وغيره. (١/٢٤٢) وفي الدر المختار سها عن القعود الأول من الفرض الخ. وفي رد المحتار: أما النفل فيعود الخ جزم به في المعراج والسراج وعلله ابن وهبان بأن كل شفع منه صلوة الى قوله قيل يعود وقيل لا وفي الخلاصة والأربع قبل الظهر كالتطوع الخ (ج ١ ص ٤٤٨) (٢)

← البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ١٧٦/٢، كوئته ١٠٠/٢ -

هندية، كتاب الصلاة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، قديم زكريا ديوبند ٩٢/١، جديد زكريا ١٥٠/١ -

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٤٧٨/٢، كراچي ٣٢/٢ -

(٢) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ٥٤٧/٢ - ٥٤٨، كراچي ٨٣/٢ -

وإن سها عن القعود الأول وهو إليه أقرب عاد وإلا ولا ويسجد للسهو (كنز) وفي النهر: واعلم أن في الذخيرة وغيرها صور ذلك في الفرائض كالظهر ونحوه ومقتضاه أنه في النوافل يعود وبه صرح ابن وهبان مستنداً بأن كل شفع منه صلاة على حدة ولا سيما على قول محمد من أن الأولى من التطوع فرض فكانت كالأخيرة وفيها يقعد وإن قام وفي شرح التمر تاشي لو نهض إلى الثالثة في التطوع بالارتفاع فاستتم قائماً قيل: يعود، وقيل لا يعود، وذكر الشهيد عن محمد أنه يعود، والأوجه أنه لا يعود وفي الخلاصة والأربع قبل الظهر حكمه حكم التطوع الخ. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا

ديوبند ٣٢٧/١ - ٣٢٨) شبير احمد قاسمي عفا الله عنه

روایت ثانیہ سے اس کا مختلف فیہ ہونا اور روایت اولیٰ سے حلبی وغیرہ کے قول پر عدم عود کا رائج ہونا اور سجدہ سہو سے نماز کا صحیح ہو جانا معلوم ہوتا ہے۔ وبہذا افتیٰ انا۔

۸/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۷۲)

نماز کے بعد مانع بنائے گئے تو سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا

سوال (۴۶۹): قدیم ۱/۵۴۷- قاضی خاں نوکلشوری ج ۱ ص ۵۹ پر ہے۔ (۱) کل ما یمنع البناء إذا وجد بعد السلام یسقط السہو، کیا سجدہ سہو ہر صورت میں ساقط ہو جائے گا خواہ مانع بناء سہو پایا جائے یا عمداً اور خواہ وہ فعل موجب سجدہ سہو کو موجب سجدہ جانتا ہو یا نہ یا کسی خاص صورت کے ساتھ مخصوص ہے نیز سقوط سجدہ کا کیا مطلب ہے آیا سقوط من هذه الصلوة مع وجوب إعادة تلک الصلوة یا مطلقاً بلا وجوب إعادة صلوة اگر یہ مطلب ہے کہ سجدہ ہر صورت میں ساقط ہے خواہ فعل منافی بناء تذکر سجدہ سہو کے ساتھ کیا ہو یا بحالت سہو یا ایسی صورت میں کہ اس کو وجوب سجدہ سہو کا ہی علم نہ ہوا ہو اور سقوط کا یہ مطلب ہے کہ اس نماز کا اعادہ بھی ضروری نہیں تو وجوب سجدہ سہو کا ثمرہ صرف عقاب اخروی ہو سکتا ہے وہ بھی بحالت قصد ترک کرنے کے؟

الجواب: فی الدر المختار: فلو طلعت الشمس فی الفجر أو احمرت فی القضاء أو وجد منه ما یقطع البناء بعد السلام سقط عنه فتح وفي رد المختار: بقی إذا سقط السجود فهل یلزمه الإعادة لكون ما أداه أولاً وقع ناقصاً بلا جابر والذی ینبغی أنه إن سقط بصنعه كحدث عمداً مثلاً یلزم وإلا فلا تأمل ج ۱ ص ۷۷، مصریة، (۲)

(۱) خانۃ علی الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، فصل فیما یوجب السہو وما لا یوجب السہو، قدیم زکریا دیوبند ۱/۱۲۳، جدید زکریا دیوبند ۱/۷۷۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۴۲، کراچی ۲/۷۹۔ ←

اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو ہر صورت میں ساقط ہو جاوے گا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ مانع بناء عمدہ پایا گیا تب تو اعادہ لازم ہے ورنہ نہیں۔

۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۷۷)

سجدہ سہو ترک ہو جانے سے نماز کے اعادہ کا حکم

سوال (۴۷۰): قدیم ۱/۵۴۹۔ ایک شخص پر نماز میں سجدہ سہو لازم ہوا لیکن بوجہ مسائل کی ناواقفیت کے اس کو یہ نہ معلوم ہوا کہ اس پر سجدہ سہو لازم ہے اس لئے اس نے سجدہ سہو نہ کیا اور سلام کے بعد قصداً کوئی فعل منافی بناء کر لیا اس صورت میں اعادہ صلوٰۃ لازم ہے یا نہیں۔ نیز ایک شخص کو نماز میں سہو ہوا

← ثم اعلم أن الوجوب مقيد بما إذا كان الوقت صالحاً حتى أن من عليه السهو في صلاة الصبح إذا لم يسجد حتى طلعت الشمس بعد السلام الأول سقط عنه السجود وكذا إذا سها في قضاء الفائتة فلم يسجد حتى احمرت وكذا في الجمعة إذا خرج وقتها، وكل ما يمنع البناء إذا وجد بعد السلام يسقط السهو. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۶۳، كوئٹہ ۲/۹۲)

وهذا الاطلاق مقيد بما إذا كان الوقت صالحاً حتى لو لم يسجد حتى طلعت الشمس بعد السلام الأول واحمرت وقد كان يقضي فائتة أو خرج الوقت في الجمعة أو وجد منه ما يمنع البناء بعد السلام سقط عنه كذا في الفتح. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۲۱-۳۲۲)

إذا سها المصلي بزيادة أو نقصان سجد للسهو سجدتين هذا مقيد إذا كان الوقت صالحاً حتى أن من عليه السهو في صلاة الفجر إذا لم يسجد حتى طلعت الشمس بعد السلام الأول سقط السجود. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دار الكتاب العلمية بيروت ۱/۲۱۹)

الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة دار الكتاب ديوبند ۱/۹۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور سجدہ سہو لازم ہو گیا مگر سلام کے وقت یاد نہ رہا کہ مجھ پر سجدہ سہو لازم ہے اس لئے اس نے بخیال تمامی صلوة قصداً کوئی فعل منافی بناء کر لیا اس صورت میں بھی اعادہ لازم ہو گا یا نہیں؟

والذی ینبغی أنه إن سقط بصلوۃ کحدث عمداً مثلاً یلزم وإلا فلا تأمل (۱) سے ظاہر تو لزوم اعادہ ہے؟

الجواب: جی ہاں دونوں صورتوں میں اسی روایت سے لزوم اعادہ سمجھنا صحیح ہے۔ (۲)

۲۹/رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۸۵)

(۱) بقی إذا سقط السجود فهل یلزمه الإعادة لكون مأداه أولاً وقع ناقصاً بلا جابر؟ والذی ینبغی أنه إن سقط بصلوۃ کحدث عمداً مثلاً یلزمه وإلا فلا، تأمل. (شامی، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبہ زکریادیوبند ۲/۵۴۲، کراچی ۲/۷۹)

(۲) لها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمدة والسهو إن لم یسجد له وإن لم یعد لها یكون فاسقاً أثماً. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریادیوبند ۲/۱۴۶، کراچی ۱/۴۵۶)

حكم الواجب استحقاق العقاب بتركه عامداً وعدم إكفار جاحده والثواب بفعله ولزوم سجود السهو لنقص الصلاة بتركه سهواً أو إعادتها بتركه عمداً أي مادام الوقت باقياً وكذا في السهو إن لم یسجد له وإن لم یعد لها حتى خرج الوقت تسقط مع النقصان وكراهة التحريم ویكون فاسقاً أثماً. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی بیان واجبات الصلاة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۲۴۷-۲۴۸)

ولم یقم دلیل علی تعینها للفرضیة والمواظبة وحدها كذلك من غیر ترك ظاهر فی یفید الوجوب فلا تفسد الصلاة بتركها عامداً أو ساهياً بل یجب علیه سجود السهو فی السهو جبراً للنقصان الحاصل بتركها سهواً والإعادة فی العمدة والسهو إذا لم یسجد لتكون مؤداة علی وجه لا نقص فیها إذا لم یعد لها كانت مؤداة أداءً مكروهاً كراهة تحريم وهذا هو الحكم فی كل واجب تركه عامداً أو ساهياً. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریادیوبند ۱/۵۱۵، کوئٹہ ۱/۲۹۵-۲۹۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایک رکعت کے سجدہ صلاتیہ کے نماز کی دوسری رکعت میں قضاء کا حکم

سوال (۴۷۱): قدیم ۱/۵۴۹- مصلیٰ نے ایک رکعت میں ایک ہی سجدہ سہو کیا یا د آنے پر دوسری تیسری رکعت میں تین سجدے قصد کئے اور آخر میں سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر لی تو اس کی نماز صحیح ہوگئی یا نہیں؟

الجواب: فی الدر المختار واجبات الصلوة ورعاية الترتیب فیما یتكرر فی کل رکعة کالسجدة. الخ وفي رد المحتار: الکاف استقصائية إذ لم یتكرر فی الركعة سواها ثم قال والمراد بها السجدة الثانية من کل رکعة ثم قال حتی لو ترک سجدة من رکعة ثم تذکرها فیما بعدها من قیام أو رکوع أو سجود فإنه یقضیها ولا یقضى ما فعله قبل قضاءها مما هو بعد رکعتها من قیام أو رکوع أو سجود بل یلزمه سجود السهو فقط، ج ۱ ص ۲۸۱، (۱) اس روایت سے ثابت ہوا کہ اس شخص کی نماز درست ہوگئی۔ ۱۰ اشوال ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۸۸)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۵۴، کراچی ۱/۴۶۲۔

عن الثوري في رجل قام فقرأ ثم ركع ثم سجد سجدة واحدة، ثم قام فقرأ فركع ثم ذكر وهو ساجد أنه لم يسجد في الركعة الأولى إلا سجدة واحدة قال لا يعتد بهذه الركعة التي ذكر وهو ساجد، ولكن ليرفع رأسه فليسجد التي فاتته، وليسجد سجدة في الركعة التي هو فيها ثم يسجد سجدة في السهو إذا فرغ من صلاته الحديث. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب الرجل يسهو في الركوع والسجود، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۲۰۸، رقم: ۳۵۳۵)

ومنها مراعاة الترتيب فيما شرع مكرراً من الأفعال في الصلاة وهو السجدة لمواظبة النبي صلى الله عليه وسلم على مراعاة الترتيب فيه، قيام الدليل على فرضيته على ما ذكرنا حتى لو ترك السجدة الثانية من الركعة الأولى ثم تذكرها في آخر صلاته سجد المتروكة وسجد للسهو بترك الترتيب لأنه ترك الواجب الأصلي ساهياً فوجب سجود السهو. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في الواجبات الأصلية في الصلاة

قدیم، ۱/۶۳، جدید زکریا دیوبند ۱/۴۰۰) ←

قعدہ اولیٰ بھول کر تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے والے امام کی متابعت واجب ہے

سوال (۴۷۲): قدیم ۵۵۰/۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار رکعت والی نماز میں امام نے بھولے سے قعدہ اولیٰ نہ کیا اور کھڑا ہو گیا تو مقتدی ان قعدہ اولیٰ میں تشہد پڑھ کر قیام کے واسطے کھڑے ہوں یا بغیر تشہد پڑھنے کے امام کی تابعداری کیلئے قیام کریں؟

الجواب: فی الدر المختار: خمس يتبع فيها الإمام قنوت وعود أول وفي رد المحتار: قوله: وعود أول الظاهر أنه ينتظر إمامه إلى أن يصير إلى القيام أقرب لاحتمال عوده قبله ثم يتابعه لأن الإمام إذا عارضه تفسد صلاته على أحد القولين ويأثم على القول الآخر وليس للمقتدى أن يقعد ثم يتابعه لأنه يكون فاعلاً ما يحرم على الإمام فعله ومخالفاته في عمل فعلي بخلاف ما إذا قام الإمام قبل فراغ المقتدى من التشهد فإنه يتمه ثم يتابعه لأن في تمامه متابعة لإمامه فيما فعله الإمام فافهم. ج ۱ ص ۷۰۲ و ۷۰۳، (۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس حالت میں مقتدی تشہد ترک کر کے امام کی متابعت کرے۔

۲۳ رمضان ۱۳۳۹ھ (تمت ج ۵ ص ۱۹۶۱)

← وكذا الترتيب بين ما يتكرر في كل ركعة كالسجود وبين ما بعده واجب حتى لو ترك سجدة من ركعة ثم تذكرها فيما بعدها من قيام أو ركوع أو سجود فإنه يقضيها ولا يقضي ما فعله قبل قضاءها مما هو بعد ركعتها من قيام أو ركوع أو سجود بل يلزمه سجود السهو فحسب. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة، قبیل فصل فی صفة الصلاة، قدیم ص: ۲۹۱، جدید مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۲۹۷)

حاشیة الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجبات الصلاة، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۲۹۴ -

الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۳۹۴، رقم: ۲۷۷۱ -

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ

زکریا دیوبند ۲/ ۴۴۹، کراچی ۱۱/۲ - ←

دوبارہ سورۃ فاتحہ پڑھنے پر نماز لوٹانے کا حکم

سوال (۴۷۳): قدیم ۱/۵۵۰- زید نے انفراداً مغرب کی نماز میں اول رکعت میں الحمد شریف پڑھی کل الحمد پڑھنے کے بعد اس کو خیال آیا کہ جہر سے پڑھنی چاہئے تھی دوبارہ اس نے الحمد شریف جہر سے پڑھی اور بغیر سجدہ سہو کئے ہوئے سلام پھیر دیا۔ آیا اس صورت میں نماز ادا ہوگئی یا نہیں؟

الجواب: واجب الاعادہ ہے کیونکہ اس نے واجب کا ترک کیا ہے اور وہ واجب جہر نہیں (*) کیونکہ منفرد پر جہر واجب نہیں بلکہ وہ واجب دو امر ہیں ایک عدم تاخیر سورہ عن الفاتحہ بمقدار ادائے رکن دوسرا عدم تکرار فاتحہ۔

لأن في التكرار زيادة واجب وهو موجب لسجود السهو في مراقي الفلاح لترک واجب بتقديم أو تأخير أو زيادة أو نقص في الطحطاوي: وأن لا يؤخر السورة عنها بمقدار اداء ركن وفيه ولو كرر الفاتحة أو بعضها في إحدى الأوليين قبل السورة سجد للسهو ص ۲۲۷. (۱) (تتمہ خامسہ ص ۳۶۶)

(*) یعنی وہ واجب جسے ترک کیا گیا ہے جہر نہیں ہے الخ: ۱۲ سعید احمد پالنپوری

← ولوقام الإمام إلى الثالثة قبل التشهد ولم يعلم المقتدي بحاله حتى شرع في التشهد ثم علم أتم التشهد، وإن علم تابعه ولم يتشهد، وكذا يتابعه في ترك سجدة التلاوة وترك سجدة السهو، وترك القنوت، وترك تكبيرات العيد. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۰۰، رقم: ۲۷۹۰)

(۱) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه دارالکتاب دیوبند ص: ۴۶۰۔

ولو كرر الفاتحة مرتين يجب عليه سجود السهو لتأخير السورة، كذا في الذخيرة وغيرها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۶۶، كوئٹہ ۲/۹۴) ←

نماز میں بکثرت سہو واقع ہونے کا حکم

سوال (۴۷۴): قدیم / ۵۵۱ - میرے گھر میں نماز میں بھول جانے کی شکایت کرتی ہیں یعنی سجدہ کتنے کئے وغیرہ یا نہیں رہتے تو کیا کیا جاوے؟

الجواب: (*) جو بات زیادہ آوے اس پر عمل کیا جاوے اور سجدہ سہو نہ کرے البتہ اگر سوچنے میں کچھ دیر لگ گئی ہو اور اس دیر میں قراءت یا رکن میں مشغول نہ رہی تو سجدہ سہو کرے۔

(*) اصل کتاب میں اسی طرح ہے بظاہر یہاں کچھ لفظ رہ گیا ہے، مثلاً (خیال میں) ۱۲ محمد شفع۔

← (یجب) تقديم الفاتحة على كل السورة وكذا ترك تكريرها قبل سورة الأوليين (درمختار) وفي الشامية: فلو قرأها في ركعة من الأوليين مرتين وجب سجود السهو لتأخير الواجب وهو السورة كما في الذخيرة وغيرها. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۵۲/۲، کراچی ۱/ ۴۶۰)

ولو كرر الفاتحة في ركعة من الأوليين متوالياً أقرأ القرآن في ركوعه أو في سجوده أو في موضع التشهد يجب عليه سجود السهو للزوم تأخير الواجب وهو السورة وفي الصورة الأولى الخ. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۴۶۰)

ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو، قدیم زکریا دیوبند ۱/ ۱۲۶، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۱۸۶۔

الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب الصلاة، الفصل السابع عشر فی سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۹۱، رقم: ۲۷۶۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فى الدر المختار: بعد ما نقل عن الفتح وجوب سجود السهو فى جميع صور الشك سواء عمل بالتحري أو بنى على الأقل مانصه لكن فى السراج أنه يسجد للسهو فى أخذ الأقل مطلقاً وفى غلبة الظن إن تفكر قدر ركن وفى رد المحتار قبيل القول المذكور ثم الأصل فى التفكير أنه إن منعه عن أداء ركن كقراءة أو ثلث أو ركوع أو سجود أو عن أداء واجب كالقعود يلزمه السهو إلى قوله وإن لم يمنعه عن شئ من ذلك بأن كان يؤدى الأركان ويتفكر لا يلزمه السهو عن الشرح الصغير للمنية ٥١، (١)

١٨/٢ رجب ١٣٢٢هـ (تتمه خامسة ص ٢٤٠)

(١) الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٦١-٥٦٢، كراچي ٩٤/٢ -

وإن طال تفكره ولم يسلم حتى استيقن إن كان زمن التفكير زائداً عن التشهد قدر أداء ركن وجب عليه سجود السهو إذا شغله التفكير عن أداء واجب بقدر ركن أو شغله عن الوضوء بعد سبق الحدث لشكه أنه صلى ثلاثاً أو أربعاً يجب السهو وإلا فلا كذا فى الشرح ولم يبينوا قدر الركن وعلى قياس ما تقدم أن يعتبر الركن مع سنته وهو مقدر بثلاث تسبيحات، ثم إن محل وجوب سجود السهو إذا لم يشتغل حالة الشك بقراءة ولا تسبيح أما إذا اشتغل بهما فلا سهو عليه، وظاهر إطلاقهم عدم الوجوب عند الإشتغال بما ذكر وإلا أي وإن لم يكن تفكره قدر أداء ركن لا يسجد لكونه عفواً. (حاشية الطحطاوى على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، قبيل فصل فى الشك، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٤٧٤)

ثم الأصل فى حكم التفكير أنه إن منعه عن أداء ركن كقراءة أو ثلاث أو ركوع أو سجود أو عن أداء واجب كالقعود يلزمه السهو لا ستلزام ذلك ترك الواجب وهو الإتيان بالركن أو الواجب فى محله وإن لم يمنعه عن شئ من ذلك بأن كان يؤدى الأركان ويتفكر لا يلزمه السهو وقال بعض المشايخ وهو الإمام الصفار إن منعه التفكير عن القراءة أو عن التسبيح يجب عليه سجود السهو وإن كان لا يمنعه بأن كان يقرأ ويتفكر أو يسبح ←

← ويتفكر لا يجب عليه سجود السهو. (حلي كبرى، كتاب الصلاة، فصل في سجود

السهو، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۴۶۵)

هندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، قديم زكريا

ديوبند ۱/ ۱۳۱، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۹۱ -

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب حكم الشك في عدد ركعات الصلاة،

دار الكتب العلمية بيروت ۷/ ۱۸۳)

وإن كثر شكه تحري وأخذ بأكثر رأي كذا في التبيين. (هندية، كتاب الصلاة،

قبيل الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۳۰، جديد زكريا

ديوبند ۱/ ۱۹۰)

شبير احمد قاسم عفا الله عنه



۱۳/ باب صلوٰۃ المريض

مريض کے لئے اشارہ سے نماز کا حکم

سوال (۴۷۵): قدیم ۱/۵۵۲- ایک آنکھ میں پانی اتر رہا ہے بنوانے کی حضور نے اجازت دی لیکن سنا ہے کہ تین دن ہسپتال میں چٹ لٹایا جاتا ہے اور کسی طرح کی حرکت کا حکم نہیں ہوتا ہے۔ فقط دودھ ملتا ہے تو نماز کے بارے میں حضور کا کیا حکم ہے؟

الجواب: في الدر المختار وإن تعذر الإيماء برأسه وكثرت الفوائت بأن زادت على يوم وليلة سقط القضاء عنه وإن كان يفهم من ظاهر الرواية وفي رد المحتار وقيل لا يسقط القضاء بل تؤخر عنه إذا كان يعقل وصححه في الهداية الخ وفي الدر المختار ولم يؤم بعينه وقلبه وحاجبه خلا فالزفروفيه أمره الطيب بالاستلقاء لبزغ الماء من عينه صلى بالإيماء لأن حرمة الأعضاء كحرمة النفس. (۱)

وفى نفع المفتي والسائل ولو كانت امرأة لو اشتغلت بالصلوة يكي ولدها بالجوع ويضر عليه ضررا غالبا وإن أرضعته يفوت الوقت جازلها أن ترضعه وتؤخر الصلوة سى اى سيف سائل شى أى شرف الأئمة المكي كذا فى القنية باب من يتلى بأمرين يختار أهونهما. (۲)

ان روایات سے مستفاد ہوا کہ اگر اشارہ سر سے نماز پڑھنا مضر نہ ہو تو اشارہ سے پڑھنا واجب ہے اور اگر اشارہ بھی مضر ہو تو نماز کو قضا کر دینا بھی جائز ہے۔

۱۰ محرم ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۷)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبة زكريا ديوبند

۵۷۰/۲ تا ۵۷۴، کراچی ۹۹/۲ تا ۱۰۳۔

(۲) نفع المفتي والسائل ص: ۵۷۔

وإذا عجز المريض عن الإيماء بالرأس في ظاهر الرواية: يسقط عنه فرض الصلاة

ولا يعتبر الإيماء بالعينين والحاجبين، ثم إذا خف مرضه هل يلزمه القضاء؟ اختلفوا فيه، ←

« قال بعضهم: إن زاد عجزه على يوم وليلة لا يلزمه القضاء، وإن كان دون ذلك يلزمه كما في الإغماء وهو الأصح والفتوى عليه. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض قديم زكريا ١/١٣٧، جديد زكريا ١/١٩٧) »

وإن تعذر الإيماء برأسه أخرت الصلاة فلا سقط عنه؛ بل يقضيها إذا قدر عليها، ولو كانت أكثر من صلاة يوم وليلة إذا كان مضيئاً وهو الصحيح كما في الهداية: وفي الخانية: الأصح أنه لا يقضي أكثر من يوم وليلة كالمغمى عليه، وهو ظاهر الرواية وهذا اختيار فخر الإسلام، وشيخ الإسلام وفي الخلاصة: وهو المختار لأن مجرد العقل لا يكفي لتوجه الخطاب، وفي التنوير: وعليه الفتوى ولا يومئ بعينه ولا بحاجبيه ولا بقلبه لما روينا وفيه خلاف زفر. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢٢٩) »

خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض قديم زكريا ١/١٧٢، جديد زكريا ١/١٠٨ -

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبة زكريا ديوبند ١/٣٣٥-٣٣٦ -

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والثلاثون، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٦٧١-٦٧٢، رقم: ٣٥٤٤-٣٥٤٦ -

شبير احمد قاسم عفا الله عنه



۱۲ / باب سجدة التلاوة

غیر مصلیٰ سے نمازی کے آیت سجده سننے کا حکم

سوال (۴۷۶): قدیم ۱/۵۵۳- خارج نماز کے کوئی شخص قرآن شریف پڑھتا ہو اور نمازی سجده سنے تو اس پر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: ہوگا، خارج صلوٰۃ (*) کے بعد فراغ صلوٰۃ۔

فی العالمگیریۃ: ولو سمع المصلی من أجنبي يسجد بعد الفراغ ولو سجد في الصلوٰۃ لایجزیه ولا تفسد صلاته کذا فی التهذیب هو الصحیح کذا فی الخلاصة. ج ۱ ص ۸۵. (۱)
۲۵ رمضان ۱۳۲۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۱۰)

حدیث موقوف سے رکوع میں سجده تلاوت ادا کرنے کا ثبوت

سوال (۴۷۷): قدیم ۱/۵۵۳- سجده تلاوت رکوع سے ادا ہو جاتا ہے یا نہیں اگر ادا ہو جاتا ہے تو کسی حدیث سے ثبوت ہے یا نہیں دونوں مسئلوں کے متعلق حدیث شریف یا کم از کم اس کتاب کا نام جس میں یہ حدیث مذکور ہے مع حوالہ باب تحریر فرما کر مشکوٰۃ فرمائیں؟

(*) یعنی سجده تلاوت واجب ہوگا؛ لیکن خارج صلوٰۃ واجب ہوگا؛ لہذا نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجده کرے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجد التلاوة، قدیم زکریا ۱۳۳/۱، جدید زکریا ۱۹۳/۱۔

ولو سمع المصلی السجدة من غیره لم یسجد فیہا لأنها غیر صلاتیۃ؛ بل یسجد بعدها لسماعها من غیر محجور ولو سجد فیہا لم تجزہ لأنها ناقصة للنہی، فلا یتأدی بہا الکامل وأعادہ أي السجود لما مر دونہا أي الصلاۃ هو ظاهر الروایۃ ←

الجواب: فى فتح البارى المصرى ص: ٢٥٤ ج ٢. واستدل بعض الحنفية من مشروعية السجود عند قوله وخّر راكعا واناب بأن الركوع عندها ينوب عن السجود فإن شاء المصلى ركع بها وإن شاء سجد ثم طرده فى جميع سجودات التلاوة وبه قال ابن مسعود اه ولم أر حديثا مرفوعا فيه مع التبع وقول الصحابى حجة عند الإمام الأعظم ويقدم على القياس. (١)

٢٢/ صفر ١٣٣٣ (تمهة لثالث ص ٢١)

← وهو الصحيح لأن زيادة ما دون الركعة لا يفسد. (شامى، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ٢/ ٥٨٨-٥٨٩، كراچي ١١٣/٢)

ولو سمعها المصلى من غيره سجد بعد الصلاة وسجد تلك السجدة فيها أي فى الصلاة أعادها لأنها ليست من أفعال الصلاة حتى تستتبع فعله فى الصلاة لما أنها غير صلاتية، فتكون زيادة منهيّا عنها وبذلك تكون ناقصة فلا يتأدى بها ما وجب كاملاً ولا يعيد الصلاة لأن زيادة ما دون الركعة لا يفسد. (النهر الفائق، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ١/ ٣٤٠)

ولو سمعها المصلى ممّن ليس معه فى الصلاة لا يسجد فى الصلاة ويسجد بعدها فإن سجد فيها لا تجوز ولا تبطل الصلاة. (ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٢٣٣)

حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دار الكتاب ديوبند ص: ٤٨٤ -

الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ١/ ٩٨)

(١) فتح البارى، كتاب سجود القرآن، باب سجدة الصلاة، دار الريان للتراث ٢/ ٦٤٣، مكتبة اشرفية ٢/ ٧٠٣، رقم: ١٠٦٩ -

عن ابن مسعود قال: من قرأ الأعراف، والنجم، وقرأ باسم ربك الذي خلق فإن شاء ركع بها وقد أجزأ عنه وإن شاء سجد، ثم قام فقرأ السورة وركع وسجد. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربى ٩/ ١٤٧، رقم: ٨٧٣٤-٨٧٣٥) ←

سجود میں سجدہ تلاوت کا حکم

سوال (۴۷۸): قدیم ۱/۵۵۴۔ اگر کوئی شخص آیت سجدہ پڑھتے ہی فی الفور رکوع کرے اور اس کے بعد بہ ترتیب تمام ارکان نماز ادا کرے تو اس رکوع میں سجدہ تلاوت بھی ادا ہو جائے گا یا نہیں اور اگر فی الفور سجدہ نہ کرے بلکہ آیت سجدہ کے ساتھ اور بھی چند آیتیں ملا ليوے اور اس کے بعد رکوع کر کے بہ ترتیب تمام ارکان ادا کرے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بینواتو جروا۔

الجواب: فی الدر المختار وتؤدی برکوع صلاة إذا كان الركوع على الفور من قراءة اية او ايتين وكذا الثلاث على الظاهر كما في البحر: إن نواه أي كون الركوع لسجود التلاوة على الراجح وتؤدي بسجودها كذلك أي على الفور وإن لم ينو بالإجماع ولو نواها في ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزئه الخ وفي رد المحتار قوله: على الفور الخ. فلو انقطع الفور لا بدلها من سجود خاص مادام في حرمة الصلوة قوله على الظاهر الخ قال بعد أسطر لكن في البحر عن المجتبی

← عن عبد الرحمن بن يزيد قال: سألنا عبد الله عن السورة تكون في آخرها سجدة أيركع أو يسجد؟ قال: إذا لم يكن بينك وبين السجدة إلا الركوع فهو قريب. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في السجدة تكون آخر السورة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۳/ ۴۲۰، رقم: ۴۴۰۴)

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة وما يتعلق به، دار الكتب العلمية بيروت ۷/ ۲۱۷، رقم: ۱۹۵۷-۱۹۵۸)

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

 أن الركوع ينوب عنها بشرط النية وأن لا يفصل بثلاث إلا إذا كانت الثلاث من
 آخر السورة اه ومثل له قبله كسورة الانشقاق وسورة بنى اسرائيل . (۱)
 ان روایات سے چند امور مستفاد ہوئے:

(۱) فی الفور رکوع صلاۃ کرنے سے سجدہ تلاوت اس وقت ادا ہوگا جب اس رکوع میں اس سجدہ کے
 ادا ہونے کی نیت بھی کرے اگر نیت نہ کی تو ادا نہ ہوگا اس کے لئے خاص سجدہ کرنا ہوگا۔ (*)

(*) یعنی پھر نماز ہی میں ادا کرنا ہوگا؛ کیونکہ جو سجدہ نماز میں واجب ہوتا ہے، وہ خارج نماز ادا نہیں
 ہوتا اور ترک واجب سے گناہ ہوتا ہے جس کا کفارہ صرف استغفار ہے۔ ۱۲ منہ

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند
 ۵۸۶/۲-۵۸۷، کراچی ۱۱۱/۲-۱۱۲۔

عن ابن مسعود قال: من قرأ الأعراف، والنجم، وقرأ باسم ربك الذي خلق،
 فإن شاء ركع بها وقد أجزأ عنه وإن شاء سجد، ثم قام فقرأ السورة وركع وسجد.
 (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱/۹، رقم: ۸۷۳۴)

عن عبد الرحمن بن يزيد قال: سألنا عبد الله عن السورة تكون في آخرها سجدة
 أيركع أو يسجد؟ قال: إذا لم يكن بينك وبين السجدة إلا الركوع فهو قريب.
 (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في السجدة تكون آخر السورة، مؤسسة علوم
 القرآن بيروت ۳/۴۲۰، رقم: ۴۴۰۴)

واعلم أن سجدة التلاوة تؤدي بركوع الصلاة إذا نواها وبسجود الصلاة مطلقاً،
 وقيل: يشترط نيتها أيضاً ويشترط في ذلك كله أن لا ينقطع الفور بل يكون الركوع
 والسجود عقيب تلاوتها أو بعد آية أو آيتين، فإن قرأ بعدها أربع آيات انقطع الفور
 بلا خلاف، وإن قرأ ثلاث آيات قيل ينقطع وإليه مال شيخ الإسلام خواهر زادہ. وقيل: لا
 وإليه مال، شمس الأئمة الحلواني: وهو أصح رواية، فإن محمداً ذكر في كتاب الصلاة
 قلت رأيت الرجل يقرأ السجدة وهو في الصلاة والسجدة في آخر السورة إلا آيات
 بقيت من السورة بعد آية السجدة، قال: هو بالخيار إن شاء ركع بها وإن شاء سجد بها ←

(۲) اگر امام نے نیت کر لی اور مقتدی نے نہ کی امام کا ادا ہوگا اور مقتدی کا ادا نہ ہوگا۔
 (۳) اگر فی الفور رکوع نہ کیا اور پھر رکوع مع نیت سجدہ کے کیا تو اگر وہ سجدہ ختم سورۃ کے قریب ہے جیسے سورۃ الشقاق میں یا سورۃ بنی اسرائیل میں ہے تو بھی حکم فور ہی میں ہے اور اگر وسط سورۃ میں ہے تو فور نہ رہے گا اور اس رکوع میں ادا نہ ہوگا۔

(۴) اگر رکوع میں نیت نہیں کی تو سجدہ صلوٰۃ میں خود ادا ہو جاوے گا خواہ اس میں نیت کرے یا نیت نہ کرے مگر فور شرط ہے۔

(۵) فور کے معنی یہ ہیں کہ آیت سجدہ کے بعد ایک دو آیت سے زیادہ نہ پڑھے اس سے سب سوالات کا جواب ہو گیا۔

۲۱ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۴۷)

سوال (۴۷۹): قدیم ۱/۵۵۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب نے فرضوں کی جماعت میں سجدہ کی آیت پڑھی پھر ترت رکوع کو چلا گیا پھر رکوع میں جا کر سجدہ تلاوت کی بھی نیت کر لی، اس طرح پر سجدہ تلاوت ادا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ پھر نماز میں کس قدر خلل ہوا؟
 بہشتی زیور حصہ دوم ص ۷۷ میں اس طرح درج ہے۔ سجدہ کی آیت پڑھ کر اگر ترت رکوع کو چلی جاوے اور رکوع میں یہ نیت کرے کہ میں سجدہ تلاوت کی جگہ بھی یہی رکوع کرتی ہوں تب بھی وہ سجدہ ادا ہو جاوے گا۔ کیا یہ حکم عورتوں کیلئے ہے یا امام کا بھی فرضوں میں اس طرح ادا ہو سکتا ہے؟

← قلت: فإن أراد أن يركع بها ختم السورة، ثم ركع بها قال: نعم الخ. (حلبی كبرى، كتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۰۵)

هذا الذي ذكرنا في قيام الركوع مقام السجود فيما إذا لم تطل القراءة بين آية السجدة وبين الركوع فأما إذا طال فقد فاتت السجدة وصارت ديناً فلا يقوم الركوع مقامها وأكثر مشايخنا لم يقدرُوا في ذلك تقديرًا، فكان الظاهر أنهم فوضوا ذلك إلي رأي المجتهد كما فعلوا في كثير من المواضع. وبعض مشايخنا قالوا: إن قرأ آية أو آيتين لم تطل القراءة وإن قرأ ثلاث آيات طال وصارت السجدة بمحل القضاء. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان كيفية أداء السجدة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۴۸۸) ←

الجواب: اس طرح پر سجدہ تلاوت ادا ہو جاوے گا لیکن چونکہ رکوع میں ادا ہونے کیلئے نیت بھی شرط ہے اور امام کی نیت کا ذکر سائل نے کیا ہے تو امام کا سجدہ تو ادا ہو جاوے گا لیکن مقتدیوں میں سے جو نیت کرے گا اس کا سجدہ تو ادا ہوگا اور جو نیت نہ کریگا اس کا سجدہ ادا نہ ہوگا اور اگر رکوع میں نیت نہ کرے تو سجدہ نماز میں سب کا سجدہ تلاوت بلا نیت بھی ادا ہو جاوے گا بشرطیکہ آیت سجدہ پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا گیا ہو اس لئے بہتر یہی ہے کہ رکوع میں نیت نہ کرے۔ (۱)

۱۶ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ (تمہ خامسہ ص ۱۸۳)

← حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دارالکتاب دیوبند ص: ۴۸۶-۴۸۷۔

ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الثالث في سجود التلاوة، قدیم زکریا ۱/۱۳۳، جدید زکریا ۱/۱۹۳-۱۹۴۔

(۱) وتؤدی برکوع الصلاة إن كان الركوع على الفور من قراءة آية أو آيتين وكذا الثلاث على الظاهر كما في البحر: إن نواه أي كون الركوع لسجود التلاوة على الراجح وتؤدی بسجودها كذلك أي على الفور وإن لم ينو بالاجتماع ولو نواها في ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه. (شامي، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زکریا دیوبند ۵۸۶/۲-۵۸۷، کراچی ۱۱۱/۲-۱۱۲)

ولو قرأ آية السجدة في الصلاة فأراد أن يركع بها يحتاج إلى النية عند الركوع، فإن لم يوجد منه النية عند الركوع لا يجزيه عن السجدة، ولو نوى في ركوعه اختلف المشايخ فيه، قال بعضهم: يجزيه، وقال بعضهم: لا يجزيه هكذا في المضممرات والأظهر أنه لا يجوز كذا في شرح أبي المكارم: وفي البدائع، ولو نوى بعد رفع الرأس من الركوع لا يجزيه بالاجتماع كذا في البحر الرائق، ولو نواها في الركوع عقيب التلاوة ولم ينوها المقتدي، لا ينوب عنه ويسجد إذا سلم إمامه ويعيد القعدة ولو تركها تفسد صلاته كذا في القنية. (ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، قدیم زکریا ۱/۱۳۳، جدید زکریا ۱/۱۹۳-۱۹۴)

وفي القنية: لو نواها في الركوع عقب التلاوة ولم ينوها المقتدي لا ينوب عنه ←

عند الاحناف سورہ حج کے دوسرے سجدہ کی تحقیق

سوال (۴۸۰): قدیم ۱/۵۵۵ - سورہ حج میں دو سجدے ہیں سجدہ اولیٰ کو حنفیہ کرتے ہیں اور سجدہ ثانیہ کو نہیں کرتے چنانچہ کمترین بھی سجدہ اولیٰ کا سجدہ کرتا ہے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں سجدے کرنا چاہئیں لہذا اس کی بابت جیسا ارشاد ہو دونوں سجدے کروں یا صرف سجدہ اولیٰ کروں؟

الجواب: حنفیہ کے نزدیک سجدہ اولیٰ واجب ہے اور دوسرا سجدہ ثابت نہیں (۱) لیکن حنفیہ نے یہ کلیہ لکھا ہے کہ مسائل اختلافیہ میں اختلاف کی مراعاة افضل ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے سو اس قاعدہ کی بناء پر نماز کے خارج تو دوسرے سجدہ کا کر لینا بھی بہتر ہوگا البتہ نماز کے اندر چونکہ سجدہ زائدہ بغیر سبب خلاف موضوع صلوٰۃ ہے اس لئے نماز کے اندر نہ کیا جاوے البتہ ایک خاص طریق سے کر لیا جاوے تو اس مکروہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہے گا اور وہ طریق یہ کہ سجدہ ثانیہ کی آیت پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا جاوے تو سجدہ صلوٰۃ میں یہ سجدہ بھی ادا ہو جاوے گا۔

۱۰/رجب ۱۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۸)

← نعم لو ركع وسجد لها على الفور نابت عن السجدة دون نية. ففي الخلاصة: أجمعوا أن سجدة التلاوة تتأدى بسجدة الصلاة، وإن لم ينوها للتلاوة، واختلفوا في الركوع قال خواهر زاده: لا بد من النية وهو المأخوذ به ويشترط معها كونه على الفور الخ. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۳۹) خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في وجوب سجدة التلاوة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۸۶-۱۸۷۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۴۸۶-۴۸۷۔

(۱) عن ابن عباسؓ قال: في سجود الحج الأول عزيمة والآخر تعليم. (شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب المفصل هل فيه سجود أم لا؟ دار الكتب العلمية بيروت ۱/۴۷۰، رقم: ۲۰۹۵، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۲۴۸-۲۴۹) ←

سجدہ تلاوت کرنے کا مستحب طریقہ

سوال (۳۸۱): قدیم ۱/۵۵۶- زید سجدہ تلاوت اس طرح ادا کرتا ہے اول قیام کر کے اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں جاتا ہے اور سبحان ربی الاعلیٰ تین بار کہہ کر اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوتا ہے (*) اور پھر اللہ اکبر کہتا ہوا دوسرے سجدہ کیلئے جاتا ہے اسی طرح زید اپنے ذمہ دس بارہ سجدے ساتھ ہی ادا کرتا ہے اب زید بکر کو کہتا ہے کہ اس طرح سجدے کرنا کسرت ہے یعنی اٹھک بیٹھک کرنا ہے تو بکر از روئے شرع ملزم ہے یا نہیں؟

(*) کذا فی الأصل، والصحیح: ”بکر زید کو الخ“ والدلیل قولہ تو بکر از روئے شرع ملزم ہے یا نہیں؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من قال هي واحدة وهي الأولى، مؤسسة علوم القرآن ۳/ ۴۰، رقم: ۴۳۲۸۔
وتجب على من تلا آية من أربع عشرة التي في آخر الأعراف، والرعد، والنحل، وبني اسرائيل، ومريم، وأولي الحج احتراز عن الثانية، وهي قوله تعالى: 'واركعوا واسجدوا فإنه لا سجدة عندنا خلافاً للشافعي، ففي كل موضع من القرآن قرن الركوع بالسجود يراد به السجدة الصلاتية، والفرقان، والنمل، والم السجدة، وص، وحم السجدة، والنجم، وانشقت، واقراً. (شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة بلال ديوبند ۱/ ۱۹۰-۱۹۱)

وأما بيان مواضع السجدة في القرآن فنقول: إنها في أربعة عشر موضعاً من القرآن أربع في النصف الأول، في آخر الأعراف، وفي الرعد، وفي النحل، وفي بني اسرائيل وعشر في النصف الآخر، في مريم، وفي الحج في الأولى، وفي الفرقان، وفي النمل، وفي آلم تنزيل السجدة، وفي ص، وفي حم السجدة، وفي النجم، وفي إذا السماء انشقت وفي اقرأ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب بيان مواضع السجود، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۴۵۱، هداية، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۱۶۳)

حلي كبيری، كتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۴۹۸۔
حاشیة الطحطاوي علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۴۸۱۔ شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: قیام سے سجدہ میں جانا اور پھر قیام کرنا واجب نہیں فقہاء نے مستحب لکھا ہے (۱)
 اسلئے نہ اس کے وجوب کا اعتقاد کرے اور نہ استہزاء کرے۔ (*) فقط

۲۵ جمادی الاخریٰ، ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۳۵)

اشعار میں آیت سجدہ کے ایک دو لفظ پڑھنے سے سجدہ کا واجب ہونا

سوال (۲۸۲): قدیم ۱/۵۵۷- کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت مسئلہ ہذا میں اگر سجدہ والی آیت کے ایک یا دو لفظ کسی شعر یا مثنوی شریف کے بیت میں تقریر کے موقع پر پڑھے جائیں کیا سجدہ ضروری اور واجب ہوتا ہے جیسا کہ بیت ہذا میں وارد ہے ۔

گفت واسجد واقتر ب یزداں ما
 قرب جاں شد سجدہ ابدان ما

(*) یہ سوال مذکور غلطی پر مبنی ہے، ورنہ زید جو در حقیقت مذکورہ طریقہ کے مطابق سجدہ تلاوت کرتا ہے وہ استہزاء کرنے والا نہیں ہے؛ بلکہ بکرا استہزاء کرتا ہے اور حکم وہی ہے کہ استہزاء جائز نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) اختلف الفقهاء فيما يستحب لمن أراد السجود للتلاوة في غير الصلاة، هل يقوم فيستوي قائماً، ثم يكبر ويهوي للسجود أم لا، ذهب الحنابلة وبعض متأخري الحنفية وهو وجه عند الشافعية إلى أنه يستحب لمن أراد السجود أن يقوم فيستوي، ثم يكبر ويخر ساجداً لأن الخور سقوط من قيام، والقرآن الكريم ورد به في قول الله تعالى: إذا يتلى عليهم يخرون للأذقان سجداً. ولما ورد عن عائشة^{رض} أنها كانت تقرأ في الصحف، فإذا مرّت بالسجدة قامت فسجدت، وتشبيهاً لسجدة التلاوة بصلاة النفل. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۲۲۴)

و کیفیتہ ائی السجود أن یسجد بشرائط الصلاة بین تکبیرتین أولهما عند الوضع والأخرى عند الرفع، وعن الإمام أنه يقتصر على الأولى، وعنه على الثانية والأول هو الظاهر ويندب أن يقوم ويخر ساجداً ولو كان عليه سجدة كثيرة روي ذلك عن عائشة^{رض}، وما في المعراج: من أنه لا يقوم فشاذاً. قال في المضمرة: ويستحب إذا فرغ منها أن يقوم ولا يقعد.

(النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۴۲-۳۴۳) ←

الجواب: في رد المحتار أول باب سجدة التلاوة عن السراج الوهاج والصحيح

أنه إذا قرأ حرف السجدة وقبله كلمة أو بعده كلمة وجب السجود وإلا فلا وقيل لا يجب إلا أن يقرأ أكثر آية السجدة مع حرف السجدة الخ. (١)

← ومما يستحب لأدائها أن يقوم فيسجد لأن الخرورج سقوط من القيام، والقرآن ورد به، وهو مروي عن عائشة^{رض}: وإن لم يفعل لم يضره، وما وقع في السراج الوهاج من أنه إذا كان قاعداً لا يقوم لها فخلاف المذهب. وفي المضمرات: يستحب أن يقوم ويسجد ويقوم بعد رفع الرأس من السجدة وأفاد في القنية: أنه يقوم لها وإن كانت كثيرة وأراد أن يسجدها مترادفة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٢٢٣، كوثه ٢/١٢٦)

يستحب أن يقوم للسجدة ويخر منه إلى السجود وإن كانت كثيرة متواليه. (بزازية على الهندية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في التلاوة، قديم زكريا ٤/٦٧، جديد زكريا ١/٤٦)

الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٥٨٠، كراچی ٢/١٠٧ (١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٥٧٥، كراچی ٢/١٠٣ -

وهل تجب السجدة بشرط قراءة جميع الآية أم بعضها؟ الصحيح أنه إذا قرأ حرف السجدة وقبله كلمة أو بعده كلمة وجب السجود وإلا فلا، وقيل لا يجب إلا أن يقرأ أكثر آية السجدة كلها إلا الحرف الذي في آخرها لا يجب عليه سجود. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ١/٩٧)

قراءة حرف السجدة مع كلمة قبله أو بعده من آيتها توجب السجود كالأية المقروءة بتمامها في الصحيح. وقيل: لا يجب إلا أن يقرأ أكثر آية السجدة، وفي مختصر البحر لو قرأ واسجد ومكث ولم يقرأ واقترب يلزمه السجدة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ٤٨٠ - ٤٨١) ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں بناء بر قول اصح سجدہ تلاوت پڑھنے والے اور سننے والے پر واجب ہے۔

۱۹ شعبان ۱۳۵۰ھ (النور بابۃ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۱)

سجدہ تلاوت کے لئے قیام کا حکم

سوال (۲۸۳): قدیم ۱/۵۵۷- بہشتی زیور حصہ دوم سجدہ تلاوت کے بیان میں یہ مسئلہ ہے۔ کھڑے ہو کر اول اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جاوے پھر اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جاوے تو عمر واس مسئلہ کی حدیث طلب کرتا ہے سو یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب: کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری مگر احکام شرعیہ جس طرح حدیث سے ثابت ہوتے ہیں اسی طرح قیاس سے بھی جس میں نص نہ ہو اور اس میں گونص نہیں مگر قیاساً علی المنصوص اس کو ثابت کہہ سکتے ہیں یعنی اس ہیئت سے اس کو مشابہ بخود صلوة کے قرار دیکر اقرب الی التعظیم سمجھا گیا ہے۔ پھر خود (*)

(*) یعنی یہ ہیئت مذکورہ جس میں یہ اجزاء ہیں قیام، تکبیر، سجدہ کو جاتے ہوئے تکبیر سے اٹھتے ہوئے قیام ثانی ۱۲ منہ

← قال الشيخ الإمام الفقيه أبو جعفر: إذا قرأ حرف السجدة ومعها غيرها قبلها أو بعده ما فيه أمر بالسجدة سجد، وإن كانت دون ذلك لا يسجد، وفي فوائد الشيخ الإمام الزاهد السفكر دري: أن من تلا من أول السجدة أكثر من نصف الآية، وترك الحرف الذي فيه السجدة لم يسجد، وإن قرأ الحرف الذي فيه السجدة إن قرأ ما قبله أو بعده أكثر من نصف الآية، تجب السجدة وإلا فلا. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والعشرون في سجدة التلاوة، المجلس العلمي بيروت ۳۶۷/۲، رقم: ۱۹۸۵) الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والعشرون في سجدة التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۴۶۸/۲، رقم: ۳۰۲۵۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس ہیئت کے بعض اجزاء میں اختلاف بھی ہے؛ چنانچہ عدم تکبیر مطلقاً اور تکبیر لمحض الوضع اور لمحض الرفع ونفی قیام ثانی یہ سب (*) اقوال بھی منقول ہیں مگر تکبیر میں ظاہر الروایۃ اور قیام ماخوذ و معمول ہے۔ (۱) فقط

۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۳۶)

(*) یعنی بعض فقہاء کے اقوال ۱۲ منہ

(۱) عن أم سلمة الأزدية قالت: رأيت عائشة^{رض} تقرأ في الصحف، فإذا مرت بسجدة، قامت فسجدت. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، جماع أبواب سجود التلاوة، دار الكتب العملية بيروت ۳/ ۲۷۰، رقم: ۳۸۸۴)

وكيفية السجود أن يسجد بشرائط الصلاة بين تكبيرتين أو لاهما عند الوضع والأخرى عند الرفع، وعن الإمام أنه يقتصر على الأولى، وعنه على الثانية والأول هو الظاهر ويندب أن يقوم ويخر ساجداً ولو كان عليه سجدة كثيرة روي ذلك عن عائشة^{رض}، وما في المعراج: من أنه لا يقوم فشاذ. قال في المصمرات: ويستحب إذا فرغ منها أن يقوم ولا يقعد. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۴۲ - ۳۴۳)

ومما يستحب لأدائها أن يقوم فيسجد لأن الخروء سقوط من القيام، والقرآن ورد به، وهو مروي عن عائشة^{رض}: وإن لم يفعل لم يضره، وما وقع في السراج الوهاج من أنه إذا كان قاعداً لا يقوم لها فخلاف المذهب. وفي المصمرات: يستحب أن يقوم ويسجد ويقوم بعد رفع الرأس من السجدة وأفاد في القنية: أنه يقوم لها وإن كانت كثيرةً وأراد أن يسجدها مترادفة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۲۳، كوئثہ ۱۲۶/۲)

اختلف الفقهاء فيما يستحب لمن أراد السجود للتلاوة في غير الصلاة، هل يقوم فيستوي قائماً، ثم يكبر ويهوي للسجود أم لا، ذهب الحنابلة وبعض متأخري الحنفية وهو وجه عند الشافعية إلى أنه يستحب لمن أراد السجود أن يقوم فيستوي، ثم يكبر ويخر ساجداً لأن الخروء سقوط من قيام، والقرآن الكريم ورد به في قول الله تعالى: إذ يتلى عليهم ←

سجدہ تلاوت کی تاخیر کا حکم

سوال (۴۸۲): قدیم ۱/۵۵۸ - اگر کوئی شخص تلاوت کے وقت آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ نہ کرے اور ہو بھی با وضو کہ بعد ختم تلاوت کر لیں گے تو اس مدت میں نہ کرنے میں گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نہیں۔ لأن وجوبها على التراخي لكن بشرط عدم الفوت. (۱)

(تتمہ اولیٰ ص ۳۳)

← يخرون للأذقان سجداً. ولما روي عن عائشة أنها كانت تقرأ في الصحف، فإذا مرّت بالسجدة قامت فسجدت، وتشبيهاً لسجدة التلاوة بصلاة النفل. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۴/۲۲۴، الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۸۰، كراچی ۲/۱۰۷)

(۱) أخرج عبد الرزاق عن المغيرة بن حكيم قال: كنت مع ابن عمر رضي الله عنهما فقرأ قاص بسجدة بعد الصبح، فصاح عليه ابن عمر فسجد القاص ولم يسجد ابن عمر، فلما طلعت الشمس قضاها ابن عمر، يقول: سجدها، وقال الثوري: تقضي السجدة إذا سمعتها ولم تسجد. (المصنف لعبد الرزاق، باب هل تقضي السجدة؟ دار الكتب العلمية بيروت ۲۱۱/۳، رقم: ۵۹۵۳)

تجب سجود التلاوة وجوباً متراخياً على المختار، وقيل: على الفور والخلاف في غير الصلواتية الآتية، وينبغي أن يكون محله في الإثم وعدمه حتى لو أداها بعد مدة كان مؤدياً اتفاقاً لا قاضياً. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۳۸)

وهو أي سجود التلاوة واجب على التراخي عند محمد ورواية عن الإمام وهو المختار وعند أبي يوسف وهو رواية عن الإمام يجب على الفور، إن لم تكن وجبت بتلاوته في الصلاة لأنها صارت جزءاً من الصلاة لا يقضى خارجها فتجب فورية فيها، وغيرها تجب موسعاً. (حاشية الطحطاوي على مراقبي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۴۷۹-۴۸۰) ←

قرآن ختم کرنے کے بعد تمام سجدات تلاوت ایک ساتھ ادا کرنا

سوال (۴۸۵): قدیم ۱/۵۵۸- ایک شخص کا معمول ہے کہ جب تمام کلام مجید ختم کر لیتا ہے تب تمام سجدے یکدم کر لیتا ہے یہ کس طرح ہے؟

الجواب: جائز ہے (*)۔ (۱) (تمتہ اولیٰ ص ۳۳)

(*) اور بہتر یہ ہے کہ جس وقت آیت سجدہ تلاوت کی ہے، اسی وقت سجدہ کر لے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جدید ۴/۴۲۷) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← وہی (سجود التلاوة) علی التراخی علی المختار ویکرہ تأخیرھا تنزیہاً لأنہ بطول الزمان قد ینساھا. (شامی، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۸۳/۲، کراچی ۱۰۹/۲)

ولاتجب علی الفور حتی لو سجد لها بعد سنة أو أكثر تقع أداء لا قضاء لعدم التقیید بالوقت. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۵۰۱)

سکب الأنهر مع مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دار الکتب العلمیة بیروت ۲۳۱/۱۔

(۱) سجدہ تلاوت کا وجوب چونکہ قول مختار کے مطابق علی التراخی ہے نہ کہ علی الفور، زندگی میں جب بھی سجدہ کرے گا ادا ہی ہوگا نہ کہ قضاء؛ اس لئے سجدہ میں ذکر کردہ طریقے کے مطابق سجدہ کرنا بلاشبہ جائز و درست ہے؛ البتہ بلا ضرورت سجدہ مؤخر کرنے کو فقہاء نے مکروہ تنزیہی لکھا ہے؛ اس لئے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے بھول جانے کا خطرہ ہے، جو کہ باعث گناہ ہے؛ اس لئے بہتر یہی ہے کہ جس وقت آیت سجدہ تلاوت کیا جائے اسی وقت فوراً سجدہ بھی کر لیا جائے۔

أخرج عبد الرزاق عن المغيرة بن حکيم قال: كنت مع ابن عمر رضي الله عنهما فقرا قاص بسجدة بعد الصبح، فصاح عليه ابن عمر فسجد القاص، ولم يسجد ابن عمر، فلما طلعت الشمس قضاها ابن عمر، يقول: سجدها، وقال الثوري: تقضي السجدة إذا سمعتها ولم تسجد. (المصنف لعبد الرزاق، باب هل تقضي السجدة؟ دارالکتب العلمیة بیروت ۲۱۱/۳، رقم: ۵۹۵۳) ←

سجرات تلاوت کی تعداد

سوال (۴۸۶): قدیم ۱/۵۵۸- حنفیہ کے نزدیک قرآن مجید میں کس قدر سجدے ہیں؟

الجواب: چودہ ہیں۔ (۱) (حوالہ بالا)

← تجب سجود التلاوة وجوباً متراجحاً على المختار، وقيل: على الفور والخلاف في غير الصلوات الآتية، وينبغي أن يكون محله في الإثم وعدمه حتى لو أداها بعد مدة كان مؤدياً اتفاقاً لا قاضياً. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۳۸)

وهي (سجود التلاوة) على التراخي على المختار ويكره تأخيرها تنزيهاً لأنه بطول الزمان قد ينساها. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۵۸۳، کراچی ۲/۱۰۹)

ولا تجب على الفور حتى لو سجد لها بعد سنة أو أكثر تقع أداءً لا قضاءً لعدم التقيد بالوقت. (حلي كبيری، كتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۰۱)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۴۷۹-۴۸۰

سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۳۱-

(۱) سجود التلاوة في القرآن أربعة عشرة في آخر الأعراف، وفي الرعد، والنحل، وبني اسرائيل، ومريم، والأولى من الحج، والفرقان، والنمل، وآل عمران، وص، وحم السجدة، النجم، إذا السماء انشفت وفي اقرأ. كذا كتب في مصحف عثمان وهو المعتمد، والسجدة الثانية في الحج للصلاة عندنا ومواضع السجدة في حم السجدة، عند قوله لا يستمرون في قول عمرؓ، وهو المأخوذ للاحتياط. (هداية، كتاب الصلاة، باب في سجدة التلاوة، مكتبة اشرفية ۱/۱۶۳)

أما بيان مواضع السجدة في القرآن فنقول: إنها في أربعة عشر موضعاً من القرآن أربع في النصف الأول، وفي آخر الأعراف، وفي الرعد، وفي النحل، وفي بني اسرائيل، ←

متعدد سجدات تلاوت کے ادا کرنے کا حکم

سوال (۴۸۷): قدیم ۱/۵۵۸- سجدہ تلاوت کے اگر کئی سجدے کرنے ہوں تو ایک ہی مرتبہ بیٹھ کر ان سب کو ادا کر لینے چاہئیں یا بار بار کھڑے ہو کر علیحدہ علیحدہ ادا کرے اور کانوں تک بھی ہاتھ لیجاوے یا نہیں؟

الجواب: اگر ایک ہی مرتبہ بیٹھ کر ان سب کو ادا کرے تو یوں بھی جائز ہے مگر ہاں بہتر یہی ہے (*) کہ بار بار کھڑے ہو کر علیحدہ علیحدہ ادا کرے اور ہاتھ کانوں تک لیجانا کچھ ضروری نہیں (۱)۔ (امداد ج ۱ ص ۳۴)

(*) میرے نزدیک بہتر ہونے کی کوئی وجہ نہیں؛ کیونکہ مطلوب سجدہ ہے اور قیام کسی درجہ میں مطلوب نہیں، پس اس کو کوئی دخل نہ ہوگا۔ (تصحیح الاغلاط ص: ۷)

« وعشر في النصف الآخر، في مريم، وفي الحج في الأولى، وفي الفرقان، وفي النمل، وفي آلم تنزيل السجدة، في ص، وفي حم السجدة، وفي النجم، وفي إذا السماء انشفت وفي اقرأ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان مواضع السجدة في القرآن، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۵۱) وتجب على من تلا آية من أربع عشرة التي في آخر الأعراف، والرعد، والنحل، وبني إسرائيل، ومريم، وأولي الحج احتراز عن الثانية، وهي قوله تعالى: «واركعوا واسجدوا فإنه لا سجدة عندنا خلافاً للشافعي، ففي كل موضع من القرآن قرن الركوع بالسجود يراد به السجدة الصلواتية، والفرقان، والنمل، وآلم السجدة، وص، وحم السجدة، والنجم، وانشفت وفي اقرأ. (شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة بلال ديوبند ۱/۱۹۰-۱۹۱)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دارالکتاب دیوبند ص: ۴۸۱-

الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۷۵-۱۰۳-۱۰۴-

(۱) وکیفیتہ أن یسجد بشرائط الصلاة بین تکبیرتین بلارفع ید وتشهد وتسليم (کنز) وفي البحر: ومما يستحب لأدائها أن يقوم فيسجد لأن الخور سقو ط من القيام،

سجدة تلاوت

سوال (۲۸۸): قدیم ۱/۵۵۸- سجدة تلاوت اگر امام پڑھے اور دوسرا نمازی نماز پڑھ رہا ہو تو اس

پر سجده واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فی العالمگیریہ ولو سمعها من الإمام أجنبي ليس معهم في الصلوة ولم يدخل معهم في الصلوة لزمه السجود كذا في الجوهرة النيرة وهو الصحيح كذا في الهداية: سمع من إمام فدخل معه قبل أن يسجد سجد معه وإن دخل في صلوة الإمام بعدما سجدها الإمام لا يسجد ها وهذا إذا أدركه في آخر تلك الركعة أما لو أدركه

← والقرآن ورد به ، وهو مروي عن عائشة: وإن لم يفعل لم يضره، وما وقع في السراج الوهاج من أنه إذا كان قاعداً لا يقوم لها فخلاف المذهب. وفي المضممرات: يستحب أن يقوم ويسجد ويقوم بعد رفع الرأس من السجدة وأفاد في القنية: أنه يقوم لها وإن كانت كثيرة وأراد أن يسجدها مترادفة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۲۳، كوئٹہ ۲/۱۲۶)

وكيفيته أن يسجد بشرائط الصلاة بين تكبيرتين بلا رفع يد (كنز) وفي النهر: ويندب أن يقوم ويخر ساجداً ولو كان عليه سجدة كثيرة روي ذلك عن عائشة، وما في المعراج: من أنه لا يقوم فشاذاً. قال في المضممرات: ويستحب إذا فرغ منها أن يقوم ولا يقعد. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۴۲-۳۴۳) يستحب أن يقوم للسجدة ويخر منه إلى السجود وإن كانت كثيرة متواليه. (بازاية على الهندية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في التلاوة، قديم زكريا ۴/۶۷، جديد زكريا ۱/۴۶)

قيل من قرأ آية السجدة كلها في مجلس وسجد لكل منها كفاه الله ما أهمه وظاهره أنه يقرأها ولاءً، ثم يسجد، ويحتمل أن يسجد لكل بعد قراءتها وهو غير مكروه كما مر (درمختار) وفي الشامية: قوله ولاءً بالكسر والمد وفي بعض النسخ أولاً، والمعنى واحد وهو أنه أولاً يسردها متواليه، ثم يسجد لكل أربع عشرة سجدة. (الدر المختار مع الشامية، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۹۶-۵۹۷، كراچی ۲/۱۱۹، حلبی کبیری، كتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۰۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فی الركعة الاخرى يسجد لها بعد الفراغ كذا في الكافي وهكذا في النهاية ج ۱ ص ۸۵. (۱)
اس سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر سجدہ لازم تو ہو گیا لیکن صرف ایک صورت میں تبعاً ادا ہو گیا وہ صورت یہ کہ سجدہ سننے کے بعد (*) اور اس کے سجدہ کرنے کے بعد یہ سننے والا اس پڑھنے والے کا اسی رکعت میں مقتدی ہو گیا۔ اور باقی سب صورتوں میں اس کو مستقل سجدہ کرنا ہوگا۔ (**)

(*) یعنی امام کے سجدہ کرنے ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) یعنی خارج نماز سجدہ کرنا ہوگا، کما تقدم فی السؤال ۴۷۴-۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) ہندیہ، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، قدیم زکریا ۱/۳۳۳، جدید زکریا ۱/۱۹۳۔

ومن سمعها من مصل واقتدى به قبل أن يسجد المصلي لها يسجد المصلي معه، وإن اقتدى بعد ما سجد لها، فإن كان اقتداءه في الركعة التي تلاها فيها سقطت عنه، إن أدرك معه الركوع لأنها أثر القراءة التي قد تحملها الإمام عنه في تلك الركعة ولو لم يدرك معه تلك الركعة، أو لم يقتد لا تسقط فلا بد من سجوده لها لعدم المسقط. (حليبي كبير، كتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ص: ۵۰۱)

ولو سمع مكلف آية السجدة من إمام فائتم به أي بذلك الإمام قبل أن يسجد الإمام لها يسجد المؤتم معه تحقيقاً للمتابعة وإن أتم به بعده أي بعد السجود لا أي لا يسجد في الصلاة، ولا بعد الفراغ أما إذا اقتدى به في الأولى فباتفاق الروايات، وأما في الثانية فظاهر إطلاق الأصل أنها كذلك لأنها بالاقتراء صارت صلاتية فلا تقضى خارجاً واختار البزدوي تخصيصه بالأولى وحمل الإطلاق عليه وهو ظاهر ما في الهداية: وإن لم يقتد به أي الإمام يسجد لها لتقرير السبب في حقه مع عدم المانع. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۴۰-۳۴۱)

فإن سمعها رجل خارج الصلاة، ثم دخل مع الإمام في تلك الركعة بعد سجود الإمام لها لم يجب عليه سجود وإن أدركه في الركعة الثانية أو الثالثة لم يجب عليه أيضاً عند أبي يوسف خلافاً لمحمد..... ولو سمعها من الإمام أجنبي ليس معهم في الصلاة، ولم يدخل معهم في الصلاة لزمه السجود لأنه قد صح له السماع وهو ممن يصح منه السجود كذا في شرحه. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ←

میت کے ذمہ سجدہ تلاوت

سوال (۴۸۹): قدیم ۱/۵۵۹- اگر کسی کے ذمہ سجدہ تلاوت ہوں اور وہ مرجائے تو ان کا کفارہ

کیا دیا جاوے؟

الجواب: کچھ نہیں اس کے لئے استغفار کیا جاوے۔ (۱)

← مکتبہ دار الكتاب دیوبند ۱/۹۷-۹۸، البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۱۵، کوئٹہ ۲/۱۲۲، الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۸۵، کراچی ۲/۱۱۰

(۱) الصیرفیة: ولو وجب علیه سجدة التلاوة، فلم يسجدها حتى مات يعطى لكل سجدة منوين من الحنطة كما في الصلاة، والصحيح أنه لا يجب. (الفتاوى التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الحادي والعشرون في سجدة التلاوة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۸۳، رقم: ۳۰۷۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



۱۵/ باب صلوٰۃ المسافر

سفر کی وجہ سے وطن اقامت کے بطلان کا حکم

سوال (۴۹۰): قدیم ۱/۵۵۹- کانپور احقر کا وطن اقامت تھا وہاں سے قنوج گیا وہاں سے یہاں (گورکھپور) آیا حال میں تو اس وجہ سے کچھ تردد پیش نہیں آیا کہ بوجہ نیت اقامت ہو جانے کے وہاں بھی اتمام کرتا رہا لیکن اگر کوئی صورت ایسی ہی فرض کی جائے اور اگر تسلیم کیا جاوے کہ ایک شخص کانپور وطن اقامت چھوڑ کر اس نیت سے قنوج گیا کہ دو چار دن کے بعد گورکھپور آوے گا۔ اور یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ کانپور سے قنوج مدت سفر نہیں تو اب لوٹتے وقت قنوج و کانپور کے مابین قصر ہے یا نہیں؟ احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ قصر نہ ہونا چاہئے کیونکہ وطن اقامت یا سفر سے باطل ہوتا ہے یا دوسرے وطن اقامت سے یا وطن اصلی سے لہذا قنوج تک جانے سے کانپور کا وطن اقامت ہونا باقی رہا لہذا قنوج سے گو مدت سفر کا ارادہ ہے مگر بیچ میں وطن بھی ہے لہذا جب تک اس سے تجاوز نہ ہو تب تک سفر کا حکم نہ ہوگا جیسے کوئی شخص پانچ منزل کا قصد کر کے پہلے اور دو منزل پر اس کا وطن اصلی ملتا ہو تو بلا تجاوز وطن اصلی اس پر مسافر ہونے کا حکم نہ ہوگا جو جناب والا کی رائے ہو اس سے مطلع فرمادیں؟

الجواب: (*) اس مسئلہ میں تصریح تو نہیں ملی مگر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ قنوج تک کا سفر، سفر گورکھپور کا جز نہ ہوگا کیونکہ قنوج گورکھپور کے طریق میں واقع نہیں ہے اس لئے قنوج تک قصر نہ ہوگا۔ ہاں جب قنوج سے گورکھپور جانے کیلئے چلا ہے اس وقت دیکھنا چاہئے کہ کانپور میں داخل ہونے کا قصد ہے یا باہر جانے کا ارادہ ہے پہلی صورت میں کانپور تک قصر نہ ہوگا اور دوسری صورت میں قصر کرنا ہوگا گواثائے سفر میں اس کو کانپور میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آئے اور وہ اس میں داخل ہو جاوے چنانچہ شامی میں ہے۔

(*) یہ جواب تصحیح الاغلاط ص: ۶۷ سے نقل کیا گیا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

 إنشاء السفري بطل وطن الإقامة إذا كان منه أما لو أنشاه من غيره فإن لم يكن فيه مرور على وطن الإقامة أو كان ولكن بعد سير ثلاثة أيام فكذلك ولوقبله لم يبطل الوطن بل يبطل السفر لأن قيام الوطن مانع من صحته. (۱)

اورقاضی خان میں ہے:

المسافر إذا جاوز عمران مصره فلما سار بعض الطريق تذكر شيئاً في وطنه فعزم الرجوع إلى الوطن لأجل ذلك إلى قوله وإن لم يكن وطناً أصلياً له فإنه يقصر الصلوة ما لم ينو الإقامة بها خمسة عشر يوماً ۵۱. (۲)

 (۱) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافرين، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، مكتبه زكريا ۶۱۵/۲، كراچی ۱۳۲/۲۔

رواية الحسن تبين أن السفر الناقض لوطن الإقامة ما ليس فيه مرور على وطن الإقامة أو ما يكون المرور فيه به بعد سير مدة السفر. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۴۱/۲-۴۲، كوئٹہ ۱۶/۲)

لأن وطن الإقامة يبطل حكمه بمثله وبالسفر عنه أي بإنشاء السفر منه كما يبطل بالوطن الأصلي ولا يبطل وطن الإقامة بإنشاء السفر من غيره مادام المسافر يمر عليه ومادامت المسافة بينه وبين المكان الذي أنشأ السفر منه دون مسافة القصر. (الفقه الإسلامي، وأدلتها كتاب الصلاة، الفصل العاشر، البحث الثالث، هدى انترنیشنل ديوبند ۳۰۶/۲)

منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲۴۰/۲، كوئٹہ ۱۳۶/۲۔

(۲) فتاوى قاضیخاں على الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، قديم زكريا ۱۶۵/۱، جديد زكريا ۱۰۴/۱۔

والمذكور في الخانية والظهيرية: وغيرهما إذا رجع لحاجة نسيها، ثم تذكرها، فإن كان له وطن أصلي يصير مقيماً بمجرد العزم على الرجوع، وإن لم يكن له وطن أصلي يقصر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲۳۱/۲، كوئٹہ ۱۳۱/۲)

اور جو جزئیہ آپ نے پیش کیا ہے اس کا پیش کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس میں وطن اصلی کا بیان ہے اور یہاں وطن اقامت کا ذکر ہے اور وطن اصلی انشاء سفر سے باطل نہیں ہوتا برخلاف وطن اقامت کے۔ (۱) واللہ اعلم،

(امداد ص ۳۰ ج ۱) (التحجج الاغلاط ص ۶ ج ۱)

سوال (۴۹۱): قدیم/۵۶۱- ایک شخص کا وطن اقامت کا پور ہے وہاں سے وہ سہارنپور کی نیت سے روانہ ہوا لیکن چونکہ کسی ضرورت سے اُٹاؤ جانا ضروری تھا لہذا اول اُٹاؤ گیا وہاں سے کا پور ہوتا ہوا سہارنپور گیا تو اس صورت میں یہ شخص اُٹاؤ میں اور جاتے آتے اُٹاؤ، اور کا پور کے درمیان قصر کرے یا تمام۔ میرا خیال یہ ہے کہ اتمام کرے اور جس وقت بھی واپسی از اُٹاؤ کا پور سے بسوئے سہارنپور روانہ ہوا اس وقت قصر کرے کیونکہ وطن اقامت یا تو وطن اصلی سے ساقط ہوتا ہے یا دوسرے وطن اقامت سے یا سفر سے اور اُٹاؤ نہ تو وطن اصلی ہے نہ وطن اقامت اور وہاں سے کا پور واپسی کا قصد ہے لہذا کا پور وطن اقامت باقی رہا۔ اس اُٹاؤ کی آمد و رفت کا سفر شرعی سفر نہیں ہے۔ واپسی کے وقت راہ میں اور کا پور آ کر قصر نہ کرنا چاہئے؟

(۱) الوطن الأصلي يبطل بمثله لا غير، ويبطل وطن الإقامة بمثله وبالوطن الأصلي وبإنشاء السفر. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۶۱۴/۲، کراچی ۱۳۲/۲)

وببطل الوطن الأصلي بمثله لا السفر ووطن الإقامة بمثله والسفر والأصلي. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۳۴۹/۱)

ومن حكم الوطن الأصلي أن ينتقض بالوطن الأصلي لأنه مثله والشيء ينتقض بما هو مثله ومن حكم وطن السفر أنه ينتقض بالوطن الأصلي لأنه فوقه وينتقض بوطن السفر لأنه مثله، وينتقض بإنشاء السفر لأنه ضده ولا ينتقض بوطن السكنى لأنه دونه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۵۱۰-۵۱۱، رقم: ۳۱۵۴-۳۱۵۰)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت ۲۴۳/۱- المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، صلاة المسافر، المجلس العلمي ۴۰۲/۲، رقم: ۲۰۶۴-۲۰۶۶- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب (*): چونکہ نیت اقامتہ میں یہ شرط ہے کہ وہ موضع صالح اقامتہ کا ہو اور مفازہ کو غیر صالح کہا گیا ہے (۱) لہذا یہ دیکھنا چاہئے کہ اُٹاؤ سے واپسی کے وقت کانپور کے اندر داخل ہو کر جاوے گا خواہ ریل سے اتر کر یا ریل ہی شہر کے درمیان میں نکلے گی یا کہ کانپور سے باہر باہر جاوے گا اگر اندر ہو کر جاوے گا تب تو کانپور سے اُٹاؤ چلتے وقت سفر کا ارادہ ہی نہیں ہوا اور اس چلنے سے کانپور کا وطن اقامتہ ہونا باطل نہیں ہوا جیسا کہ ظاہر ہے اور کانپور سے باہر باہر کو جانے کا ارادہ ہے تو جس وقت کانپور سے اُٹاؤ کو چلا ہے سفر کا ارادہ متحقق ہو گیا اور کانپور وطن اقامتہ نہ رہا اور کانپور کو لوٹنا اس لئے اس میں قاذح نہیں ہوا کہ مفازہ محل اقامت نہیں اور سفر مبطل لوطن الإقامة سے مراد انشاء السفر ہے نہ وجود السفر کما صرح به فی الدر المختار (۲)۔ فقط واللہ اعلم، (امداد ص ۳۱ ج ۱)

(*) احقر کے نزدیک اس جواب میں بھی تفسیر کی ضرورت ہے، اور جواب وہی ہونا چاہئے جو سفر قنوج و گورکھپور کے باب میں احقر نے دیا ہے۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص: ۷ سعید احمد پالن پوری

 (۱) ولا تصح نية الإقامة في مفازة لغير أهل الأخبية لعدم صلاحية المكان في حقه الخ.
 (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافرين، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۴۲۶)

الحجة: ونية الإقامة في البحر والمفازة لا تصح إلا لأهل الخيام على قول أبي يوسف وبه نأخذ. شرح الطحطاوي: ولو أن مسافرًا نوى الإقامة في سفينة أو جزيرة من جزائر العرب لا يكون مقيمًا، وفرق بين الأبنية والأخبية والفرق أن البناء موضع الإقامة والقرار دون الصحراء. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، مكتبه زكريا ۲/ ۴۹۸، رقم: ۳۱۰۵)

أما المكان الصالح للإقامة فهو موضع اللبث والقرار في العادة نحو الأمصار والقرى، أما المفازة والجزيرة، والسفينة فليست موضع الإقامة حتى لو نوى الإقامة في هذه المواضع خمسة عشر يومًا لا يصير مقيمًا. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان مكان الصالح للإقامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۷۱)

(۲) ويبطل وطن الإقامة بمثله وبالوطن الأصلي وبإنشاء السفر. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافرين، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۶۱۴، كراچی ۲/ ۱۳۲) ←

سوال (۴۹۲): قدیم/۱-۵۶۲- میں اپنی حالت پہلے عرض کر چکا ہوں کہ قیام فتنہ کی بظاہر امید نہیں نہ میرا کوئی مکان نہ وہاں میرا کوئی اسباب دار مسکونہ کا ایک شمن نانی صاحبہ کا ہے جو بطور وصیت مجھ کو مل سکتا ہے وہ بالکل ناکافی۔ اور چونکہ وہاں کوئی عزیز و قریب نہیں سب غیر ہی غیر ہیں اسلئے مکان خرید کرنا بنوانا ایسا ہی ہے جیسے کہیں پردیس میں بنوانا اس لئے کیا عجب ہے کہ اسی پر رائے قرار پائے کہ قنوج میں مکان تعمیر کیا جائے گا ابھی تک وہاں کے قیام کی بھی کوئی مستقل رائے قائم نہیں ہوئی۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ فتنہ میرا وطن رہا یا نہیں اور میں وہاں جا کر قصر کیا کروں یا اتمام۔ صرف اتنا تعلق میرا باقی ہے کہ نانی صاحبہ وہاں رہتی ہیں و بس۔ نیز نانی صاحبہ کے وہاں کے ہونے کی صورت میں اگر کسی وجہ سے جانا ہو تو کیا حکم ہے ایسی حالت میں قنوج کا کیا حکم ہے قصر کیا کروں یا اتمام۔ نکاح کرنے سے فقہاء اتمام کا حکم دیتے ہیں بشرطیکہ وہیں قیام کا ارادہ ہو جائے حتیٰ کہ اگر دو تین جگہ نکاح کر لے اور عورت کو وہاں سے لانے کا ارادہ نہ ہو تینوں جگہ اتمام کا حکم ہے اور میری حالت یہ ہے جو مذکور ہوئی؛ لہذا تردید ہی رہا کرتا ہے کہ مجھ پر قصر ہے یا اتمام؟

الجواب (*): فتح پور یقیناً ایک زمانہ تک آپ کا وطن اصلی رہ چکا ہے اب جب تک دوسرے مقام کو وطن اصلی بنانے کا عزم نہ کیا جاویگا وہ بدستور وطن اصلی رہے گا اور چونکہ ابھی اس پر آپ کی رائے قرار نہیں پائی لہذا فتنہ میں اتمام واجب ہے۔

(*) اسی مسئلہ کے متعلق ترجیح الراجحہ سوم فصل سابع میں علماء سے تحقیق کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ ۱۲

تصحیح الاغلاط ص: ۷۔ سعید احمد پالن پوری

«ومن حکم وطن السفر أنه ينتقض بالوطن الأصلي لأنه فوقه وينتقض بوطن السفر لأنه مثله، وينتقض بإنشاء السفر لأنه ضده ولا ينتقض بوطن السكنى لأنه دونه. (الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۱۱، رقم: ۳۱۵۰) ویطل وطن الإقامة بمثله وإنشاء السفر وبالوطن الأصلي لأنه فوقه.

(النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافرين، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۴۹)

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافرين، دار الكتب العلمية

بیروت ۱/۲۴۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

 فی الدر المختار الوطن الأصلي يبطل بمثله و الأصل أن الشيء يبطل بمثله
 وبما فوقه لا بما دونه ۵۱. (۱)

اور اب تک مجھ کو اس مسئلہ میں شرح صدر نہیں ہوا۔ کہ صرف تزوج سے وہ جگہ اس کیلئے وطن
 اصلی ہو جاتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ تزوج سے جبکہ اہل کو وہاں سے لے جانے کا ارادہ نہ ہو، غالباً اس
 شخص کا بھی ارادہ اس کو وطن اصلی بنانے کا اور خود ہمیشہ کیلئے بود و باش کرنے کا ہو جاتا ہے اس بناء پر
 اس کو وطن بنانے کا سبب قرار دیدیا ہے ورنہ مدار خود اس کی نیت اتخاذ وطن اصلی پر ہے اگر میرا یہ سمجھنا
 صحیح ہے تب تو قنوج ہنوز آپ کا وطن اصلی نہیں بنا اور اگر مطلق تاہل سے وطن اصلی ہو جاتا ہے تو وطن
 اصلی میں تعدد ممکن ہے جیسا فقہاء نے تصریح کی ہے اس کے وطن اصلی ہونے سے فتور کا وطن اصلی نہ
 ہونا لازم نہیں ہوتا قاضی خان کی ایک جزئی میری مؤید ہے۔

المسافر إذا جاوز عمران مصره إلى قوله إن كان ذلك وطناً أصلياً بأن كان
 مولده وسكن فيه أولم يكن مولده ولكنه تاهل به وجعله داراً الخ. (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند
 ۶۱۴/۲-۶۱۵، کراچی ۱۳۱/۲-۱۳۲۔

ومن حكم الوطن الأصلي أن ينتقض بالوطن الأصلي لأنه مثله والشيء ينتقض بما هو
 مثله. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، في صلاة المسافر، مكتبه
 زكريا ديوبند ۵۱۰/۲، رقم: ۳۱۴۵)

ويبطل الوطن الأصلي بمثله لا السفر. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة
 المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۳۴۹/۱)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الكلام في الأوطان، مكتبه زكريا ديوبند ۲۸۰/۱
 مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت ۲۴۳/۱
 (۲) خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، قديم زكريا
 ۱۶۵/۱، جديد زكريا ۱۰۴/۱۔

ووطن أصلي: وهو وطن الإنسان في بلده أو بلدة أخرى إتخذها داراً وتوطن بها مع
 أهله وولده وليس من قصده الإرتحال عنها؛ بل التعيش بها. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة،
 فصل في صلاة المسافر، الكلام في الأوطان، مكتبه زكريا ۲۸۰/۱) ←

اس میں تاہل کے بعد جعلہ دارا بڑھایا ہے جیسا کان مولدہ کے بعد و سکن فیہ بڑھایا ہے پس جس طرح صرف کان مولدہ بدون سکن فیہ کے وطن اصلی نہیں بنتا اسی طرح تاہل بہ سے بدون جعلہ دارا کے وطن اصلی نہ ہوگا۔ فافہم۔

۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۳۲ ج ۱)

ترجیح الرائج متعلقہ مسئلہ مذکورہ بالا

امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۲ میں مسئلہ توطن بہ تزوج کا ہے اس کو دوسرے علماء سے تحقیق کر لیا جاوے۔ (*) سوال (۴۹۳): قدیم ۱/۵۶۳- زید اپنے مکان و مولدہ سے سو کوس جا کر پندرہ روز مقیم رہا پھر وہاں سے دوسرے ملک کو جانے کا قصد کیا تو وہاں سے کیا تین منزل کا قصد قصر کے واسطے معتبر ہوگا یا مطلق نکلنا وہاں سے معتبر ہوگا یا مطلق خواہ دو چار کوس ہی جائے تو قصر کرے؟

الجواب: مطلق نکلنا معتبر نہیں بلکہ مسافت قصر کی نیت سے نکلنا مبطل قصر ہوگا۔

(*) مفتی عزیز الرحمن صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ محض تزوج سے مقیم ہو جاتا ہے، دیکھئے فتاویٰ دارالعلوم جدید ۴/۴۵۸، اور جلد چہارم ۴۸۲/۲ میں وضاحت ہے کہ تزوج سے مراد یہ ہے کہ نکاح ہوا اور بیوی کو وہاں سے لے جانے کا ارادہ نہیں ہے۔ بہر حال خود وہاں رہنے کا عزم ضروری نہیں ہے۔ اب علماء کا رجحان حضرت مجیب قدس سرہ کے جواب ۴۹۳ کی طرف ہے یعنی خود وہاں رہنے کا عزم ضروری ہے جیسا کہ قاضی خاں کے جزئیہ میں ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید پالن پوری

«والوطن الأصلي: هو وطن الإنسان في أو بلدة أخرى إتخذها داراً وتوطن بها مع أهله وولده وليس من قصده الانتقال عنها بل التعيش بها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبة زكريا ديوبند ۲۳۹۲، كوثثہ ۱۳۶/۲)

الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، صلاة المسافر، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۱۰، رقم: ۳۱۴۴۔

شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۶۱۴، كراچی ۱۳۱/۲-۱۳۲- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

 فی الدر المختار ویبطل وطن الإقامة إلى قوله وبإنشاء السفر اهـ. (۱)
 والسفر المعتبر هو السفر الشرعی. فقط واللہ اعلم

۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۵ ج ۱)

حالت سفر میں ریل کے سیٹی کرتے وقت نماز توڑ دینے کا حکم

سوال (۴۹۴): قدیم/۱-۵۶۴۔ کس مقدار کے نقصان پر فریضہ یا نوافل یا سنن کی نیت توڑ دینی چاہئے اور اگر بعد نیت کر لینے کے ریل سیٹی دیوے روائی کی تو کیا کرے؟

الجواب (*): ۴/ کے نقصان پر نماز کی نیت توڑ دینا درست ہے (۲) اور ریل کی سیٹی پر بھی نماز توڑ دینا درست ہے اگر سفر نہ کرنے سے کچھ حرج ہو۔ (حوادث ص ۲۲)

(*) چار آنہ سے مراد قدر درہم چاندی کی قیمت ہے۔

ویباح قطعها لنحو قتل حية..... وضیاع ما قیمته درہم (در مختار) قوله: ویباح قطعها أي ولو كانت فرضاً. (شامی ۱/ ۶۱۲، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مطلب فی بیان السنة والمستحب الخ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۴۲۵-۴۲۶، کراچی ۱/ ۶۵۴)
 اور درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہے (اوزان شریعہ ص: ۱۳) لہذا اتنی چاندی کی ہر زمانہ میں جو قیمت ہوگی وہی ۴/ سے مراد ہوگی۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الصلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۶۱۴، کراچی ۲/ ۱۳۲۔

ویبطل وطن الإقامة بمثله، ویبطل أيضاً بإنشاء السفر بعده. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۴۹۰)
 ویبطل وطن الإقامة وهو الموضع الذي نوى المسافر فيه أن یقیم خمسة عشر يوماً بمثله وإنشاء السفر والوطن الأصلي. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۳۴۹)

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۴۳۔
 بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۲۸۰۔

(۲) ویجوز قطعها ولو كانت فرضاً بسرقة یخشی علی ما یساوی درهماً ←

کجاوے میں نماز کا حکم

سوال (۴۹۵): قدیم ۵۶۴/۱ - شغف پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فی الدر المختار فہی صلوٰۃ علی الدابة فتجوز فی حالة العذر المذكور فی التیمم لافى غیرها ومن العذر المطروطين یغیب فیہ الوجه و ذهاب الرفقاء ودابة لا ترکب الابعناء إلیٰ قوله حتی لو کان مع أمہ مثلاً فی شقی محمل وإذا نزل لم تقدر ترکب وحدها جاز له أيضاً کما أفاده فی البحر فلیحفظ. ۱/۵۱

← ولو کان المسروق لغيره أي غير المصلي لدفع الظلم والنهي عن المنکر ويجوز قطعها لخشية خوف من ذنب ونحوه علی غنم ونحوها الخ. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فيما یوجب قطع الصلاة، وما یجیزه وغير ذلك، مکتبه دار الکتاب دیوبند ص: ۳۷۲)

والأصح هو الفساد إلا أنه یباح له فسادها بقتلها کما یباح لإغاثة ملهوف وتخليص أحد من سبب هلاک کسقوط من سطح أو غرق أو حرق ونحوه، وكذا إذا خاف ضیاع ما قيمته درهم له أو لغيره. (منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مکتبه زکریا دیوبند ۵۴/۲، کوئٹہ ۳۰/۲)

لا یکره قتل الحیة، والعقرب إن خاف الأذى وإلا کره وهل یغتفر العمل الكثير قال فی المبسوط الأظهر نعم، وقال المصنف: الأصح لا، لكن یباح له فسادها لقتلها کما یباح لإغاثة ملهوف، وغریق، وحریق وكذا الضیاع ما قيمته درهم له أو لغيره. (الدر المنتقى علی ملتقى الأبحر، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، دار الکتب العلمیة ۱/۱۸۹)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبه زکریا دیوبند ۴۸۹/۲ - ۴۹۰، کراچی ۴۰/۲ - ۴۱ -

وفي الظهريّة: وإذا صلى علی الدابة فی محمل وهو یقدر علی النزول لا یجوز له أن یصلي علی الدابة إذا كانت الدابة واقفة إلا أن یكون المحمل علی عیدان علی الأرض، ←

اس روایت سے ثابت ہوا کہ شغف میں بعد فرض پڑھنا جائز ہے اور اگر اترنا اور قافلہ کی معیت سب سہل ہو تو شغف میں پڑھنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم،

۲۰ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۳۹ ج ۱)

← أما الصلاة على العجلة إن كان طرف العجلة على الدابة وهي تسير أو لا تسير فهي صلاة على الدابة تجوز في حالة العذر ولا تجوز في غير حالة العذر، وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز وهو بمنزلة الصلاة على السرير، انتهى. هذا كله في الفرض، أما في النفل فيجوز على المحمل والعجلة مطلقاً كما لا يخفى. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۱۱۵/۲، كوئٹہ ۶۵/۲)

لا يصح على الدابة صلاة الفرائض ولا الواجبات كالوتر والمنذور والعيدين ولا قضاء ما شرع فيه نفلاً فأفسده ولا صلاة الجنابة ولا سجدة تلاوة قد تليت آيتها على الأرض إلا للضرورة كخوف لص على نفسه أو دابته أو ثيابه لو نزل ولم تقف له رفقته وخوف سبع على نفسه أو دابته ووجود مطروطين في المكان وجموح الدابة، وعدم وجدان من يركبه دابته لعجزه بالاتفاق، والصلاة في المحمل وهو على الدابة كالصلاة عليها في الحكم الذي علمته سواء كانت سائرة أو واقفة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الفرض والواجب على الدابة، مكتبة دار الكتاب ص: ۴۰۷-۴۰۸)

وإذا صلى على دابة في محمل والدابة واقفة وهو يقدر على النزول، لا يجوز له أن يصلي على الدابة إلا إذا كان المحمل على عیدان على الأرض، ولو صلى على العجلة إن كان طرف العجلة على الدابة وهو تسير أو لا تسير، فصلاته على الدابة في حالة العذر تجوز ولا تجوز في غير حالة العذر وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جازت وهو بمنزلة الصلاة على السرير. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون، الصلاة على الدابة، مكتبة زكريا ديوبند ۵۳۹/۲، رقم: ۳۲۴۱) المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون، الصلاة على الدابة، المجلس العلمی بیروت ۴۲۹/۲، رقم: ۲۱۲۵ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ریل گاڑی میں نماز کا حکم

سوال (۴۹۶): قدیم ۱/۵۶۵۔ بسواری ریل کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز ادا کرنا چاہئے اگر کھڑے ہو کر نماز ادا کی جاتی ہے تو چھت ریل کی سرپر لگتی ہے۔ دوم یہ کہ جو تختہ جانب پورب ہے اور جانب پچھم کے تخت کے درمیان میں فاصلہ اس قدر ہے اور درمیان میں جگہ بھی خالی ہے کہ اندیشہ گرنے کا ہے۔ سوم یہ کہ بحالت قیام ریل اتر کر نماز ادا کرنے میں یہ خیال ہے کہ ریل روانہ ہو جائیگی اور مال کا بھی نقصان ہوگا اور خود بھی رہ جائیں گے تو ان حالات مذکورہ میں کس طرح پر نماز ادا کرے؟

الجواب: نماز پڑھنے کیلئے ریل سے اترنے کی کوئی حاجت نہیں ہے اگر ریل مثل سریر موضوع علی الأرض کے ہے تو ظاہر ہے اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔

وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز لو واقفة لتعليقهم بأنهم كالسريـر .
در مختار قوله لو واقفة كذا قيده في شرح المنية ولم أره لغيره يعني إذا كانت العجلة على الأرض ولم يكن شيء منها على الدابة وإنما لها حبل مثلاً تجرها الدابة تصح الصلوة عليها كأنها حينئذ كالسريـر الموضوع على الأرض ومقتضى هذا التعليق أنها لو كانت سائرة في هذه الحالة لاتصح الصلوة بلا عذر وفيه تأمل لأن جرّها بالحبل وهي على الأرض لاتخرج به عن كونها على الأرض ويفيده عبارة التاتارخانية عن المحيط وهي لو صلى على العجلة إن كان طرفها على الدابة وهي تسير تجوز في حالة العذر لا في غيرها وإن لم يكن طرفها على الدابة جازت وهو بمنزلة الصلوة على السريـر اهـ .
فقوله وإن لم يكن الخ يفيد ما قلنا لأنه راجع إلى أصل المسئلة وقد قيدها بقوله وهي تسير ولو كان الجواز مقيداً بعدم السير لقيده به فتأمل . شامي ج ۱ ص ۴۷۱ . (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند

۴۹۱/۲، کراچی ۴۱-۴۲۔

وإذا صلى على دابة في محمل و الدابة واقفة وهو يقدر على النزول لا يجوز له أن يصلي على الدابة إلا إذا كان المحمل على عيدان على الأرض، ولو صلى على العجلة ←

اور اگر مثل عجلہ محمولہ علی الدابة کے بھی مانی جاوے تب بھی بوجہ عذر کے اترنے کی کوئی ضرورت نہیں اور عذر یہی ہے کہ چلتی ریل میں اتر نہیں سکتا کھڑی ریل میں ریل کے چلنے یا مال کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔

وأما الصلوة على العجلة إن كانت طرف العجلة على الدابة وهي تسير أو لا تسير فهي صلوة على الدابة فتجوز (*) في حالة العذر المذكور في التيمم لا في غيرها ومن العذر المطروطين يغيب فيه الوجه وذهاب الرفقاء ودابة لا تترك إلبعاء أو بمعين. درمختار. فقله المذكور في التيمم بأن يخاف على ماله أو نفسه أو يخاف من فاسق. شامی ج ۱ ص ۴۷۰ (۱).

اگرچہ یہ بھی امید ہو کہ نماز کے وقت رہنے تک مجھ کو اتر کر پڑھنا ممکن ہے تب بھی ریل میں بہر حال پڑھنا جائز ہوگا کیونکہ عذر وقت شروع نماز کے معتبر ہے اگرچہ آخر وقت میں زوال اس کا متوقع ہے۔

تنبیہ: بقي شیئ لم أر من ذكره وهو أن المسافر إذا عجز عن النزول لعذر من الأعداء وكان على رجاء زوال العذر قبل خروج الوقت كالمسافر مع ركب الحج الشريف

(*) اس عبارت سے ریل میں جواز تیمم بھی ثابت ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

← إن كان طرف العجلة على الدابة وهي تسير أو لا تسير فصلاته على الدابة تجوز في حالة العذر ولا تجوز في غير حالة العذر، وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جازت وهو بمنزلة الصلاة على السرير، انتهى. وهذا كله في الفرض، أما في النفل فيجوز على المحمل والعجلة مطلقاً كما لا يخفى. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۱۱۵/۲، كوئٹہ ۶۵/۲)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث العشرون الصلاة على الدابة ۵۳۹/۲، رقم: ۳۲۴۱۔

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون، الصلاة على الدابة، المجلس العلمي ۴۲۹/۲، رقم: ۲۱۲۵۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۴۸۹/۲، كراچی ۴۰/۲۔

هل له أن يصلى العشاء مثلاً على الدابة أو المحمل فى أول الوقت إذا خاف من النزول أم يؤخر إلى وقت نزول الحجاج فى نصف الليل لأجل الصلوة والذى يظهر لى الأول لأن المصلى إنما يكلف بالاركان والشروط عند إرادة الصلوة والشروع فيها وليس لذلك وقت خاص ولذا جاز له الصلوة بالتيمم أول الوقت وإن كان يرجوا وجود الماء قبل خروجه وعلوه بأنه قد اداها بحسب قدرته الموجودة عند انعقاد سببها وهو ما اتصل به الأداء ومسلتنا كذا لك. (شامى ۱ / ۴۷۱) (۱)

البتة ایسی صورتہ میں انتظار آخر وقت مستحب تک مستحب ہوگا۔

(*) وندب لراجیه رجاء قویا آخر الوقت المستحب ولو لم يؤخر وصى جاز إن كان بينه وبين الماء ميل وإلا لا. (در مختار مع الشامى ص: ۱۶۶) (۲)
پس ہر گاہ معلوم ہوا کہ اترنے کی کچھ حاجت نہیں تو اگر قیام پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھنا درست ہے خواہ کسی شکل سے بیٹھے۔

(*) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریل میں بھی انتظار پانی کا آخر وقت مستحب تک بہتر ہے ضروری نہیں۔

۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۴۹۰/۲، كراچي ۴۱/۲۔

(۲) الدر المختار مع الشامى، كتاب الطهارة، باب التيمم، مكتبه زكريا ديوبند ۴۱۷/۱، كراچي ۲۴۹/۱۔

وندب تأخير التيمم لمن يرجو إدراك الماء بغلبة الظن قبل خروج الوقت المستحب. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب التيمم، مكتبه دار الكتاب ديوبند ۱۲۲-۱۲۳)

ويستحب أن يؤخر الصلاة إلى آخر الوقت إذا كان يرجو وجود الماء فيه ليؤديها بأكمل الطهارتين ولو لم يفعل وتيمم وصلى جاز لأنه أداها بحسب قدرته الموجودة عند انعقاد سببها وهو ما اتصل به الأداء. (حلي كبيرى، كتاب الطهارة، فصل في التيمم، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۷۴)

مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، فصل في التيمم، دار الكتب العلمية بيروت ۶۵-۶۶۔

أو وجد لقيامه ألما شديدا صلى قاعداً كيف شاء على المذهب. درمختار ص ۵۰۹ (۱)
صلى الفرض فى فلك جار قاعداً بلا عذر صح لغلبة العجز وأساء وقال لا يصح
إلا بعذره وهو الأظهر برهانا. درمختار ص ۵۱۲. (۲)

اور اگر رکوع و سجود بوجہ زیادتی فصل درمیان شرقی و غربی تختوں کے معتذر ہوں تو اشارۂ سر سے رکوع و سجدہ کرے لیکن معمولی وقت کو معتذر نہ سمجھا جائے اور سجدہ کو رکوع سے ذرا پست کرے۔

وإن تعذر أو مأقاعداً ويجعل سجوده أخفض من ركوعه. درمختار
ص ۵۰۹، (۳) واللہ اعلم

۲۳ شوال ۱۳۰۲ھ (امداد ص ۳۵ ج ۱)

سوال (۴۹۷): قدیم ۱/۵۶۷۔ نماز ریل میں کس طرح پڑھنا چاہئے میں بعض مرتبہ
کھڑے ہو کر پڑھتا ہوں اس طرح کہ ایک تختہ کی طرف کھڑا ہوتا ہوں اور دوسرے تختہ پر سجدہ
کرتا ہوں۔ ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ سجدہ میں گھٹنے پاؤں کے زمین میں نہیں لگتے ہیں؛
لہذا نماز نہیں ہوتی حدیث شریف میں ہے کہ سات چیزیں زمین میں بوقت سجدہ کے لگنا چاہئے (۴)
.....

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مکتبہ زکریا دیوبند
۵۶۵-۵۶۶، کراچی ۲/۹۶۔

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مکتبہ زکریا دیوبند
۵۷۲/۲، کراچی ۲/۱۰۱۔

(۳) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مکتبہ زکریا دیوبند
۵۶۷/۲-۵۶۸، کراچی ۲/۹۸۔

تعذر عليه القيام أو خاف زيادة المرض صلى قاعداً يركع ويسجد مؤمياً إن
تعذر وجعل سجوده أخفض. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مکتبہ
زکریا دیوبند ۱/۳۳۴-۳۳۵)

(۴) عن ابن عباس قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم أمرت أن أسجد على سبعة
أعظم على الجهة وأشار بيده إلى أنفه، واليدين والركبتين وأطراف القدمين، ولانكفت
التياب والشعر. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، النسخة الهندية ۱/۱۱۲، رقم: ۸۰۴، ف: ۲/۸۱)

چنانچہ اول سات میں سے ایک گھنٹے بھی ہیں اور اسی وجہ سے میت کے گھنٹوں میں کا فور لگایا جاتا ہے ان کی رائے میں اس طرح پڑھنا چاہئے کہ ایک تختہ پر بیٹھے مثل نماز پڑھنے والے کے اور دوسرے تختہ پر سجدہ کرے مگر اس صورت میں قیام جو فرض ہے ترک ہوتا ہے۔ لہذا جناب کی کیا رائے ہے کیا گھنٹے کا لگنا زمین میں بوقت سجدہ کے لازم ہے؟

الجواب: في رد المحتار تظافرت الروايات عن ائمتنا بأن وضع اليدين والركبتين سنة ولم ترد رواية بأنه فرض. ۵۲۱/۱. (۱)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ زانو ٹکانا فرض نہیں بلکہ واجب بھی نہیں (*) اور قیام فرض ہے پس آپ کا طریقہ صحیح ہے اور ان صاحب کا قول غلط ہے۔ علاوہ مذکورہ (**) بالا ان وجہ کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو خرابی انہوں نے قیام کی حالت میں بتلائی ہے یعنی گھنٹوں کا سجدہ کی حالت میں زمین میں نہ لگنا وہی خرابی قعود کی حالت میں بھی ہے۔ فافہم، واللہ اعلم، (امداد ص ۹۷ ج ۱)

(*) متون میں عام طور پر یہی ہے؛ لیکن فتح القدر، بحر الرائق، شامی وغیرہ میں ترجیح اس کو دی ہے کہ گھنٹوں کا ٹیکنا سجدہ میں واجب ہے۔ (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب صفة الصلوٰۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۰۲/۲، کراچی ۱۳۹۱) قال الشامي: واختار في الفتح: الوجوب لأنه مقتضى الحديث مع المواظبة، قال في البحر: وهو انشاء الله تعالى أعدل الأقوال لموافقة الأصول انتهى. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۱۷۳، کراچی ۱/۴۷۶)

وقال في موضع آخر: قدمنا الخلاف في أنه سنة أو فرض أو واجب، وأن الآخر أعدل الأقوال انتهى. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۰۲، کراچی ۱/۴۹۷) لیکن ریل میں مذکورہ سوال ضرورت میں جبکہ فرض قیام فوت ہونا لازم آتا ہو، اگر اس خاص حالت میں سنت کے قول کو ترجیح دیدی جاوے تو مضائقہ نہیں جیسا کہ حضرت مصنف قدس سرہ نے کیا ہے۔ واللہ اعلم بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ (***) یہ اضافہ تصحیح الاغلاط سے کیا گیا ہے۔ ۱۲ صحیح

(۱) شامی، کتاب الصلاۃ، مطلب لفظة الفتوى، أكد وأبلغ الخ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۰۴، کراچی ۱/۲۹۹۔

ووضع اليدين والركبتين سنة عندنا لتحقق السجود دونهما. (هداية، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مکتبہ اشرفیہ ۱/۱۰۸)

ووضع يديه وركبتيه يعني وضعهما على الأرض حالة السجود لقوله عليه الصلاة والسلام أمرت أن أسجد على سبعة أعظم وعدمنها اليدين والركبتين وهو سنة عندنا لتحقق السجود بدون وضعهما. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۲۸۰، امدادیہ ملتان ۱/۱۰۷) ←

سوال (۴۹۸): قدیم ۱/۵۶۸- ریل کے سفر میں جو مواقع پیش آتے ہیں وہ ذیل میں عرض

کئے جاتے ہیں۔

(۱) بحالت کی ریل چلتی ہوئی ہے اور بیٹھنے کی پٹری موافق رخ قبلہ نہیں ہے یعنی شمال و جنوب ہے اور آئندہ اسٹیشن پہنچنے کے قبل وقت جاتا رہے گا یا اسٹیشن پر اتر کر نماز ادا کرنا بوجہ قلت قیام ممکن نہ ہوگا تو ایک پٹری پر بیٹھ کر اور پاؤں لٹکا کر دوسری پٹری پر سجدہ کرنا اس طرح درست ہوگا یا کیا خواہ جماعت ہو یا تنہائی؟

الجواب: بیٹھنا بلا عذر درست نہیں ایک پر کھڑا ہو کر دوسری پر سجدہ کرے (۱)۔

۱۸ محرم ۱۳۳۴ھ (تمہہ رابعہ ص ۶۲)

← النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۲۰۲۔

وإذا وضع قدمًا ورفع آخر جاز مع الكراهة من غير عذر كما أفاده قاضيخان، وذهب شيخ الإسلام إلى أن وضعهما سنة، فتكون الكراهة تنزيهية، والأوجه على منوال ما سبق هو الوجوب فتكون الكراهة تحريمية لما سبق من الحديث، وذكر القدوري: أن وضعهما فرض وهو ضعيف، وأما اليدان والركبتان فظاهر الرواية عدم افتراض وضعهما. قال في التحنيس والخلاصة: وعليه فتوى مشايخنا، وفي منية المصلي: ليس بواجب عندنا، واختار الفقيه أبو الليث الإفتراض، وصححه في العيون ولا دليل عليه لأن القطعي إنما أفاد وضع بعض الوجه على الأرض دون اليدين والركبتين، والظني المتقدم لا يفيد؛ لكن مقتضاه ومقتضى المواظبة الوجوب وقد اختاره المحقق. في فتح القدير: وهو إنشاء الله تعالى أعدل الأقاويل لموافقة الوصول وإن صرح كثير من مشايخنا بالسنية ومنهم صاحب الهداية. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۵۶، كوئته ۳۱۷/۱)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۱۱، كوئته ۲۶۴/۱۔

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے اس سے پہلے والے سوال میں اس بات کو تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ ٹرین میں سیٹ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی صورت میں گھٹنوں کے حالت سجدہ میں زمین پر نہ ٹکرنے کے اندیشہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کی جائے گی؛ اس لئے کہ قیام کرنا فرض ہے اور حالت سجدہ میں گھٹنوں کا زمین پر ٹیکنا مختلف فیہ ہے، بعض حضرات نے واجب کہا ہے؛ جبکہ اکثر اصحاب متون نے سنیٰ کو بیان کیا ہے؛ لہذا واجب یا سنت کی وجہ سے قیام کو ترک کر کے جو کہ فرض ہے بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ نیز جس بات کا اندیشہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں ہے، اس کا اندیشہ سیٹ پر بیٹھ کر نماز پڑھنے میں بھی ہے۔ ←

سوال (۴۹۹): قدیم ۱/۵۶۸ - (*) برریل گاڑی نماز فرض خواندن در حالت

سیرا وبدون عذر جائز است یا نہ، بینوا تو جرو؟

(*) یہ سوال وجواب حضرت تھانویؒ قدس کے نہیں ہیں، اسی طرح آگے آنے والا سوال نمبر ۵۱۵ اور اس کا جواب بھی حضرتؒ کا نہیں ہے؛ بلکہ کسی نے یہ دونوں سوال وجواب حضرت کی خدمت میں بھیجے تھے اور حضرتؒ کے ایک جواب پر (جو سوال نمبر ۵۱۶ پر آ رہا ہے، جس کے اخیر میں رفع اشتباہ ہے) نقد بھی تھا، جس کا جواب مولانا حبیب احمد صاحب کے قلم سے ہے، ترجیح خامس کی گیارہویں فصل ص: ۹۱ میں حضرتؒ نے ایک نوٹ لکھ کر دونوں سوال وجواب درج فرمائے ہیں، پہلے وہ سوال وجواب ہے جو یہاں سوال نمبر ۵۱۵ پر آ رہا ہے، پھر یہ سوال وجواب ہے جو نمبر ۴۹۹ پر درج ہے اور پھر مولانا حبیب احمد صاحب کا جواب ہے بوادر النواذر ۱/۴۳-۴۸) میں بھی اصل کے مطابق نقل کیا گیا ہے، ترجیح خامس کا وہ نوٹ بعینہ درج ذیل ہے۔ ←

← ملاحظہ ہو سوال نمبر ۴۹۷ کا جواب:

عن عمران بن حصینؓ قال: كانت بي بواسير فسألت النبي صلى الله عليه وسلم عن الصلاة، فقال: صل قائماً، فإن لم تستطع فقاعداً، فإن لم تستطع فعلى جنب. (بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب إذا لم يطق قاعداً صلى على جنب، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۰، رقم: ۱۱۰۶، ف: ۱۱۱۷) ومنها القيام لقادر عليه (در مختار) وفي الشامية: فلو عجز حقيقة وهو ظاهر أو حكماً كما لو حصل له به ألم شديد أو خاف زيادة المرض، فإنه يسقط. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۳۱-۱۳۲، كراچی ۱/ ۴۴۴-۴۴۵) وضع اليدين والركبتين سنة عندنا لتحقيق السجود دونهما. (هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة اشرفية ۱/ ۱۰۸)

ووضع يديه وركبتيه يعني وضعهما على الأرض حالة السجود لقوله عليه الصلاة والسلام: أمرت أن أسجد على سبعة أعظم وعد منها اليدين والركبتين وهو سنة عندنا لتحقيق السجود بدون وضعهما. (تبیین الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۲۸۰، امدادیہ ملتان ۱/ ۱۰۷)

تظافرت الروايات عن أئمتنا بأن وضع اليدين والركبتين سنة ولم ترد رواية بأنه فرض. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۰۴، كراچی ۱/ ۴۹۹) ←

الجواب: جائز است۔

قال فی ردالمحتار شرح الدرالمختار (من باب الوتر والنوافل) تحت قوله وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز لو واقفة الخ كذا قيده في شرح المنية ولم أره لغيره يعني إذا كانت العجلة على الأرض ولم يكن شيء منها على الدابة وإنما لها حبل مثلاً تجرها الدابة به تصح الصلوة عليها لأنها حينئذ كالسرير الموضوع على الأرض ومقتضى هذا التعليل أنها لو كانت سائرة في هذه الحالة لا تصح الصلوة عليها بلا عذر وفيه تأمل لأن جرها بالحبل وهى على الأرض لا تخرج به عن كونها على الأرض ويفيده عبارة التاتارخانية عن المحيط وهى لو صلى على العجلة إن كان طرفها على الدابة وهى تسير تجوز في حالة العذر لافى غيرها

← فصل يازد هم در تحقیق صلوة بر جہاز ہوائی: میرا ایک فتویٰ اس کے متعلق رسالہ الامداد محرم ۱۳۳۵ھ میں صفحہ ۳۸ پر چھپا تھا (جو یہاں سوال نمبر ۵۱۶ پر ہے ۱۲ سعید) اس کے متعلق ایک تحریر بہ شکل دو سوال و جواب آئی جو ذیل میں منقول ہے، اور اس کے ایک حاشیہ میں جو بھذا ظہر سے شروع ہوتا ہے (یہ حاشیہ یہاں سوال ۴۹۹ کے جواب کی آخری سطور میں ہے جسے بین القوسین کر دیا گیا ہے ۱۲ سعید) میری ایک عبارت معنون بہ ”رفع اشتباہ“ پر اعتراض بھی تھا، اس کا جواب مولوی حبیب احمد صاحب نے لکھ کر مجھ کو دکھلایا جو اس (آئی ہوئی) تحریر کے بعد منقول ہے الخ۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سوال نمبر ۴۹۹ و ۵۱۷ اور ان کے جوابات حضرت قدس سرہ کے نہیں ہے، مرتب کتاب سے تسامح ہوا ہے کہ انہیں اس طرح درج کر دیا ہے جس سے دھوکا ہوتا ہے کہ یہ حضرت ہی کے جوابات ہیں فتنہ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← وأما الیدان والركبتان فظاهر الرواية عدم افتراض وضعهما. قال في التجنيس والخلاصة: وعليه فتوى مشايخنا، وفي منية المصلي: ليس بواجب عندنا، واختار الفقيه أبو الليث الافتراض، وصححه في العيون ولا دليل عليه لأن القطعي إنما أفاد وضع بعض الوجه على الأرض دون اليدين والركبتين، والظني المتقدم لا يفيد؛ لكن مقتضاه ومقتضى المواظبة الوجوب وقد اختاره المحقق. في فتح القدير: وهو إنشاء الله تعالى أعدل الأقاويل لموافقة الوصول وإن صرح كثير من مشايخنا بالسنية ومنهم صاحب الهداية. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۵۵۶، كوئٹہ ۱/ ۳۱۷)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۱۱،

كوئٹہ ۱/ ۲۶۴۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وإن لم يكن طرفها على الدابة جازت وهو بمنزلة الصلوة كالسير انتهى فقوله وإن لم يكن طرفها الخ يفيد ما قلنا لأنه راجع إلى أصل المسئلة وقد قيدها بقوله وهي تسير ولو كان الجواز مقيداً بعدم السير لقيد به فتأمل انتهى. (۱) أقول وكذا يقيد ما أفادنا السيد قدس سره عن عبارة المحيط عبارة فتاوى قاضى خان وهي أما الصلوة على العجلة إن كان طرف العجلة على الدابة وهي تسير أولاً تسير فهي صلوة على الدابة تجوز حالة العذر ولا تجوز في غيرها وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز وهي بمنزلة الصلوة على السير انتهى قبل باب صلوة المريض. (۲) فلما جازت الصلوة على العجلة إذا لم يكن شئ منها على الدابة وهي تسير أولاً تسير بدون العذر وكانت بمنزلة السير في الحاليتين فبالطريق الأولى تجوز على المركب الدخاني الذي يجري على الأرض حال كونه سائراً بدون العذر فظهر أن مافى غاية الأوتار. ج ۱ ص ۳۴۳. (۳) تحت قوله وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز ولو واقفة (في باب الوتر والنوافل) علمائے ہند مختلف ہیں کہ ریل گاڑی چلتے میں نماز فرض و واجب درست نہیں اور بعضے درست کہتے ہیں الخ منشأ عدم اطلاع الفريقين و المؤلف أيضاً على ما حققه السيد العلامة تحت القول المذكور كما نقلنا هذا واعتراض (في باب الوتر والنوافل) مفتى المصر على قول السيد قدس سره وفيه تأمل لأن جرّها الخ حيث قال وهي وإن لم تخرج بالجرب الحبل عن كونها على الأرض إلا أن هذا القيد لا بد منه إذ بدونه يفوته اتحاد مكان الصلوة الذي هو شرط لصحتها إلا بعذر الخ ويقول العبد الضعيف أن هذا منه عجيب جداً فإن مكان الصلوة فيما نحن فيه العجلة ولوح من ألواحها دون الأرض التى تحتها.

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۴۹۱/۲، كراچی ۴۱/۲-۴۲۔

(۲) خانية على الهندية، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة المريض، قديم زكريا ۱۷۱/۱، جديد زكريا ۱۰۷/۱۔

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في الصلاة على الدابة، المجلس العلمي ۴۲۹/۲، رقم: ۲۱۲۵۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون، الصلاة على الدابة، مكتبه زكريا ديوبند ۵۳۹/۲، رقم: ۳۲۴۱۔

(۳) کتاب دستیاب نہیں ہو سکی۔

ألا ترى أن الصلوة على السفينة السائرة جائزة واعتبار العذر هنا لأنها لما كانت على الميادون الأرض فكانت كاللدابة لا لعدم اتحاد مكان الصلوة فإن الحكم في السفينة المربوطة بالشط إذا كانت على القرار من الماء ولم يكن شيء منها مستقراً على الأرض أيضاً كذلك (بهذا) (*) ظهر أن كون السفينة على الماء والماء على الأرض مما لا ينتج نتيجة تفيد حكماً من الأحكام) إن قيل قد تقرر أن بعض الأئمة إذا صرح بقيد وجب اتباعه قلت هذا إذا كان من أهل الترجيح وابن أمير الحاج شارح المنية ليس من أهل الترجيح (كذا في الحموى شرح الاشباه من الفن الثالث في أحكام الخنثى) بل هو من نقلة المذهب فكان عليه عزو القيد المذكور إلى كتاب من الكتب المعتمدة ولعل إليه اشار السيد المحقق بقوله ولم أره لغيره بقي هل يجب التوجه إلى القبلة وكلمة دار المركب الدخاني عنها عند استفتاح الصلوة وفي خلال الصلوة؟ الظاهر نعم فإن لم يمكنه يمكنه عن الصلوة إلا إذا خاف فوت الوقت هذا ما ظهر لي. والله تعالى اعلم وعلمه أحكم.

الجواب من المولوى حبيب احمد

في الدر المختار المربوطة في الشط كالشط في الأصح اه وقال في رد المحتار قوله المربوطة في الشط كالشط فلا تجوز الصلوة فيها قاعداً اتفاقاً وظاهراً في الهداية وغيرها الجواز قائماً مطلقاً أي استقرت على الأرض أولاً وصرح في الإيضاح بمنعه في الثاني حيث أمكنه الخروج إلحاقاً لها بالدابة نهر وأختاره في المحيط والبدائع بحر. وعزاه في الإمداد أيضاً إلى مجمع الروايات عن المصنفى وجزم به في نور الإيضاح وعلى هذا ينبغي أن لا يجوز الصلوة فيها سائرة مع إمكان الخروج إلى البر وهذه المسئلة والناس عنها غافلون. شرح المنية اه ص ۷۹، (۱)

(*) توسمين کے درمیان جو عبارت ہے اس میں سوال نمبر ۵۱۱۶ کے جواب کے آخر میں جو ”رفع اشتباہ“ ہے اس پر اعتراض ہے اور اسی کا جواب مولانا حبيب احمد صاحب کے قلم سے آ رہا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مطلب في الصلاة في السفينة، مكتبة زكريا ديوبند ۵۷۳/۲، کراچی ۱۰۱/۲۔ ←

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفینہ کے مثل دابہ ہونے میں اختلاف ہے صاحب ہدایہ وغیرہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کو مثل دابہ نہیں سمجھتے اور اس میں نماز بلا عذر جائز ہے اور دیگر علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے اور اس میں نماز بلا عذر جائز نہیں اور راجح یہ ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھنا چاہئے کہ الامداد میں جو لکھا گیا ہے (رفع اشتباہ) اس جہاز کو مثل دریائی جہاز کے نہ سمجھا جاوے کیونکہ وہ بواسطہ پانی کے مستقر علی الارض ہے اور اس کا استقرار پانی پر اور پانی کا استقرار ارض پر بالکل ظاہر ہے۔ آھ

← وإن كانت مربوطة بالشط لا تجوز صلاته فيها قاعدًا مع قدرته على القيام لانتفاء المقتضى للصحة بالإجماع على الصحيح، وهو احتراز عن قول بعضهم أنها أيضًا على الخلاف، فإن صلى في المربوطة بالشط قائمًا وكان شيء من السفينة على قرار الأرض صحت الصلاة بمنزلة الصلاة على السرير، وإلا أي وإن لم يستقر منها شيء على الأرض فلا تصح الصلاة فيها على المختار كما في المحيط والبدائع لأنها حينئذ كالداية، وظاهر الهداية والنهاية جواز الصلاة في المربوطة بالشط قائمًا مطلقًا أي سواء استقرت أو لا، إلا إذا لم يمكنه الخروج بلا ضرر فيصلّى فيها للحرَج. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة في السفينة الخ، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۴۰۹)

والخلاف في غير المربوطة والمربوطة كالشط هو الصحيح كذا في الهداية ثم ظاهر الهداية والنهاية والاختيار جواز الصلاة في المربوطة في الشط مطلقًا، وفي الإيضاح: فإن كانت موقوفة في الشط وهي على قرار الأرض فصلّى قائمًا جاز لأنها إذا استقرت على الأرض فحكمها حكم الأرض، فإن كانت مربوطة ويمكنه الخروج لم تجز الصلاة فيها لأنها إذا لم تستقر فهي كالداية بخلاف ما إذا استقرت فإنها حينئذ كالسرير، واختاره في المحيط والبدائع. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۰۶-۲۰۷، كوئٹہ ۲/۱۱۷)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون، الصلاة في السفينة، المجلس العلمي ۲/۴۳۰، رقم: ۲۱۲۶۔

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الصلاة على الدابة والسفينة، مكتبة زكريا

ديوبند ۱/۲۹۱۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ظہور استقرار کی وجہ سے اس کو اگر مثل دابہ نہ کہا جاوے بلکہ اس کو مثل سریر سمجھا جاوے تو گو یہ مرجوح ہے مگر اس کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہدایہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے برخلاف ہوائی جہاز کے وہاں یہ گنجائش نہیں۔

فاتضح فائدة هذا الكلام واندفع ما أورد عليه بقوله بهذا ظهر أن كون السفينة على الماء والماء على الأرض مما لا ينتج نتيجة تفيد حكماً من الأحكام،
التماس: اب ناظرین علماء سے اس کی تنقید کر لیں۔ (*)

۴/ رذی الحجۃ ۱۳۳۶ھ (ترجیح خامس ص ۹۲)

ہر وقت سیاحی پر رہنے والے کے قصر و اتمام کا حکم

سوال (۵۰۰): قدیم ۵۷۲/۱ - کوئی شخص برابر بارہ سال سے سیاحی کرتا ہے آج اس گاؤں میں کل اس گاؤں میں رہتا ہے تو ہمیشہ قصر پڑھے یا نہیں؟
الجواب: اس میں تین صورتیں ہیں:

- (۱) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل یا زائد کے سفر کا قصد ہے اور کسی جگہ پہنچ کر پندرہ روز یا زائد قیام کا قصد نہیں اس صورت میں قصر پڑھے۔
- (۲) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل یا زائد کے سفر کا قصد ہے اور کسی جگہ پہنچ کر پندرہ روز یا زائد قیام کا قصد ہے اس صورت میں راہ میں قصر پڑھے اور اس جگہ ٹھہرنے میں پوری پڑھے۔
- (۳) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل یا زائد کے سفر کا قصد نہیں یعنی جس جگہ سے اب چلا ہے نہ یہاں سے چلنے کے وقت اور نہ اس کے قبل جس جگہ سے چلا تھا اس کے چلنے کے وقت بھی تین منزل کا ارادہ نہیں ہوا تو پوری نماز پڑھے۔

فی الدر المختار من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدا ولو كافرا ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر مسيرة ثلاثة أيام ولياليها صلى الفرض الرباعي ركعتين

(*) اس مسئلہ کی تفصیل سوال نمبر ۵۱۶ کے جواب پر حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

حتى يدخل موضع مقامه أو ينوي إقامة نصف شهره، (١) والله تعالى اعلم وعلمه أتم.

ذيقعد ١٣٢٢هـ (امداد ص ٦٣ ج ١)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا

ديوبند ٥٩٩/٢ تا ٦٠٥، كراچی ١٢٠/٢ تا ١٢٥ -

من جاوز بيوت مصره مريدًا أي قاصداً نيه بذلك على أنه لو طاف الدنيا من غير قصد إلى قطع المسافة لا يترخص سيرًا وسطًا ثلاثة أيام في برٍّ أو بحرٍ أو جبلٍ قصر الفرض الرباعي، فلو أتم وقعد في الثانية صح وإلا لا حتى يدخل مصره أو ينوي إقامة نصف شهر ببلد أو قرية وقصر إن نوى أقل منه أو لم ينو وبقي سنين. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٣٤٤/١ - ٣٤٧)

من جاوز بيوت مصره مريدًا سيرًا وسطًا ثلاثة أيام في برٍّ أو بحرٍ أو جبلٍ قصر الفرض الرباعي فلو أتم وقعد في الثانية صح وإلا لا، حتى يدخل مصره أو ينوي إقامة نصف شهر ببلد أو قرية وقصر إن نوى أقل منه أو لم ينو وبقي سنين (كنز) وفي التبيين: ثم كلامه يتضمن أشياء، أحدها بيان موضع يبتدأ فيه بالقصر، والثاني: بيان اشتراط قصر السفر، والثالث: بيان قدر مسافته الرابع تحتم القصر فيه، أما الأول فإنه يقصر إذا فارق بيوت المصر وأما الثاني: وهو بيان اشتراط قصر السفر فلا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص برخصة المسافرين وإلا لا يترخص أبدًا ولو طاف الدنيا جميعها وأما الثالث: وهو بيان مسافة السفر فقد قال أصحابنا: أقل مسافة تتغير فيها الأحكام مسيرة سيرة ثلاثة أيام بسير متوسط وهو سير الإبل ومشي الأقدام في أقصر أيام السنة الخ. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٥٠٦/١ تا ٥١٣، امدادية ملتان ٢٠٩/١ تا ٢١٣)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢٢٥/٢

تا ٢٣٢، كوئٹہ ١٢٨/٢ تا ١٣٢ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گھوڑے کی سواری پر نماز کا حکم

سوال (۵۰۱): قدیم ۱/۳۷۵۔ اگر گھوڑے پر سوار ہے اور کوئی آدمی ساتھ نہیں اور نہ کوئی باندھنے کی چیز ہے اور خوف فرار بھی یا رات ہو جانے کا خوف ہے تو نماز فرض گھوڑے پر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: فی الدر المختار باب النوافل فہی صلوۃ علی الدابة فتجوز فی حالة العذر المذكور فی التیمم إلی قوله وذہاب الرفقاء ودابة لا ترکب إلا بعناء أو بمعین وفی رد المحتار بأن یخاف علی نفسه أو ماله الخ، (۱)

پس صورت مسئلہ میں جب اترنے سے گھوڑے کے بھاگ جانے کا خوف ہے اور رات ہو جانے سے جان کا اندیشہ ہے تو فرض نماز گھوڑے پر درست ہے۔ یہ حکم تو اس صورت میں ہے کہ گھوڑے کے چلے جانے کا بہت غالب گمان ہو اور اگر ویسے ہی شبہ ہے تو گھوڑے پر نماز نہ پڑھے بلکہ زمین پر اتر کر شروع کرے پھر اگر گھوڑا بھاگنے کو ہو تو نماز قطع کر کے اس کو پکڑ لے۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبہ

زکریا دیوبند ۲/۴۸۹، کراچی ۲/۴۰۔

لا یصح علی الدابة صلاة الفرائض ولا الواجبات كالوتر والمنذور والعیدین ولا قضاء ما شرع فیہ نفلًا فافسده ولا صلاة الجنابة ولا سجدة تلاوة قد تلیت آیتها علی الأرض إلا للضرورة كخوف لص علی نفسه أو دابته أو ثیابه لو نزل ولم تقف له رفقة وخوف سبع علی نفسه أو دابته ووجود مطروطين فی المكان وجموح الدابة، وعدم وجدان من یرکبه دابته ولو كانت غیر جموح لعجزه بالاتفاق الخ. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الفرض والواجب علی الدابة، مکتبہ دار الکتاب ص: ۴۰۷-۴۰۸)

وقید بالنفل لأن الفرض والواجب بأنواعه لا یجوز علی الدابة من غیر عذر من الوتر والمنذور وما لزمه الإعادة إذا استطاع النزول كما فی الظهیریة وغیرها: ومن الأعذار أن یخاف اللص أو السبع علی نفسه أو ماله ولم یقف له رفقاء ه، ←

فی الدر المختار: آخر مکروہات الصلوٰۃ ویباح قطعها لنحو قتل حیة وند دابة وفور قدر وضیاع ما قیمتہ درہم لہ أو لغيرہ اھ، (۱) واللہ تعالیٰ اعلم،

ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۳ ج ۱)

متفرق مقامات میں اقامت کی نیت کا حکم

سوال (۵۰۲): قدیم ۱/۴۷۵- زید پنجاب سے بارادہ سیاحی بنگالہ کو آیا اور ایک پرگنہ میں بارادہ اقامت چھ ماہ ٹھہرا اس صورت سے کہ دوروز ایک موضع میں وعظ کیا دوروز دوسرے میں۔ اس صورت سے پانچ چھ ماہ ایک پرگنہ میں جو دس بارہ کوس کی وسعت میں ہے گزارتا ہے کیا اس صورت میں قصر کرے گا یا نہ؟

الجواب: قصر کرے گا۔

← وكذا إذا كانت الدابة جموحًا لا يقدر على ركوبها إلا بمعين أو هو شيخ كبير لا يجد من يركبه، ومن الأعذار الطين، والمطر، بشرط أن يكون بحال يغيب وجهه في الطين الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۱۱۳/۲-۱۱۴، كوئٹہ ۲/۶۴)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۰۵۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في بيان السنة والمستحب الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۲۵-۴۲۶، كراچی ۱/۶۵۴۔

ويجوز قطعها ولو كانت فرضًا بسرقة يخشى على ما يساوي درهماً، ولو كان المسروق لغيره أي غير المصلي لدفع الظلم والنهي عن المنكر، ويجوز قطعها لخشية خوف من ذئب ونحوه على غنم ونحوها الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فيما يوجب قطع الصلاة وما يجيزه وغير ذلك، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۳۷۲)

منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۴، كوئٹہ ۲/۳۰۔

الدر المنتقى على ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۱۸۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

 فی الدر المختار: فيقصر إلى قوله أو نوى فيه لكن بموضعين مستقلين
 كمكة ومنى الخ، (۱) واللہ اعلم

۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۴ ج ۱)

کشتی کا محل اقامت کی صلاحیت نہ رکھنا

سوال (۵۰۳): قدیم ۱/۴۷۵ - زید آبی ملک میں ایک مقف کشتی میں مع اپنے نوکر چا کر

.....
 (۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافرين، مكتبه زكريا ديوبند
 ۶۰۶/۲، کراچی ۱۲۶/۲ -

لو نوى الإقامة في موضعين، فإن كان كل منهما أصلاً بنفسه نحو مكة، ومنى،
 والكوفة، والحيرة لا يصير مقيماً. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة
 المسافرين، قديم زكريا ۱/۱۴۰، جديد زكريا ۱/۱۹۹)

لا يتم إذا نوى الإقامة بمكة، ومنى ونحوهما من مكانين كل منهما أصل بنفسه، لأنها لو
 جازت في مكانين لجازت في أماكن وحينئذ فلا يتحقق سفرًا إلا إذا نوى أن يقيم بأحدهما ليلاً،
 فإنه يصير مقيماً بدخوله فيه بخلاف ما إذا كان أحدهما تبعاً للآخر كالقرية إذا قربت
 من المصر بحيث تجب الجمعة على ساكنها لأنها في حكم المصر، وقد استفيد من كلامه
 أن شرائط نية الإقامة خمسة: ترك السير، والمدة، وصلاحية الموضع وإتحاده والاستقلال.

(النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافرين، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۴۶-۳۴۷)
 ولو نواها بموضعين كمكة، ومنى، لا يصير مقيماً إلا أن يبيت بأحدهما لأن إقامة
 المراء تضاف إلى مبيته هذا إذا كان كل من الموضعين أصلاً بنفسه. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة،
 باب صلاة المسافرين، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۰)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافرين، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۳۴،
 كوئٹہ ۱۳۲/۲ -

هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافرين، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۱۶۷ -
 بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة المسافرين، مكتبه زكريا
 ديوبند ۱/۲۷۰ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

واہل و عیال کے رہتا ہے اور جس گاؤں میں وعظ کرتا ہے اس کے قریب دریا میں کشتی جا لگاتا ہے دن میں وعظ کر کے رات کو واپس کشتی میں آتا ہے اور کبھی کشتی سے باہر موضع میں بھی پانچ سات روز گزارتا ہے مگر مقیم کشتی ہی میں رہتا ہے تو کیا اس صورت میں اہل اخبہ میں داخل ہو کر پوری نماز پڑھے گا یا قصر؟

مالا بد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری نماز پڑھے گا (اور جو کہ ہمیشہ میدان میں رہا کرتے ہیں اور کسی جگہ اقامت نہیں کرتے ہیں مگر دس پانچ روز تو ان لوگوں کو حکم ہے کہ ہمیشہ نماز اقامت کی پڑھیں قصر نہ کریں ہاں جس وقت یکبارگی ۲۸ کوس چلنے کا ارادہ کریں تو اس وقت قصر پڑھیں) مگر اہل اخبہ میں اور مقیم فی السفینہ میں اتنا فرق ہے کہ اہل اخبہ مثل کنجر بخارے بدو کے ہمیشہ بیابان میں آبادی سے دور رہتے ہیں اور مقیم فی السفینہ کبھی قریب موضع کے متصل اور کبھی بفاصلہ ایک میل کبھی دو تین میل و علیٰ ہذا تو پس اس میں وہ واعظ اور نوکر اس کے کیا قصر پڑھیں گے یا کامل عالمگیری میں متاخرین کا اس مسئلہ میں اختلاف بیان کیا ہے؟ (۱)

الجواب: قصر کرے گا۔

فی الدر المختار فی قصر الیٰ قولہ أو نوی فیہ لکن فی غیر صالح کبحر الخ وفی رد المحتار قال فی المجتبیٰ والملاح مسافر الا عند الحسن وسفینتہ أيضاً لیست بوطن اہ بحر و ظاہرہ ولو کان مالہ وأہلہ معہ فیہا ثم رأیتہ صریحاً فی المعراج. (۲)

(۱) ہندیہ کی پوری عبارت ملاحظہ ہو:

اختلف المتأخرون في الذين يسكنون في الخيام والأخبية في المفازات من الأعراب والترکمة، هل صاروا مقيمين بالنية؟ عن أبي يوسف فيه روايتان: في إحداهما لا، وفي الأخرى قال: يصيرون مقيمين وعليه الفتوى كما في الغياثية. (هنديہ، کتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر قديم زکريا ۱/۱۳۹، جديد زکريا ۱/۲۰۰)

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند

۶۰۶/۲، کراچی ۱۲۶/۲۔

ولا تصح نية الإقامة في مفازة لغير أهل الأخبية لعدم صلاحية المكان في حقه (مراقی الفلاح) وفي الطحطاوي: مثلها أي مثل المفازة الجزيرة، والبحر، والسفينة والملاح ←

اور چونکہ اہل بحر کا حکم مثل اہل اخبہ کے نہیں لہذا عالمگیری میں جو اہل اخبہ کے باب میں اختلاف منقول ہے یہاں اس سے کچھ تعلق نہیں۔ (امداد ص ۹۴ ج ۱)

۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ

سوال (۵۰۴): قدیم ۱/ ۵۷۵ - (*) حضرت والا! آپ کا فتویٰ مندرجہ رسالہ الامداد ماہ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ احقر کی نظر سے گزرا آپ نے جو جواب ارقام فرمایا ہے اس کے متعلق عاجز کے ذہن میں چند شبہات پیدا ہو گئے ہیں امید کہ آپ تشفی فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے جب تک اس کے کھڑے ہونے کی جگہ موقع آبادی سے متصل نہ ہو یہ تو آپ بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے لیکن جب کشتی آبادی کے متصل کھڑی ہو تو نیت اقامتہ درست فرماتے ہیں اب گزارش یہ ہے کہ آپ نے یہ حکم کہاں سے اخذ کیا ہے۔

(*) سائل اس سوال میں حضرت کے اس جواب پر نقد کر رہا ہے جو سوال نمبر ۵۱۸/ پر آ رہا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پال پوری

← مسافر و سفینتہ لیست بوطن. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۴۲۶)

وقيد بأهل الأخبية لأن غيرهم من المسافرين لو نوى الإقامة معهم فعن أبي يوسف روايتان: وعند أبي حنيفة لا يصيرون مقيمين وهو الصحيح كذا في البدائع، وفي المجتبى: والملاح مسافر إلا عند الحسن وسفينته أيضاً لیست بوطن. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۲۳۵، کوئٹہ ۲/ ۱۳۴)

ولا يصير مقيماً بنية الإقامة فيها؛ لأن السفينة لیست بموضع قرار ولا هي بيت إقامة ولكنه معدّ للانتقال، والبحر موضع المخاوف، وكذلك صاحب السفينة والملاح لا يصير مقيماً لأن محلية الإقامة لا تختلف بين المالك والملاح وغير ذلك. (الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون، الصلاة في السفينة، مکتبہ زکریا ۲/ ۴۲۲، رقم: ۳۲۴۹)

المحيط البرهاني، کتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون، الصلاة في السفينة، المجلس العلمي ۲/ ۴۳۲، رقم: ۲۱۳۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) اگر آپ نے فناء مصر پر قیاس کیا ہے تو قیاس مع الفارق معلوم ہوتا ہے کیونکہ فناء مصر محل اقامت ہے لہذا اس کو مصر کے ساتھ ملحق کر دیا گیا لیکن جب کشتی و جہاز اقامت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور دریا محل اقامت نہیں ہے تو آبادی کے قرب کی وجہ سے ان میں کیوں صلاحیت پیدا ہوگی؟

(۲) اگر آپ نے کہیں فقہاء کی تصریح اس بارے میں دیکھی ہے تو اس سے مطلع فرمائیے تاکہ دفع خلجان ہو۔

(۳) اس بارے میں آپ نے جو عبارات فقہیہ تحریر فرمائی ہیں ان سے تو یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ جب کشتی آبادی کے متصل ہو تو نیت اقامت درست ہے ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ دریا کا کنارہ جبکہ سلسلہ آبادی کا وہاں تک متصل چلا گیا ہو فناء مصر میں داخل ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دریا بھی فناء مصر میں داخل ہے۔

(۴) جب مصر اور فناء مصر کے درمیان کوئی باغ یا بڑا میدان یا جنگل حائل ہو تو اس وقت وہ مصر کے حکم سے خارج ہو جاتا ہے تو جہاز اور کشتی جو دریا میں لنگر انداز ہوتی ہے اس میں بہ تبعیت مصر کیونکر اقامت درست ہو سکتی ہے حالانکہ فناء مصر اور باغ میدان و جنگل کے درمیان قطع مسافت میں کوئی شئی مانع نہیں ہے اور جہاز اور خشکی کے مابین پانی کا حصہ آمد و رفت سے مانع ہے اور بغیر حیلہ و علاج کے عبور عادی ناممکن ہے۔

(۵) جب یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ بحر کشتی محل اقامت نہیں ہے تو جب تک اس کے خلاف فقہاء کی کوئی تصریح نہ ملے تو اس کے خلاف حکم دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

(۶) عالمگیری سے بحوالہ عثمانیہ آپ نے جو عبارت نقل کی ہے وہ اس شخص کے حق میں ہے کہ جو اپنے وطن اصلی سے سفر کرتا ہو ظاہر ہے کہ کشتی لوٹنے کے بعد وہ اپنے وطن اصلی میں پہنچ گیا ہے پس اس کی اقامت بسبب وطن اصلی کے ہے۔ فقط۔

فی الحقیقت یہاں ان لوگوں کے متعلق بحث ہے جو مسافت بعیدہ سے یہاں آکر کام کرتے ہیں جو اب تک دریا کے متصل کسی قریہ یا آبادی میں مقیم نہ ہوں ان لوگوں کے متعلق بحث نہیں ہے جو کسی مصر یا قریہ میں مقیم ہونے کے بعد جہاز میں ملازم ہوئے ہوں کیونکہ ان کی اقامت کی صحت وطن اصلی یا وطن اقامت کی وجہ سے ہے جس کی تفصیل فتوے میں جو اس کے ساتھ منسلک ہے موجود ہے۔

(۷) دریا، فناء مصر میں شامل ہے کہ نہیں۔

(۸) البحر الرائق کی اس عبارت: لأن نية الإقامة لاتصح في غيرهما فلا تصح في مفازة ولا جزيرة ولا بحر ولا سفينة اه. (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندر اور کشتی محل اقامت نہیں۔

شامی وغیرہ کی عبارت میں بھی بحر کو سفینہ پر عطف کیا گیا ہے جس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کشتی اگرچہ کنارے پر آبادی کے متصل کھڑی ہو تو بھی اس میں اقامت درست نہیں ہے بحر پر سفینہ کا عطف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں سے دو چیزیں مراد ہوں کیونکہ بحر میں بجز کشتی کے اقامت کی کوئی صورت نہیں پس اس پر سفینہ کو عطف کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سفینہ سے یہ مراد ہو کہ جب وہ کنارہ پر آبادی کے متصل کھڑی ہو تو بھی اس میں اقامت درست نہیں ہے حقیقت سے مجاز کی طرف رجوع کرنا بدون قرینہ صارفہ کے صحیح نہیں ہے۔ فی الجملہ تصریحات فقہاء سے مترشح ہوتا ہے کہ بحر اور سفینہ محل اقامت نہیں ہے پس اس کے خلاف حکم دینے کیلئے صریح دلیل کی ضرورت ہے۔

اب دست بستہ گزارش ہے کہ ان شبہات کے دفعیہ کی طرف توجہ مبذول فرمادیں جناب کا وہ فتویٰ جو رسالہ الامداد ماہ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ میں مندرج ہے دستیاب ہونے کے قبل میں نے یہ فتویٰ لکھا تھا اگر قبل اس کے آپ کا فتویٰ ملتا تو بغیر جواب تحریر کئے محض شبہات کو آپ کی خدمت میں بھیج دیتا۔ اب گزارش ہے کہ ازراہ نوازش جواب تحریر فرما کر تسکین فرمادیں؟

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۳۲، کوئٹہ ۲/۱۳۱۔

إن نوى الإقامة في أقل منه أي في نصف شهر أو نوى فيه لكن في غير صالح كبحر وجزيرة (در مختار) وفي الشامية: قوله كبحر، قال في المجتبى: والملاح مسافر إلا عند الحسن وسفينته أيضاً ليست بوطن - بحر - وظاهره ولو كان ماله وأهله معه فيها، ثم رأيت صريحاً في المعراج الخ. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۶۰۶، کراچی ۲/۱۲۶)

ولا تصح نية الإقامة في مفازة لغير أهل الأخبية لعدم صلاحية المكان في حقه (مراقی الفلاح) وفي الطحطاوي: مثلها أي مثل المفازة الجزيرة والبحر والسفينة والملاح مسافر وسفينته ليست بوطن. (حاشیہ الطحطاوي علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۴۲۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: بخد مت جامع الفضائل دامت افا داتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، خط مع تحقیق مسئلہ پہنچا

اس خیر خواہی سے ممنون ہوا چونکہ احقر اس وقت ایک سفر میں تھا کچھ وقت اس میں اور کچھ وقت واپسی کے بعد انتظار فرصت میں گزر گیا جب توقع فرصت کی نہ رہی ایک اپنے عزیز کو اول صرف آپ کا فتویٰ دیا جس میں میرے جواب کا ذکر تھا تا کہ خالی الذہن ہو کر اس کو دیکھیں انہوں نے اپنی رائے لکھ دی جو ملاحظہ کے لئے مرسل ہے۔ اس کے بعد پھر میں نے آپ کا خط دیا جس میں میری رائے مذکور تھی جس کے بعد عزیز موصوف نے کسی قدر اور تفصیل کر دی یہ جواب میرے جواب کا موید ہے بلکہ اس میں اس قدر مزید ہے کہ میں نے جو اتصال آبادی کی شرط لگائی تھی اس میں وہ بھی نہیں۔ چونکہ میرے نزدیک یہ جواب صحیح ہے اس لئے میں نے اس اشترط سے بھی رجوع کر لیا۔ واللہ اعلم، ۲۷/۱۲ ماہ رجب ۱۳۴۲ھ

تنبیہ: خط مذکورہ بالا مع فتویٰ صاحب خط و جواب عزیز موصوف یہ سب امداد الاحکام مسئلہ مرقومہ ۱۱/۱۲ رجب ۱۳۴۲ھ و مسئلہ مرقومہ ۱۲/۱۲ رجب ۱۳۴۲ھ میں مذکور ہیں۔ (ترجیح خامس ص ۱۳۹)

مسئلہ قصر و اتمام میں اجیر و نوکر کے تابع ہونے کی تحقیق

سوال (۵۰۵): قدیم ۱/۵۷۸ - زید جس ملک میں وعظ کرتا ہے وہاں کے قریب کے مثلاً دس بارہ کوس کے دور کے لوگ ملاحوں میں نوکر رکھتا ہے اور ان کے علاقہ کے قریب پندرہ بیس کوس میں برس روز تک سیاحی کرتا ہے بصورت مذکورہ بالا ان کی نماز کا حکم تابع صاحب السفینہ کے ہوگا یا وہ ہمیشہ کامل پڑھا کریں گے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جس وقت وہ لوگ نوکری چھوڑ کر مکان کو چلے جائیں تو ان کا مانع کوئی نہیں؟

الجواب: تبعیت اجیر کی مشروط و مشروط سے ہے ایک یہ کہ اس کا خروج اپنے وطن سے مسافت قصر کی نیت سے ہو۔ (۱)

(۱) من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسيط مع الإستراحات المعتادة صلى الفرض الرباعي ركعتين ولو عاصياً بسفره حتى يدخل موضع مقامه أوينوى إقامة نصف شهر بموضع صالح لها. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۵۹۹/۲ تا ۶۰۵، كراچی ۱۲۰/۲ تا ۱۲۵) ←

دوسرے یہ کہ وہ ماہانہ یا سالانہ تنخواہ پر نوکر ہو۔ صرح بہ فی رد المحتار عن التتارخانیہ: (۱)
پس ان ملاحوں کا حکم اسی قاعدہ سے نکال لیا جائے؛ چونکہ سوال میں دونوں امر مبہم ہیں؛
لہذا جواب مجمل ہو سکا۔

۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۵ ج ۱)

← من جاوز بیوت مصرہ مریداً سیراً وسطاً ثلاثة أيام في بر أو بحر أو جبل
قصر الفرض الرباعي حتی یدخل مصرہ أو ینوی إقامة نصف شهر ببلد أو قرية .
(النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۳۴۴-۳۴۶)
وتقضي من جاوز بیوت مصرہ من جانب خروجه مریداً سیراً وسطاً ثلاثة أيام قصر
الفرض الرباعي، وصار فرضه فيه ركعتين. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر،
دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۳۷-۲۳۸)

(۱) والمعتبر نية المتبوع لأنه الأصل لا التابع كما مرأة وقأها مهرها المعجل
وعبد غیر مکاتب وجندی إذا كان یرتزق من الأمير أو بیت المال وأجیر أي مشاہرة
أو مسانہة كما في التتارخانیة، أما لو كان میاومة بأن استأجره کل يوم بكذا فإن له
فسخها إذا فرغ النهار فالعبرة لنيته. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة
المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۶۱۶-۶۱۷، کراچی ۲/ ۱۳۳-۱۳۴)

الأصل في هذا أن من يمكنه الإقامة باختياره يصير مقيماً بنية نفسه، ومن
لا يمكنه الإقامة باختياره لا يصير مقيماً بنية نفسه حتى أن المرأة إذا كانت مع زوجها في
السفر والرفیق مع مولاه والتلميذ مع أستاذه والأجير مع المستأجر وفي الفتاوی العتابة
مشاہرة أو مسانہة والجندی مع أميره فهو لاء لا يصيرون مقيمين بنية أنفسهم في
ظاهر الرواية. (الفتاوی التتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، صلاة
المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۵۰۱، رقم: ۳۱۱۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

امام کے ساتھ فاسد نماز کے اعادہ کے وقت لزوم قصر کا حکم

سوال (۵۰۶): قدیم ۸/۱ - مقتدی مسافر ہے امام مقيم ہے مقتدی نے خیال کیا کہ ہم دو ہی رکعت کے بعد سلام پھیریں گے پس ایسا ہی کیا بعد کو امام نے اس بات کو انکار کرنے سے وہ چار رکعت پڑھ دیا معلوم کرنا یہ بات ہے کہ اس مقتدی کو فقط دو رکعت دوبارہ پڑھنی تھی یا کہ امام کے پیچھے اقتداء کر کے تمام نہ کرنے سے چار رکعت پڑھنا ٹھیک ہے؟ فقط

الجواب: فی الدر المختار: وأما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت ویتم لا بعده فیما یتغیر وفی رد المحتار تحت قوله فیصح فی الوقت ویتم أى سواء بقی الوقت أو خرج قبل إتمامها لتغیر فرضه بالتبعیة لاتصال المغیر بالسبب وهو الوقت ولو أفسده صلی رکعتین لزوال المغیر اه جلد اول ص ۸۲۸ (۱)

اس روایت سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ مسافر کو امام مقيم کے ساتھ نماز تمام کرنا چاہئے تھ دوسرے یہ کہ جب وہ نماز فاسد ہو گئی تو تنہا پڑھنے کے وقت قصر کرنا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم،

۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۶)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۶۱۲/۲، کراچی ۱۳۰/۲۔

ولو اقتدی مسافر بمقیم فی الوقت صح وأتم وبعده لا (کنز) وفي النهر: وأتم أي صلاة المقيمين بقی الوقت أو خرج قبل إتمامها لتغیر فرضيته بالتبعیة لاتصال المغیر بالسبب وهو الوقت، ولو أفسده صلی رکعتین لزوال المغیر. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۴۷/۱ - ۳۴۸)

ولو اقتدی مسافر بمقیم فی الوقت صح وأتم لأنه یتغیر فرضه إلى الأربع لتبعیة كما تتغیر نية الإقامة لاتصال المغیر بالسبب وهو الوقت وفرض المسافر قابل للتغیر حال قیام الوقت کنية الإقامة فيه، وإذا كان التغیر لضرورة الاقتداء فلو أفسده صلی رکعتین لزواله.

(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۳۶/۲، کوئٹہ ۱۳۴/۲) ←

کیا عورت کو بعد شادی وطن اصلی (میکہ میں) قصر کرنا ہوگا؟

سوال (۵۰۷): قدیم ۱/۵۷۹- ہندہ اپنے وطن مولودی سے ۱۰۰ کوس پر بیاہی گئی ہے تو جبکہ سسرال سے اپنے وطن اصلی مولودی میں چار پانچ روز کے واسطے اتفاقاً آوے تو نماز قصر پڑھے یا پوری؟

الجواب: فی الدر المختار الوطن الأصلی یبطل بمثلہ وفی رد المحتار فلو کان له أبوان ببلد غیر مولده وهو بالغ ولم يتأهل به فلیس ذلك وطناً له إلا إذا عزم على القرار فيه وترك الوطن الذی کان له قبله شرح المنیة ج ۱ ص ۸۲۹ (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ عورت صورت مسئلہ میں نماز قصر پڑھے۔ (۲) فقط
۱۷/رجب ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولی ص ۱۷)

← ولو اقتدی المسافر فی الرباعی ولو قبل السلام بالمقیم فی الوقت ولو قدر التحریمة علی الأصح صح اقتداءه ويتم ما شرع فيه أربعاً بالتبعية حتی لو أفسدها هو أو إمامه قضی رکعتین فقط. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۲۴۱-۲۴۲)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل المسافر، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ص: ۵۴۲۔
ہدایہ مع الفتح القدیر، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند
۳۷/۲، کوئٹہ ۱۲/۲۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب فی الوطن الأصلي ووطن الإقامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۶۱۴، کراچی ۱۳۱/۲۔

(۱) فالأصلي وهو مولد الإنسان أو موضع تأهل به ومن قصده التعيش به لا الارتحال عنه أما لو كان له أبوان ببلد غیر مولده وهو بالغ ولم يتأهل به فلیس ذلك وطناً له۔
وفي المبسوط: هو الذي نشأ فيه أو توطن فيه أو تأهل فقولہ أو توطن فيه يتناول ما عزم القرار ←

جنگل میں رہنے والوں (خانہ بدوش) کیلئے قسریاً اتمام کا حکم

سوال (۵۰۸): قدیم ۱/۵۷۹ - جو لوگ ہمیشہ جنگل باشی ہیں جیسے قوم اوڈ جو سرکی لئے مع اپنے ٹانڈے کے وہ بہ درہ پھرتے ہیں جہاں مزدوری مل گئی کئی کئی روز ٹھہر جاتے ہیں ورنہ شب باش ہوئے اور چل دیئے ایسے لوگ مسافر ہیں یا نہیں؟

← فیہ وعدم الارتحال وإن لم يتأهل فعلي هذا لو عزم من له أبوان في بلد على القرار فيه، وترك الوطن الذي كان له قبله يكون وطناً له. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل المسافر، مکتبہ اشرفیۃ دیوبند ص: ۵۴۴)

الوطن الأصلي: هو وطن الإنسان في بلده أو بلدة أخرى اتخذها داراً وتوطن بها مع أهله وولده وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها، وهذا الوطن يبطل بمثله لا غير وهو أن يتوطن في بلدة أخرى وينقل الأهل إليها فيخرج الأول من أن يكون وطناً أصلياً حتى لو دخله مسافراً لا يتم. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۳۶، کوئٹہ ۲/۱۳۶)

بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الکلام فی الأوطان، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۲۸۰۔
الفتاویٰ التاتاریخانیۃ، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والعشرون، صلاة السفر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۱۰، رقم: ۳۱۴۴-۳۱۴۵۔
ہندیۃ، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۱۴۳،
جدید زکریا ۱/۲۰۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: یہ لوگ مقیم ہیں البتہ اگر کسی ایسے مقام پر پہنچنے کے بعد ایک دم سے نیت ایسے مقام کی کریں جو یہاں سے مسافت قصر پر ہو تو مسافر ہوں گے۔

ہكذا في الدر المختار ورد المختار. (۱)

۱۸/ رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولی ص ۱۹)

(۱) بخلاف أهل الأخبية كعرب وتر كمان نووها في المفازة، فإنها تصح في الأصح وبه يفتى إذا كان عندهم من الماء أو الكأ ما يكفيهم مدتها لأن الإقامة أصل إلا إذا قصدوا موضعا بينهما مدة السفر فيقصرون إن نوا سفراً وإلا لا (در مختار) وفي الشامية: وقوله لأن الإقامة أصل علة لقوله "فإنها تصح" أي نيتهم الإقامة قال في البحر: وظاهر كلام البدائع أن أهل الأخبية لا يحتاجون إلى نية الإقامة، فإنه جعل المفاوز لهم كالأمصار، والقرى لأهلها، ولأن الإقامة للرجل أصل والسفر عارض، وهم لا ينوون السفر وإنما ينتقلون من ماء إلى ماء ومن مرعى إلى آخر. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبة زكريا ديوبند ۶۰۸/۲، كراچی ۱۲۷/۲)

واختلف المتأخرون في الأعراب والأكراد والتركمان الذين يسكنون في بيوت الشعر والصوف، قال بعضهم: لا يكونون مقيمين أبداً وإن نوا الإقامة مدة الإقامة لأن المفازة ليست موضع الإقامة، والأصح أنهم مقيمون لأن عادتهم الإقامة في المفاوز دون الأمصار والقرى فكانت المفاوز لهم كالأمصار والقرى لأهلها، ولأن الإقامة للرجل أصل، والسفر عارض وهم لا ينوون السفر؛ بل ينتقلون من ماء إلى ماء ومن مرعى إلى مرعى حتى لو ارتحلوا عن أماكنهم وقصدوا موضعاً آخر بينهما مدة سفر صاروا مسافرين في الطريق. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان مكان الصالح للإقامة، مكتبة زكريا ديوبند ۲۷۲/۱)

بخلاف أهل الأخبية حيث تصح منهم نية الإقامة في الأصح وإن كانوا في المفازة لأن الإقامة أصل فلا تبطل بالانتقال من مرعى إلى آخر إلا إذا ارتحلوا عن موضع إقامتهم في الصيف وقصدوا موضع إقامتهم في الشتاء وبينهما مسيرة ثلاثة أيام، ←

ملازمین جہاز کیلئے قصر یا اتمام کا حکم

سوال (۵۰۹): قدیم ۱/۵۷ - جو لوگ آگٹ جہاز میں نوکری کرتے ہیں اور ان کا دائمی پیشہ یہی ہے بعض ان میں ایسے ہیں جو ہفتوں میں واپس آ جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو مہینوں میں واپس آتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو برسوں میں واپس آتے ہیں ان میں بعض آگٹ تو ایسے ہیں جو ایک ملک سے براہ راست دوسرے ملک کو چلے جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو ملک در ملک شہر در شہر آدمیوں کو اتارتے چڑھاتے اور مال لیتے دیتے جاتے ہیں اور کہیں ہفتہ بھر کہیں اس سے کم زیادہ ٹھہرتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ لوگ ذی اختیار نہیں جب تک کپتان مالک آگٹ یا اس کا قائم مقام ٹھہرے تب تک یہ بھی ٹھہرتے ہیں جب وہ چلے یہ بھی چلتے ہیں آیا یہ لوگ مسافر ہیں یا مقیم اگر مسافر ہیں تو اپنی نمازوں کو قصر کریں اور روزہ افطار کریں یا نہیں؟ فقط

الجواب: جہاز گھر یعنی وطن کے حکم میں تو نہیں ہے (۱) پس اس کا حکم کوئی جدا نہیں ہے جو اور مسافر کا ہے وہی اس کا۔ یعنی یہ لوگ جب اپنے وطن اصلی یا وطن اقامت سے (یعنی جہاں پندرہ روز

← فَإِنَّهُمْ يَصِيرُونَ مَسَافِرِينَ فِي الطَّرِيقِ، وَظَاهِرُ كَلَامِ الْبَدَائِعِ أَنَّ أَهْلَ الْأَخْبِيَةِ مُقِيمُونَ لَا يَحْتَاجُونَ إِلَى نِيَةِ الْإِقَامَةِ فَإِنَّهُ جَعَلَ الْمَفَاوِزَ لَهُمْ كَالْأَمْصَارِ وَالْقُرَى لِأَهْلِهَا، وَلِأَنَّ الْإِقَامَةَ لِلرَّجُلِ أَصْلٌ وَالسَّفَرُ عَارِضٌ، وَهُمْ لَا يَنْوُونَ السَّفَرَ، وَإِنَّمَا يَنْتَقِلُونَ مِنْ مَاءٍ إِلَى مَاءٍ وَمِنْ مَرَعَى إِلَى آخَرٍ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۳۵، كوئٹہ ۲/۱۳۴)

ہندیہ، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، قديم زكريا ۱۳۹/۱، جديد زكريا ۱/۲۰۰ -

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند

۱/۳۴۷ -

(۱) ولا تصح نية الإقامة في مفازة لغير أهل الأخبية لعدم صلاحية المكان في حقه (مراقى الفلاح) وفي الطحطاوي: مثلها أي مثل المفازة الجزيرة، والبحر، والسفينة والملاح ←

 کے قیام کا قصد ہو) چلتے ہیں چلنے کے وقت دیکھنا چاہئے کہ کس قدر مسافت قطع کرنے کا ارادہ مصمم ہوتا ہے اگر بقدر مسافت تین ایام کے (یعنی دریا میں اعتدال ہوا کی حالت میں کشتی تین دن میں جس قدر جاتی ہے) ارادہ ہو تو قصر کریگا اور اگر اس سے کم کا ہونہ کرے گا۔ (۱) ہکذا فی کتب الفقہ، واللہ اعلم،
 ۹/محررم ۱۳۲۸ھ (تمہ اولیٰ ص ۲۹)

← مسافر وسفینتہ لیست بوطن. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۴۲۶)
 أونویٰ فیہ لکن فی غیر صالح کبحر أو جزيرة قال فی المجتبیٰ: والملاح مسافر إلا عند الحسن، وسفینتہ أيضًا لیست بوطن وبحر وظاهره ولو کان ماله وأهله معه فیہا ثم رأیتہ صریحًا فی المعراج. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۶۰۶/۲، کراچی ۱۲۶/۲)
 البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند
 ۲/۲۳۵، کوئٹہ ۲/۱۳۴۔

(۱) عن ابن عمر أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم. (بخاری شریف، کتاب تقصیر الصلاة، باب فی کم یقصر الصلاة؟ النسخة الهندیة ۱/۱۴۷، رقم: ۱۰۷۵، ف: ۱۰۸۶)
 مسلم شریف، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغیره، النسخة الهندیة ۱/۴۳۲، بیت الأفكار رقم: ۱۳۳۸۔

قال علماءنا: أذناها (أدنیٰ مدة السفر الذي يتعلق به قصر الصلاة) مسيرة ثلاثة أيام ولياليها مع الاستراحات التي تكون في خلال ذلك بسير الإبل ومشى الأقدام وهو سير الوسط والمعتاد الغالب. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والعشرون، فی صلاة السفر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۸۹، رقم: ۳۰۸۴)

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدًا سيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة صلی الفرض الرباعي ركعتين لو عاصيًا بسفره حتى يدخل موضع مقامه أو ينوي إقامة نصف شهر بموضع صالح له. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۵۹۹ تا ۶۰، کراچی ۲/۱۲۱ تا ۱۲۴) ←

سوال (۵۱۰): قدیم ۱/۵۸۰ - ہمارے ہاں شہر مولین میں بہت دور دراز ملکوں سے لوگ آتے ہیں اور کمائی کر کے لے جاتے ہیں اب ان کے پیشہ میں فرق ہے کوئی تو خشکی کا کام کرتا ہے جیسے بزازی لوہاری درزی وغیرہ اور کوئی پانی کے کام کرنے والا ہے (جیسے شہر دہلی کے پورب کی طرف جمناندی بہتی ہے ایسے ہمارے شہر مولین کے داہنی طرف ایک ندی بہتی ہے جو رفتہ رفتہ سمندر سے جا ملی ہے جس کے سبب سے دوسرے ملکوں سے اور دوسرے شہروں سے ہمارے ہاں جہاز اور کشتی، منور سوداگری کے آیا کرتے ہیں) یعنی کوئی تو ایسے جہاز کی نوکری کرتا ہے جو دور دراز شہروں سے تجارتی چیزیں لینے آیا کرتے ہیں اور کوئی چھوٹے چھوٹے جہازوں میں کام کرتا ہے جو ایک پار سے لوگوں کو دوسری پار لے جاتے ہیں یا ایک دن یا دو دن کے راستے پر مال لینے جایا کرتے ہیں رات کے وقت ہمیشہ جہاز ہی میں لنگر انداز کر کے سو جاتے ہیں اور بعض تو ایسے ہیں جو چھوٹی چھوٹی کشتی چلاتے ہیں بڑے بڑے جہازوں سے جوندی کے بیچ میں لنگر انداز ہوتے ہیں مال نکال کر چھوٹی کشتیوں میں لا کر کنارہ پر لاتے ہیں اور بعض کشتی والے اس پار کے لوگوں کو اس پار لے جاتے ہیں اور بعض کشتی والے دو تین روز کے راستہ میں بھی کرایہ لیکر جاتے ہیں پھر وہاں سے شہر میں چلے آتے ہیں اور سب جہاز والوں کیلئے اور کشتی والوں کیلئے اپنی اپنی کشتی لنگر کرنے کو ایک ایک جگہ مقرر ہے۔ وہاں آکر رات کو لنگر کر کے اسی کشتی یا جہاز میں سو جاتے ہیں ان کے واسطے وطن اصلی اور وطن اقامت یہی ہے یہ لوگ ایسے کچھ دن سفر کر کے کچھ کما کر کے پھر اپنے اپنے ملکوں کو چلے جاتے ہیں شہر سے یا کنارہ سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہاں کوئی چیز خریدنے کو یا کوئی کرایہ دیکھنے کنارہ پر یا شہر میں آیا کرتے ہیں ورنہ ہمیشہ ان کے رہنے سہنے کی جگہ وہ کشتی یا جہاز ہے یہ لوگ مسافر کہلاویں گے یا مقیم۔

«من جاوز بیوت مصرہ مریداً سیراً وسطاً ثلاثة أيام في بر أو بحر أو جبل
قصر الفرض الرباعي الخ. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صفة المسافر، مکتبہ
زکریا دیوبند ۱/۳۴۴-۳۴۵)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر،
مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۲۱-۲۲ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس مسئلہ میں یہاں علماء دو فریق ہو گئے۔ فریق اول یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب تک اپنا ملک چھوڑ کر رہیں گے (کشتی یا جہاز میں) مسافر کہلائیں گے اور احکام سفر کے ان پر جاری ہونگے کیونکہ ان کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں کشتی یا جہاز اقامت کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے اور جس جگہ لنگر انداز ہوتے ہیں وہ بھی کوئی نیت اقامت کرنے کے لائق جگہ نہیں ہے اور اگر شہر مولین میں اقامت کی نیت کریں یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ شہر میں یعنی کنارہ پر خشکی میں نہیں رہتے ہمیشہ دریا میں رہتے ہیں یہ نیت ان کی کیونکر صحیح ہوگی پس یہ لوگ ہمیشہ مسافر ہیں مقیم نہیں ہو سکتے اور فریق ثانی یہ کہتا ہے کہ یہ لوگ جب نیت اقامت کی کریں صحیح ہے جب وہ ارادہ کریں ایک برس یا دو برس اس شہر مولین میں رہنے کا اور اسی شہر کے پتہ سے خط و کتابت ہوتی رہتی ہے اور وہ ندی جس میں وہ لوگ کشتی یا جہاز رانی کرتے ہیں شہر کے تحت میں ہے جب یہ لوگ شہر کے قریب ندی میں لنگر انداز ہو کے رہتے ہیں گویا شہر میں رہتے ہیں گویا کہ ان کا وطن اقامت شہر مولین ہے جس پتہ سے ان کی خط و کتابت ہوتی رہتی ہے پس نیت اقامت ان کی صحیح ہے اگرچہ یہ لوگ جہاز یا کشتی میں اکثر وقت رہیں یہ لوگ مقیم ہیں جب تک ملک جانے کا ارادہ نہ کریں۔ فقط، اب آرزو ہے کہ حضور اس مسئلہ کو کچھ دلیلوں کے ساتھ فیصلہ فرما کر سرفراز فرماویں؟

الجواب: فی الدر المختار أوینوی إقامة نصف شهر بموضع واحد صالح لها من مصر أو قرية أو صحراء دارنا وهو من أهل الأخبية فيقصر إن نوى الإقامة في أقل منه أي من نصف شهر أو نوى فيه لكن في غير صالح كبحر وجزيرة الخ وفي رد المحتار قوله كبحر قال في المجتبى والملاح مسافر إلا عند الحسن وسفينته أيضاً ليست بوطن اه بحر و ظاهره ولو كان ماله وأهله معه فيها، ثم رأيت صريحاً في المعراج ج ۱ ص ۸۳۳ (۱) وفي الدر المختار بخلاف أهل الأخبية كعرب وتر كمان نووها في المفازة فإنها تصح في الأصح وبه يفتى إذا كان عندهم من الماء والكأ ما يكفيهم مدتها لأن الإقامة أصل. وفي رد المحتار: قوله كعرب المناسب

قول غيره كأعراب لما في المغرب العرب هم الذين استوطنوا المدن والقرى العربية والأعراب أهل البدو وفيه قوله لأن الإقامة أصل علة لقوله فانها تصح أي نيتهم الإقامة قال في البحر وظاهر البدائع أن أهل الأخبية لا يحتاجون إلى نية الإقامة فانه جعل المفاوز لهم كالأمصار والقرى لأهلها الخ، ج ١ ص ٨٣٥. (١)

في العالمگیریة: الصحيح ما ذكر أنه يعتبر مجاوزة عمران المصر لا غير إلا إذا كان ثمة قرية أو قرى متصلة بربرض المصر فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى بخلاف القرية التي تكون متصلة بفناء المصر فإنه يقصر الصلوة وإن لم يجاوز تلك القرية كذا في المحيط ج ١ ص ٨٩. (٢) وفيها ولا يصير مقيما بنية الإقامة فيها (أي في السفينة) وكذلك صاحب السفينة والملاح إلا أن يكون السفينة بقرب من بلدته أو قريته فح يكون مقيماً بإقامته الأصلية كذا في المحيط وفيها عن العتابة

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٦٠٨-٦٠٩، كراچی ١٢٧/٢ -

ولا تصح نية الإقامة في مفازة لغير أهل الأخبية لعدم صلاحية المكان في حقه (مراقى الفلاح) وفي الطحطاوي: مثلها أي مثل المفازة الجزيرة، والبحر، والسفينة والملاح مسافر وسفينته ليست بوطن. (حاشية الطحطاوي على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٤٢٦)

بخلاف أهل الأخبية حيث تصح منهم نية الإقامة في الأصح وإن كانوا في المفازة لأن الإقامة أصل فلا تبطل بالانتقال من مرعى إلى مرعى آخر..... وظاهر كلام البدائع أن أهل الأخبية مقيمون لا يحتاجون إلى نية الإقامة، فإنه جعل المفاوز لهم كالأمصار والقرى لأهلها، ولأن الإقامة للرجل أصل والسفر عارض، وهم لا ينوون السفر، وإنما ينتقلون من ماء إلى ماء ومن مرعى إلى آخر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٣٥، كوثه ١٣٤/٢)

(٢) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر،

قديم زكريا ١/١٣٩، جديد زكريا ١/١٩٩ - ←

ولو كان مسافرا وشرع في الصلوة في السفينة خارج المصر فجرت السفينة حتى دخل المصر يتم أربعاً كذا في التتار خانية ج ۱ ص ۹۲. (۱)

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) کشتی یا جہاز خود موضع صالح للاقامة نہیں اگرچہ مال و اہل بھی پاس ہوں، پس اس میں اقامت کی نیت کرنے سے مقیم نہ ہوگا اگر اس کے قبل اس پر شرعاً وصف مسافر کا صادق آچکا ہے تو وہ مسافر ہی رہے گا البتہ اگر ابھی مسافر شرعاً نہیں ہوا تو اقامت اصلیت سے وہ مقیم رہے گا نہ کہ اقامت فی السفینہ سے۔

← قال محمد: ولا يقصر حتى يخرج من مصره ويخلف دور المصر وفي موضع آخر يقول: ويقصر إذا جاوز عمرانات المصر قاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، وهذا لأنه مادام في عمرانات المصر فهو لا يعد مسافراً والأصل في ذلك ماروي عن علي أنه خرج من البصرة يريد السفر، فجاء في وقت العصر، فأتمها ثم نظر إلى خص أمامه فقال: أما لو كنا جازونا هذا الخص لقصرنا، وعلى هذا إذا كانت المحلة بعيدة من المصر وكانت قبل ذلك متصلة بالمصر، فإنه لا يقصر حتى يجاوز تلك المحلة لأن تلك المحلة من المصر بخلاف القرية التي تكون متصلة بفناء المصر، فإنه يقصر الصلاة، إن لم يجاوز تلك القرية لأن تلك القرية لا تكون من المصر، وإنما تكون من القرى..... فعرّفنا أن الشرط أن يختلف من عمرانات المصر لا غير. (المحيط البرهاني، الفصل الثاني والعشرون، المجلس العلمي ۳۸۷/۲، رقم: ۲۰۲۳)

(۱) ہندیہ، کتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، قديم زكريا

(۱۴۴/۱، جديد زكريا ۲۰۴/۱)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون، المجلس العلمي

۴۳۲/۲، رقم: ۲۱۳۰۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون الصلاة في السفينة،

مكتبة زكريا ديوبند ۵۴۳/۲، رقم: ۳۲۵۶۔

 (۲) البتہ جس کشتی یا جہاز میں لنگر انداز ہوتا ہے وہ کنارہ اگر کسی شہر یا قریہ سے متصل ہے یعنی شہر سے وہاں تک سلسلہ آبادی کا متصل چلا آتا ہے درمیان میں کھیت یا باغ یا کوئی بڑا میدان و جنگل حائل نہیں تو وہ کنارہ بھی حکم مصر میں ہوگا اس صورت میں وہاں نیت اقامت کی معتبر ہو جاوے گی کما فی المصر والقریة۔ اور اگر اس طرح سے متصل نہیں ہے تو وہ حکم مصر میں نہ ہوگا اور وہاں نیت اقامت کی معتبر نہ ہوگی۔

کما فی ردالمحتار أراد بالعمارة مايشتمل بيوت الأُخبية لأن بها عمارة موضعها قال فی الإمداد فی شترط مفارقتها ولو متفرقة وفيه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كبرض المصر وهو ماحول المدينة من بيوت ومساكن فإنه فی حکم المصر وكذا القرى المتصلة بالبرض فی الصحيح بخلاف البساطين ولو متصلة بالبناء لأنها ليست من البلدة ولو سكنها أهل البلدة فی جميع السنة أو بعضها ولا يعتبر سكنى الحفظة والاكره اتفاقاً، امداد ج ۱ ص ۸۱ (۱)

(۳) ان ہی روایات سے دلائل قائلین کو ہونا محلاً صالحاً لاقامت کا جواب بھی نکل آیا کہ محض شہر کے تحت یا تعلق میں ہونا اس کیلئے کافی نہیں جب تک آبادی کا اتصال نہ ہو اور شاید کوئی اہل اخبیه کی حالت سے اس پر

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۹۹/۲، کراچی ۱۲۱/۲۔

من نوى السفر ولو كان عاصياً بسفره إذا جازو بيوت مقامه ولو بيوت الأُخبية من الجانب الذي خرج منه ويشترط أن يكون قد جاوز أيضاً ما اتصل به أي بمقامه من فناء كما يشترط مجاوزة برضه وهو ماحول المدينة من بيوت ومساكن فإنه فی حکم المصر وكذا القرى المتصلة ببرض المصر يشترط مجاوتها فی الصحيح: (مراقى الفلاح) وفي الطحطاوي: قوله: إذا جاوز بيوت مقامه عبر بالجمع ليفيد اشتراط مجاوزة الكل فيدخل فيه محلة منفصلة وفي القديم كانت متصلة لأنها تعد من المصر كما فی الخانية: قوله: ولو بيوت الأُخبية، متصلة أو متفرقة، فإن نزلوا على ماء أو محتطبٍ يعتبر مفارقة الماء والمحتطب الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقى الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ دار الكتاب دیوبند ص: ۴۲۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

استدلال کرنے لگے تو اہل اخبیہ کی حقیقت مذکورہ فی الروایات السابقہ کے معلوم ہونے کے بعد وہ استدلال بھی نہ رہے گا کیونکہ اہل اخبیہ کا تو کوئی گھر ہی نہیں ہوتا بخلاف ان کے خلاصہ جواب یہ ہوا کہ کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں جب تک کہ اس کے کھڑے ہونے کا موقع آبادی سے متصل نہ ہو۔

۸/ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تمہ رابعہ ص ۱۲)

جب تک کسی دوسری جگہ کو وطن اصلی نہ بنا لے پہلا وطن ہی وطن اصلی رہے گا

سوال (۵۱۱): قدیم ۱/۵۸۴ - ایک نو مسلم عورت ہے اپنے خاوند ہندو کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئی ہے گھر بار سب چھوڑ دیا ہے اپنا وطن اصلی اس نے کوئی قائم نہیں رکھا دس دن کہیں پندرہ دن کہیں سنگی کے تھان فروخت کر کے گزر رکتی ہے کئی حج بھی کئے وہ دریافت کرتی ہے کہ جب کہ میرا کوئی وطن اصلی نہیں تو میں ہمیشہ نماز قصر کروں اور وطن اقامت ہی میں پوری نماز ادا کروں یا جیسا ارشاد ہو؟

الجواب: فی الدر المختار الوطن الأصلي یطل بمثلہ لا غیر. (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۶۱۴، کراچی ۲/۱۳۲۔

ویطل الوطن الأصلي بمثلہ فقط أي لا یطل بوطن الإقامة ولا بالسفر لأن الشئ لا یطل بمادونه بل بما هو مثله أو فوقه. (حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۴۲۸-۴۲۹)

ویطل الوطن الأصلي بمثلہ لا بالسفر. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۳۴)

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۳۹، کوئٹہ ۲/۱۳۷۔
ہندیہ، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا قدیم ۱/۱۴۳، جدید ۱/۲۰۲۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب تک وہ کسی مقام کو اپنا وطن اصلی نہ بناوے اس وقت تک اس کا وطن اصلی سابق اصلی رہے گا پس وہاں پہنچ کر اتمام واجب ہے اور وہاں سے چلنے کے وقت دیکھا جاوے گا کہ کتنی دور کی نیت سے چلی ہے اگر تین منزل کے قصد سے چلی ہے قصر کرے گی ورنہ اتمام۔ (۱)

۱۸ شوال ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۳۹)

(۱) وکان ابن عمر وابن عباس یقصران ویفطران فی أربعة بردٍ وهو ستة عشر فرسخًا.
(بخاری شریف، کتاب تقصیر الصلاة، باب فی کم یقصر الصلاة؟ النسخة الهندیة ۱/ ۴۷)

عن ابن عباسؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يا أهل مكة! لا تقصروا الصلاة في أدنى من أربعة بردٍ من مكة إلى عسفان. (السنن الكبرى للبيهقي، دار الفكر بيروت ۴/ ۳۳۱، رقم: ۵۵۰۴)

عن ابن أبي رباح قال: قلت لابن عباس: أقصر إلى عرفة؟ فقال: لا، قلت: أقصر إلى مزدلفه؟ فقال: لا، قلت: أقصر إلى الطائف وإلى عسفان؟ قال: نعم! وذلك ثمانية وأربعون ميلاً وعقد بيده. (المصنف لابن أبي شيبه، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۵/ ۳۵۸، رقم: ۸۲۲۲)

واختلفوا في التقدير: قال أصحابنا: مسيرة ثلاثة أيام سير الإبل، ومشى الأقدام وهو المذكور في ظاهر الروايات وروي عن أبي يوسف يومان، وأكثر الثالث، وكذا روي الحسن عن أبي حنيفة وابن سماعة عن محمد، ومن مشايخنا من قدره بخمسة عشر فرسخاً وجعل لكل يوم خمس فراسخ ومنهم من قدره بثلاث مراحل. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، أحكام المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۶۱)

ومسافة القصر في المذهب مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، ثم حولوها إلى التقدير بالمنازل، فاختلفوا فيه على أقوال منها، ستة عشر فرسخاً كل فرسخ ثلاثة أميال فتلك ثمانية وأربعون ميلاً كما في الحديث، وبه أفتى لكونه مذهب الآخرين. (فيض الباري، أبواب التقصير، باب فی کم یقصر الصلاة، مكتبه كوئٹہ ۲/ ۳۹۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اپنے اہل و عیال دوسری جگہ نقل کرنے سے بقاء وطن و زوال وطن کا حکم

سوال (۵۱۲): قدیم ۱/۵۸۴- ایک شخص نے جس کا مکان سکونت اس کی زادبوم وطن اصلی میں ہے اس کی زوجہ اولیٰ و دیگر اعزا و اقرا ان اس کے سبب وہیں ہیں دوسرے شہر میں فقط زوجہ ثانیہ کے قیام و سکونت کیلئے مکان بنایا چند سال رہنے کے بعد باعث نا موافقت آب و ہوا و مبتلاء با امراض رہنے زوجہ ثانیہ کے وطن زادبوم میں اپنی زوجہ ثانیہ کو لیجانا پڑا اور اس دوسرے شہر کے مکان کو متقل کر دیا بعض اسباب خانہ داری بھی اب تک یہیں ہیں اور زوجہ ثانیہ کا پھر اس دوسرے شہر میں آنا بھی اس دم تک مشکوک ہے ایسے حال میں وہ شخص اگر دو ایک دن کیلئے کسی ضرورت سے یا مکان کی نگرانی کے خیال سے اس شہر میں مسافت طے کر کے آئے تو اس کو قصر کرنا ہوگا یا چار رکعت پوری فرض ادا کرنا ہوگا۔ اس مسئلہ میں جو قول محقق و مفتی بہ بمذہب حنفی ہو مع نقل عبارت معتبرات رقم فرمایا جاوے۔

بینوا أیہا العلماء الکرام أحسن اللہ جزاکم یوم القیام؟

الجواب: فی رد المحتار: قال فی النہر: ولونقل أهلہ ومتاعہ ولہ دور فی البلد لاتبقى وطنہ له وقیل تبقى کذا فی المحيط ۱۵ ج ۱ ص ۸۲۹. (۱)

(۱) شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب فی الوطن الأصلي ووطن الإقامة، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۶۱۴، کراچی ۲/۱۳۲۔

ولو کان لہ أهل بالكوفة، وأهل بالبصرة فمات أهلہ بالبصرة وبقي لہ دور وعقار بالبصرة. قيل: البصرة لا تبقى وطنًا لہ لأنها إنما كانت وطنًا بالأهل لا بالعقار ألا ترى أنه لو تأهل ببلدة لم یکن لہ فیہا عقار صارت وطنًا لہ، وقیل: تبقى وطنًا لہ لأنها كانت وطنًا لہ بالأهل والدار جميعًا فبزوال أحدهما لا یرتفع الوطن کوطن الإقامة تبقى ببقاء الثقل، وإن قام بموضع آخر وفي المجتبى: نقل القولین فیما إذا نقل أهلہ ومتاعہ وبقي لہ دور وعقار ثم قال: وهذا جواب واقعة ابتلينا بها وكثير من المسلمين المتوطنين في البلاد ولهم دور وعقار في القرى البعيدة منها یصیفون بها بأهلهم ومتاعهم فلا بد من حفظها أنهما وطنان لہ لا یطل أحدهما بالآخر.

(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا ۲/۲۳۹، کوئٹہ ۲/۱۳۶) ←

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں دونوں قول ہیں اور یہی دونوں قول فتح القدر اور بحر الرائق میں بھی نقل کئے ہیں اور بحر میں دونوں قول کی دلیلیں بھی نقل کی ہیں اور فتح القدر میں دونوں کی تطبیق کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور میرے نزدیک تطبیق ہی مختار ہے؛ چنانچہ اس صورت میں امام محمدؒ کا قول: **هذا حالي وأنا أرى القصر إن نوى ترك وطنه نقل کر کے لکھا ہے إلا أن أبا يوسف كان يتم بها لكنه يحمل على أنه لم ينو ترك وطنه اه**.

← وفي المحيط: ولو انتقل بأهله ومتاعه إلى بلد وبقي له دور وعقار في الأول، قيل بقي الأول وطنًا له وإليه أشار محمدٌ في الكتاب حيث قال: باع داره ونقل عياله، وقيل لم يبق وفي الأجناس قال هشام: سألت محمدًا عن كوفي أوطن بغداد وله بها؛ لكنه يحمل على أنه لم ينو ترك وطنه، قال الشيخ نجم الدين: وأنا أرى القصر إن نوى ترك وطنه إلا أن أبا يوسف كان يتم بها لكنه يحمل على أنه لم ينو ترك وطنه قال الشيخ نجم الدين الزاهدي: وهذا جواب واقعة ابتلينا به وكثير من المسلمين. المتوطنين في البلاد ولهم دور وعقار في القرى البعيدة منها يصيفون بها بأهلهم ومتاعهم فلا بد من حفظهما أنهما وطنان له. لا يطل أحدهما بالآخر. (كفاية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱۳/۲، كوئٹہ ۱۸/۲)

قال القاضي الإمام الأجل علاء الدين في شرح "مختلقاته" لو نقل الرجل أهله وعياله ببلدة وتوطن ثمه، وله في مصره الأول دور وعقار، قال بعض المشايخ: يبقى المصر الأول وطنًا له، حتى لو دخل فيه يصير مقيمًا من غير نية الإقامة وأشار محمد في الكتاب فإنه قال: إذا باع داره ونقل عياله، ذكر الأمرين جميعًا وهذا لأن المصر كان وطنًا له بالأهل والدار والحكم متى ثبت لعله يبقى ببقاء شيء منها. وقال بعضهم: لا يبقى الأول وطنًا له؛ لأن الأول كان وطنًا له بالأهل لا الدار، ألا ترى أن النبي صلى الله عليه وسلم اعتبر التأهل لصيرورة المكان وطنًا لرجل ولصيرورته من أهل ذلك المكان لا الدار حتى قال: من تأهل ببلدة فهو منهم، وإذا لم يبق الأهل لم يبق وطنًا له. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، صلاة المسافر، المجلس العلمي ۴۰۲/۲، رقم: ۲۰۶۵)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه اشرفیہ دیوبند ص: ۵۴ - بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، باب المسافر إذا دخل مصره صار مقيمًا، مكتبه

زكريا ديوبند ۲۸۰/۱ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خلاصہ تطبیق کا یہ ہوا کہ اگر اس دوسرے شہر میں پھر بطور وطن رہنے کا ارادہ نہیں ہے جس طرح پہلے رہتا تھا تب تو وطن نہ رہا وہاں جا کر قصر کرے گا جب مسافت سفر طے کر کے آئے اور اگر اب بھی اسی طرح رہنے کا ارادہ ہے تو وہ بھی وطن ہے۔ پس اس شخص کے دو وطن ہو جائیں گے۔

۷/محررم ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۵)

بندھی کشتی پر نماز کا حکم

سوال (۵۱۳): قدیم ۱/۵۸۵ - صلوٰۃ فی السفینہ میں فقہاء کے بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے مربوطہ غیر مستقرہ میں نماز بشرط امکان خروج ناجائز ہے اور بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے (۱)

(۱) کشتی پر نماز پڑھنا رائج قول میں مشروع ہے چاہے کنارے مربوطہ اور بندھی ہوئی ہو، جس میں بعض فقہاء نے عدم جواز کو ترجیح دی ہے، مگر اعذار کی وجہ سے جواز کا فتویٰ ہے یا چلتی ہوئی اور بہتی ہوئی ہو ہر حال میں جائز ہے۔ نیز ہوائی جہاز میں اڑان کی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے، آگے امداد الفتاویٰ قدیم ۱/۵۸۷ سے ۵۸۹ تفصیلی حاشیہ کے ساتھ کئی فتاویٰ آرہے ہیں جواہر الفقہ ۳/۸۴-۸۵ ردیکھئے۔

اب کشتی پر نماز کے جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

وإن كانت مربوطة بالشط لا تجوز صلاته فيها قاعدًا مع القدرة على القيام لانتهاء المقتضى للصحة بالإجماع على الصحيح وهو احتراز عن قول بعضهم أنها أيضًا على الخلاف، فإن صلى في المربوطة بالشط قائمًا، وكان شيء من السفينة على قرار الأرض صحت الصلاة بمنزلة الصلاة على السرير وإلا أي وإن لم يستقر منها شيء على الأرض فلا تصح الصلاة فيها على المختار كما في المحيط والبدائع: لأنها حينئذ كالعادة وظاهر الهداية والنهاية: جواز الصلاة في المربوطة بالشط قائمًا مطلقًا أي سواء استقرت أولاً إلا إذا لم يمكنه الخروج بلا ضرر فيصلي فيها للحرج. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة في السفينة الخ، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۴۰۹)

المربوطة في الشط كالشط في الأصح (در مختار) وفي الشامية: قوله: المربوطة في الشط كالشط فلا تجوز الصلاة فيها قاعدًا إتفاقًا، وظاهر ما في الهداية وغيرها ←

بعض وقت کنارے پر مکان بھی موجود ہوتا ہے اور بعض جگہ آبادی نہیں ہوتی تو دھوپ کی شدت یا کسی جگہ کیچڑھو جاتا ہے تو خروج کا امکان تو ہوتا ہے، مگر بہ تکلیف و تکلف پس امکان سے کیا مراد لیا جاوے اور بعض اہل علم کو اکثر مربوطہ میں نماز پڑھتے دیکھا گیا غالباً ان کا عمل ہدایہ وغیرہ کی روایت پر رہا ہو۔ اس میں قول فیصل کیا ہے اور گنجائش کی جگہ کہاں تک ہے۔ اگر کوئی سفینہ مربوطہ مستقرہ علی الأرض میں قائم نماز ادا کر چکا ہے یا اب کرتا ہے تو اس کی نماز بالکل ناجائز قابل اعادہ ہے یا نہیں؟

الجواب: اختلافات میں قول فیصل کون لکھے اس لئے اتنا ہی سمجھنا چاہئے کہ جواز وسیع و ارفق ہے اور منع احوط ہے اگر کوئی احوط پر عمل کرے تو اعادہ میں قلیل تک احتیاط بہتر ہے کثیر میں تکلیف مالا یطاق ہے اور امکان مقابل تعذر کا ہے اور تفسیر کو بھی شامل ہے۔ (*)

۲۳/۱۲ یقعدہ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۹۷)

(*) کذا في الأصل والصحيح "تيسير" یعنی لفظ "امکان" تعذر (دشواری) کا مقابل ہے؛ لہذا "امکان" کے معنی ہوئے دشواری نہ ہونا اور کبھی لفظ "امکان" کا اطلاق تیسیر (آسانی) پر بھی ہوتا ہے؛ لہذا "امکان" کے معنی ہوں گے آسانی ہونا۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← الجواز قائماً مطلقاً أي استقرت على الأرض أولاً، وصرح في الإيضاح بمنعه في الثاني حيث أمكنه الخروج إلحاقاً لها بالدابة ونهر، واختاره في المحيط والبدائع بحر، وعزاه في الإمداد أيضاً إلى مجمع الروايات عن المصنف، وجزم به في نور الإيضاح وعلى هذا ينبغي أن لا يجوز الصلاة فيها سائرة مع إمكان الخروج إلى البر وهذه المسئلة والناس عنها غافلون شرح المنية. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۷۳، کراچی ۲/۱۰۱)

ومن صلى في السفينة قاعداً من غير علة أجزأه عند أبي حنيفة والقيام أفضل وقالوا: لا يجزيه إلا من عذر لأن القيام مقدور عليه فلا يترك وله أن الغالب فيها دوران الرأس وهو كالمحقق إلا أن القيام أفضل لأنه أبعد عن شبهة الخلاف، والخروج أفضل ما أمكنه لأنه أسكن لقلبه والخلاف في غير مربوطة كالشط هو الصحيح. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبة اشرفيه ديوبند ۱/۱۶۲)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۰۶-۲۰۷، کوئٹہ ۲/۱۱۷۔ ←

ریل میں سجدہ کرنے کی جگہ نہ ہو تو کیا اشارہ سے سجدہ کر سکتے ہیں؟

سوال (۵۱۴): قدیم ۱/۵۸۶- پٹری پر بوجہ کثرت آدمیوں کے جگہ نہیں ہے کہ دوسری پٹری پر سجدہ ہو سکے مثلاً وہ لوگ دوسرے فرقہ کے ہیں کہنے سے جگہ دیں یا نہ دیں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے یعنی ان سے درخواست کی جاوے یا نہ کی جاوے اگر نہ کی جاوے یا مانگنے سے بھی وہ لوگ جگہ نہ دیں یا ایسی گنجائش ہی نہ ہو تو نماز اشارہ سے پڑھی جاوے یا کیا؟

الجواب (*): درخواست کی جاوے اور جب جگہ نہ دیں تو تختہ کے نیچے نماز کا موقع نکالے اگر کسی طرح ممکن نہ ہو تو پھر سجدہ اشارہ سے کر لے۔ (۱)

۱۸ محرم ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ ص ۶۲)

(*) اس مسئلہ میں اقوال فقہاء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اشارہ سے نماز پڑھ لے، مگر پھر اس کا اعادہ لازم ہے بحر الرائق میں ہے:

في الخلاصة وفتاوى قاضى خان وغيرهما الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلاة يتيمم ويصلى بالإيماء ثم يعيد إذا خرج (إلى قوله) كالمحبوس لأن طهارة التيمم لم تظهر في منع وجوب الإعادة (ثم قال) فعلم منه ان العذر ان كان من قبل الله تعالى لا تجب الإعادة وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (بحر ۱/۱۴۹، كتاب الطهارة، باب التيمم، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۴۸، كوئٹہ ۱/۱۴۲)

اسی طرح اگر ریل میں جگہ کم ہو تو اس وقت بیٹھ کر نماز پڑھ لے؛ لیکن بعد میں اس کا اعادہ لازم ہوگا۔ ۱۲ بندہ محمد شفیع عفی عنہ

← المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، الصلاة في السفينة، المجلس العلمي ۲/۴۳۰، رقم: ۲۱۲۶۔

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الصلاة على الدابة والسفينة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۹۱ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) والمحصور فاقد الطهورين يؤخرها عنده وقالوا: يتشبه بالمصلين وجوباً فيركع ←

سفر میں مسافت کا اعتبار ہے، سرعت رفتار کا نہیں

سوال (۵۱۵): قدیم ۱/۵۸۷- ہمارے مکان سے چائگام شہر خشکی کی راہ سے تین دن کی راہ ہے اسی طرح معمولی کشتی پر جانے سے تین دن کا راستہ ہے ان دونوں صورتوں میں قصر پڑھے لیکن اسٹیمر ہی چند سال سے چلتا ہے جہاز دخانی پر سوار ہونے سے آدمی آٹھ گھنٹہ میں پہنچتا ہے سواگر ہم جہاز پر سوار ہو کر چائگام جاویں تو راہ میں اور وہاں شہر میں پہنچ کر قصر کریں یا نہ کریں؟

← ویسجد إن وجد مکاناً یابساً وإلا یومی قائماً، ثم یعید کالصوم بہ یفتی وإلیہ صَحَّ رجوعه أي الإمام كما فی الفیض (در مختار) وفي الشامية: قوله إن وجد مکاناً یابساً أي لأمنه من التلوث لكن فی الحلیة: الصحيح علی هذا القول أنه یومی کیفما كان. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الطهارة، باب التیمم، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۴۲۳، کراچی ۱/۲۵۲)

واستعمل الفقهاء مادة (حصر) بالمعنی اللغوي فی كتبهم استعمالاً كثيراً، ومن أمثلة ذلك قول صاحب تنویر الأبصار وشارحه فی الدر المختار: والمحضور فاقد الماء والتراب الطهورین، بأن حبس فی مکان نجس، ولا یمكنه إخراج مطهر، وكذا العاجز عنهما لمرض یؤخر الصلاة عند أبي حنیفة، وقالوا: یتشبه بالمصلین وجوباً، فیركع ویسجد إن وجد مکاناً یابساً وإلا یومی قائماً. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/۱۹۶) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطهارة، باب التیمم، مکتبہ دارالکتاب دیوبند ص: ۱۱۷-

ہندیہ، کتاب الطهارة، الباب الرابع فی التیمم قدیم زکریا ۱/۲۸، جدید زکریا ۱/۸۱-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: ہاں قصر کیا جاوے مسافت کا اعتبار ہے گو سواری کے تیز ہونے سے وہ جلدی قطع ہو

جاوے جیسا کہ ریل کے سفر میں یہی حکم ہے۔ (۱)

۲۰ صفر ۱۳۳۲ھ (حوادث رالعص ۶۳)

اُڑان کے دوران ہوائی جہاز میں نماز کا حکم

سوال (۵۱۶): قدیم ۱/۵۸۷- ہوائی جہاز میں جس وقت کہ وہ ہوا میں ہو خواہ چلتا ہو یا ٹھیرا ہو

اس میں نماز فرض جائز ہے یا نہیں؟

(۱) الینابیع: وإن أسرع في السير بأن سار مسيرة ثلاثة أيام في ليلتين أو أقل قصر الصلاة. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والعشرون، صلاة السفر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۹۲، رقم: ۳۰۸۹)

حتى لو أسرع فوصل إلى مكان مسافته ثلاثة أيام بالسير المعتاد في يومين قصر بحر وظاهره أنه كذلك لو وصل إليه في زمن يسير بكرامة. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا ۲/۶۰۳، کراچی ۲/۱۲۳)

حتى لو أسرع يريده (السفر) فقطع ما يقطع بالسير المعتاد في ثلاثة في أقل منها قصر. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۳۴۵)

قوله: بسير وسط، فلو أسرع بريدة فقطع ما يقطع بالسير الوسط في ثلاثة أيام في أقل منها قصر، كما إذا سار فيها سيراً خارقاً للعادة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ دار الكتاب دیوبند ص: ۴۲۱)

وفي السراج الوهاج: إذا كانت المسافة ثلاثة أيام بالسير المعتاد فسار إليها على البريد سيراً مسرعاً أو على الفرس جرياً حثيثاً فوصل في يومين قصر. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۲۹، کوئٹہ ۲/۱۲۹-۱۳۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب (*) : في رد المحتار هو (أي السجود) لغة الخضوع قاموس وفسره في المغرب بوضع الجبهة في الأرض وفي البحر وحقيقة السجود وضع بعض الوجه على الأرض الخ. ج ۱ ص ۴۶۵. (۱)

(*) ہوائی جہاز میں اڑان کے دوران، فرض یا واجب نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ کوئی عذر بھی نہ ہو اور نہ ہی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور نماز ادا بھی کامل کی جائے یعنی رکوع، سجدہ، قیام اور استقبال قبلہ کے ساتھ پڑھی جائے۔

حضرت کا یہ فتویٰ عدم جواز کا ہے؛ لہذا کسی نے ہوائی جہاز میں نماز پڑھ لی تو اس کا اعادہ واجب ہوگا، عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ کے لئے ماتھے یا چہرے کا زمین پر رکھنا شرط ہے جو ہوائی جہاز میں ممکن نہیں (یہ واضح رہے کہ صلوٰۃ علی الدابتہ پر یہ مسئلہ متفرع نہیں ہے جیسا کہ خود حضرت ہی نے اسی جواب میں ارقام فرمایا ہے) اب شبہ یہ رہتا ہے کہ دریائی جہاز میں نماز جائز ہے؛ حالانکہ وہاں بھی مذکور شرط متحقق نہیں ہے، حضرت قدس سرہ العزیز نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ پانی کا جہاز پانی کے واسطے سے زمین پر مستقر ہے، ہوائی جہاز ہوا کے واسطے سے زمین پر مستقر نہیں ہے؛ کیونکہ ہوا کا مادہ رقیقہ ہوائی جہاز کے ثقل کا معاق (روکنے والا) نہیں ہو سکتا۔

لیکن درحقیقت یہ فرق صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ پانی کا جہاز بھی پانی پر مستقر نہیں ہے، پانی بھی اپنی رقت کی وجہ سے پانی کے جہاز کے لئے معاق نہیں ہو سکتا، ہم دیکھتے نہیں کہ معمولی وزن کا ڈھیلا بھی پانی پر رکھا جاتا ہے، تو فوراً ڈوب جاتا ہے، پھر یہ ہزاروں ٹن کا جہاز پانی پر کیسے مستقر ہو سکتا ہے؟ درحقیقت پانی کے جہاز کو پانی پر ٹھہرانے والی چیز جہاز کی ایک مخصوص ہیئت پر بناوٹ ہے اور یہ بہت ممکن ہے کہ مستقبل میں ہوائی جہاز کی کوئی ایسی ہیئت ایجاد ہو جائے جس کی وجہ سے وہ بھی ہوا پر رکا رہے۔

علاوہ بریں سجدہ میں پیشانی یا چہرے کو زمین پر رکھنے کی شرط کوئی منصوص شرط نہیں ہے؛ بلکہ اہل لغت کے اقوال سے مستنبط کردہ ہے، اور اہل لغت ظاہر ہے کہ اپنے گرد و پیش کے احوال سامنے رکھ کر ہی لغات کے معانی بیان کرتے ہیں، پس یہ اتنی قوی دلیل نہیں ہو سکتی کہ مسئلہ کی بنیاد اس پر کھڑی کی جائے؛ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ جس طرح رکوع ایک خاص ہیئت کا نام ہے، اسی طرح سجدہ بھی ایک مخصوص ہیئت کا نام ہے اور اس کے تحقق کی صورتیں ہر مکان کے اعتبار سے جدا جدا ہوں گی۔ ←

وفیه تحت قول الدر المختار وأن يجد حجم الأرض ما نصه تفسیره أن الساجد لوبالغ لا يتسفل رأسه ابلغ من ذلك فصح على طنفسة وحصير وحنطة وشعير وسریر وعجلة إن كانت على الأرض لا على ظهر حيوان كبساط مشدود بین أشجار الخ، ج ۱ ص ۵۲۳. (۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں وضع جبہ یا وضع وجہ ارض پر شرط ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز مستقر علی الأرض ہو وہ تبعاً بحکم ارض ہے دو شرط سے ایک وجدان حجم بالتفسیر المذکور اور اسی واسطے بساط مشدود بین الاشجار پر جائز نہیں اور دوسرے یہ کہ وہ چیز جاندار نہ ہو کیونکہ جاندار میں بوجہ متحرک بالارادہ ہونے کے ایک گونہ استقلال ہے وہ مثل جمادات کے تابع للأرض نہیں ہے اسی لئے حیوان پر بلا عذر جائز نہیں اور سریر وعجلہ وغیرہ میں تبعیت مع دونوں شرطوں کے پائی جاتی ہے اس پر جائز ہے پس یہاں چار چیزیں نکلیں:

(۱) ارض (۲) سریر وعجلہ وغیرہ (۳) بساط مشدود ومثلہ (۴) حیوان، اولین پر جائز ہے اور آخرین پر ناجائز الابدعرفی الحیوان، بعد اس تمہید کے سمجھنا چاہئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ہوائی جہاز ارض تو ہے نہیں اور بساط مشدود بین الاشجار کی مثل بھی نہیں بوجہ تفاوت وجدان وعدم وجدان حجم کے

← حضرت العلامة جناب مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ نے معارف السنن شرح ترمذی شریف، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی الصلاة علی الدابة، حیث ماتو جہت، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۳۹۵/۳ - ۳۹۷/۳ میں اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے، آپ کی رائے پہلے جواز نماز کی تھی پھر عدم جواز کی ہو گئی مفید اور قابل ملاحظہ بحث ہے۔ علامہ عبدالرحمن جزیری نے کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعة، کتاب الصلاة، بحث صلاة الفرض فی السفینة وعلی الدابة ونحوها، مکتبہ دار الکتاب العلمیہ بیروت ۲۰۶/۱ میں ہوائی جہاز کو پانی کے جہاز کے حکم میں رکھا ہے، موصوف لکھتے ہیں:

ومثل السفینة القطر البخارية والطائرات الجوية ونحوها ۵۱.

احقر کے ناقص خیال میں یہی رائے درست ہے؛ لہذا ہوائی جہاز میں اگر کامل نماز، رکوع، سجدہ، قیام اور استقبال قبلہ کے ساتھ (ادا کی جاوے تو نماز صحیح ہو جاوے گی اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم علمہ اتم وا حکم

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند

اب دوا احتمال رہ گئے۔ ایک یہ کہ مثل عجلہ کے ہو۔ دوسرے کہ مثل حیوان کے ہو تو گونا گوارا مثل عجلہ کے معلوم ہوتا ہے کہ بواسطہ ہوائے مستقر علی الارض کے وہ بھی مستقر علی الارض ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ ہوا پر مستقر ہے اور نہ ہوائے ارض پر مستقر ہے چنانچہ ہوا کا میلان الی الحیط ظاہر ہے تو وہ ارض پر کیسے مستقر ہے اور اتصال اور چیز ہے اور ہوا کا مادہ رقیقہ بھی جہاز کے ثقل کا معاق نہیں ہو سکتا چنانچہ اگر اس میں سے گیس نکل جاوے تو فوراً زمین پر گر پڑے پس وہ حقیقۃً ارض پر غیر مستقر ہوا اور حیوان جو کہ حقیقۃً مستقر تھا مگر حکماً مستقر نہ تھا جب اس پر بلا عذر نماز جائز نہیں تو جہاز پر جو کہ حقیقۃً غیر مستقر ہے کس طرح نماز جائز ہوگی؟

إلا بعذر معتبر في الصلوة على الحيوان.

حاصل جواب یہ نکلا کہ جن عذروں کے سبب اونٹ گھوڑے وغیرہ پر نماز جائز ہے اگر وہی اعذار پائے جاویں مثلاً نزول میں خوف ہلاک وغیرہ ہو یا نزول پر قادر نہ ہو (اور یہ عذر اخیر جہاز رانوں کیلئے جو کہ اس کے اتارنے یا ٹھیرانے پر قادر ہیں متحقق نہ ہوگا) تب تو اس پر نماز جائز ہے اور بدون ایسے عذر کے جائز نہیں (رفع اشتباہ) (*) اس جہاز کو مثل دریائی جہاز کے نہ سمجھا جاوے کیونکہ وہ بواسطہ پانی کے مستقر علی الارض ہے اور اس کا استقرار پانی پر اور پانی کا استقرار ارض پر بالکل ظاہر ہے۔

تنبیہ: یہ جواب قواعد سے لکھا گیا ہے علماء سے امید ہے کہ اگر یہ جواب صحیح نہ ہو تو براہِ نصیح دین احقر مجیب کو مطلع فرماویں۔ سمجھنے کے بعد اپنے جواب سے رجوع کر کے اس کو شائع کر دوں گا۔ (۱)
۲۲ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (حوادث رابعہ ص ۷۷)

(*) ”رفع اشتباہ“ کے مضمون پر نقد اور اس کا جواب (بقلم مولانا حبیب احمد صاحب) پہلے سوال نمبر ۴۹۵/۱ کے آخر میں درج ہوا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) کتاب الفقہ علی المذاہب کی عبارت سے ہوائی جہاز کے طیران کے دوران نماز کا جواز ثابت ہوتا ہے، اس میں واضح کیا گیا ہے کہ ہوائی جہاز میں اُڑان کے دوران نماز پڑھنا ایسا ہے جیسا کہ چلتی ہوئی کشتی میں نماز پڑھی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

ومحل كل ذلك إذا خاف خروج الوقت قبل أن تصل السفينة أو القاطرة إلى المكان الذي يصلى فيه صلاة كاملة، ولا تجب عليه الإعادة ومثل السفينة القطر البخارية البرية والطائرات الجوية ونحوها. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة بيروتی ۱/ ۲۰۶) ←

سوال (*) (۵۱۷): قدیم ۱/۵۹۰- برہوائی جہاز در حالت طیران او یا وقوف اور در ہوا

سجدہ کردن یا نماز فرضی خواندن جائز است یا نہ، بینو اتوجرو؟ (۱)

(*) یہ سوال وجواب حضرتؒ کے نہیں ہیں، تفصیل سوال نمبر ۴۹۶ کے حاشیہ میں درج کی گئی ہے۔

۱۲ سعید احمد پالن پوری

← حضرت والا تھانویؒ نے پانی کے جہاز اور ہوائی جہاز کے درمیان فرق کر کے دونوں کے حکم میں بھی فرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے، مگر حضرت والا کو مکمل طور پر اس پر یقین نہیں ہے؛ اس لئے تنبیہ کے تحت دوسرے علماء کی تحقیق اس کے خلاف ثابت ہو جانے کے بعد رجوع کی بات لکھی ہے اور علامہ عبدالرحمن جزریؒ نے دونوں کا حکم تقریباً ایک ہی بیان فرمایا ہے کوئی فرق نہیں فرمایا اور اب علماء کی تحقیق اور فتویٰ ہوائی جہاز میں نماز کے جواز کا ہے؛ چنانچہ سعودی ہوائی جہازوں میں باقاعدہ اتنی بڑی جگہ نماز کے لئے متعین کر رکھا ہے، جس میں باجماعت نماز پڑھی جاسکے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ترجمہ سوال: (۵۱۷) قدیم ۱/۵۹۰- ہوائی جہاز پر پرواز کے دوران یا اس کے ہوا میں معلق

ہونے کے دوران اس میں سجدہ کرنا یا فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب کا ترجمہ: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: علامہ قسطنطینی مختصر الوقایہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ سجدہ لغت میں خضوع کے معنی میں آتا ہے، اور شریعت میں سجدہ کہتے ہیں پیشانی کو زمین وغیرہ پر رکھنا (انہما) اور کنز کی شرح البحر الرائق میں ”فصل إذا أراد الدخول في الصلاة“ کے اندر مصنفؒ کے قول ”و سكره بأحدھما وبكود عمامتہ“ کے تحت صاحب بحر نے تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قاعدہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ جس طرح زمین پر سجدہ کرنا جائز ہے اسی طرح اس چیز پر بھی سجدہ کرنا جائز ہے، جو زمین کے معنی میں ہو یعنی پیشانی جس کے حجم کو محسوس کرے اور اس پر ٹک جائے اور وجدان حجم کی تفسیر یہ ہے کہ سجدہ کرنے والا اگر مبالغہ کرے تو اس کا سر اس سے نیچے نہ جائے انتہی

اور وقایہ میں ”باب صفة الصلاة“ کے آخر میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے عمامہ کی پیچ پر سجدہ کیا یا کپڑے کے زائند حصہ پر سجدہ کیا یا ایسی چیز پر سجدہ کیا جس کے حجم کو پیشانی محسوس کرے اور اس پر ٹک جائے تو سجدہ کرنا جائز ہے اور اگر پیشانی نہ ٹکے تو ناجائز ہے۔ انتہی

چنانچہ اگر ہوائی جہاز ایسی ٹھوس چیز سے بنا ہو جس پر پیشانی ٹک جاتی ہو اور دبانے سے نہ دبتی ہو تو اس پر سجدہ کرنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ ہوائی جہاز دابہ کے ساتھ ملحق ہے جیسا کہ چلتی ہوئی کشتی اور وہ کشتی جو ساحل سے لگی ہوئی ہو اور زمین پر ٹکی ہوئی نہ ہو، تو ایسی کشتی دابہ کے ساتھ ملحق ہے جیسا کہ درمختار کی مندرجہ ذیل عبارت سے مستفاد ہوتا ہے (درمختار میں یہ عبارت باب سجدۃ التلاوة سے پہلے ہے)

الجواب: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب. قال العلامة القهستانی في شرح مختصر الوقاية والسجود لغة هو الخضوع وشرعا وضع الجبهة على الأرض وغيرها انتهى (۱) وفي البحر شرح الكنز تحت قوله وكره بأحدهما أو بكور عمامته من فضل إذا أراد الدخول في الصلوة في اثناء ما بسطه والأصل أنه كما تجوز السجدة على الأرض تجوز على ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقر عليه وتفسير وجدان الحجم ان الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه ابلغ من ذلك انتهى (۲) وفي الوقاية: في آخر باب صفة الصلوة فإن سجد على كور عمامته أو فاضل ثوبه أو شيء يجد حجمه وتستقر عليه الجبهة جاز وإن لهم تستقر لا يجوز انتهى (۳) فالمركب الهوائي إن كان مركبا من أشياء صلبة بحيث تستقر عليه الجبهة ولا تتسفل بالتسفل تجوز السجدة عليه والظاهر انه ملحق بالدابة كالسفينة السائرة والموقوفة بالشط الغير المستقرة على الأرض فإنها ملحقة بالدابة كما يستفاد من رد المحتار قبيل سجدة التلاوة (۴)

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۵۵۸، كوثه ۱/ ۳۱۹۔

(۳) شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة بلال ديوبند ۱/ ۱۴۷۔

(۴) شامی کی پوری عبارت ملاحظہ ہو:

والمربوطة في الشط كالشط (در مختار) وفي الشامية: قوله: والمربوطة في الشط كالشط فلا تجوز الصلاة فيها قاعدًا إتفاقًا، وظاهر ما في الهداية وغيرها الجواز قائمًا مطلقًا أي استقرت على الأرض أولاً، وصرّح في الإيضاح بمنعه في الثاني حيث أمكنه الخروج إلحاقاً لها بالدابة نهر، واختاره في المحيط والبدائع بحر، وعزاه في الإمداد أيضًا إلى مجمع الروايات عن المصنف، وجزم به في نور الإيضاح وعلى هذا ينبغي أن لا تجوز الصلاة فيها سائرة مع إمكان الخروج إلى البر، وهذه المسئلة والناس عنها غافلون شرح المنية. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبة زكريا ديوبند

۲/ ۵۷۳، كراچی ۲/ ۱۰۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فالصلوة المكتوبة على المركب الهوائى لا تجوز بدون العذر كما هو حكم الصلوة على الدابة والسفينة السائرة وهل يلزم التوجه إلى القبلة ههنا كما في السفينة أولا كما في الدابة والظاهر أنه يلزم لأن المركب الهوائى بمنزلة البيت كالسفينة، فإن لم يمكنه يمكث عن الصلوة إلا إذا خاف فوت الوقت لما تقرر من ان قبلة العاجز جهة قدرته. ما من حادثة إلا ولها ذكر في كتاب من الكتب المعتمدة اما بعينها أو بذكر قاعدة كلية تشتملها. ۱۲ واللہ تعالیٰ اعلم (ترجیح خامس ص ۹۲)

ہوائی جہاز کے سفر میں مسافت قصر

سوال (۵۱۸): قدیم ۱/۵۹۱ - اس زمانہ میں جو ہوائی جہاز ایجاد ہوا ہے اس پر سفر کرنے میں رفتہ رفتہ ترقی ہو رہی ہے اب سوال یہ ہے کہ اس سفر کو علاوہ سفر بری و بحری کے ایک تیسری قسم سفر ہوائی کی قرار دینا چاہئے یا سفر بری و بحری میں سے کسی ایک قسم میں داخل کرنا چاہئے جس طرح سفر ریل کا حال ہے کہ جس شخص نے پیدل رفتار سے شب و روز کی مسافت کو بذریعہ ریل دوڑھائی گھنٹہ میں طے کر لیا ہے تو اس کو مسافر کا حکم دیا جاتا ہے تو ہوائی جہاز پر سفر کرنے میں کس مسافت پر قصر صلوٰۃ کا اعتبار کریں یعنی تین شب و روز کی مسافت ہوائی جہاز کے اعتبار سے یا درمیان میں اگر سمندر پڑتا ہو تو بحری جہاز کی تین شب و روز کی مسافت کا لحاظ کریں یا خشکی پڑتی ہو تو تین شب و روز کی مسافت پیدل رفتار کے لحاظ سے اعتبار کریں؟

فالصلاة المكتوبة على المركب الهوائى الخ -

ترجمہ: بغیر کسی عذر کے فرض نماز ہوائی جہاز پر جائز نہیں ہے جیسا کہ یہی حکم دابہ اور چلتی ہوئی کشتی پر نماز پڑھنے کا ہے (یہاں ایک سوال ہوتا ہے) کیا ہوائی جہاز میں قبلہ کی جانب رخ کرنا ضروری ہے جیسا کہ کشتی میں رخ کرنا ضروری ہوتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ دابہ میں؟

اور ظاہر ہے کہ استقبال قبلہ لازم اور ضروری ہے؛ اس لئے کہ ہوائی جہاز کشتی کی طرح گھر کے درجہ میں ہے، پس اگر استقبال قبلہ ممکن نہ ہو تو نماز کو مؤخر کر دے، مگر جب کہ نماز کے وقت کے نکل جانے کا اندیشہ ہو جیسا کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کرنے سے عاجز شخص کا قبلہ اس کی وہ جہت ہے جس جہت پر وہ قادر ہے (اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ جس کا بیان فقہ کی کسی معتبر کتاب میں نہ ہو یا تو بعینہ اس کا بیان ہوتا ہے یا ایسے قاعدہ کلیہ کے تحت ہوتا ہے جو اس کو مشتمل ہوتا ہے)

الجواب: قواعد سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں محاذاتہ کا اعتبار ہوگا یعنی جتنا سفر برکی محاذاتہ میں ہوا ہے وہ سفر برکی کے حکم میں ہوگا اور جتنا بحر کی محاذاتہ میں ہوا ہے وہ سفر بحر کی کے حکم میں ہوگا شریعت میں اس کی نظیر بھی ہے کہ حج کے جو مواقیت ہیں جو لوگ مواقیت سے دور دور گزرتے ہیں کہ مواقیت ان کے طریق میں نہیں پڑتے وہاں مواقیت کی محاذاتہ کا اعتبار ہے یعنی ان مواقیت کے محاذی مقامات ان مواقیت کے حکم میں ہیں۔ (۱) واللہ اعلم، ۲۲/محرم ۱۳۵۱ھ (النور باب ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ ص: ۷)

(۱) عن عبد الله بن عمر^{رض} قال: لما فتح هذان المصران أتوا عمر^{رض} فقالوا: يا أمير المؤمنين إن رسول الله صلى الله عليه وسلم حد لأهل نجد قرناً وهو جورٌ عن طريقنا، وإننا إن أردنا قرناً شق علينا، قال: فانظروا حدوها من طريقكم فحد لهم ذات عرق. (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب ذات عرق لأهل العراق، النسخة الهندية ۲۰۷/۱، رقم: ۱۵۰۹، ف: ۱۵۳۱)

وقد قالوا: ومن كان في بر أو بحر لا يمر بواحد من هذه المواقیت المذكورة فعليه أن يحرم إذا حاذى آخرها ويعرف بالاجتهاد وعليه أن يجتهد، فإذا لم يكن بحيث يحاذي فعلى مرحلتين إلى مكة. (البحر الرائق، كتاب الحج، مكتبه زكريا ديوبند ۵۵۶-۵۵۷، كوئٹہ ۳۱۷/۲)

ومن كان في بر أو بحر لا يمر بواحد من المواقیت المذكورة فعليه أن يحرم إذا حاذى آخرها ويعرف بالاجتهاد فعليه أن يجتهد، فإن لم يكن بحيث يحاذى فعلى مرحلتين من مكة. (فتح القدير، كتاب الحج، فصل في المواقیت، مكتبه زكريا ديوبند ۴۳۲/۲، كوئٹہ ۳۳۴/۲)

وكل من قصد مكة من طريق غير سلوك، أحرم إذا حاذى ميقاتاً من هذه المواقیت كذا في محيط السرخسي: ومن حج في البحر فوقته إذا حاذى موضعاً من البر لا يتجاوز إلا محرماً كذا في السراج الوهاج: وإن سلك بين الميقاتين في البحر أو البر اجتهد وأحرم إذا حاذى ميقاتاً منهما، وأبعدهما أولى بالاحرام منه كذا في التبيين، فإن لم يكن بحيث يحاذي فعلى مرحلتين إلى مكة. (هندية، كتاب المناسك، الباب الثاني في المواقیت، قديم زكريا ۲۲۱/۱، جديد زكريا ۲۸۵/۱) شبير احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہوائی جہاز کے سفر میں مسافت قصر

سوال (۵۱۹): قدیم ۱/۵۹۲- ہوائی جہاز میں اگر کوئی سفر کرے تو کتنی مسافت میں نماز کا قصر کرنا چاہئے؟

الجواب: جس وقت احکام شریعیہ سفر کے متعلق موضوع ہوئے ہیں اس وقت سفر فی البر، والبحر، والجبل واقع تھا فی الہوانہ تھا اور احکام تابع واقعات ہی کے ہوتے ہیں اس لئے شریعت میں نصایہ مسکوت عنہ ہے؛ لیکن شریعت میں اس کی ایک نظیر وارد ہے پس اس پر قیاس کر کے اس میں حکم دیا جاوے گا اور چونکہ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت اس لئے اس حکم کو بھی حکم وارد فی الشرع کہا جاوے گا وہ نظیر یہ ہے کہ حج میں جو مواقیت متعدد ہیں ان میں اہل نجد کیلئے قرن مقرر فرمایا گیا ہے جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوفہ و بصرہ فتح ہوا تو ان لوگوں نے عرض کیا کہ قرن ہماری راہ سے ہٹا ہوا ہے اور وہاں جانے میں مشقت ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کے محاذی مقام کو دیکھ لو چنانچہ ذات عرق مقرر ہوا۔ رواہ البخاری (۱) اور گو اس باب میں احادیث مرفوعہ بھی ہیں (۲) مگر اول تو وہ متکلم فیہا ہیں۔ دوسرے اس اجتہاد کے وقت حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع نہ تھی تو اتنا تو ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اس میں اجتہاد سے کام لیا چنانچہ اسی جواز اجتہاد کی بناء پر ہمارے فقہاء نے فرمایا ہے کہ:

(۱) عن عبد الله بن عمرؓ قال: لما فتح هذان المصران أتوا عمرؓ فقالوا: يا أمير المؤمنين إن رسول الله صلى الله عليه وسلم حد لأهل نجد قرناً وهو جورٌ عن طريقنا، وإننا إن أردنا قرناً شق علينا، قال: فانظروا حدوها من طريقكم فحد لهم ذات عرق. (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب ذات عرق لأهل العراق، النسخة الهندية ۲۰۷/۱، رقم: ۱۵۰۹، ف: ۱۵۳۱)

(۲) عن أنس بن مالكؓ أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت لأهل المدائن العقيق ولأهل البصرة ذات عرق ولأهل المدينة ذا الحليفة ولأهل الشام الجحفة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۵۱/۱، رقم: ۷۲۱) ←

 ومن كان في بحر أو بر لا يمر بواحد من المواقيت المذكورة فعليه أن يحرم إذا
 حاذى آخرها ويعرف بالاجتهاد فعليه أن يجتهد فإن لم يكن بحيث يحاذى فعلى
 مرحلتين من مكة فتح القدير. (۱)

پس اسی طرح یہاں اس مسافت ہوائی کے محاذی کو دیکھیں گے کہ بحر ہے یا بر یا جبل اور اس محاذی کی
 مسافت قصر کو دیکھیں گے اور اسی کا اعتبار اس مسافت ہوائی میں کر کے اس کے موافق حکم دیں گے احتیاطاً
 اس میں دوسرے علماء سے بھی رجوع کر لیا جاوے۔

۷/ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (حوادث خامس ص ۱۰)

 ← طحاوي شريف، كتاب مناسك الحج، باب المواقيت التي ينبغي لمن
 أراد الإحرام أن لا يتجاوزها، مكتبة اشرفية ۱/ ۳۸۷، دار الكتب العلمية بيروت
 ۱۸۳/۲، رقم: ۳۴۵۱۔

(۱) ومن كان في بر أو بحر لا يمر بواحد من المواقيت المذكورة فعليه أن
 يحرم إذا حاذى آخرها ويعرف بالاجتهاد فعليه أن يجتهد، فإذا لم يكن بحيث يحاذي
 فعلى مرحلتين إلى مكة. (فتح القدير، كتاب الحج، فصل في المواقيت، مكتبة زكريا
 ديوبند ۲/ ۴۳۲، كوئٹہ ۲/ ۳۳۴)

وقد قالوا: ومن كان في بر أو بحر لا يمر بواحد من هذه المواقيت المذكورة
 فعليه أن يحرم إذا حاذى آخرها ويعرف بالاجتهاد وعليه أن يجتهد، فإذا لم يكن
 بحيث يحاذي فعلى مرحلتين إلى مكة. (البحر الرائق، كتاب الحج، مكتبة زكريا
 ديوبند ۲/ ۵۵۶-۵۵۷، كوئٹہ ۲/ ۳۱۷)

وكل من قصد مكة من طريق غير مسلوک، أحرم إذا حاذى ميقاتاً من هذه المواقيت كذا
 في محيط السرخسي: ومن حج في البحر فوقته إذا حاذى موضعاً من البر لا يتجاوز إلا محرماً
 كذا في السراج الوهاج: وإن سلك بين الميقاتين في البحر أو البر اجتهد وأحرم إذا حاذى
 ميقاتاً منهما، وأبعدهما أولى بالإحرام منه كذا في التبيين، فإن لم يكن بحيث يحاذي فعلى
 مرحلتين إلى مكة. (هندي، كتاب المناسك، الباب الثاني في المواقيت، قديم زكريا ۱/ ۲۲۱،

جدید زکریا ۱/ ۲۸۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دوران سفر ارادہ سفر ملتوی کرنے کا حکم

سوال (۵۲۰): قدیم ۱/۵۹۳ - حضرت گھر سے چلتے وقت ارادہ دہرے کا ہوا جو کہ مسافت قصر ہے لیکن بعد کا ندھلہ آنے کے جو کہ مسافت قصر نہیں ارادہ واپس گھر جانے کا ہو گیا پھر تخمیناً بعد چھ گھنٹے کے ارادہ ہو گیا کہ دہرے جاؤنگا جو کہ کا ندھلے سے بھی مسافت قصر ہے اس نے بعد ارادہ بدلنے کے عشاء کی نماز پوری پڑھی اور اس وقت بوجہ عزم دھرہ ظہر کی قصر کی اب اس میں کیا حکم شرع شریف سے ہوتا ہے؟

الجواب: في الدر المختار: حتى يدخل موضع مقامه ان سار مدة السفر و إلا فليتم بمجردنية العود لعدم استحكام السفر وفي رد المحتار: قوله: ان سارقيد لقوله حتى يدخل أي إنما يدوم على القصر إلى' الدخول ان سار ثلاثة أيام ج ۱ ص ۸۲۲. (۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ سائل نے جو کیا ٹھیک کیا۔

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ (تمہ خامسہ ص ۲۳۵)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۶۰۴/۲، کراچی ۱۲۴/۲۔

من جاوز بیوت مصره مریداً سیراً إلى آخره معناه إذا جاوز بیوت مصره قصر حتى يرجع إلى مصره فیدخله أو ینوی الإقامة فی موضع آخر وقالوا: إنما یشرط دخول المصر للإتمام إذا صار ثلاثة أيام فصاعداً وأما إذا لم یسر ثلاثة أيام فیتم بمجرد الرجوع إلى وطنه، وإن لم یدخله لأنه نقض السفر قبل الاستحکام إذ هو محل النقض. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا ۵۱۱/۱-۵۱۲، امدادیہ ملتان ۲۱۱/۱)

حتى یدخل مصره أو ینوی الإقامة نصف شهر فی بلد أو قرية (کنز) وفي البحر: أطلق فی دخول مصره فشمّل ما إذا كان سار ثلاثة أيام أو أقل لكن المذكور فی الشرح أنه یتم إذا سار أقل بمجرد العزم على الرجوع، وإن لم یدخل مصره لأنه نقض السفر قبل الاستحکام إذ هو یحتمل النقض، قال فی الفتح: وقياسه أن لا یحل فطره فی رمضان إذا كان بینہ وبين بلده یومان. وفي المجتبى: لا یبطل السفر إلا بنية الإقامة أو دخول الوطن ←

اہلکاروں کے دورہ میں نماز قصر کرنے کا حکم

سوال (۵۲۱): قدیم ۱/۵۹۳ - دورہ کی صورت یہ ہے کہ پانچ سو چھ سو کوس کے علاقہ میں گشت کرنے کی نیت سے سفر کیا جائے گا لیکن منزل عموماً چھ سات کوس پور بی یعنی چودہ یا پندرہ میل پر ہوا کرے گی اور بعض مقامات پر دو تین روز قیام بھی ہوگا تمام سفر مسلسل طے کیا جاوے گا یعنی گوالیار بعد اتمام گشت واپسی ہوگی کوچ و مقام سب تجویز ہو گیا ہے ایسی صورت میں نماز قصر پڑھی جاوے گی یا پوری؟ فقط

الجواب: نماز قصر ہوگی۔ (۱) فقط

۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۳۷ ج ۱)

سوال (۵۲۲): قدیم ۱/۵۹۴ - سرکاری ملازم جو دورہ کرتے ہیں ان کی نماز قصر جائز ہے یا نہیں؟ طریق غیر معروف سے اپنی اسائن کے موافق دیہات کا دورہ وطن سے وطن تک چھتیس کوس یا تین یوم کی پوری مسافت ہو جاتی ہے اور یہی ان کے سفر کی غایت ہے یعنی بصورت دائرہ لی جس میں وطن کے علاوہ کسی شہر کو غایت سفر نہیں کہہ سکتے؟

← أو الرجوع قبل الثلاثة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۳۱، كوئٹہ ۲/۱۳۱)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۴۶ -

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۰ -

(۱) من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات صلى الفرض الرباعي ركعتين ولو عاصياً بسفره حتى يدخل موضع إقامته أو ينوي إقامة نصف شهر بموضع واحد صالح لها فيقصر إن نوى الإقامة في أقل منه. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبة زكريا ۲/۵۹۹ تا ۶۰۶، كراچی ۲/۱۲۱ تا ۱۲۶) ←

الجواب (*) : صورت مسئلہ میں قصر درست نہیں۔ (۱)

۱۵/ صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۵ ج ۱)

(*) طبع اول میں اس جگہ قصر درست ہونے کا حکم مذکور تھا، تصحیح الاغلاط ص: ۱۶ میں اس سے رجوع فرمایا، اس کے موافق یہاں نقل کیا گیا اور مزید توضیح اس کی تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ ص: ۱۳ میں مذکور تھی، جس کو اس کے نیچے سوال نمبر ۵۲۳/ میں نقل کر دیا گیا۔ ۱۲ محمد شفیع

← من جاوز بیوت مصرہ مریداً سیراً وسطاً ثلاثة أيام في بر أو بحر أو جبل قصر الفرض الرباعي..... حتى يدخل مصره أو ينوي إقامة نصف شهر ببلد أو قرية لا بمكة ومنى وقصر إن نوى أقل منه أو لم ينو وبقي سنيين. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۴۴ - ۳۴۷)

أقل مدة سفر تتغير به الأحكام مسيرة ثلاثة أيام من أقصر أيام للسنة بسير وسط مع الاستراحات..... فيقصر الفرض الرباعي من نوى السفر ولو كان عاصياً بسفره إذا جاوز بيوت مقامه وجاوز أيضاً ما اتصل به الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۴۱۷ تا ۴۲۲)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۳۷ تا ۲۳۸۔

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۲۵ تا ۲۳۰، كوئٹہ ۲/ ۱۲۸ تا ۱۳۲۔

(۱) اس لئے کہ قصر کے لئے یکبارگی مسافت سفر طے کرنے کا قصد کرنا لازم ہے جو کہ یہاں مفقود ہے۔ وأما الثاني: فهو أن يقصد مسيرة ثلاثة أيام، فلو طاف الدنيا من غير قصد إلى قطع مسيرة ثلاثة أيام لا يترخص. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۲۶، كوئٹہ ۲/ ۱۲۸)

لابد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص برخصة المسافرين وإلا لا يترخص أبداً. (تبیین الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۰۷، امدادیتہ ملتان ۱/ ۲۰۹) ←

سوال (۵۲۳): قدیم ۱/۵۹۴ - نماز قصر کے متعلق مجھ کو استفتاء کی ضرورت ہے

اور حالت یہ ہے کہ میری ملازمت گشت و گردآوری کی ہے میں حکماً مستقر پر دس روز سے زیادہ قیام نہیں کر سکتا اور صورت سفر یہ ہے کہ جب گشت کے واسطے مستقر سے روانہ ہوتا ہوں کہیں دو، کہیں تین، کہیں چار، کہیں پانچ، کہیں دس کوس تک سفر کر کے قیام کا موقع ملتا ہے لیکن اس کے اندر تعین مدت اور تعین مسافت نہیں ہوئی حسب ضرورت قیام اور سفر کرتا ہوں لیکن مستقر سے جب چلنا ہوتا ہے کل ضلع کے گشت کا ارادہ ہوتا ہے جس کے اندر دس گیارہ قصبے شامل ہیں اور کل مسافت طولاً چالیس میل ضروری ہوگی اور محیط کو اگر لیا جاوے تو یقین ہے کہ ستر، اسی میل سے زائد ہی مسافت ہوگی پس ان صورتوں میں میرے واسطے قصر نماز درست ہوگی یا نہیں جبکہ من جملہ گیارہ قصبوں کے ایک قصبہ مستقر ہے اور دس قصبوں اور اس کے مفضلاتی چوکیوں پر مجھ کو گشت کیلئے بصورت معروضہ صدر گردآوری و گشت کے واسطے سفر کرنا ضروری ہے؟

← فإنه إذا كان يسير مرحلة جميع الدنيا ولا ينوي سفراً لا يصير مسافراً.

(الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة المسافر، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۴۹۶، رقم: ۳۱۰۰)

فإن لم يقصد موضعاً وطاف الدنيا من غير قصد إلى قطع مسيرة ثلاثة أيام لا يترخص بالقصر. (الفقه الإسلامي وأدلته، صلاة المسافر، الموضوع الأول المسافة التي يجوز فيها القصر، مكتبة هدى انترنیشنل ديوبند ۲/ ۲۸۷)

لا يصح القصر إلا إذا نوى السفر فنية السفر شرط لصحة القصر بالاتفاق؛ ولكن يشترط لنية السفر أمران، أحدهما أن ينوي قطع المسافة بتمامها من أول سفره فلو خرج هائماً على وجهه لا يدري أين يتوجه لا يقصر، ولو طاف الأرض كلها لأنه لم يقصد قطع المسافة، وهذا الحكم متفق عليه، وكذلك لا يقصر إذا نوى قطع المسافة؛ ولكنه نوى الإقامة أثنائها مدة قاطعة لحكم السفر. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الصلاة، مباحث قصر الصلاة الرباعية، نية السفر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۴۷۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس دورہ میں جو مقام ایسا ہو کہ وہاں پہنچ کر آگے بڑھنے کو واپسی مستقر کی سمجھا جاتا ہو یعنی وہ مقام کہ وہاں تک جانے سے تو مستقر سے وقفاً بعد بڑھتا جاتا ہے اور وہاں سے جب سفر کیا جاوے تو مستقر سے قریب ہوتا جاتا ہے اس مقام کو منہائے سفر کہا جاوے گا اور مستقر سے اس مقام تک کی مسافت دیکھی جاوے گی اگر وہ مسافت قصر پر ہوگا تو قصر کیا جاوے گا جبکہ دوسرے شرائط قصر بھی پائے جاویں (۱)

اور اگر وہ مسافت قصر پر نہ ہوگا تو قصر نہ ہوگا جبکہ دوسری شرائط اتمام کی بھی پائی جاویں مثلاً دائرہ ذیل میں ب۱ نقطہ (۱) مستقر ہے اور (ب) تک پہنچ کر پھر (۱) سے قرب شروع ہوا تو (ب) کو منتهی سمجھا جاوے گا اور اس میں وہی تفصیل بالا جاری ہوگی اگر (ب) مسافت قصر پر ہے تو ہر حال میں قصر ہوگا

(۱) من خرج من عمارة موضع إقامته قاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات صلى الفرض الرباعي ركعتين ولو عاصياً بسفره حتى يدخل موضع إقامته أو ينوي إقامة نصف شهر بموضع واحد صالح لها فيقصر إن نوى الإقامة في أقل منه. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ۵۹۹/۲ تا ۶۰۶، كراچی ۱۲۱/۲ تا ۱۲۶)

من جاوز بيوت مصره مريداً سيراً وسطاً ثلاثة أيام في بر أو بحر أو جبل قصر الفرض الرباعي..... حتى يدخل مصره أو ينوي إقامة نصف شهر ببلد أو قرية لا بمكة ومنى إن نوى أقل منه أو لم ينو يبقين سنين. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۳۴۴/۱-۳۴۷)

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب دیوبند ص: ۴۱۷ تا ۴۲۲۔

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بیروت ۲۳۷/۱ تا ۲۳۸۔

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲۲۵/۲ تا ۲۳۰، کوئٹہ ۱۲۸/۲ تا ۱۳۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور اگر (ب) مسافت قصر پر نہیں ہے تو اس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر مستقر پر بحکم شرعی یہ اتمام کرتا ہے تو پھر اس محیط کے سفر میں قصر نہ کیا جاوے گا اور اگر مستقر پر اتمام نہیں کیا جاتا تو پھر تمام سفر میں قصر ہوگا نہ اس وجہ سے کہ یہ مسافت قصر پر ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہنوز یہ شخص مقیم نہیں ہوا مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس کے قبل اور طرح سے فتویٰ دیا ہے (*) یعنی مستقر سے قبل کے ایک مقام کی مسافت کا اعتبار کیا ہے اور اس کو منہا سفر کا قرار دیا ہے کیونکہ اس کے بعد تو مستقر ہی کا قصد ہے مگر اس وقت قواعد سے یہ حکم مذکور اقرب معلوم ہوتا ہے لہذا ضروری ہے کہ اس کو دوسرے علماء سے بھی یا مدرسہ دیوبند (**) سہارنپور سے تحقیق فرمالیا جاوے اور میری یہ تحریر بھی پیش کر دی جاوے۔

۷/ صفر ۱۳۳۱ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۳)

مسافت قصر کا ارادہ نہ ہونے کی صورت میں مسافت قصر طے کرنے سے قصر نہ کرنے کا حکم

سوال (۵۲۴): قدیم ۱/۵۹۶- زید وطن سے مظفر نگر کا عازم ہو کر چلا اور قصد ہے کہ دیوم میں واپس ہو جائے گا وہاں پہنچ کر ضرورت محسوس ہوئی کہ سہارنپور ہو آئے اور سہارنپور سے واپس میرٹھ ہولیا میرٹھ سے مظفر نگر سفر شرعی نہیں اور نہ مظفر نگر سے سہارنپور ہاں میرٹھ سے سہارنپور سفر ہے پس سفر کے دو ٹکڑے علیحدہ و مستقل نیت سے مظفر نگر سے روانگی کے وقت سفر بنیں گے یا نہیں یعنی سہارنپور سے میرٹھ آتے وقت تو سفر کا حکم ہوگا ہی مظفر نگر سے سہارنپور تک بھی سفر ہوگا یا نہیں؟

(*) یہ جواب امداد الفتاویٰ مجتہبائی ۸۵/۱ میں چھپا ہے (اور یہاں سوال نمبر ۵۲۲ پر نقل ہوا ہے)

اب اس جواب پر وثوق نہ کریں۔ ۱۲ منہ

لیکن مرتب نے اس کی تصحیح کر دی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے باقاعدہ صدر مفتی حضرت اقدس مفتی عزیز الرحمن عثمانی نور اللہ مرقدہ کا فتویٰ حضرت مجیب قدس اللہ سرہ العزیز کے فتوے کے خلاف ہے۔ ملاحظہ فرمادیں: فتاویٰ دارالعلوم (جدید) ۴/۲۸۸/۲ حضرات علماء دونوں پر غور فرمائیں اور عمل کرنے والے اپنے موقع سے اطمینان کر لیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

الجواب : في الدر المختار: ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر وفي رد المحتار قوله بلا قصد بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بها، فلما بلغها بدأله أن يذهب إلى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جرأ (ح) قال في البحر: وعلى هذا قالوا أمير خرج مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم أين يدر كههم فإنه يتم وإن طالت المدة أو المكث اما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر. اهـ (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ شخص مظفر نگر سے سہارنپور جاتا ہوا قصر نہ کرے گا اور سہارنپور سے میرٹھ آتے ہوئے قصر کریگا۔ فقط

۱۸/ صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۵ ج ۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۶۰۱/۲، کراچی ۱۲۲/۲۔

وأما الثاني: فهو أن يقصد مسيرة ثلاثة أيام، فلو طاف الدنيا من غير قصد إلى قطع مسيرة ثلاثة أيام لا يترخص. وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم أين يدر كههم فإنهم يصلون صلاة الإقامة في الذهاب وإن طالت المدة، وكذلك المكث في ذلك الموضع، أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲۲۶-۲۲۷، کوئٹہ ۱۲۸/۲)

من جاوز بيوت مصره مريداً (كنز) وفي النهر: قوله مريداً: أي قاصداً نبه بذلك على أنه لو طاف الدنيا من غير قصد إلى قطع المسافة لا يترخص وعلى هذا قالوا: لو خرج الأمير في طلب العدو بجيش ولم يعلم أين يدر كههم لا يقصر في الذهاب، وإن طالت المدة، أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر.. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۳۴۴/۱)

قال رحمه الله السفر الذي يتغير به الأحكام أن يقصد الإنسان موضعاً بينه وبين مصره مسيرة ثلاثة أيام فصاعداً القصد هو الإرادة لما عزم عليه، وإنما شرط القصد فقال: أن يقصد ولم يقل أن يسير لأنه لو طاف جميع الدنيا ولم يقصد مكاناً بعينه بينه وبينه مسيرة ثلاثة أيام لا يصير مسافراً. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ دار الكتاب دیوبند ۱۰۱/۱)

تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۵۰۷/۱، امدادیہ ملتان ۲۰۹/۱۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسافر کی اقتداء کرنے والے کا چھوٹی ہوئی رکعات کو مکمل کرنے کا طریقہ

یہ مسئلہ جلد ہذا کے سوال نمبر: ۴۴۴/ پر آچکا ہے (ترجیح ثانی ص ۱۹۱)

(۱) حکم فوت سجدہ صلاۃ (۲) ونظر شوہر بروئے زوجہ میتہ (۳) وطریق اتمام صلاۃ مقیم مسبوق خلف مسافر (۴) وسہو سلام در صلاۃ جنازہ۔

سوال (۵۲۵): قدیم ۱/۵۹۶۔ اگر نماز میں ایک سجدہ بھول جاوے تو کیا کرنا چاہئے! بعد مرنے کے مرد اپنی بی بی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں، اور قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟ "اور مقیم نے مسافر کی اقتداء قاعدہ اخیرہ میں کی تو اب یہ مقیم مسبوق کس طریقہ سے نماز ادا کرے؟ اور معصوم بچے کی یعنی نابالغ کی نماز جنازہ پڑھائی اس میں سلام نہ پھیرا تو کیا اس میں نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: جب یاد آوے اسی وقت ادا کرے پھر جس رکن سے اس سجدہ میں آیا ہے اسی کی طرف چلا جاوے اور آخر میں سجدہ سہو کرے۔

وفي رد المحتار: عن شرح المنية: لو ترك سجدة من ركعة ثم تذكرها فيما بعدها من قيام أو ركوع أو سجود فإنه يقضيها ولا يقضى ما فعله قبل قضائها مما هو بعد ركعتها من قيام أو ركوع أو سجود بل يلزمه سجود السهو. فقط (*) لكن اختلف لزوم قضاء ما تركها فقضاها فيه ففي الهداية أنه لا تجب إعادته بل تستحب وفي الخانية: أنه يعيد وإلا فسدت صلواته ومثله في الفتح والمعتمد ما في الهداية: فقد جزم به في الكنز وغيره في باب الاستخلاف وصرح في البحر: بضعف ما في الخانية هذا انتهى، ملتقتا، (۱) دیکھ سکتا ہے۔

(*) یہ اضافہ تصحیح الانعلاط ص: ۸/ سے کیا گیا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مطلب کل شفع من النفل صلاۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۱۵۴، کراچی ۱/ ۴۶۲۔

وإن كان إماماً فصلی ركعة وترك فيها سجدة وصلی ركعة أخرى وسجد لها وتذكر المتروكة في السجود، فإنه يرفع رأسه من السجدة ويسجد المتروكة، ←

في الدر المختار: ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح منيه. (۱)

اور قبر میں اتارنا جب محرم نہ ہوں زوج کو درست ہے۔ لآنه مس من حائل، یہ مقیم بعد سلام (*) امام کے کھڑا ہو کر اول دو رکعت بلا فاتحہ پڑھے اور ان دو رکعت میں اگر سہو ہو جاوے سجدہ سہو بھی واجب ہے بعد قعدہ کے پھر دو رکعت مع فاتحہ و سورت کے پڑھے اور ان دو رکعت میں اگر سہو ہو جاوے سجدہ سہو کرے۔ (۲)

(*) اس مسئلہ کے متعلق سوال نمبر ۴۴۲۲ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← ثم يعيد ما كان فيها لأنها ارتفعت فعيدها استحساناً. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۴۲۸، رقم: ۲۸۷۴) المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۶۶۸، كوئٹہ ۱/ ۳۸۱۔

(۱) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۹۰، کراچی ۲/ ۱۹۸۔

ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها وهي لا تمنع من ذلك. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۶۶)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۷۱۔

(۲) سبق برکعة من ذوات الأربع ونام في ركعتين يصلي أو لا ما نام فيه، ثم ما أدركه مع الإمام، ثم ما سبق به فيصلي ركعة مما نام فيه مع الإمام ويقعد متابعة له لأنها ثانية إمامه ثم يصلي الأخرى مما نام فيه ويقعد لأنها ثانية، ثم يصلي التي انتبه فيها ويقعد متابعة لإمامه لأنها رابعة كل ذلك بغير قراءة لأنه مقتد ثم يصلي الركعة التي سبق بها بقراءة الفاتحة والسورة يقعد لما مر والأصل أن اللاحق يصلي على ترتيب صلاة إمامه. (حلبی کبیری، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، فروع من سبق برکعة، مكتبة اشرفية ديوبند ۴۶۹ - ۴۷۰)

 في الدر المختار: صلوة الجنازة وركنها شيئان التكبيرات الأربع والقيام
 وسننها ثلاثة التحميد والثناء والدعاء فيها. اهـ (۱)

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ سلام پھیرنا فرض نہیں لہذا نماز ہوگئی۔ فقط واللہ اعلم

۲۷ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد جلد اول ص: ۳۹)

.....

← مقيم أتم بمسافر حكمه حكم المؤتم فلا يأتي بقراءة ويتبدأ بقضاء ما فاته
 عكس المسبوق. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند
 ۳۴۴/۲، کراچی ۱/۵۹۴)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند
 ۲۳۸/۲، کوئٹہ ۲/۱۳۵۔

(۱) الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبه زكريا
 ديوبند ۱۰۵/۳-۱۰۶، کراچی ۲/۲۰۹۔

وأركانها: التكبيرات، والقيام وسننها أربع: الأولى قيام الإمام بحذاء صدر
 الميت ذكرًا كان أو أنثى. والثانية: الثناء بعد التكبيرة الأولى. الثالثة: الصلاة على النبي
 صلى الله عليه وسلم بعد التكبيرة الثانية. والرابع من السنن الدعاء للميت بعد التكبيرة الثالثة .
 (طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه، مكتبه
 دارالكتاب ديوبند ص: ۵۸۰ تا ۵۸۵)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الصلاة على الميت، مكتبه
 زكريا ديوبند ۱/۳۹۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ



رسالہ نافع الإشارة إلى منافع الاستخارة

(یعنی ایک شخص کے علی الترتیب چند خطوط کے جوابات)

خط اول مع جواب

سوال (۵۲۶): قدیم ۱/۵۹۸۔ بخدمت شریف عالی جناب معلی القاب مولانا مولوی اشرف علی صاحب دامت ظلمکم، السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ، یہاں اس علاقہ کے قریب ایک جگہ ہے جہاں ہیرے ملتے ہیں اور ہزاروں آدمی تلاش کرتے ہیں اور ہر سال ایک دو ہیرے ملتے رہتے ہیں بارش کے موسم میں ہیرے تلاش کئے جاتے ہیں اور بہت سے آدمیوں کو ملے ہیں۔ لہذا گزارش ہے کہ سات روز استخارہ کر کے اگر دل رجوع ہو تو ہیرا ڈھونڈنے اس جگہ جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر دل رجوع ہو تو کیا اعتقاد ہوگا کہ ہیرے ضرور ملیں گے؟

تتمہ سوال: اور ہیرا ڈھونڈنے جانے کیلئے استخارہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: استخارہ کی غرض تمہارے اعتقاد میں کیا ہے؟

استخارہ سے متعلق بارہ ۱۲ سوالات اور جوابات درج کئے گئے ہیں: حدیث پاک میں جس استخارہ کی وضاحت آئی ہے، اس کو یہاں درج کر دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

عن جابر بن عبد اللہ قال قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارة فی الأمور کلہا کما یعملنا السورة من القرآن یقول إذا ہم أحدکم بالأمر فلیرکع رکعتین من غیر الفریضة، ثم لیقل اللهم انی استخیرک بعلمک واستقدرک بقدرتک وأسألك من فضلک العظیم فانک تقدر ولا أقدر وتعلم ولا أعلم وأنت علام الغیوب اللهم ان کنت تعلم أن هذا الأمر خیر لی فی دینی ومعیشتی وعاقبة أُمُری أو قال فی عاجل أُمُری واجلہ فیسرہ لی، ثم بارک لی فیہ وإن کنت تعلم أن هذا الأمر شر لی فی دینی ومعیشتی وعاقبة أُمُری أو قال فی عاجل أُمُری واجلہ فاصرفہ عني واصرفني عنه واقدر معالي الخیر حیث کان ثم ارضنی به ویسمی حاجتہ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی صلوة الاستخارة،

النسخة الهندية ۱/۱۰۹، رقم: ۴۸۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خط ثانی مع جواب

سوال : بخدمت شریف عالی جناب مولانا مولوی اشرف علی صاحب دامت ظلکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا عنایت نامہ ہمدست ہوا جو ملفوف ہے آپ نے لکھا ہے (اگر دل رجوع ہو تو کیا اعتقاد ہو گا کہ ہیرے ضرور ملیں گے) جواباً عرض ہے اگر دل رجوع ہو تو امید رہتی ہے کہ ہیرے ملیں گے اگر خدا نے چاہا؟

جواب: السلام علیکم، یقینی امید یا مشکوک؟

تتمہ سوال : پھر آپ نے لکھا ہے کہ استخارہ کی غرض تمہارے اعتقاد میں کیا ہے جواباً عرض ہے کہ میری غرض یہ ہے کہ استخارہ سنت ہے اور استخارہ کرنے سے برکت ہوتی ہے اور کام میں کامیابی ہوتی ہے

جواب: بالکل غلط یہ اعتقاد کامیابی کا تم نے کہاں لکھا دیکھا ہے؟

تتمہ سوال : اگر کام پورا نہ ہو تب بھی قیامت میں اس کا ضرور ثواب ملے گا یہ اعتقاد ہے؟

جواب : استخارہ کا ثواب کہاں لکھا ہے یعنی خصوصیت استخارہ کا۔ اور اس میں دعاء ہونے کی حیثیت سے کلام نہیں۔

خط ثالث مع جواب

سوال : بخدمت شریف عالیجناب معلی القاب خورشید رکاب مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب دامت ظلکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا عنایت نامہ ملا جو ملفوف ہے آپ نے لکھا ہے (اگر دل رجوع ہو تو یقینی امید رہتی ہے یا مشکوک) جواباً عرض ہے کہ اس جیسے مسئلے کے اعتقاد رکھنے کا خدا اور رسول کا حکم ہوا ہے رکھنا چاہتا ہوں۔ مطلع فرمادیں۔

جواب: یقینی امید کی کوئی دلیل نہیں شمرہ کا مرتب ہونا مشکوک ہی رہتا ہے اور درجہ شک میں بھی استخارہ کا کوئی دخل نہیں بلکہ قبل استخارہ جیسا کہ مشکوک تھا ویسا ہی مشکوک رہتا ہے۔

تتمہ سوال : آپ نے میرے اس لکھنے پر کہ استخارہ کرنے سے برکت ہوتی ہے اور کام میں کامیابی ہوتی ہے یہ لکھا ہے (بالکل غلط یہ اعتقاد تم نے کہاں لکھا دیکھا ہے) جواباً عرض ہے کہ آپ بہشتی زیور میں لکھ رہے ہیں کہ اور کوئی کام کرے تو بھی استخارہ کئے بغیر نہ کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کئے پر پشیمانی نہ ہونا تو کام کے کامیاب ہونے پر ہی ہو گا ورنہ پشیمانی ہی ہوگی۔

جواب: غلط بلکہ اس دعا کی یہ برکت ہوتی ہے کہ اگر کامیابی بھی نہ ہو تو اس لئے پشیمانی نہیں ہوتی کہ کامیابی ہی نہ ہونے کو خیر سمجھے گا جیسا کہ اہل تقویٰ کا مسلک ہے کہ جو حال پیش آوے اس کو مصلحت سمجھتے ہیں۔

تتمہ سوال: میں نے لکھا تھا استخارہ کرنے سے قیامت میں ضرور ثواب ملے گا آپ نے اس جملہ پر لکھا ہے کہ (استخارہ کا ثواب کہاں لکھا ہے) جواباً عرض ہے آپ نے بہشتی زیور میں صاف لکھا ہے کہ حدیث شریف میں استخارہ کی بہت ترغیب آئی ہے تو جس کام کی حضور ﷺ نے ترغیب دی تو اس کام کے کرنے سے قیامت میں ثواب ملے گا یہ سمجھ کر میں نے لکھا ہے کہ (قیامت میں ضرور استخارہ کا ثواب ملے گا)

جواب: اس ہی کی کیا دلیل ہے حدیث میں تو دوا کرنے کی بھی ترغیب ہے مگر اس میں ثواب کا کوئی بھی قائل نہیں وجہ یہ کہ وہ موضوع نہیں ثواب کے لئے بلکہ دنیوی مصلحت کے لئے موضوع ہے اسی طرح استخارہ بھی مصلحت دنیویہ کیلئے موضوع ہے اور ثواب اس میں ہوتا ہے جو مصلحت دینیہ کیلئے موضوع ہو باقی نیت سے ثواب مل جانا یہ اور بات ہے اس طرح تو اکل و شرب میں بھی ثواب ہے مگر اس سے وہ عبادت موجبہ ثواب نہیں بن جاتا۔

تتمہ سوال: استخارہ کے بارے میں آج قریباً گیارہ ماہ سے آپ سے استفسار کر رہا ہوں براہ مہربانی مطلع کریں۔ ہمیشہ استخارہ کر کے معاملہ کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں ٹھیک ہے مگر اس معاملہ میں یہ قید ہے کہ اس میں احتمال نفع و ضرر دونوں کا ہوا اور جو عادت یا شرعاً یقیناً نافع ہو یا یقیناً مضر ہو اس میں استخارہ نہیں جیسے کوئی نماز پڑھنے کیلئے استخارہ کرنے لگے یا دونوں وقت کھانا کھانے کیلئے استخارہ کرنے لگے یا چوری کرنے کیلئے استخارہ کرنے لگے یا کسی اپانچ عورت سے نکاح کرنے کیلئے استخارہ کرنے لگے۔

تتمہ سوال: کیونکہ آپ کے آخری خط سے دل کو ذرا غلجنا ہے آپ نے لکھا ہے کہ (کامیابی کے ہونے کا اعتقاد غلط ہے اور ثواب کا ملنا بھی کہاں لکھا ہے) بے ادبی معاف اب سوال یہ رہا کہ پھر استخارہ کرنے کی کیا ضرورت ہے جب کامیابی بھی نہیں ہوتی ہے اور ثواب بھی نہیں ملتا ہے؟

جواب: استخارہ ایک دعا ہے کہ اے اللہ اگر یہ معاملہ میرے لئے خیر ہو تو میرے قلب کو متوجہ کر دے اور اس میں میرے لئے خیر ہو ورنہ میرے دل کو ہٹا دے اور جو میرے لئے خیر ہو اس کو تجویز کر دے۔

سواس کے بعد اگر اس طرف قلب متوجہ ہو تو اس کے اختیار کرنے کو ظناً خیر سمجھنا چاہئے خواہ کامیابی کی صورت میں خواہ ناکامیابی کی صورت میں اور ناکامی کا خیر ہونا باعتبار اس کے آثار خیر کے ہے خواہ دنیا میں کہ اس کا نعم البدل ملے خواہ آخرت میں کہ صبر کا اجر ملے اور استخارہ نہ کرنے میں مجموعی طور پر اس خیر کا وعدہ نہیں خواہ کلاً یا بعضاً عطا ہی ہو جاوے پس اس استخارہ کا فائدہ تسلی ہے کہ ہم کو ضرور خیر عطا ہوگی اور استخارہ اور عدم استخارہ کے ان آثار میں وجہ فرق یہ ہے کہ استخارہ کے بعد اگر وہ مؤثر ہو تو قلب میں ایسی چیز نہ آوے گی جس میں بے احتیاطی ہو اور بدون استخارہ کے ایسی چیز آنے کا بھی احتمال ہے کہ ذرا غور سے اس کا مضر ہونا معلوم ہو سکتا تھا مگر اس نے غور نہیں کیا اور بے احتیاطی سے اس کو اختیار کر لیا تو اپنے ہاتھوں جب مضرت کو اختیار کیا جاوے اس میں وعدہ خیر کا نہیں۔

تتمہ سوال: میں ہر معاملہ اکثر استخارہ کر کے کیا کرتا ہوں۔ مجھے ہمیشہ استخارہ کر کے معاملے کرنے پر کامیابی ہوئی ہے مگر اس سال پہلی کی تخم کا معاملہ خسارہ میں ہے؟

جواب: اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ استخارہ میں کامیابی کا وعدہ نہیں بلکہ حصول خیر کا وعدہ ہے خواہ خیر ظاہری ہو یا خیر باطنی۔

تتمہ سوال: جس کو میں اپنی غلطی سمجھ رہا ہوں؟

جواب: غلطی کی تقریر کرنا چاہئے تھا۔

تتمہ سوال: اب آپ جیسا حکم دیں گے کرونگا اب آپ براہ مہربانی مطلع فرماویں؟

جواب: میرا کام حکم دینا نہیں حقیقت بتلانا ہے جیسے طبیب دوا کی خاصیت بتلاتا ہے حکم نہیں دیتا کہ پیو یا نہ پیو مریض سمجھ کر خود اپنے لئے ایک راہ تجویز کرے۔

تتمہ سوال: ہر کام میں اور کوئی مال فروخت کرنے اور خریدنے میں بھی استخارہ کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب: اوپر لکھ چکا ہوں فی قولی ہاں ٹھیک ہے الخ،

تتمہ سوال: استخارہ پر کیسا اعتقاد رکھنا استخارہ سے کیا غرض رہنا (اعتقاداً)

جواب: اوپر لکھ چکا ہوں فی قولی استخارہ ایک دعا ہے الخ

تتمہ سوال: باقی استخارہ کیسے کرنا ہے تو آپ نے بہشتی زیور میں بتلادیا ہے؟

جواب: ہاں مسنون طریقہ وہی ہے (تمت رسالۃ نافع الاشارة)

ربیع الاول ۱۳۵۲ھ (النور بابتہ ماہ شعبان ورمضان وشوال ۱۳۵۲ھ)



۱۷ / باب صلوة الجمعة والعیدین

خطبہ عید کے بعد دعاء کا حکم

سوال (۵۲۷): قدیم ۱/۶۰۲ - کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس جوار میں یہ معمول ہے کہ بعد خطبہ عید کے منبر سے اتر کر مصلے پر بیٹھ کر بعوض بعد صلوة عید دعاء مانگتے ہیں۔ یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: کہیں ثابت نہیں؛ اگرچہ دعاء ہر وقت جائز ہے مگر یہ تخصیص بلا دلیل شرعی ہے؛ البتہ بعد نماز کے آثار کثیرہ میں مشروع ہے اور دبر الصلوة (*) اوقات اجابت دعاء بھی ہے۔ (۱) بہر حال بعد نماز دعاء نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغیر سنت ہے اور قابل احترام۔ و هذا كله ظاهر، واللہ تعالیٰ اعلم (امداد ص ۳۳ ج ۱)

(*) یعنی نماز کے بعد حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے۔ ۱۲۔ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(۱) خطبہ کے بعد دعاء کا ثبوت نہیں، مگر نماز کے بعد دعاء کا ثبوت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:
عن أبي أسمية رضي الله تعالى عنه قال: قيل: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/۱۸۷، دار السلام رقم: ۳۴۹۹۹)
السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دار الكتب العلمية بيروت ۳۲/۶، رقم: ۹۹۳۶۔

عن مسلم بن أبي بكره عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يدعو في دبر الصلاة، يقول: اللهم إني أعوذ بك من الكفر والفقر وعذاب القبر. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۵/۷۵، رقم: ۲۹۷۴۸)

مسند أحمد بن حنبل ۵/۳۹، رقم: ۲۰۶۸۰ - ۴۴/۵، رقم: ۲۰۷۲۰۔

صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/۳۸۹، رقم: ۷۴۶۔ ←

سوال (۵۲۸): قدیم ۶۰۳/۱ - ایک مولوی صاحب یہاں تشریف لائے اور عید الاضحیٰ کی نماز

انہوں نے ہی پڑھائی اور نماز سے پیشتر عید گاہ میں وعظ فرمایا بعد نماز بغیر دعاء مانگے خطبہ پڑھا اور خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد بھی دعاء مانگی اس پر لوگ بہت برہم ہوئے۔ مولوی صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں نے مجھ سے دریافت کرنا شروع کیا میں نے سکوت کیا اور یہ خیال کر کے کہ آنجناب سے اس کے متعلق دریافت کر کے کچھ کہوں گا اب تک جواب نہیں دیا اب جیسا ارشاد ہو ویسا عمل میں لایا جائے۔

← عن ورّادٍ كاتب المغيرة بن شعبة قال: أُملي عليّ المغيرة بن شعبة في كتاب إلي معاوية أن النبي صلى الله عليه وسلم يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. (بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، النسخة الهندية ۱/۱۱۷، رقم: ۸۳۶، ف: ۸۴۴)

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيده وقال: يا معاذ! والله إني لأحبك، فقال: أوصيك يا معاذ! لا تدعَنَّ في دبر كل صلاة تقول: اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك. (أبوداؤد شريف، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ۱/۲۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۲۲)

عن العرابض بن سارية رضی اللہ عنہ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۸/۲۵۹، رقم: ۶۴۷)

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد يسط فيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللهم إلهي وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب وإله جبرئيل، وميكائيل، وإسرافيل عليهم السلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي، وتعصمني في ديني، فأني مبتلى، وتناولي برحمتك، فأني مذب، وتنفي عني الفقر، فأني متمسك إلا كان حقاً على الله عز وجل أن لا يرد يديه خائبتين. عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح؟ مؤسسة علوم القرآن بيروت ص: ۱۲۱، رقم: ۱۳۸) شبير احمد قاسمی عفا الله عنه

نیز لوگوں نے مولوی صاحب پر یہ اعتراض بھی کیا کہ جب دعاء مانگنی ناجائز ہے، تو عید گاہ میں وعظ کہنا کب جائز ہے؟ پس اس کے متعلق بھی تحریر فرمائیے کہ وعظ کہنا عید گاہ میں نماز سے پہلے جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ مولانا نے خطبہ سے فارغ ہو کر یہ فرمایا تھا کہ دعا مانگنا نماز عید اور خطبہ کے بعد صحابہ، تابعین، تبع تابعین سے منقول نہیں اسلئے بغرض اتباع دعاء نہ مانگنی چاہئے۔ اس پر ایک صاحب نے حدیث پیش کی اور کہا کہ منقول ہے اور اس حدیث سے ثابت ہے۔

عن أم عطية[ؓ] قالت: أمرنا أن نخرج الحَيَّضَ يومَ العیدین وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم وتعتزل الحَيَّض عن مصلاهن قالت امرأة يارسول الله الخ. مشکوة باب صلوة العیدین. (۱)

دعاء متنازع فیہ کے بارے میں لفظ دعوتہم سے استدلال کیا۔ پس دریافت طلب یہ ہے کہ یہ استدلال ان کا صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: واقعی بعد نماز عید یا خطبہ دعاء مانگنا بالخصوص منقول تو نہیں دیکھا گیا اور دعوتہم سے استدلال نامتام ہے کیونکہ اس میں کسی محل کی تصریح نہیں کہ یہ دعائیں کس وقت ہوتی ہے پھر محل خاص میں ان کے ہونے پر استدلال کرنا ظاہر ہے کہ غیر تمام ہے، ممکن ہے کہ یہ دعا وہ ہو جو نماز کے اندر یا خطبہ کے اندر عام سیغوں سے کی جاتی ہے جو سب مسلمانوں کو شامل ہوتی ہے اور حاضرین پر اس کے برکات اول فائض ہوتے ہیں لیکن بالخصوص منقول نہ ہونے سے حکم ابتداء کا بھی مشکل ہے؛ کیونکہ عموماً نصوص سے فضیلت دعاء بعد الصلوة کی ثابت ہے (۲) پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے

(۱) مشکوة شریف، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، مكتبة اشرفية دیوبند

۱/۱۲۵، رقم: ۱۳۴۳۔

مسلم شریف، کتاب العیدین، فصل فی إخراج العواتق وذوات الخدور،

النسخة الهندية ۱/۲۹۱، بیت الأفكار رقم: ۸۹۱۔

بخاري شریف، کتاب العیدین، باب التكبير أيام منى، النسخة الهندية

۱/۱۳۲، رقم: ۹۶۱، ف: ۹۷۱۔

(۲) عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: قيل: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! ←

اور اگر کوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کو ترک کرے اس پر بھی ملامت نہیں۔
بہر حال یہ مسئلہ ایسا مہتمم بالشان نہیں ہے دونوں جانب میں توسع ہے۔ رہا وعظ کہنا چونکہ یہ بالالتزام نہیں
ہوتا اس کے جواز کیلئے دلیل منع کی نہ ہونا کافی ہے۔

۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالث ص ۱۲۰)

← أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف،
أبواب الدعوات، باب بلا ترجمه، النسخة الهندية ۱۸۷/۲، دار السلام رقم: ۳۴۹۹)
عن ورّادٍ كاتب المغيرة بن شعبة قال: أملي عليّ المغيرة بن شعبة في كتاب إلي
معاوية أن النبي صلى الله عليه وسلم يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا الله وحده
لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت
ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. (بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الذكر
بعد الصلاة، النسخة الهندية ۱۱۷/۱، رقم: ۸۳۶، ف: ۸۴۴)

عن العرابض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى
صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي
۲۵۹/۱۸، رقم: ۶۴۷)

عن مسلم بن أبي بكر عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يدعو في دبر
الصلاة، يقول: اللهم إني أعوذ بك من الكفر والفقر وعذاب القبر. (مصنف ابن أبي شيبة،
كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۷۵/۱۵، رقم: ۲۹۷۴۸)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد يبسط كفيه
في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللهم إلهي وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل،
وميكائيل، وإسرافيل عليهم السلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي، وتعصمني في ديني، فإني
مبتلى، وتنانني برحمتك، فإني مذنب، وتنفي عني الفقر، فإني متمسك إلا كان حقاً على الله
عز وجل أن لا يرد يدي خائبتين. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة
الصبح؟ مؤسسة علوم القرآن بيروت ص: ۱۲۱، رقم: ۱۳۸)

أبوداؤد شريف، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ۲۱۳/۱، دار السلام رقم: ۱۵۲۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۵۲۹): قدیم/۱/۶۰۴۔ بعد نماز عیدین کے یا بعد خطبے کے دعاء مانگنا نبی ﷺ اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین سے منقول نہیں اور اگر ان حضرات نے کبھی دعاء مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی لہذا بغرض اتباع دعاء نہ مانگنا دعاء مانگنے سے بہتر ہے انتہی۔ ہکذا فی بہشتی گوہر، اور الرشید جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ صفحہ ۳۱ تحت فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں لکھا ہے اور دعاء مانگنا بعد نماز عیدین کے مثل تمام نمازوں کے مستحب ہے لعموم الأدلۃ انتھی ما التوفیق فیما بینہما؟

الجواب: اول میں نفی نقل جزئی کی ہے ثانی میں اثبات کلی سے ہے فلا تعارض، لیکن راجح میرے خیال میں ثانی معلوم ہوتا ہے۔ (۱)

وهو المعمول لی وإن كنت نقلت الأول من علم الفقه والامر واسع ولعل موافقة الجمهور أولى. (ترجیح رابع ص ۸۰)

(۱) خطبہ کے بعد دعاء کا ثبوت نہیں ملتا، مگر خطبہ سے پہلے نماز کے بعد عموماً کی وجہ سے دعا کا ثبوت ہے، فتاویٰ دارالعلوم کی بات زیادہ راجح ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: قيل: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمه، النسخة الهندية ۱۸۷/۲، دار السلام رقم: ۳۴۹۹)

السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دار الكتب العلمية بيروت ۳۲/۶، رقم: ۹۹۳۶۔

عن العرابض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۵۹/۱۸، رقم: ۶۴۷)

عن مسلم بن أبي بكر عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يدعو في دبر الصلاة، يقول: اللهم إني أعوذ بك من الكفر والفقر وعذاب القبر. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۷۵/۱۵، رقم: ۲۹۷۴۸)

مسند أحمد بن حنبل ۳۹/۵، رقم: ۲۰۶۸۰۔

صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۳۸۹/۱، رقم: ۷۴۶۔ ←

سوال (*) (۵۳۰): قدیم ۱/۶۰۲ - بحالی جناب کرامت مآب برگزیدہ اذکیاء پسندیدہ اصفیاء

جناب مولانا صاحب دام ظلہ بعد از آرزوئے قدم بوسی و اشتیاق دست بوسی معروض خدمت حاشیہ بوسان آستان قدوسی نشان میگرداند کہ آں صاحبان در تصنیف خود ائنی بہشتی گوہر در باب عیدین چنین فرمودہ است کہ آنحضرت ﷺ و اصحاب و تابعین و تبع تابعین بعد از صلوٰۃ عید دعاء خواستہ اند اگر خواستہ شدہ بودے ضرور نقل کردہ بودے از خواستن عدم خواستن افضل است و حوالہ آں صاحب بہ کتاب بحر الرائق نمودہ است۔

(*) خلاصہ سوال: بہشتی گوہر میں عیدین کی نماز کے بیان میں ہے ”بعد نماز عیدین کے“ الخ (پوری عبارت سوال نمبر ۵۳۱ میں آرہی ہے) اس مسئلہ کا حوالہ بحر الرائق میں دیا ہے، عرض اینکہ ہمیں بحر کی کتاب العیدین میں یہ مسئلہ نہیں ملا، اور شامی میں مطلب فی الدعاء بغیر العربیۃ ۱/۴۸۷، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۳۵، کراچی ۱/۵۲۱) کے تحت حدیث ہے من صلی..... الخ۔

← عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد يسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللهم إلهي، وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل، وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي، وتعصمني في ديني، فأني مبتلى، وتنانني برحمتك، فأني مذب، وتنفي عني الفقر، فأني متمسك إلا كان حقاً على الله عز وجل أن لا يرد يديه خائبتين. (عمل اليوم واللييلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح؟ مؤسسة علوم القرآن بيروت ص: ۱۲۱، رقم: ۱۳۸)

عن ورّاد كاتب المغيرة بن شعبة قال: أُملي عليّ المغيرة بن شعبة في كتاب إلي معاوية أن النبي صلى الله عليه وسلم يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. (بخاري شريف، كتاب الصلاۃ، باب الذكر بعد الصلاۃ، النسخة الهندية ۱/۱۱۷، رقم: ۸۳۶، ف: ۸۴۴)

عن معاذ بن جبل رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيده وقال: يا معاذ! والله إني لأحبك، فقال: أوصيك يا معاذ! لا تدعن في دبر كل صلاة تقول: اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك. (أبوداؤد شريف، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ۱/۲۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۲۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عرض ایں است کہ مایاں ایں مسئلہ را در باب عید نیا تقسیم و در مطلب دعاء در کتاب شامی نوشتہ است:

من صلی صلوٰۃ ولم یدع فیہا فهو خداج۔ و دیگر قول باری تعالیٰ: فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَب۔

از آیت و حدیث ایں سخن معلوم می شود کہ دعاء در پس ہر نمازی باید کرد ہنوز ایں چنین عرض است کہ

آں صاحب توفیق کلام خود و حدیث و آیت شریف می باید کرد کہ شک مایاں رفع شود عنایت باشد از جواب

سرفراز فرماید گستاخی معاف فرماید۔ چرا کہ در باب دیں ایں امر اولیٰ است؟

الجواب (*): السلام علیکم، بہشتی گوہر تصنیف مستقل نیست بلکہ تلخیص است از علم الفقہ پس ناقلیم

از علم الفقہ کہ مؤلفش زندہ ہستند گو علم الفقہ ناقل از دیگر جا باشد پس بذمہ ناقل تصحیح نقل می باشد و بذمہ ماصحیح

نقل از علم الفقہ است و بذمہ علم الفقہ تصحیح نقل از بحر الرائق است۔ ماذمہ داریمستم ایں کلام بود متعلق نقل تصحیح

آں امانفس مسئلہ اقرب الی کلیات الشرع ہماں است کہ شامی نوشتہ آید و عمل من و اکابر من موافق ہمیں است

یعنی بعد نماز عیدین دعا معمول است۔ بہر حال ہر قدر کہ مضمون بہشتی گوہر معارض قواعد است از اں رجوع

می کنم۔ والسلام، ۱۸ رذی الحج ۱۳۳۲ھ (ترجیح حصہ رابعہ ص ۸۴)

← اور نیز ارشاد باری ہے:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَب۔ [سورة الم نشرح: ۷]

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کے بعد دعاء کرنا چاہئے، اب عرض یہ ہے کہ بہشتی گوہر کے مصنف اپنی بات اور حدیث و آیت میں تطبیق بیان کریں تاکہ ہمارا شک دور ہو۔

(*) ترجمہ جواب: السلام علیکم، بہشتی گوہر مستقل تصنیف نہیں ہے؛ بلکہ علم الفقہ کی تلخیص ہے، پس ہم (مسئلہ) نقل کرنے والے ہیں، علم الفقہ کے مصنف زندہ ہیں (لہذا ان سے تطبیق دریافت کی جائے) گو علم الفقہ میں بھی دوسری جگہ سے نقل کیا گیا ہے، پس ناقل کے ذمہ تصحیح نقل ہوگی (تطبیق بیان کرنا اس کی ذمہ داری نہیں ہے) ہماری ذمہ داری علم الفقہ سے نقل کی تصحیح ہوگی اور علم الفقہ کے ذمہ بحر الرائق سے نقل کی تصحیح ہوگی ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

نوٹ: علم الفقہ میں مذکور مسئلہ اور اس کے بعد ایک اور مسئلہ لکھ کر حوالہ ”بحر الرائق وغیرہ“ لکھا ہے، پس مذکور مسئلہ بحر میں ہونا ضروری نہیں ممکن ہے کسی اور کتاب سے لیا گیا ہو، جس کی طرف ”وغیرہ“ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری ←

سوال (۵۳۱): قدیم ۱/۶۰۶ - بہشتی گوہر حصہ یازدہم میں یہ مسئلہ مندرج ہے (بعد نماز عیدین کے یا بعد خطبہ کے دعاء مانگنا نبی ﷺ اور ان کے صحابہ و تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں ہے اگر ان حضرات نے دعاء مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی لہذا بغرض اتباع دعاء نہ مانگنا دعاء مانگنے سے بہتر ہے) اور فتاویٰ امدادیہ کے حصہ اول میں جواباً مرقوم ہے (البتہ بعد نماز کے آثار کثیرہ میں مشروع ہے اور دُبر الصلوٰۃ اوقات اجابت دعاء بھی ہے بہر حال بعد نماز دعاء نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغیر سنت ہے اور قابل احتراز) عبارت گوہر سے تو بعد نماز عیدین دعاء نہ کرنا اولیٰ معلوم ہوتا ہے اور فتاویٰ امدادیہ سے نہ کرنا تغیر سنت ظاہر ہوتا ہے۔ اندریں صورت قول رائج اور اقویٰ نماز کے بعد دعاء کا کرنا ہے یا نہ کرنا؟

الجواب: دونوں جواب قواعد سے ہیں اور دونوں میں تعارض نہیں۔ فتاویٰ امدادیہ میں مقصود نکیر ہے اس پر کہ بجائے بعد نماز دعاء کرنے کے بعد خطبہ کے دعاء کی جاوے اور اسکو بہشتی گوہر میں بھی جائز نہیں رکھا گیا (۱)۔ (ترجیح خامس ص ۱۰۴)

← یہ گفتگو تو اس مسئلہ کی نقل الصحیح کے بارے میں تھی رہائش مسئلہ تو قواعد کلیہ شرعیہ سے اقرب وہی معلوم ہوتا ہے، جو آپ نے لکھا ہے اور میرا اور میرے اکابر کا عمل بھی وہی ہے یعنی عیدین کی نماز کے بعد دعاء کرنے کا معمول ہے۔ بہر حال بہشتی گوہر میں اب مسئلہ بدل کر اس طرح کر دیا گیا ہے:

مسئلہ: بعد نماز عیدین کے (یا بعد خطبہ کے) دعاء مانگنا، گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں، مگر چونکہ ہر نماز کے بعد دعاء مانگنا مسنون ہے؛ اس لئے بعد نماز عیدین بھی دعاء مانگنا مسنون ہوگا۔ ۱۲ سعید احمد پالپوری

(۱) خلاصہ جواب: یہ ہے کہ دلائل اور روایات کے عموم کی وجہ سے دیگر نمازوں کی طرح عیدین کی نماز کے بعد بھی دعاء کرنی چاہئے نہ کہ خطبہ کے بعد اور فتاویٰ امدادیہ اور بہشتی گوہر کی عبارت میں تعارض نہیں ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے؛ بلکہ دونوں کا محمل الگ الگ ہے۔

عن أم عطية رضي الله عنها قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض، فيكنّ خلف الناس فيكبرن بتكبيرهم ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته. (بخاري شريف، كتاب العیدین، باب التكبير أيام منى،

سوال (۵۳۲): قدیم ۱/۶۰۷ - بعد نماز عیدین دعاء رو بہ قبلہ مسنون ہے یا یمنیں و یسار کو بھی بعد خطبہ عیدین دعاء کرنا مسنون ہے اور کس شان سے کھڑے یا بیٹھے یا کس طرف کو؟

← عن أبي أمانة رضي الله تعالى عنه قال: قيل: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱۸۷/۲، دار السلام رقم: ۳۴۹۹)

عن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۸/۲۵۹، رقم: ۶۴۷)

عن مسلم بن أبي بكر عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يدعو في دبر الصلاة، يقول: اللهم إني أعوذ بك من الكفر والفقر وعذاب القبر. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۷۵/۱۵، رقم: ۲۹۷۴۸)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللهم إلهي، وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل، وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي، وتعصمني في ديني، فأني مبتلى، وتألني برحمتك، فأني مذنب، وتنفي عني الفقر، فأني متمسكن إلا كان حقاً على الله عز وجل أن لا يرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح؟ مؤسسة علوم القرآن بيروت ص: ۱۲۱، رقم: ۳۸)

بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، النسخة الهندية ۱۱۷/۱، رقم: ۸۳۶، ف: ۸۴۴ -

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ۲۱۳/۱، دار السلام رقم: ۱۵۲۲ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: بعد نماز عیدین یا بعد خطبہ دعاء کرنا یا نہ کرنا خصوصیت کے ساتھ نظر سے نہیں گزرا ظاہراً

قواعد عامہ سے نماز ہی کے بعد دعاء بہتر معلوم ہوتی ہے۔ (۱)

(۱) عن أم عطية رضي الله عنها قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض، فيكن خلف الناس فيكبرن بتكبيرهم ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته. (بخاري شريف، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منى، النسخة الهندية ۱/۱۳۲، رقم: ۹۶۱، ف: ۹۷۱)

مسلم شريف، كتاب العيدين، فصل في إخراج العواتق وذوات الخدور، النسخة الهندية ۱/۲۹۱، بيت الأفكار رقم: ۸۹۱۔

عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: قيل: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/۱۸۷، دار السلام رقم: ۳۴۹۹)

عن العرابض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۸/۲۵۹، رقم: ۶۴۷)

عن مسلم بن أبي بكر عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يدعو في دبر الصلاة، يقول: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۵/۷۵، رقم: ۲۹۷۴۸)

مسند أحمد بن حنبل ۵/۳۹، رقم: ۲۰۶۸۰۔

صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/۳۸۹، رقم: ۷۴۶۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللّٰهُمَّ إِلَهِي، وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل، وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي، وتعصمني في ديني، فأني مبتلى، وتنانني برحمتك، فأني مذنب، وتنفي عني الفقر، فأني متمسك إلا كان حقاً ←

اسی ہیئت سے جیسے اور نمازوں کے بعد ہے۔ (۱)

۱۵ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ۱۶۵)

← علی اللہ عزوجل أن لا یرد یدیه خائبین. (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، باب ما یقول

فی دبر صلاۃ الصبح؟ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ص: ۱۲۱، رقم: ۱۳۸)

بخاری شریف، کتاب الصلاۃ، باب الذکر بعد الصلاۃ، النسخۃ الہندیۃ ۱/۱۱۷،

رقم: ۸۳۶، ف: ۸۴۴۔

أبو داؤد شریف، باب فی الاستغفار، النسخۃ الہندیۃ ۱/۲۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۲۲۔

(۱) یعنی دعا کرنے کے جو سنن و آداب ہیں جن کی رعایت کر کے جس طرح دیگر نمازوں میں دعائے مانگی جاتی ہے، اسی طرح صلاۃ العیدین کے بعد بھی ان کی رعایت کرتے ہوئے دعائے مانگی چاہئے، مثلاً نماز کے بعد قبلہ رو ہو کر با آداب و وزانوں بیٹھ کر دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے مقابل اٹھا کر آہستہ آہستہ انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حمد و ثناء پیش کی جائے، پھر حضور کے دربار میں درود شریف کا نذرانہ پیش کیا جائے، پھر اپنی حاجت اور تمام مومنین کی حاجت دربارِ ایزدی میں پیش کر کے ان کی برآوری کی درخواست کی جائے، پھر دعاء سے فارغ ہونے کے وقت دونوں ہاتھوں کو چہرہ پر پھیر لیا جائے۔

عن فضالۃ بن عبید یقول: سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً یدعو فی صلاتہ فلم یصل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عجل هذا، ثم دعاه، فقال له أو لغيره إذا صلی أحدکم فلیبدأ بتحمید اللہ والثناء علیہ، ثم لیصل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ثم لیدع بعد ما شاء. (ترمذی شریف، أبواب الدعوات باب بلا ترجمۃ، النسخۃ الہندیۃ ۲/۱۸۶، دار السلام رقم: ۳۴۷۷)

أبو داؤد شریف، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء، النسخۃ الہندیۃ ۱/۲۰۸، دار السلام

رقم: ۱۴۸۱۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا رفع یدیه فی الدعاء لم یحطهما حتی یمسح بہما وجہہ. (ترمذی شریف، أبواب الدعوات، باب ماجاء فی رفع الأیدی عند الدعاء، النسخۃ الہندیۃ ۲/۱۷۶، دار السلام رقم: ۳۳۸۶)

ومنها: أن یدعو وهو مستقبل القبلة، ومنها: أن یدعو فی دبر صلواتہ، ومنها: ←

امام کے خطبہ کے لئے منبر پر پہنچنے سے پہلے یادوران خطبہ آپس میں سلام و مصافحہ کا حکم

سوال (۵۳۳): قدیم ۱/۶۰۷ - زید ایک مسجد کا خطیب اور امام ہے اکثر اوقات وہی نماز پڑھاتا ہے اور بعض اوقات دوسروں سے پڑھواتا ہے جب یہ خطبہ پڑھنے کیلئے اپنی جگہ سے اٹھتا ہے تو بعض لوگ اٹھ اٹھ کر اس کو سلام کرتے ہیں اور اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور یہ سلام کا جواب دیتا ہوا اور مصافحہ کرتا ہوا منبر پر جا بیٹھتا ہے آیا طرفین کا سلام و مصافحہ ایسے وقت میں ممنوع و حرام ہے یا نہیں؟

إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام (۱) سے اس کی ممانعت و حرمت نکلتی ہے یا نہیں ظاہر الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ صلوة و كلام کی ممانعت ہے تو سلام و مصافحہ کی بدرجہ اولیٰ ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جب خود زید نماز پڑھانے کو چلتا ہے اور جب وہ دوسروں سے پڑھواتا ہے اس وقت بھی لوگ زید سے سلام و مصافحہ کر کر اپنی جگہوں پر آ بیٹھتے ہیں۔ البتہ جب خطبہ شروع ہو جاتا ہے تو لوگ ایسا نہیں کرتے تاہم اتنا ہوتا ہے کہ اگر زید اثنائے خطبہ میں کسی کی طرف دیکھتا ہے تو دوسرا شخص ہاتھ کے اشارہ سے سلام کر لیتا ہے۔ کیا یہ اشارہ سے سلام کر لینا بھی ممنوع ہوگا؟ ہر صورت کا جواب ارشاد فرمائیے۔

«أن يرفع اليدين حتى يحاذي بهما المنكبين إذا دعاء، ومنها: أن يخفض صوته بالدعاء، ومنها: أن يمسح وجهه بيديه إذا فرغ من الدعاء. (شعب الايمان للبيهقي، باب في الرجاء من الله تعالى ذكر فصول في الدعاء يحتاج إلى معرفتها، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۵۰۲)

(۱) عن عطاء عن ابن عباسؓ، وابن عمرؓ، أنهما كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الجمعة، باب من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا يصلي، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۴/۷۲، رقم: ۵۲۱۸)

عن الزهري عن سعيد بن المسيب قال: خروج الإمام يقطع الصلاة. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجمعة، باب من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا يصلي، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۴/۷۲، رقم: ۵۲۱۸)

الجواب: إذا خرج الإمام في قولٍ يهـ كـه خروج من مراد صعود على المنبر هـ
چنانچہ عینی نے حاشیہ ہدایہ میں نقل کیا ہے۔ (۱)

اور یہی رائج معلوم ہوتا ہے پس اس سے پہلے سلام و مصافحہ ہر دو جائز ہے اور اشارہ چونکہ کلام نہیں لہذا وقت خطبہ کے حرمت میں مثل کلام کے تو نہیں ہے مگر چونکہ مشابہ کلام کے ہے؛ اس لئے کراہت سے خالی نہیں۔ بالخصوص جبکہ خود سلام کرنا بھی اشارہ سے مطلقاً ممنوع ہے حدیث میں ہے۔

ومن مس الحصى (أي في الخطبة) فقد لغا، رواه مسلم. (۲)

جب مس حصى سے ممانعت ہے کیونکہ اس میں مشغولی ہے غیر خطبہ کی طرف تو اشارہ سلام میں تو اس سے زیادہ مشغولی ہے اور حدیث میں ہے:

(١) وإذا خرج الإمام يوم الجمعة (هداية) وفي العيني: يعني إذا خرج من منزلة أو من بيت الخطابة لأجل الخطبة، ويقال: المراد بخروجه صعوده على المنبر. (بنية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ٨٤/٣)

وإذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام (كنز) وفي البحر: وفسر الشارح الخروج بالصعود على المنبر وهكذا في المضمورات. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ٢٧٠، كوثه ١٥٥/٢)

وإذا خرج الإمام أي صعد على المنبر كذا في المعراج وغيره وعليه جرى الشارح. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ١/٣٦٣)

(٢) عن أبي هريرة^{رضي} قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من توضأ فأحسن الوضوء، ثم أتى الجمعة فاستمع وأنصت، غفر له ما بينه وبين الجمعة وزيادة ثلاثة أيام، ومن مس الحصى فقد لغا. (مسلم شريف، كتاب الجمعة، باب فضل من استمع وأنصت في الخطبة، النسخة الهندية ٢٨٣/١، بيت الأفكار رقم: ٨٥٧)

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب فضل الجمعة، النسخة الهندية ١/١٥٠،
دارالسلام رقم: ١٠٥٠ -

ترمذي شريف، أبواب الجمعة، باب ما جاء في الوضوء يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/١١٢، دار السلام رقم: ٤٩٨ -

لیس منامن تشبه بغيرنا لاتشبهوا باليهود ولا بالنصارى، فإن تسليم اليهود الإشارة بالأصابع وتسليم النصارى الإشارة بالأصابع رواه الترمذی. (۱)
اس سے سلام بالید کی ممانعت مفہوم ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (مداص ۳۳ ج ۱)

خطیب کا منبر پر کھڑے ہو کر سلام کرنا

سوال (۵۳۴): قدیم ۱/۶۰۸ - دیباچہ خطبہ ماثورہ نمبر ۵ منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۳۳ مطبوعہ مراد آباد میں لکھا ہے کہ جب امام اپنی جگہ سے بغرض خطبہ اٹھے تب سے مقتدیوں پر سکوت واجب ہو جاتا ہے پس جب خطیب سلام کرے گا تو لامحالہ سامعین کو جواب دینا پڑے گا پھر سکوت کی قید جاتی رہے گی لہذا اس کی صراحت فرمادی جائے کہ یہ فعل خاص آپ ہی کیلئے مخصوص تھا یا اب بھی عام خطباء کو اس کی پابندی کرنی چاہئے اور مقتدیوں پر جو حسب صراحت صدر سکوت کا حکم ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: واقعی اس تحریر میں اجمال ہے اس کے بعد احیاء السنن میں اس مسئلہ کی اس طرح تحقیق کی گئی۔

(۱) ترمذی شریف، أبواب الاستئذان والآداب، باب ما جاء في كراهية إشارة اليد في السلام، النسخة الهندية ۹۹/۲، دار السلام رقم: ۲۶۹۵۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أظنه مرفوعاً، قال: ليس منا من تشبه بغيرنا، لا تشبهوا باليهود ولا بالنصارى، فإن تسليم اليهود الإشارة بالأصابع، وإن تسليم النصارى بالأصابع الحديث. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الكتب العلمية بيروت ۷۳۸، رقم: ۲۹۴/۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وفي البحر فاستفيد منه (أي من قول البدائع) أنه لا يسلم إذا صعد المنبر وروى أنه يسلم كما في السراج الوهاج ص ١٦٨ جلد ٢ (١) وهو المختار عندى للحديث (٢) وإن كان المشهور في المذهب هو القول الأول كما في الدر المختار وغيره (٣)

(١) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٢٧٢، كوثنه ١٥٥/٢ -

(٢) عن جابر بن عبد الله أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا صعد المنبر سلم. (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الخطبة يوم الجمعة، النسخة الهندية ص: ٧٨، رقم: ١١٠٩)

السنن الكبرى للبيهقي ٤/٤٤٤، رقم: ٥٨٣٧ -

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب سلام الخطيب على المنبر، دار الكتب العلمية بيروت ٨/٨٤، كراچی ٨/٨٣ -

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل المسجد يوم الجمعة سلم على من عند منبره من الجلوس، فإذا صعد المنبر توجه إلى الناس فسلم عليهم. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الكتب العلمية بيروت ٥/٨٩، رقم: ٦٧٧)

عن عطاء قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صعد المنبر يوم الجمعة إستقبل الناس بوجهه فقال: السلام عليكم. (إعلاء السنن، دار الكتب العلمية بيروت ٨/٨٤)

عن الشعبي قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صعد المنبر يوم الجمعة استقبل الناس بوجهه فقال: السلام عليكم، وكان أبو بكر رضي الله عنه، وعمر رضي الله عنه، وعثمان رضي الله عنه، يفعلونه. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، الإمام إذا جلس على المنبر يسلم، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٧٩، رقم: ٥٢٣٨، قديم ٢/١١٤)

مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ٣/١٩٣، رقم: ٥٢٨٢ -

(٣) ومن السنة ترك السلام من خروجه إلى دخوله في الصلاة، وقال الشافعي رحمته الله، إذا استوى على المنبر سلم. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٣/٢٣، كراچی ٢/١٥٠) ←

والمتمسک فيه العمومات وعليه يأول ماورد من السلام من حملة على ما قبل
تحريم الكلام في الصلوة وفي الخطبة قلت واذ ليس السلام واجباً واحتمل الكراهة
بالنسخ فلعلى الأولى للعمل تركه والاعتقاد تجويزه. والله أعلم اهـ.

اس سے معلوم ہوا کہ احتیاط یہی ہے کہ امام سلام نہ کرے پس اپنی تحریر کے اجمال سے جو مہم
اجازت سلام بلا اختلاف ہے رجوع کرتا ہوں گو مجوز و جب سکوت سے اسکو مخصوص کر سکتا ہے۔

۴/ صفر ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس ص ۳)

سوال (۵۳۵): قدیم ۱/ ۶۰۹ - خطب الماثورہ میں نمبر ۵ میں صفحہ اول پر تحریر ہے کہ
رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے۔ اس سلام کی
سنت پر عمل دیکھا نہیں جاتا کیا اس سنت کو زندہ کیا جاوے یا اس پر عمل نہ کرنے میں کوئی مصلحت ہے۔
لا علمی کے باعث یہ استفسار ہے؟

← الخطيب إذا صعد المنبر لا يسلم على القوم عندنا وبه قال مالك؛ لأنه قد سلم عند
دخوله فلا معنى لتسليمه ثانياً، وقال الشافعي، وأحمد يسلم عليهم الخ. (حلي كبير،
كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة أشرية ديوبند ص: ۵۶۲)
البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند
۲/ ۲۵۹، كوثه ۱۴۸/۲ -

اب ان روایات کا حاصل یہی ہے کہ جو روایات مرفوع ہیں، وہ متکلم فیہ ہیں اور جو متکلم فیہ نہیں ہیں، وہ
مرفوع نہیں؛ بلکہ مرسل ہیں؛ اس لئے کتب احناف میں سے بعض میں ترک سلام کو فضل اور بعض میں مباح اور
بعض میں سلام کو مستحب لکھا ہے اور حضرت والا تھانویؒ نے بہشتی زیور ۱۱/ ۸۲ میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں کہ نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب سب لوگ جمع ہو جائے اس وقت آپ تشریف لاتے
اور حاضرین کو سلام کرتے اور حضرت بلالؓ اذان کہتے اور اگر کوئی سلام نہ کرے تو اس پر کوئی ملامت نہیں؛ لہذا
خطیب کا منبر پر کھڑے ہو کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر سلام کرنا اختیاری عمل ہے کہ کوئی سلام کرے، تو مذکورہ
روایات کی بناء پر جائز یا مستحب ہے، اور اگر کوئی سلام نہ کرے، تو اس پر کوئی ملامت بھی نہیں؛ اس لئے کہ روایات
مختلف فیہ ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے غیر مقلدین کے چھین اعتراضات ۱۱۸ تا ۱۲۳۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: حنفیہ نے اس کو اسلئے نہیں لیا کہ عوام اس کو لوازم خطبہ سے سمجھنے لگیں گے جو کہ بدعت ہے جیسا کہ حنفیہ نے بہت افعال کو اسی اصل پر منع کیا ہے (۱) اور شافعیؒ نے نقل کی بناء پر جائز فرمایا ہے (۲) چنانچہ اس مسئلہ میں بھی یہی اختلاف ہے۔

كما في الدر المختار: ومن السنة جلوسه في مخدعه عن يمين المنبر ولبس السواد وترك السلام من خروجه الى دخوله في الصلوة وقال الشافعيؒ إذا استوى على المنبر سلم مجتبیٰ (۳)۔

(۱) من أصرَّ على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرَّ على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، مكتبة امدادية ملتان ۳۵۳/۲)

الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع. (سعاية، مكتبة أشرفية ديوبند ۲۶۵/۲)

وما يفعل عقيب الصلاة فمكروه لأن الجاهل يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، قبیل باب صلاة المسافرين، مكتبة زكريا ديوبند ۵۹۸/۲، كراچی ۱۲۰/۲)

(۲) سلام سے متعلق روایات جو کہ امام شافعیؒ کی متدل ہیں ملاحظہ ہو۔

عن جابر بن عبد الله ﷺ، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا صعد المنبر سلم. (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الخطبة يوم الجمعة، النسخة الهندية ص: ۷۸، دارالسلام رقم: ۱۱۰۹)

عن ابن عمرؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذا دخل المسجد يوم الجمعة سلم على من عند منبره من الجلوس، فإذا صعد المنبر توجه إلى الناس، فسلم عليهم. (المعجم الأوسط للطبراني، قديم ۳۴۹/۷، دار الفكر جديد ۸۹/۵، رقم: ۶۶۷۷)

مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، الإمام إذا جلس على المنبر سلم، مؤسسه علوم القرآن ۷۹/۴، رقم: ۵۲۳۸۔

إعلاء السنن، دار الكتب العلمية بيروت ۸۴/۸، كراچی ۸۳/۸۔

(۳) الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲۲-۲۳، كراچی ۱۵۰/۲۔

اور بعض علمائے حنفیہ سے جو سلام کا استحباب یا اباحث منقول ہے اس کو غریب کہا گیا ہے۔

كما في رد المحتار: تحت قوله: ترك السلام. (۱)

پس امام شافعیؒ بناء بر جزئی منقول سلام کا حکم کرتے ہیں حنفیہ بناء بر کلیات منقولہ اس کے ترک کو سنت کہتے ہیں۔ نیز غور کرنے سے منع کی ایک نقل جزئی بھی ذہن میں آگئی وہ حدیث ہے۔

إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام. (۲)

اور یقیناً سلام بھی یا ملحق بالصلاة ہے یا ملحق بالكلام اور ظاہر ہے کہ جب امام سلام کرے گا تو حاضرین جواب دیں گے جو کہ کلام ہے اور یہ بعد خروج ہوگا جو بناء بر حدیث مذکور ممنوع ہے اور قاعدہ ہے۔

إذا تعارض المبيح والمحرم ترجح المحرم. (۳)

پس سلام جو منقول ہے وہ اس قاعدہ سے منسوخ ہوگا پس حنفیہ کا مذہب روایۃً و درائیۃً قوی ہوا۔ واللہ اعلم

۱۸/رجب المرجب ۱۳۵۳ھ (النور رجب ۱۳۵۴ھ)

(۱) وترك السلام من خروجه إلى دخوله في الصلاة (در مختار) وفي الشامية: ومن الغريب ما في السراج أنه يستحب للإمام إذا صعد المنبر وأقبل على الناس أن يسلم عليهم لأنهم استدبرهم في صعوده. بحر. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲۳/۳، کراچی ۱۵۰/۲)

(۲) عن عطاء عن ابن عباسؓ وابن عمرؓ، أنهما كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجمعة، باب من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا يصلي، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۷۲/۴، رقم: ۵۲۱۸)

عن الزهري، عن سعيد بن المسيب قال: خروج الإمام يقطع الصلاة. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ۷۲/۴، رقم: ۵۲۱۷۔)

(۳) القاعدة الثانية إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام وبمعناها ما اجتمع محرم

ومبيح إلا غلب المحرم. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۱۷۰) ←

عید گاہ میں نماز عید ادا کرنے کی تاکید

سوال (۵۳۶): قدیم ۱/۶۱۰ - زید عیدین کی نماز اپنی مسجد میں پڑھتا ہے عید گاہ میں نہیں پڑھتا اور جو کوئی عید گاہ میں پڑھنے کا عادی ہے اس کو بھی روکتا ہے کبھی کہتا ہے نماز عیدین مسجد میں بھی جائز ہے چنانچہ فلاں مولوی صاحبوں کا فعل اس کے جواز کی دلیل کافی ہے کبھی کہتا ہے جس کو مجھ سے محبت و تعلق ہو اور میرے کہنے کا کچھ پاس و لحاظ ہو وہ میری ہی مسجد میں نماز پڑھے کبھی کہتا ہے عید گاہ میں تو بہت لوگ ہو جاتے ہیں یہاں بھی پچاس ساٹھ آدمی ہو جائیں تو بہتر ہے کبھی کہتا ہے مسجد میں بھی خدا ہی کی نماز ہے اور عید گاہ میں بھی خدا ہی کی نماز ہے چاہے جہاں پڑھو۔ غرض مختلف طریقوں سے عید گاہ جانے سے روکتا ہے اور اس کے ملنے والوں میں سے جو کوئی چلا جاتا ہے اس سے ناخوش ہوتا ہے اور شکایت کرتا ہے، اس شخص کے پاس و لحاظ سے بعض لوگ عید گاہ جانے سے رک جاتے ہیں، اگر یہ شخص عید گاہ میں پڑھے یا دوسروں کو منع نہ کرے تو اس مسجد کے پڑھنے والے سب عید گاہ ہی میں جائیں ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے اور اس کی مسجد میں نماز عیدین پڑھنا کیسا ہے اور عموماً مسجدوں میں نماز عیدین پڑھنا اور بلا عذر بارش و ضعف رفتار وغیرہ عید گاہ کو ترک کرنا کچھ گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: والخروج إليها أي الجبابة للصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح. (۱)

← حاصل یہ ہے کہ اس سے پہلے والے مسئلہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ حنفیہ کے یہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ بعض فقہاء نے مستحب بعض نے مباح اور بعض نے قابل ترک کہا ہے ”السراج الوہاج“ میں مستحب لکھا ہے؛ اس لئے یہ اختیاری عمل ہے؛ لہذا اس کو محل نزاع بنانا درست نہیں۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العیدین، مکتبہ زکریا دیوبند ۴۹/۳، کراچی ۱۶۹/۲۔

ثم يتوجه إلى المصلي بالنصب عطف على المندوبات، فإن خصوص التوجه إلى المصلي مندوب وإن وسعهم المسجد عند عامة المشايخ وهو الصحيح وقد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج في صلاة العيد إليه الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العیدین، مکتبہ دار الکتاب دیوبند ص: ۵۳۱) ←

اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے بجز ایک بار کے، کہ عذر بارش کی وجہ سے مسجد میں ادا فرمائی تھی (۱) ہمیشہ میدان ہی میں تشریف لے جاتے تھے حتیٰ کہ جن پر عذر شرعی سے نماز بھی نہ تھی ان کے لیجانے کا اہتمام فرماتے تھے چنانچہ بکثرت احادیث وارد ہیں (۲) پس جس امر کا حضور ﷺ کا قولاً وفعلاً اہتمام ہو، اس کے خلاف کا قولاً وفعلاً اہتمام کرنا صریحاً مخالفہ سنت کی ہے جس کے گناہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ حدیث میں ہے:

← وفي النجيس: والخروج إلى الجبانة سنة لصلاة العيد، وإن كان يسعهم المسجد الجامع عند عامة المشايخ وهو الصحيح. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۷۸، كوثه ۲/۱۵۹)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۶۷۔

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه أصابهم مطر في يوم عيد فصلى بهم النبي صلى الله عليه وسلم صلاة العيد في المسجد. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب يصلي بالناس العيد في المسجد إذا كان يوم مطر، النسخة الهندية ۱/۱۶۴، دار السلام رقم: ۱۱۶۰)

ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في صلاة العيد في المسجد إذا كان مطر، النسخة الهندية ص: ۹۳، دار السلام رقم: ۱۳۱۳۔

جمع الفوائد، كتاب الصلاة، صلاة العيدين، مكتبة مجمع الشيخ محمد زكريا سهارنپور ۲/۱۸۱۔

(۲) عن أم عطية رضي الله عنها قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها، حتى نخرج الحيض، فيكن خلف الناس، فيكبرن بتكبيرهم، ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منى النسخة الهندية ۱/۱۳۲، رقم: ۹۶۱، ف: ۹۷۱)

عن أم عطية رضي الله عنها قالت: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نخرجهن في الفطر والأضحى العواتق والحيض وذوات الخدور، فأما الحيض فيعتزلن الصلاة ويشهدن الخير ودعوة المسلمين الحديث. (مسلم شريف، كتاب العيدين، فصل في إخراج العواتق وذوات الخدور، النسخة الهندية ۱/۲۹۱، بيت الأفكار رقم: ۸۹۱)

فمن رغب عن سنتي فليس مني. (۱) واللہ اعلم

۱۸ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ (امداد ص ۳۴ ج ۱)

نماز جمعہ میں مصلیوں کی تعداد کی شرط

سوال (۵۳۷): قدیم ۶۱۱/۱ - اگر کمپ کے مسلمان جماعت کثیر ہو جائیں یا آٹھ دس آدمی تک ہوں جمعہ کی نماز حالت سفر میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: جمعہ کیلئے کم از کم چار آدمی شرط ہیں اس سے کم میں جمعہ صحیح نہیں (۲) اور چار اور زائد سے

(۱) أخرج البخاري عن أنس بن مالك في حديث طويل: فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم إليهم فقال: أنتم الذين قلتم كذا وكذا أما والله إنني لأخشاكم وأتقاكم له لكنني أصوم وأفطر وأصلي وأرقدو أنزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني. (بخاري شريف، كتاب النكاح، الترغيب في النكاح، النسخة الهندية، ۷۵۷/۲، رقم: ۴۸۷۲، ف: ۵۰۶۳)

مسلم شريف، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ووجد مؤنة الخ، النسخة الهندية ۴۴۸/۱، بيت الأفكار رقم: ۱۴۰۱ - نسائي شريف، كتاب النكاح، باب النهي عن التبتل، النسخة الهندية ۵۸/۲، دار السلام رقم: ۳۲۱۹ -

(۲) والسادس: الجماعة: وأقلها ثلاثة رجال ولو غير الثلاثة الذين حضروا الخطبة سوى الإمام بالنص لأنه لا بد من الذاكر وهو الخطيب، وثلاثة سواه بنص فاسعوا إلى ذكر الله. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲۴/۳، كراچی ۱۵۱/۲)

والجماعة أي وشرط أدائها أيضاً الجماعة للإجماع على عدم صحتها من المنفرد لأخذها من الاجتماع وهم ثلاثة سوى الإمام. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳۶۰/۱)

جائز ہے بشرطیکہ وہ جگہ قابل اقامت جمعہ کے ہو (۱) جیسا کہ آگے آتا ہے (*)

(*) یعنی سوال آئندہ کے جواب میں ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← والسادس الجماعة: لأن الجمعة مشتقة منها، ولأن العلماء أجمعوا على أنها لا تصح من المنفردواختلفوا في تقدير الجماعة وعندنا هم ثلاثة رجال غير الإمام. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، باب الجمعة، دار الكتاب ديوبند ص: ۵۱۱)

وأما الكلام في مقدار الجماعة فقد قال أبو حنيفة، ومحمد: أدناه ثلاثة سوى الإمام وقال ابو يوسف: إثنان سوى الإمام. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، شرائط الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۶۰۰)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۶۲، كوئٹہ ۲/ ۱۵۰۔

(۱) یعنی وہ جگہ مصر ہو یا توابع مصر سے ہو، یا قصبہ ہو یا قریہ کبیرہ ہو تو جمعہ جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن علي قال: لا جمعة، ولا تشريق، ولا صلاة فطر، ولا أضحى، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من قال: لا جمعة، ولا تشريق لإلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۴/ ۴۶، رقم: ۵۰۹۹)

عن علي قال: لا جمعة، ولا تشريق، إلا في مصر جامع. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي بيروت ۳/ ۱۶۷، رقم: ۵۱۷۵، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۷۰، رقم: ۵۱۸۹)

عن ابن جريج، قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة، فنودی للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدا، إن سمعت الأذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي ۳/ ۱۶۸، رقم: ۵۱۷۹)

دارالکتب العلمیۃ بیروت ۷۱/۳، رقم: ۵۱۹۳) ←

ایسی جگہ کو مسافر پر جمعہ فرض نہیں لیکن پڑھ لے تو صحیح ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم

۱۵ شعبان ۱۴۳۱ھ (امداد ج ۱ ص ۳۸)

← ویشرط لصحتها: المصّر أو فناء ه وهو ما حوله اتصل به أولاً. (الدرالمختار مع الشامي،

كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۷-۵/۳، کراچی ۱۳۸/۲)

وشرط أدائها المصّر أو مصلاه أي فناء ه، وهو المكان المعد لمصالح المصّر متصل به أو منفصل عنه. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۵۲-۳۵۳)

ولا تصح إلا بستة شروط المصّر أو فناء ه. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱/۲۴۴)

وتقع فرضاً في القصبات، والقرى الكبيرة التي فيها أسواق..... وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب. كما في المضمّرات. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۶-۷/۳، کراچی ۱۳۸/۲)

وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا في المصّر وتوابعه، فلا تجب على أهل القرى التي ليست من توابع المصّر، ولا يصح أداء الجمعة فيها. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۸۳، کراچی ۱/۲۵۹)

(۱) اگر جماعت مسافران در مصر نماز جمعہ گزارند و در آنہا مقیم کسے نباشند و زمام اعظم جمعہ صحیح شد۔ (مالا بدمنہ، فصل در نماز جمعہ، مکتبہ رحیمیہ دیوبند ص: ۵۶)

و يصلح للإمامة فيهما من صلح لغيرها فجازت لمسافر وعبد ومريض. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۰، کراچی ۲/۱۵۵)

إن المسافر لما التزم الجمعة صارت واجبة عليه ولذا صحت إمامته فيها. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۴، کراچی ۲/۱۵۸)

شبیر احمد قاسمی عفاء اللہ عنہ

شہر کے قریب کے قلعہ اور کوٹھی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال (۵۳۸): قدیم ۱/۶۱۱ - کوٹھی رزیڈنٹی شہر سے علیحدہ ہے۔ ادھر جامع مسجد ایک میل سے تین میل کے فاصلہ تک ہے اس فاصلہ کے ملازمین کو کوٹھی سے بغیر تعطیل باہر نکلنے کی اجازت بھی نہیں ایسی حالت میں کوٹھی کے احاطہ میں یا کسی مکان میں جمعہ پڑھا جاسکتا ہے؟ کیونکہ کمپ کی آبادی توابع شہر میں ہے گاؤں تو کہا نہیں جاسکتا نماز جمعہ تو غالباً فرض ہوگی بغیر مسجد کے بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر یہ جگہ توابع شہر سے ہو جیسا ظاہر ہے تو جمعہ اس میں صحیح ہے (۱) اور یہاں سے کسی کو باہر جانے کی اجازت نہ ہونا تو مضر نہیں لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ اس حد کے اندر باہر والے بھی آ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر آ سکتے ہیں تب بلا تردد جمعہ جائز ہے اور اگر نہیں آ سکتے ہیں تو جواز جمعہ میں تردد ہے (*)

(*) جمعہ کی صحت کے لئے ”اذن عام“ کی جو شرط ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو جمعہ سے روکا نہ جاوے تاکہ ان کا جمعہ فوت نہ ہو، علامہ شامیؒ کی مندرجہ ذیل عبارت (جسے حضرت مجیب قدس سرہ نے بھی نقل کیا ہے) اس کی واضح دلیل ہے۔

قلت: وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا، لأنه لا يتحقق التفويت، كما أفاده التعليل تأمل الخ. (رد المحتار ۱/۷۶۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۶، کراچی ۱۵۲/۲) ←

(۱) وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا في المصر، وتوابعه، فلا تجب على أهل القرى التي ليست من توابع المصر، ولا يصح أداء الجمعة فيها. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۸۳، کراچی ۱/۲۵۹)

وشرط أدائها المصر أو مصلاه أي فناءه، وهو المكان المعد لمصالح المصر متصل به أو منفصل عنه. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۵۲-۳۵۳)

الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۷-۵/۳، کراچی ۱۳۸/۲

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱/ ۲۴۴۔

اس لئے مسافر (*) کو اس صورت میں اولیٰ یہ ہے کہ ظہر پڑھے کیونکہ جمعہ مسافر پر فرض نہیں تو غیر فرض کیلئے تردد میں کیوں پڑے اور جامع مسجد جمعہ کیلئے شرط نہیں۔

وجه التردد ما في الدر المختار: والإذن العام (إلى قوله) فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة وفي رد المحتار: بعد نقل عدم جواز الجمعة إن منعوا عن الدخول مانصه قلت وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لاتقام إلا في محل واحد أما لو تعدد فلا؛ لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل وفيه عن المنع وكذا أي لا يصح لو جمع في قصره لحشمه ولم يغلق الباب ولم يمنع أحدا إلا أنه لم يعلم الناس بذلك. اه (۱)

۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۳۸ ج ۱)

← اور منہ وغیرہ کی عبارات میں جو عدم جواز مذکور ہے، اس کی وجہ بھی یہی ”تفویت جمعہ عن الناس“ ہے؛ کیونکہ امیر کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی جمعہ قائم نہ کرے گا، پس جب اس نے دروازہ بند کر لیا یا باہر والوں کو شرکت جمعہ کی اجازت نہیں دی یا انہیں اقامت جمعہ فی القلعة کا علم ہی نہیں ہوا تو ان تمام صورتوں میں باہر والوں کا جمعہ فوت ہو جائے گا۔

وكان هو المانع عن الجواز.

اور صورت مسئلہ میں جب عدم جواز کی علت موجود نہیں ہے (کیونکہ شہر کی جامع مسجد میں بھی جمعہ ہوتا ہے) تو حسب تصریح علامہ شامی جواز جمعہ میں کچھ تردد نہیں ہو سکتا؛ چنانچہ حضرت مجیب قدس سرہ نے بھی سوال نمبر ۵۴۰ کے جواب میں (جوز مانہ بعد کا ہے) بلا تردد جواز کا حکم لکھا ہے۔

لہذا کوٹھی اور بنگلہ حکام کے ملازمین اسی طرح کارخانہ کے ملازمین اور چھاونی والے (جب انہیں اجازت نہ ملے) کوٹھی کارخانہ اور چھاونی میں بلا تردد نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی قدس سرہ نے اس سلسلہ میں مفصل بحث فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ دارالعلوم جدید ۱۰۳/۵-۱۰۷۔ واللہ سبحانہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(*) مسافر کا ذکر سوال سابق کی وجہ سے ہے، یہ دونوں سوال ایک ہی سائل کے ہیں۔ ۱۲

سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبۃ زکریا دیوبند

سرکاری دفتر میں نماز جمعہ کا حکم

سوال (۵۳۹): قدیم ۱/۲۱۳- دفتر کے اندر عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہیں مگر حاکم نے اجازت دیدی ہے کہ جمعہ کے روز صرف نماز پڑھنے کے واسطے جس کا جی چاہے وہ چلا آوے ممانعت نہیں ہے اس حالت میں نماز جمعہ دفتر کے اندر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جب اذن عام ہے تو درست ہے ورنہ باہر نکل کر میدان میں پڑھ لیں۔ (۱)

۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۱ھ (حوادث ۲۲ ص ۲۲)

← أقول وفي المنع: نظر ظاهر لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الإمام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة، والعلة مفقودة في هذه القضية، فإن القلعة وإن قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة؛ لأن عند باب القلعة عدة جوامع في كل منها خطبة لا يفوت من منع من دخول القلعة الجمعة؛ بل لو بقيت القلعة مفتوحة لا يرغب في طلوعها للجمعة لوجودها فيما هو أسهل من التكلف بالصعود لها، وفي كل محلة من المصر عدة من الخطب فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۱۱)

وما يقع في بعض القلاع من غلق أبوابه خوفاً من الأعداء أو كانت له عادة قديمة عند حضور الوقت فلا بأس به لأن إذن العام مقرر لأهله؛ ولكن لو لم يكن لكان أحسن كما في شرح عيون المذاهب. وفي البحر والمنع خلافه لكن ما قررناه أولى لأن الإذن العام يحصل بفتح باب الجامع وعدم المنع، ولا مدخل في غلق باب القلعة وفتحها ولأن غلق بابها لمنع العدو لا لمنع غيره. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۴۶)

(۱) وفي الدر المنتقى: الجمعة..... لا تصح إلا بستر شروط شرطت لأدائها..... والإذن العام لأنها من شعائر الإسلام، فتؤدى بالشهرة بين الأنام، وهو يحصل بفتح باب الجامع، أو دار السلطان، أو القلعة بلا مانع. (الدر المنتقى، كتاب الصلاة، باب

الجمعة بیروت ۱/۲۴۵، ۲۴۶) ←

سوال (۵۴۰): قدیم ۱/۶۱۳ - آنجناب کو معلوم ہوگا کہ اب جمعہ کے دن ہر ایک سرکاری دفتر میں نماز جمعہ ادا کرنے کی اجازت مل گئی ہے مگر کمترین بد قسمتی سے قلعہ میں ملازم ہے عرض یہ ہے کہ سنا ہوا ہے کہ قلعہ میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی مگر اب جبکہ سرکار اجازت دیتی ہے اور خوشی سے اجازت دیتی ہے تو قلعہ میں جمعہ جائز ہے یا نہیں ایک اور شرط جو کہ جمعہ کے متعلق ہے وہ شاید شارع عام (*) کا ہونا ضروری ہے سو اس کے متعلق عرض یہ ہے قلعہ چھاؤنی فیروز پور ایک بڑے گاؤں کے مانند ہے اور اس کی مختلف شاخیں جو کہ اس کے احاطہ کے اندر ہیں بمنزلہ مکانات کے ہیں اور ہر ایک آدمی کو خواہ مزدور ہو یا کلرک ہو ایک بجے کی چھٹی میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے تو کیا اس حالت میں بھی شارع عام کی ضرورت ہے یہ قید جو کہ سرکار نے لگائی ہے وہ صرف نقصان سے بچاؤ کی غرض سے ہے اور ایسا ہم بھی عموماً اپنے بڑے کارخانہ میں کر لیا کرتے ہیں؟ فقط

(*) سائل یہ لفظ ”إذن عام“ کے معنی میں تسامحاً استعمال کر رہا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← الشرط السادس: الإذن العام، وهو أن تفتح أبواب الجامع فيؤذن بالناس كافة؛ حتى أن جماعة لو اجتمعوا في الجامع، وأغلقوا أبواب المسجد على أنفسهم، وجمعوا لم يجزهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۷۷، رقم: ۳۳۴۵۰)

والإذن العام، أي شرط صحتها الأداء على سبيل الإشتهار؛ حتى لو أن أميراً أغلق أبواب الحصن وصلى فيه بأهله وعسكره صلاة الجمعة لاتجوز..... وعللوا الأول بأنها من شعائر الاسلام وخصائص الدين، فيجب إقامتها على سبيل الإشتهار. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۶۴، كوثه ۱۵۱/۲)

من شرائط الجمعة: هو أداء الجمعة بطريق الإشتهار، حتى أن أميراً لو جمع جيشه في الحصن، وأغلق الأبواب وصلى بهم الجمعة لاتجوزهم. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجماعة من شروط الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۶۰۲)

شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۵،

کراچی ۱۵۱/۲ -

حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة

دار الكتاب دیوبند ص: ۵۱۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: اذن عام ہونا بھی منجملہ شرائط صحت جمعہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، وہ اذن عام میں مخل نہیں۔

في الدر المختار: والإذن العام من الإمام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين "كافي" فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلي نعم لو لم يغلق لكان أحسن. اه في رد المحتار: وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل ج ۱ ص ۸۵۱. (۱)

پس بناء برروایت بالا اس قلعہ میں نماز جمعہ درست ہے۔

۸ شعبان ۱۳۳۱ھ، (حوادث، او ۲ ص ۱۱۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا دیوبند ۲۵/۳-۲۶، کراچی ۱۵۱/۲-۱۵۲۔

أقول وفي المنع: نظر ظاهر لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الإمام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة، والعلة مفقودة في هذه القضية، فإن القلعة وإن قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة؛ لأن عند باب القلعة عدة جوامع في كل منها خطبة لا يفوت من منع من دخول القلعة الجمعة؛ بل لو بقيت القلعة مفتوحة لا يرغب في طلوعها للجمعة لوجودها فيما هو أسهل من التكلف بالصعود لها، وفي كل محلة من المصر عدة من الخطب فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة دار الكتاب دیوبند ص: ۵۱۱)

وما يقع في بعض القلاع من غلق أبوابه خوفاً من الأعداء أو كانت له عادة قديمة عند حضور الوقت فلا بأس به لأن إذن العام مقرر لأهله؛ ولكن لو لم يكن لكان أحسن كما في شرح عيون المذاهب. وفي البحر والمنع خلافه لكن ما قررناه أولى لأن الإذن العام يحصل بفتح باب الجامع وعدم المنع، ولا مدخل في غلق باب القلعة وفتحها ولأن غلق بابها لمنع العدو ولا لمنع غيره.

(مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۲۴۶/۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

منتشر آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال (۵۴۱): قدیم ۱/۶۱۴ - (۱) ایک بستی میں قریب تین چار سو مسلمان مرد بالغ عاقل اور قریب تین سو مرد بالغ کا فرمقیم ہیں اس میں ایک بازار جسمیں اشیائے ضروریہ ہمیشہ موجود رہتی ہیں اور منصفی، تھانہ، ڈاکخانہ، تارخانہ، شفاخانہ سب موجود ہیں اب یہ بستی شہر کہلا سکتی ہے یا نہیں اگر قریہ مانا جاوے تو ان مقیم مسلمانوں پر جمعہ فرض ہے یا نہیں اگر فرض نہ ہو تو وہاں جمعہ ادا کرنے سے صلوٰۃ ظہر ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟

(۲) ہمارے ملک برما کی بستیوں میں کہیں کہیں تو مسلمان مرد مکلف ہزار دو ہزار تک مقیم ہیں مگر ایسی بستی بہت کم ہیں اور ادنیٰ درجہ میں بعض قریہ میں دس بیس تک بھی موجود ہیں اور جہاں سو دو سو چار سو پانچ سو مرد مکلف مقیم ہیں ایسی بستیاں بہت ہیں بعض قریہ میں سات آٹھ سو تک بھی مقیم ہیں اب ان بستیوں میں سے کوئی بستی بحکم شہر ہو سکتی ہے یا نہیں اگر سب کو قریہ مانا جاوے تو ان بستیوں کے مقیموں پر جمعہ فرض ہے یا نہیں اگر فرض نہیں ہے تو ان قریوں میں سے اگر کسی میں جمعہ ادا کیا جاوے تو ان کے ذمہ سے صلوٰۃ ظہر ساقط ہوگی یا نہیں اگر بڑے بڑے قریہ میں جمعہ صحیح ہو تو ان بستیوں میں سے کون سی بستی بڑی کہلاو گی؟

(۳) بعض قریہ زراعت وغیرہ کی وجہ سے فقط میل آدھ میل کے فاصلہ پر بسا ہے آپس میں ہر ایک کا نام بھی جدا جدا ہے مگر اطراف میں دونوں ایک ہی نام سے مشہور ہیں اب کیا دونوں کو علیحدہ علیحدہ قریہ مانیں گے یا دونوں ملا کر ایک بڑی بستی مانی جاوے گی۔ ان سب سوالوں کے جواب مفصل اور مدلل سے ہم نابیناؤں کی رہنمائی فرمائیں؟

الجواب: عبارت سوال سے تو ان آبادیوں کی صورت و حالت اچھی طرح ذہن میں نہیں آئی البتہ ایک دوست سے جو اس نواح کے رہنے والے ہیں تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ گو آبادی وہاں کی متفرق حصے ہو کر بستی ہے اور ہر حصہ کا نام بھی جدا ہے لیکن تاہم کئی کئی حصے ملکر ان سب کا مجموعہ ایک نام سے مشہور ہے اور وہ حصہ پارہ کہلاتے ہیں مثلاً دولت پور عرف میں ایک آبادی کا نام ہے جس میں

چھوٹے چھوٹے کئی حصے ہیں اور ہر حصہ بھی جدا نام سے موسوم ہے لیکن جس حصہ میں کوئی مسافر جانا چاہتا ہو پوچھنے پر بجائے اس حصہ کے نام کے یہ کہتا ہے کہ دولت پور جاؤں گا اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ پارے بجائے محلوں کے ہیں اور مجموعہ ان پاروں کا ایک آبادی ہے گوان کے اندر باہم کسی قدر فصل بھی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ایک آبادی کے اجزاء میں کچھ فصل ہونا اس آبادی کے واحد ہونے کے منافی نہیں جیسے عموماً جن شہروں کے متعلق انگریزی چھاؤنیاں ہیں ان کی یہی حالت ہے اور بعض امصار و قصبات کی بلا چھاؤنی بھی خود یہ حالت ہے جیسے شاہجہانپور اور بعض قصبات ضلع سہارنپور و مظفرنگر کے، کہ ان کی متفرق آبادی کے مختلف حصے ہیں اور درمیان میں میدان اور کھیت اور باغ فاصل ہیں مگر جدا جدا آبادی نہیں سمجھی جاتی تو ہمارے ان اضلاع میں جیسے بعض آبادیوں کی حالت ہے اس نواح میں کل یا اکثر آبادیاں ایسی ہی ہیں یہ حالت تو وہاں کی کل آبادیوں میں امر مشترک ہے، پھر باہم ان میں ایک تفاوت یہ ہے کہ ان ہی مجموعی آبادیوں میں سے بعض میں تو تھانہ، ڈاکخانہ، منصفی وغیرہ ہے گواس مجموعہ کے کسی خاص حصہ و پارہ میں سہی ایسے مجموعہ آبادی کو محکمہ کہتے ہیں اور بعض میں یہ چیزیں نہیں اور ان بعض کے رہنے والوں کو جب کوئی حاجت تھانہ ڈاکخانہ وغیرہ کے متعلق واقع ہوتی ہے تو وہ ان محکموں میں جاتے ہیں اور ایک ایک محکمہ کے متعلق ایسی ایسی بہت آبادیاں ہوتی ہیں اور ایسی آبادیوں کو گاؤں کے نام سے مشہور کرتے ہیں پس اس حکایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اول قسم کا مجموعہ جو کہ وہاں محکمہ کہلاتا ہے مصر ہے اور عرفاً لفظ محکمہ لفظ مصر کا مرادف ہے اور دوسری قسم کا مجموعہ قریہ ہے، پس اس بناء پر مجموعہ آبادی قسم اول میں جمعہ صحیح ہے اور مجموعہ آبادی قسم ثانی میں جمعہ درست نہیں۔ اب مستفتی صاحب اپنی صورت مسئلہ عنہا کو اس قاعدہ پر خود منطبق کر کے اس کے موافق جواب سمجھ لیں پس جہاں جمعہ صحیح ہوگا وہاں نماز ظہر ساقط ہو جاوے گی اور جہاں جمعہ صحیح نہیں نماز ظہر فرض رہے گی اور اشتراط مصر کی روایات سے تمام متون و شروح و فتاویٰ مذہب حنفیہ کے مملو و مشون ہیں۔ (۱) واللہ اعلم

۶/شوال ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۷)

(۱) عن علي قال: لا جمعة، ولا تشریق، ولا صلاة فطر، ولا أضحى، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولا تشریق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۴/ ۴۶، رقم: ۵۰۹۹) ←

قصبات میں جمعہ کا جواز

سوال (۵۴۲): قدیم/۱-۶۱۶- (۱) زید کہتا ہے کہ ہندوستان کے قصبوں میں جمعہ وعیدین حنفیہ کے

نزدیک

← عن ابن جریج [ؒ] قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدّة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة فنودى للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الأذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي ۳/۱۶۸، رقم: ۵۱۷۹، دار الكتب العلمية ۳/۷۱، رقم: ۵۱۹۳)

عن حذيفة [ؒ] قال: ليس على أهل القرى الجمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا الجمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۴/۴۶، رقم: ۵۱۰۰)

ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر. وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها أو فناءه (درمختار) وفي الشامية: تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب، كما في المضمّرات ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى، لزمهم أداء الظهر. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/۵-۷، كراچی ۲/۱۳۷-۱۳۸)

وشرط أدائها المصر: أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر حتى لا تصح في قرية ولا مفازة لقول علي [ؒ]: لا الجمعة، ولا تشريق، ولا صلاة فطر، ولا أضحي، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۴۰، کوئٹہ ۲/۲۴۵)

هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۶۸ -

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۵۲ -

شیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جائز نہیں؛ کیونکہ جمعہ وعیدین کے لئے مصر (شہر) ہونا شرط ہے اور قصبہ کسی طرح شہر نہیں، نہ عرف عام میں نہ اور کسی عرف میں حدیث وقفہ حنفیہ میں دو لفظ آئے ہیں یا مصر (شہر) کا لفظ یا قریہ (گاؤں) کا لفظ قصبہ کا لفظ کہیں نہیں آیا ہے قصبہ میں دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت سے تو اسے شہر یا مشابہ شہر کہہ سکتے ہیں، دوسری حیثیت سے گاؤں یا گاؤں کے مشابہ کہہ سکتے ہیں کھینچ کھانچ کے شہر میں داخل کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں: بلکہ اسے قریہ (گاؤں) میں داخل کرنا چاہئے چیز ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتی ہے، اعلیٰ کا ارذل کے تابع ہونے میں کچھ شک نہیں بلکہ یقینی ہوتا ہے اور اعلیٰ کے تابع کرنے میں بے احتیاطی ہے: اس لئے قصبوں میں جمعہ وعیدین کو منع کرنا چاہئے، زید کا یہ کہنا کیسا ہے؟

(۲) شہر اور قصبہ اور گاؤں کی کیا تعریف ہے؟ ان کی تعریفوں میں رقبہ اور آبادی کو بھی دخل ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جہاں کا اتنا رقبہ ہو اتنی آبادی ہو وہ تو گاؤں ہے اور جہاں کا اتنا رقبہ اتنی آبادی ہو وہ قصبہ اور جہاں کا اتنا رقبہ اور اتنی آبادی ہو وہ شہر ہے اور رقبہ اور آبادی کی مقدار متعین کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تھوڑے رقبہ اور تھوڑی آبادی گھٹ بڑھ جانے سے تعریفوں میں فرق نہ آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جامع مانع تعریف نہیں بتاتے جو تعریف بتاتے ہیں وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ تو ہر حنفی جانتا ہے کہ ہمارے مذہب کی رو سے گاؤں میں جمعہ وعیدین جائز نہیں، مگر گاؤں کی جامع تعریف نہ جاننے سے، اور تعریف میں رقبہ اور آبادی کو داخل سمجھ کر عمل کرنے سے اکثر خلط و اختلاف و تنازع پیدا ہوتا ہے: اسلئے جامع مانع تعریف کی اشد ضرورت ہے، جو لوگ تعریفوں میں معین رقبہ اور معین آبادی کو داخل سمجھتے ہیں ان کا استناد کسی حدیث و روایت فقہ سے ہے یا نہیں؟

(۳) ایک مقام عرف عام میں قصبہ دوسرا گاؤں کہا اور سمجھا جاتا ہے لیکن یہ قصبہ اپنے رقبہ یا اپنی آبادی کے لحاظ سے اتنا چھوٹا ہے کہ اس کو گاؤں سمجھنا اور کہنا مناسب تھا تو کیا اس قصبہ میں جمعہ وعیدین سے منع کریں گے؟ علیٰ ہذا القیاس وہ گاؤں اپنے رقبہ یا اپنی آبادی کے لحاظ سے اتنا بڑا ہے کہ اس کو قصبہ سمجھنا اور کہنا مناسب تھا تو کیا اس گاؤں میں جمعہ وعیدین کی اجازت دیں گے؟

(۴) ضلع سلطان پور ملک اودھ میں مسافر خانہ ایک مقام ہے اگر اس کی آبادی پر نظر ڈالی جاوے تو ایک چھوٹا گاؤں ہے مگر یہ عرف عام میں قصبہ بولا اور لکھا جاتا ہے اور عرف عام ہی کے لحاظ سے غالباً

سرکاری کاغذوں میں بھی قصبہ لکھا جاتا ہے اس کی حیثیت یہ ہے کہ یہاں پختہ سڑک ہے، سواری کو یکے ملتے ہیں بازار ہے جو روزمرہ کی ضروری اشیاء دیتا ہے آبادی سے باہر ہفتے میں غالباً دو بار بڑا بازار لگتا ہے جس میں باہر کی خرید و فروخت کرنے والے آتے ہیں تیل کا کارخانہ ہے ڈاکخانہ اور بہت بڑا ڈاکخانہ ہے یعنی برانچ پوسٹ آفس نہیں ہے۔ سرکاری ہسپتال (شفابخانہ) ہے سرکاری اسکول ہے مگر آبادی کی کمی سے مڈل کلاس تک خواندگی نہیں ہے جیسے عام طور پر قصبوں میں ہوتی ہے درجہ سوم تک خواندگی ہے جیسے دیہات میں ہوتی ہے تھانہ (پولیس اسٹیشن) ہے کانجی ہاؤس ہے تحصیل کی کچہری ہے منصفی کی کچہری ہے تحصیل کا خزانہ الگ ہے ڈاکخانہ کے متعلق سیونگ بنگ الگ ہے ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے جس میں حکام انگریزی آکر ٹھہرتے ہیں اور مقامی حکام کیلئے علیحدہ پختہ سرکاری مکان بنے ہوئے ہیں پختہ تالاب ہے مسافروں کے ٹھہرنے کیلئے متعدد سرائے ہیں۔ دو مسجدیں ہیں ایک میں جمعہ ہوتا ہے آبادی کے باہر عید گاہ بنی ہوئی ہے خلاصہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے قصبے میں جو باتیں آجکل عرف عام و عرف سرکار انگریزی کے لحاظ سے ہوتی ہیں وہ سب بحیثیت مجموعی یہاں بدرجہ اتم موجود ہیں تو کیا آبادی کی کمی پر لحاظ کر کے اور اس کو قریہ اور گاؤں قرار دیکر یہاں جمعہ وعیدین سے لوگوں کو منع کرنا چاہئے یا عرف عام و مؤیدات عرف عام پر لحاظ کر کے جمعہ وعیدین کی اجازت دینا چاہئے؟

(۵) اگر کوئی شہر یا قصبہ کسی وجہ سے بالکل خالی ہو جاوے اور کوئی آدمی وہاں نہ رہ جاوے اب اتفاق سے چند مسافر یا مقیم وہاں آئیں اور جمعہ یا عیدین پڑھیں تو جمعہ وعیدین پڑھنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب: (۱) فی رد المحتار: عن القہستانی و تقع فرضا فی القصبات و القرى الكبيرة التي فيها أسواق ۵، جلد اول ص ۸۳۶۔ (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا دیوبند ۶/۳، کراچی ۱۳۸/۲۔

ولا شك في جواز الجمعة في البلاد، والقصبات، وهذا الذي قاله من حيث كون الموضع مصرًا أو لا. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية دیوبند ص: ۵۵۲)

یہ روایت صریح ہے قصبات کے محل جمعہ وعیدین ہونے میں اور مانع کے شبہ کا جواب یہ ہے کہ قصبہ عرف عام میں شہر نہ ہونا غیر مسلم ہے ہم نے خود اہل عرف کو دیکھا ہے کہ کسی قصبہ کے گرد و نواح کے دیہاتی لوگ جب مطلق شہر بولتے ہیں تو وہی قصبہ مراد ہوتا ہے اور قصبہ کے آنے جانے کو شہر کا آنا جانا محاورات میں بولتے ہیں پس فقہ اور حدیث میں جو لفظ مصر آیا ہے وہ اس کو بھی شامل ہوا۔ آگے تمام تقریر اس پر متفرع ہے اصل کے جواب سے فرع کا جواب بھی ہو گیا۔

(۲) خود صاحب مذہب سے مصر کی یہ تعریف منقول ہے:

أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم الخ (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا دیوبند ۵/۳، کراچی ۱۳۷/۲۔

في تحفة الفقهاء عن أبي حنيفة: أنه بلدة كبيرة فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما تقع من الحوادث، وهذا هو الأصح. (حلي كبرى، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية دیوبند ص: ۵۵۰)

وفي حد المصر أقوال كثيرة، اختاروا منها قولين: أحدهما ما في المختصر، ثانيهما ما عزوه لأبي حنيفة: أنه بلدة كبيرة فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أو علم غيره والناس يرجعون إليه في الحوادث، قال في البدائع: هو الأصح وتبعه الشارح وهو أخص ما في المختصر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا دیوبند ۲/۲۴۶، کوئٹہ ۱۴۰/۲)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، مكتبة زكريا دیوبند ۲/۵۴۹، رقم: ۳۲۶۶۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۷۔

اور جس قدر تعریفیں فقہاء نے کی ہیں سب کا مرجع و مال یہی ہے کہ سب عنوانات مختلفہ ہیں معنوں واحد کے اور اس سے زیادہ جامع مانع تعریف جس سے تحدید تام ہو جاوے امور غیر مقدرہ فی النص میں خود امام صاحب کے مسلک کے خلاف ہے لائنہ زیادة فی الدین باقی رہی ضرورت رفع نزاع سوشل دیگر غیر مقدرہ کے اس میں بھی تردد کے وقت اغلب رائے مبتنی بہ اور وقت تعارض آراء کے عدول ثقات کا قول معتمد و معتبر ہوگا (۱) اور جس کو نزاع ہی مقصود ہو اس کیلئے تعریف جامع مانع بھی کافی نہیں۔

(۳) تعریف بالا سے ظاہر آئیہ مستفاد ہوتا ہے کہ رقبہ کی کم متصل یعنی مقدار یا آبادی کی کم منفصل یعنی شمار پر اس کا مدد نہیں بلکہ ہیئت آبادی اس کا معیار ہے۔

كما نقل في الجواب عن السؤال الأول من تقييد القرى بالتى فيها سكك وأسواق.

اس بناء پر اگر ہیئت آبادی کی مثل شہر و قصبہ کے ہے محل جمعہ کہیں گے ورنہ گاؤں سمجھیں گے۔ فاعتر ہذا۔
(۴) عبارت سوال سے جو صورت اس مقام کی ذہن میں آتی ہے اس کے اعتبار سے اس کو قصبہ کے حکم میں سمجھنا راجح ہے۔

وقد مرّ في الجواب عن السؤال الثالث اعتبار هيئة العماراة لا المقدار ونحوه. والله أعلم

(۱) واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحالٍ، وإن نص ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف. (فيض الباري، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى والمدن، مطبوعه حضر ديوبند ۳۲۹/۲)

وقيل ما فيه أربعة آلاف رجال إلى غير ذلك، وليس هذا كله تحديداً له بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصرًا هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه وماليس بمصر لم يجز فيه. (الكوكب الدرّي، أبواب الجمعة، بحث الجمعة في ديارنا، مكتبة اشاعة الإسلام)

(۵) (*) لأنه وإن لم يعتبر حد خاص من العمارة لكن يشترط نفس العمارة كما في الدر المختار: وجازت الجمعة بمنى في موسم (إلى قوله) ووجود الأسواق والسكك (۱) ولما مر في الجواب من السؤال الثاني من قوله وفيها وإل الخ فدل على اشتراط وجود الناس فيها الحاكم والمحكومين وهذا ظاهر جدا. والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

۱۶ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۹ ج ۱)

بڑے گاؤں میں جواز جمعہ کا حکم

سوال (۵۴۳): قدیم/۱-۶۱۹۔ بڑا قریہ کہ جس میں چار سو یا ہزار دو ہزار تین ہزار آدمی رہتے ہوں اور سوائے قتل وقصاص وقطع ید کے جملہ احکام شرع شریف کے بجالاتے ہیں اور امور متنازعہ میں علمائے وقت کی جانب رجوع کرتے ہیں موافق شرع شریف کے عملدرآمد کرتے ہیں اور اس موضع میں

(*) **خلاصہ جواب:** یہ ہے کہ صورت مسئلہ (یعنی نمبر ۵) میں جمعہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ ایسی صورت میں آبادی کی کوئی خاص حد تو مقرر نہیں ہے؛ لیکن نفس آبادی کا وہاں ہونا ضروری ہے، پس جس صورت مسئلہ میں وہاں آبادی نہیں رہی تو وہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا دیوبند
۱۴/۳، کراچی ۱۴۴/۲۔

ومنى مصر في أيام الموسم لوجود الخليفة أو نائبه، والسكك والأبنية فيها فتقام الجمعة فيها حينئذ وفي قولهم بتمصرها أيام الموسم إيماء إلى أنها لا تقام في غير أيامه لزوال تمصرها بزوال الموسم. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا دیوبند ۱/۳۵۳-۳۵۴)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت
۲۴۷/۱-۲۴۸۔

حاشية الطحطاوي على مرافي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة دار الكتاب دیوبند ص: ۵۱۳۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مدرسہ علوم دینیہ کا موجود ہے اور بازار بھی موجود ہے جن میں اکثر حوائج و ضروریات کی اشیاء ہر وقت ملتی ہیں اس موضع میں گورنریاں یا معین کوئی قبرستان نہیں ہے بلکہ مردہ کو اپنے اپنے باغچے میں دفن کرتے ہیں۔ غرض اکثر موضع ایسے ہیں جن میں بازار موجود ہیں اور جس میں بازار نہیں ہے اس میں بازار والے موضع میں صرف آدھ میل کا فاصلہ ہے چار پانچ موضع ملکر مجموعہ کا ایک نام ہے اور یہ مواضع بمنزلہ محلّہ جات شہر کے ہیں ان میں زیادہ فاصلہ نہیں لیکن ایام برسات میں دو تین مہینے کشتی کی ضرورت پڑتی ہے اور مہینوں میں مثل ہندوستان کے بلا کشتی کے پھرتے ہیں پس اگر ایسے بڑے قریہ میں جمعہ و عیدین قائم کر لیں عند الشرح صحیح ہوگا یا نہیں۔ جواب مع حوالہ کتب تحریر فرمائیے؟

الجواب: مذہب حنفیہ میں مصرح و متفق علیہ ہے کہ مصر شرائط جمعہ میں سے ہے (۱) اور اہل فتاویٰ نے قصبات و قریٰ کبیرہ کو حکم مصر میں فرمایا ہے:

(۱) عن علي قال: لا جمعة، ولا تشریق، ولا صلاة فطر، ولا أضحی، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولا تشریق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۴/ ۴۶، رقم: ۵۰۹۹)

عن الحارث عن علي قال: لا جمعة، ولا تشریق إلا في مصر جامع. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي ۳/ ۱۶۷، رقم: ۵۱۷۵)

عن أبي عبد الرحمن عن علي قال: لا جمعة إلا في مصر جامع، وكان يعد الأمصار البصرة، والكوفة، والبحرين، ومصر، والشام، والجزيرة وربما قال: اليمن واليمامة. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي ۳/ ۱۶۸، رقم: ۵۱۷۷)

وشرط أدائها المصر: أي شرط صحتها أن تؤدي في مصر حتى لا تصح في قرية ولا مفازة الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۴۵، كوئٹہ ۲/ ۱۴۰)

ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر الخ. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۵، کراچی ۲/ ۱۳۷)

هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۱۶۸ -

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۵۲ -

کما في رد المحتار عن القهستاني: وتقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة ألتى فيها أسواق (إلى قوله) لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضممرات. (۱)

رہا یہ کہ مصر اور قضبہ اور قریہ کبیرہ کی کیا حقیقت ہے؟ سومصر کے باب میں خود صاحب مذہب کا جو قول ہے اس کو علامہ شامیؒ نے تحفہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ:

عن أبي حنيفة: أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم إلى قوله وهذا هو الأصح. (۲)

اور قصبات اور قری کی کبیرہ کی تعریف اوپر کی عبارت سے مفہوم ہوتی ہے جس کا حاصل لفظ اسواق وقاضی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آبادی مصر کی سی ہو اور اس میں حاکم بھی ہو پس جو قری سوال میں مذکور ہیں وہ نہ مصر ہیں نہ قضبہ نہ قریہ کبیرہ لہذا وہاں جمعہ صحیح نہیں البتہ اگر کوئی آبادی ایسی ہو کہ اہل عرف اس کے مجموعہ اجزاء کو باوجود کسی قدر فصل کے ایک آبادی سمجھتے ہوں وہاں مجموعہ کا اعتبار کیا جاوے گا لیکن صرف ایک نام ہونا کافی نہیں کیونکہ ضلع و قسمت (*) کا نام بھی ایک ہی ہوتا ہے بلکہ وحدۃ تسمیہ کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو ایک آبادی سمجھتے ہوں۔ واللہ اعلم،

۲۷/رمحرم ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولی ص ۱۱)

(*) قسمت کے معنی ضلع اور صوبہ دونوں ہیں اور یہاں دونوں صحیح ہو سکتے ہیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۳، کراچی ۱۳۸/۲۔
ولاشك في جواز الجمعة في البلاد، والقصبات، وهذا الذي قاله من حيث كون الموضع مصرًا أو لا. (حلبی کبیری، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۵۲)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۵/۳، کراچی ۱۳۷/۲۔

وفي حد المصر أقوال كثيرة، اختاروا منها قولين: أحدهما ما في المختصر، ثانيهما ما عزوه لأبي حنيفة: أنه بلدة كبيرة فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، ←

بڑے گاؤں میں جواز جمعہ کے متعلق ایک اور سوال

سوال (۵۴۳): قدیم ۱/۶۲۱ - (اصل سوال) جناب مولانا صاحب السلام علیکم، بعد سلام کے عرض ہے کہ موضع ساران ضلع میرٹھ کا ایک قریہ ہے اور اس میں جاٹ مسلمان رہتے ہیں اور ہر چہار جانب اس کے دیگر دیہات میں جاٹ ہندو رہتے ہیں پانچ پانچ چار چار کوس کوئی گاؤں مسلمانوں کا نہیں ہے اس گاؤں ساران میں تین مسجدیں ہیں اور قدیم سے اس جگہ جمعہ اور عیدین کی نماز ہوتی ہے دیگر دیہات قرب و جوار کے مسلمان جو بطور رعیت کے رہتے ہیں وہ ہمیشہ عیدین کی نماز یہاں آ کر پڑھتے ہیں اپنے اپنے قربانی کے جانور یہاں لا کر ذبح کرتے ہیں کیونکہ یہ موضع بطور مرکز کے ہے درمیان دائرہ کے یعنی ہر چہار جانب ہندو اور یہاں مسلمان ہیں، مردم شماری یہاں کی تین ہزار تین سو ہے بائیس دوکانیں مہاجنان کی ہیں مدرسہ سرکاری بھی قائم ہے اور خلیفہ عبدالرحمن صاحب یہاں منجانب سرکار واسطے انفصال مقدمات کے منصف مقرر ہیں اور پیش امام سید ساکن گنگر و باپ دادا سے امامت کراتے چلے آتے ہیں بیس بیس بلکہ زیادہ ناظرہ خواں و حافظ قرآن خواں اور دس بیس آدمی منشی و حکیم وغیرہ یہاں موجود ہیں قدیم سے جمعہ ہوتا ہے: لیکن جب سے یہ چرچا ہوا کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا دیہات گرد و نواح کے نمازی نہیں آتے اور یہاں کے بھی اکثر سستی کرتے ہیں اور مسجد اس قدر بڑی ہے کہ شاید دس بیس قصبوں میں نہ لکے اور پنجگانہ نمازی سو سو سو جمع ہو جاتے ہیں اور مولوی مظفر حسین صاحب بھی یہاں تشریف لائے ایک دو دفعہ تو انہوں نے بھی یہاں جمعہ پڑھا۔

← وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أو علم غيره والناس يرجعون إليه في الحوادث، قال في البدائع: وهو الأصح وتبعه الشارح وهو أخص ما في المختصر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۴۶، کوئٹہ ۲/۱۴۰)

حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۵۰۔
مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۷۔
الفتاویٰ التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۴۹، رقم: ۳۲۶۶۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اب دیگر علماء یہاں آتے رہے اور وہ بھی نماز جمعہ پڑھتے رہے۔ اور اب بھی جمعہ ہوتا ہے۔ مگر برادری کے دو گروہ ہو گئے ہیں ایک ابھی پڑھتا ہے اور ایک انکار کرتا ہے؛ لہذا یہ پرچہ قرطاس حضور کی خدمت میں ارسال کر کے امیدوار ہیں کہ جواب اس کا مفصل و مشروح تحریر فرما کر بھیج دیں کہ یہاں جمعہ ہوتا ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب: یہ مسئلہ تو صحیح ہے کہ دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز مذہب حنفی میں درست نہیں (۱) مگر مراد ان دیہات سے وہ قریے ہیں جن کی حالت قصبہ کی سی نہ ہو اور جن کی حالت قصبات کی سی ہو اس کا حکم مثل قصبات و امصار کے ہے اور موضع ساران کی جو حالت سوال میں لکھی ہے کہ مردم شماری تین ہزار

(۱) عن علي قال: لا جمعة، ولا تشریق، ولا صلاة فطر، ولا أضحی، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولا تشریق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۴/ ۴۶، رقم: ۵۰۹۹)

عن الحارث عن علي قال: لا جمعة، ولا تشریق إلا في مصر جامع. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي ۳/ ۱۶۷، رقم: ۵۱۷۵)

عن أبي عبد الرحمن عن علي قال: لا جمعة إلا في مصر جامع، وكان يعد الأمصار البصرة، والكوفة، والبحرين، ومصر، والشام، والجزيرة وربما قال: اليمن واليمامة. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي ۳/ ۱۶۸، رقم: ۵۱۷۷)

وشرائط أدائها المصّر: أي شرط صحتها أن تؤدي في مصر حتى لا تصح في قرية ولا مفازة الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۴۵، كوئٹہ ۲/ ۱۴۰)

ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصّر الخ. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۵، كراچی ۲/ ۱۳۷)

هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۱۶۸ -

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۵۲ -

تین سوکی ہے وغیرہ وغیرہ اس حالت کے اعتبار سے وہ حکم میں قصبہ کے ہے، جس کو فقہاء نے قریہ کبیرہ سے تعبیر کر کے جمعہ وعیدین کو صحیح کہا ہے، اس بناء پر موضع مذکور میں عیدین و جمعہ درست ہے۔ (۱) واللہ اعلم

۱۰/ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

اس جواب کے لکھنے کے بعد جس کی نقل اوپر موجود ہے احقر نے خود موضع ساران کو دیکھا تحقیق سے معلوم ہوا کہ مردم شماری میں تعداد مندرجہ سوال بالا سے اور بھی اضافہ ہوا ہے اور دوکانیں بھی زیادہ ثابت ہوئیں یعنی قریب چالیس کے۔ البتہ متصل نہیں ہیں، اور باقی حالات جو سوال میں مذکور ہیں سب صحیح محقق ہوئے۔ اس کے بعد روایات فقہیہ کی طرف رجوع کیا مصر کے بارے میں اقوال بکثرت ہیں بعض میں افراط ہے بعض میں تفریط، بعض اعدل و اوسط ہیں اور وہی الحق بالقبول ہیں اور ہر حال میں موضع مذکور اعدل الاقاول پر مصر میں تو داخل نہیں؛ لیکن فقہاء کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ قصبات و قریہ کبیرہ بھی حکم مصر میں ہیں؛ چنانچہ رد المحتار ج ۱ ص ۸۳۶ میں مصرح ہے۔

وعبارۃ القہستانی وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیہا أسواق إلی قوله لا یحوز فی الصغیرۃ التی لیس فیہا قاض ومنبر وخطیب. (۲) اور نظر برحالت مذکورہ سوال و محققہ بعد السؤال موضع مذکور قریہ کبیرہ میں ضرور داخل معلوم ہوتا ہے اور کبیرہ و صغیرہ میں ماہ الفرق اگر آبادی کی مقدار لی جاوے تو اس کا مدار عرف پر ہوگا اور عرف کے تتبع سے

(۱) تقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیہا أسواق الخ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۶/۳، کراچی ۱۳۸/۲)

ولاشک فی جواز الجمعة فی البلاد، والقصبات. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ص: ۵۵۲)

(۲) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبۃ زکریا دیوبند ۶/۳، کراچی ۱۳۸/۲۔

ولاشک فی جواز الجمعة فی البلاد، والقصبات، وهذا الذی قالہ من حیث کون الموضع مصرّاً أولاً. (حلبی کبیری، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجمعة، مکتبۃ اشرفیۃ دیوبند ص: ۵۵۲)

معلوم ہوا کہ حکام وقت جو کہ حکمائے تمدن بھی ہیں چار ہزار کی آبادی کو قصبہ میں شمار کرتے ہیں اور چار ہزار کے قریب بوجہ معتبر نہ ہونے کسر کے حکم میں چار ہزار کے ہے پس موضع مذکور اگر قصبہ نہیں ہے تو قریہ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔ اور مؤید اس کی وہ حکایت ہے جو بعض احباب ساکنان بڑوت سے جو کہ موضع مذکور میں ملاقی ہوئے مسوع ہوئی کہ باغیت کے تحصیلدار صاحب سے معلوم ہوا کہ سرکار کا ارادہ چند مواضع کو قصبات میں شمار کر نیکا ہے اور بعض جگہ اس کا انتظام بھی شروع ہو گیا ہے منجملہ ان کے موضع مذکور بھی ہے اور اگر ماہ الفرق وہ صفات لی جاویں جو روایت مرقومہ میں کبیرہ صغیرہ کی صفت میں وارد ہیں یعنی اسواق و حاکم و خطیب و منبر کا ہونا نہ ہونا تو بھی موضع مذکور قریہ کبیرہ میں داخل ہے؛ کیونکہ اسواق بقرینہ مقام اسم جنس ہے جو واحد کو بھی شامل ہے سواتی دوکانوں سے ایک سوق کا مہیا ہو جانا متیقن ہے، اب صرف شبہ عدم اتصال سے ہو سکتا ہے سوتامل کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوق کے اشتراط کا حاصل یہ ہے کہ ہر وقت کے حوائج ضروری میں وہاں کے سگان دوسرے مصر کے محتاج نہ ہوں سو اس غرض کے حصول میں اتصال و انفصال برابر ہے چنانچہ مولانا بحر العلوم نے رسالہ ارکان اربعہ میں اپنے والد قدس اللہ سرہ کا قول جو نقل کیا ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حيث قال وكان مطلع الأسرار أبي قدس سره يفتي بأن المصر موضع يندفع حاجة الإنسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناك من يبيع طعاماً والكسوة الضرورية وأن يكون هناك أهل حرف يحتاج إليهم كثيراً. ۱۱۲ ص (۱) وأيضاً يؤيده ما في المضممرات في تعريف المصر هو أن يعيش كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى حرفه أخرى مجموع الفتاوى لمولانا عبدالحی ج ۳ ص ۶۲ (۲)

(۱) رسائل الأركان، كتاب الصلاة، فصل في الجمعة ص: ۱۱۴، بحوالہ فتاویٰ

رحیمہ جدید ۹۰/۶۔

(۲) مجموع الفتاویٰ علی هامش خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الصلاة، أفعال

الصلاة مكتبة اشرفية دیوبند ۱۳۲/۱۔

اسی طرح حاکم کا ہونا عام ہے کہ بڑا ہوا چھوٹا ہو سو موضع مذکور میں منصف کے مقرر ہونے سے یہ امر بھی حاصل ہے اور منبر اور خطیب کا ہونا تو خود فرع ہے حالت مذکورہ کی، کہ ایسی جگہ عادتاً خطیب و منبر ہوتا ہی ہے و نیز چند صاحبوں سے مسموع ہوا کہ کسی وقت میں جبکہ یہاں افغان آباد تھے بارہ تیرہ ہزار کی مردم شماری تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ درمیان میں کوئی زمانہ ویرانی محض کا اسپر نہیں گزر راپس اس وقت تو صحت جمعہ یہاں یقینی تھا اور بقاعدہ الیقین لا یزول بالشک۔ (۱)

جب تک کہ کسی وقت ایسی حالت نہ ہو کہ بالیقین جمعہ غیر صحیح ہو اس وقت تک بحکم استصحاب حال صحت مذکورہ کو باقی سمجھیں گے اور ایسی حالت کا تخلل نہ درمیان میں ثابت ہوا اور نہ اب ہے پس حالت اشتباہ میں بھی جانب صحت کی رائج ہوگی و نیز ترک جمعہ سے جو آثار و ہاں واقع ہوئے یا متوقع ہیں مثل ترک کر دینے جو ار کے بعض لوگوں کے نماز کو اور مثل نا اتفاقی باہمی کے جس سے ان لوگوں کے مساعی متعلقہ اصلاح الرسوم میں ضعف قوی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے ان کا مقتضا بھی یہی ہے کہ اگر جواز جمعہ کی بقول مرجوح بھی گنجائش ہو تو حکم جواز کا کر دیا جائے ہاں اگر عدم صحت متیقن ہوتی تو دوسری بات تھی مگر عدم صحت درجہ یقین میں نہیں غایت مافی الباب حالت اشتباہ کی ہے کما یظہر بالامعان اور اگر اشتباہ کو قوی سمجھا جاوے تو ظہر احتیاطی کا بھی امر کر دیا جاوے بعد تحریر تقریر ہذا ۱۱ اسلام نگر ضلع سہارنپور سے فیض محمد خاں صاحب ابن حاجی محمد یاسین خان صاحب کا میرے خط کے جواب میں خط آیا انہوں نے وہاں کی مردم شماری تین ہزار تین سو چھ آدمی لکھی ہے اور دوکانیں ۱۹ بطور مختلف اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اجازت واسطے جماعت نماز جمعہ کے لکھی ہے جس کی روایت اپنے والد و دیگر اشخاص سے لکھی ہے اس سے بھی تائید فتویٰ ہذا کی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ اشرف علی ۱۱ صفر ۱۳۲۸ھ

(۱) الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة الیقین لا یزول بالشک، قدیم

ص: ۱۰۰ - شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس پر مولانا صدیق احمد صاحب کاندھلوی کا والا نامہ آیا

جو ذیل میں منقول ہے

بلجائے نیاز مند آں جناب مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم العالی، از بندہ ناچیز صدیق احمد غنی عنہ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ معروض خدمت فیض درجت اینکہ والا نامہ شرف صدور لا کر باعث افتخار ہوا بندہ نے چاہا کہ فتویٰ عالیہ کو فی الفور ساراں روانہ کر دے لیکن کوئی آدمی نہیں ملا اور نیز بندہ بڑوت چلا گیا تھا کل لفافہ ملا لیکن بندہ کو آپ کی تحقیق کے بعد چند خلجان فقہاء کے کلام میں لاحق ہو گئے اس لئے مؤدبانہ ان کی استکشاف کا مستدعی ہے اولاً ارشاد ہے کہ موضع ساراں اگر قصبہ نہیں ہے تو قریہ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں آپ نے شامی میں وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیہا أسواق۔ (۱) کا حاشیہ لکھا ہے: القصبات جمع قصبۃ وہی القریۃ فیکون عطف القری علیہ عطف تفسیری۔ جبکہ فقہاء کے نزدیک قصبہ اور قریہ کبیرہ ایک چیز ہے یہ تفرقہ کیوں کیا جاتا ہے؟ اگر یہ غرض ہے کہ ہمارے عرف میں قصبہ نہیں تو یہ امر خارج از بحث ہے آبادی کی مقدار کو قصبہ یا قریہ کبیرہ کی تحقیق میں اگر دخل ہے تو اس وجہ سے ہے کہ تتبع سے معلوم ہوا کہ اس مقدار میں شروط مصریت کا تحقق غالباً ہو جاتا ہے یعنی چار ہزار سے زائد میں وجود سکک و أسواق و ابنیہ مثل ابنیہء منی قائم ہو جاتا ہے اور فقہائے سابقین سے بھی یہ تخمین و تتبع منقول ہے چنانچہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

لانسلم أن جوائی قریة بل هی مدینة کما حکینا عن البکری وغیرہ حتی قیل کان یسکن فیہا فوق أربعة آلاف والقریۃ لاتکون کذلک۔ (۲)

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبۃ زکریا دیوبند

۶/۳، کراچی ۱۳۸/۲۔

(۲) عمدۃ القاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن، مکتبۃ

زکریا دیوبند ۴۰/۵، تحت رقم الحدیث: ۸۹۲، مکتبۃ دار إحياء التراث العربی ۱۸۷/۶۔

یعنی چار ہزار سے زائد میں مقدار قریہ نہیں ہوتی بلکہ قصبہ یا شہر ہوتی ہے اور حکام وقت کے عرف کا مقتضی بھی یہی ہے کہ چار ہزار سے کم قصبہ نہیں بناتے تو عرف شرعی اور عرف حکمائے تمدن کے اعتبار سے چار ہزار سے کم ہرگز قصبہ یا قریہ کبیرہ نہ ہوا، اور چونکہ عدد مذکور حد محدود ہے تو کسر کا لعدم نہ سمجھی جاوے گی اور حضرت خاں صاحب کی حکایت غپ شپ سمجھئے وہ ہرگز قابل التفات نہیں، باقی رہا أسواق و سبک و ابنیۃ منیٰ سو بندہ ناچیز کے خیال میں یہ امور قریٰ کبیرہ، صغیرہ میں فارق و مابہ الامتیاز ہوئے۔

ملاحظہ فرمائیے شیخ کمال الدین بن الہمام نے فتح القدر میں لکھا ہے:

وقد وقع الشك في بعض قري مصر مما ليس فيها والٍ وقاضٍ نازلان بها بل لها قاض يسمى قاضي الناحية فيأتي القرية أحيانا..... ووالٍ كذلك هل هو مصر نظراً إلى أن لها والياً وقاضياً أولاً نظراً إلى عدمهما بها؟ والذي يظهر اعتبار كونهما مقيمين بها وإلا لم تكن قرية أصلاً إذ كل قرية مشمولة بحكم (۱)

قال في النهر: مقتضى اشتراط أن تبلغ أبنيتها أبنية منى وكذا مامر عن الإمام من اشتراط أن يكون لها سبک وأسواق عدم تمصرها ولو كانا مقيمين بها ويوافقه مامر عن الخلاصة أي من قوله الخليفة: إذا سافروا هوفي القرى ليس له أن يجمع بالناس وسيأتي ما يؤيد ه أيضاً انتهى قلت ينبغي حمل كلام هذا الإمام المحقق على القرية المستوفية بقية الشروط لأنه أجل من أن يخفى عليه مثل ذلك حاشية البحر لابن عابدين (۲)

(۱) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند

۵۱/۲، كوئٹہ ۲۰/۲ -

(۲) منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة

الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۴۸، كوئٹہ ۱۴۱/۲ -

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا

ديوبند ۱/۳۵۳ -

حاصل کلام یہ ہے کہ محقق ابن الہمام کے کلام کا تادریہ ہے کہ قاضی اور والی اگر مقیم قریہ ہوں گے تو مصر اصطلاحی محقق ہو جائے گا صاحب نہر نے اعتراض کیا کہ یہ غلط ہے وجود ابنیہ مثل منی اور سلک اور اسواق کا وجود تحقیق مصر اصطلاحی میں ضروری ہے چنانچہ اگر بادشاہ سفر کر کے مقیم قریہ ہو تو نماز جمعہ نہیں پڑھ سکتا اور مصر میں پڑھ سکتا ہے صاحب رد المحتار نے اعتراض تسلیم کر کے عذر کر دیا کہ محقق کا کلام قریہ مستوفیہ شروط پر محمول ہے تو معلوم ہوا کہ مصر اصطلاحی کا تحقق وجود سلک و اسواق و ابنیہ مثل ابنیہ منی پر موقوف ہے اور جبکہ مصر کا تحقق سلک و اسواق و ابنیہ پر موقوف ہے تو کم از کم مصر میں تین کوچے اور تین بازار ہونے چاہئیں اور عرف میں بازار دو کاکین مجتمعه مسلسلہ کا نام ہے لیکن مجمع البحار میں ہے۔

السوق سمیت بها لأن التجار تجلب إليها وتساق المبيعات نحوها. (۱)
یعنی اس لئے سوق نام ہوا کہ تجار اس کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور اموال مبیعہ اس کی طرف لائے جاتے ہیں اور حد مصر میں بازار اس کا نام ہے کہ کثرت تجار و کثرت امتنع خواہ متصل ہوں خواہ منفصل مگر کم سے کم تین جگہ بھیڑ بھڑ کا ہو علامہ عینی شعرا مرأ القیس کو استدلال میں لائے ہیں ورحنا کأنا من جواثی عشية نعالی النعاج بین عدل و محقب یرید کأنا من تجار جواثی لکثرة مامعهم من الصيد وأراد كثرة امتعة تجار جواثی قلت كثرة الأمتعة تدل غالباً على كثرة التجار وكثرة التجار تدل على أن جواثی مدينة قطعاً انتهی. (۲)

تو انصاف کی ضرورت ہے کہ قریہ ساران میں کہاں بھیڑ بھڑ کا تجارت کی ہے اور کس جگہ کثرت ہے اور دو کاکین متفرقہ کا مقامات متفرقہ بلا کثرت امتنع و تجار کون سے بازار پر محمول کریں عرفی یا شرعی میرا خیال یہ ہے کہ بازار اصلاً نہیں مگر چونکہ ہر قریہ میں بقدر جماعت سکان دو چار دوکانیں ہوا کرتی ہیں اور ان دوکانوں سے وہ قریہ ہونے سے خارج نہیں ہوتا اسی قسم کی سمجھنے اور مصطلح میں جو بازار ہے وہ اہل سوق اور اہل تجارت بنانے کیلئے ہے جو خواص امصار و قصبات سے ہے جس کے اتصاف سے اہل قریہ معری ہیں

(۱) مجمع بحار الأنوار، مكتبة دار الايمان المدينة المنورة ۱۵۲/۳۔

(۲) عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، مكتبة

زكريا ديوبند ۳۹/۵، رقم: ۸۹۲، مكتبة دار إحياء التراث العربي ۱۸۷/۶۔

غالباً یہی وجہ ہوگی کہ نماز کے باب میں جہاں کہیں امر کیا ہے جیسے: اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوكِ الشَّمْسِ .
(۱) اور وَاَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ . (۲) وغیرہ وغیرہ اس میں تجارت وغیرہ سے کچھ تعرض نہیں کیا
اور اطلاق رکھا اور خاص جمعہ میں اہل اسواق اور اہل تجارت کو خاصہ خطاب فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ
اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ . (۳) اور آگے وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا . (۴)
اور حاصل کلام والد مرحوم بحر العلوم یہ ہے کہ مصر وہ ہے کہ جس میں جمیع مایحتاج ملتی ہو بندہ کو تجربہ صحیحہ
مکررہ سے معلوم ہو چکا کہ مایحتاج اس قریہ میں نہیں ملتی کیا سونف کا سنی ہے وہ بھی ٹیکری سے لاتے ہیں
اور وہ جو امیر کی جگہ منصف مقرر کیا ہے۔

قال في رد المحتار: ثم المراد من الأمير من يحرس الناس ويمنع المفسدين
ويقوى أحكام الشرع كذا في الرقائق انتهى. (۵)

اور ان حضرات کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ بیس روپیہ کا دعویٰ مع سود گری کر دیتے ہیں اور وہ جو
کہا جاتا ہے زمانہ افغان میں بارہ تیرہ ہزار کی آبادی تھی اول تو دعویٰ بلا دلیل ہے علاوہ ازیں۔

فجازت الجمعة بمنى في الموسم فقط لوجود الخليفة أو أمير الحجاز أو العراق
أو مكة ووجود الأسواق والسكك در مختار أي فلا يصح في منى في غير أيام اجتماع
الحاج فيها لفقد بعض الشروط رد المحتار. (۶)

(۱) سورة بني إسرائيل آيت: ۷۸۔

(۲) سورة الهود آيت: ۱۱۴۔

(۳) سورة الجمعة آيت: ۹۔

(۴) سورة الجمعة آيت: ۱۱۔

(۵) شامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۶/۳، کراچی ۱۳۸/۲۔

(۶) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا

ديوبند ۱۴/۳، کراچی ۱۴۴/۲۔

ومنى مصر في أيام الموسم لوجود الخليفة أو نائبه، والسكك والأبنية فيها فتقام
الجمعة فيها حينئذ وفي قولهم بتمصرها أيام الموسم إيماء إلى أنها لا تقام في غير أيامه ←

یہاں استصحاب حال کا محل نہیں بلکہ ارتقاع الحکم بارتقاع العلة ہے یعنی جواز جمعہ کی علت مفقود ہوئی اور عدم جواز یقینی ہو گیا یقین لا یزول بالشک کا محل نہیں رہا بلکہ یقین لا یزول إلا بالیقین کا محل ہے اور جو حضرت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت افتاء جواز جمعہ کیا گیا وہ محض افتراء ہے مجھ کو یقینی معلوم ہے کہ حضرت قدس سرہ چار ہزار سے زائد پرفتویٰ دیتے تھے لا غیر اور جو کچھ مفاسد جواز جمعہ کے فتویٰ سے لاحق ہوتے ہیں علماء کوان کا لحاظ ضروری ہے نقل کی جماعت تداعی کیساتھ بدعت اور مکروہ تنزیہی ہے اور ظہر جواصل فریضہ وقت ہے اس کا ترک یا جماعت کا ترک لازم آتا ہے اب بندہ منتظر ہے کہ ان مضائق سے میری خلاصی فرمادیں۔ بینواتو جروا؟ راقم بندہ صدیق احمد از کا ندھلہ

الجواب عن المکتوب السابق

بخدمت مولانا المخدوم المکرم دامت برکاتہم از احقر اشرف علی عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ارشادات عالیہ کے بعد کچھ عرض کرنا بلاشبہ سوء ادب سے خالی نہیں لیکن جناب کا اذن اول رقیمہ کریمہ میں اور امر اس کے آخر میں حامل اظہار مافی الضمیر پر ہوا، رجاء عفو کے ساتھ یہ بھی التماس ہے کہ اس معروضہ پر اگر اور کچھ ارشاد ہو تو بدیں سبب کہ مکرر عرض کرنے کی میری ہمت نہیں مجھ کو اطلاع کی بھی حاجت نہیں ہے بلکہ اس سے احسن بشرطیکہ طبع سامی کو ناگوار نہ ہو یہ ہے کہ قلمبند فرما کر مع دیگر تحریرات سابقہ متعلقہ شقیں کے دیوبند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب مدظلہم کی خدمت میں یا سہارنپور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب دام فیضہم کے پاس ارسال فرمادی جاویں اور اگر مصلحت ہو تو دونوں شق کے مضامین کی محض نقل بلا اظہار نام صاحب

← لزوال تمصرہا بزوال الموسم. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبۃ

زکریا دیوبند ۱/۳۵۳-۳۵۴)

وجازت الجمعة بمنی فی الموسم فیہ ایماء إلى أنها لا تقام فیہا فی غیر آیامہ لزوال

تمصرہا بزوال الموسم. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب

الجمعة، مکتبۃ دار الکتاب دیوبند ص: ۵۱۳)

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۴۸-

مضمون بھیج دی جاوے تاکہ وہ حضرات اپنی رائے آزادی سے ظاہر فرما سکیں اور اگر حکم ہو تو وہاں بھیجنے کی خدمت کو میں انجام دیدوں پھر اگر با احتمال بعید احقر کے موافق ہو تب بھی اس کے اعتقاد پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر جناب کے موافق ہو تو میں اس پر ضرور عمل کرونگا اور اگر وہاں بھیجنے کی ضرورت نہ ہو تو میں آخری رائے کا اعلان یا اس کے موافق فتویٰ نہ دوں گا۔

اب مدعا عرض کرتا ہوں یہ ارشاد کہ حاشیہ لکھا ہے الخ حاشیہ میں نے نہیں دیکھا معلوم نہیں محشی کون ہیں اور علی التقدیر والتسلیم صرف تسامح عنوان میں ہوگا معنون پر نظر کر کے یوں کہہ دیا جاوے گا کہ یہ قصبہ و قریہ کبیرہ ہے، باعتبار حقیقت کے گویا اعتبار تسمیہ کے نہ ہو اور عمدة القاری کے قول والقریۃ لایکون کذلک سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اتنی آبادی کو قریہ نہ کہیں گے مگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے کم کو قصبہ نہ کہیں گے چونکہ جوائی میں اتفاق سے چار ہزار سے زیادہ آبادی نہ تھی اس لئے کلام میں اسی عدد کا ذکر آگیا اور ہر حال میں عدد مذکور چونکہ منصوص شرعی نہیں لہذا تحدید حقیقی نہ کہیں گے محض تخمین کہیں گے جس میں کسر کی کمی بیشی غیر معتبر ہوتی ہے اور یہ صحیح ہے کہ مصر میں وجود سلک واسواق وابنیہ مثل منیٰ کو دخل ہے؛ لیکن قریہ معبودہ میں سلک کا وجود تو ظاہر ہے ابنیہ بھی ہیں اور کثرت سے ہیں رہا منیٰ کی حد کو پہنچنا سو خود ابنیہ منیٰ ہی کا عدد معلوم نہیں کہ نفی اثبات میں مماثلت کا دعویٰ ہو سکے غالباً مقصود مثال سے کثرت معتمد بہا ہے سو وہ حاصل ہے، رہے اسواق سومیرے نزدیک اشتراط سوق کی جو بناء ہے کہ وہ لوگ دوسرے مصر کے غالب حوائج میں محتاج نہ ہوں اس پر نظر کر کے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ جمعیت اسواق کی عدد کیلئے نہیں بلکہ جنسیت کیلئے ہے ورنہ تین بازار تو بعض قصبات میں بھی نہیں اور اس بناء پر اتصال حوانیت کا شرط نہیں معلوم ہوتا، رہا مجمع کا قول سو وہ وجہ تسمیہ سے ہے جس کی غرض محض مناسبت مصححہ الاطلاق کا بیان کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس کا مدار حکم وجوداً و یقیناً ہوتا ہے جیسا کہ سفر کی وجہ تسمیہ میں کہا ہے:

لأنه يسفر أي يكشف عن أخلاق الرجال. (۱)

اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کوئی سفر کا شرف نہ ہو تو اس پر احکام سفر قصر وغیرہ مرتب نہ ہونگے پھر بعد تسلیم تجارت و امتنع عام ہے قدر ضروری وزائد علیہ کو البتہ کم کا عدم ہے اور عینی کا قول:

(۱) وسمى السفر سفراً لأنه يسفر عن وجوه المسافرين وأخلاقهم فيظهر ما كان

خافياً. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۵/۲۶)

و كشرة التجار تدل على أن جوائى الخ (۱) استلزام الكثرة للمدينة كوتلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ انتقاء ملزوم مستلزم نہیں ہے انتقاء لازم کو اور بعض اوقات ما یحتاج إلیہ کا نہ ملنا یہ بسا اوقات ان قصبات میں بھی پیش آتا ہے جن کا قصبہ ہونا مسلم و متفق علیہ ہے، اسی طرح ایسا امیر نہ ہونا بعض ان قصبات میں بھی پیش آتا ہے جن کا قصبہ ہونا مسلم و متفق علیہ ہے جلال آباد و لوہاری میں پولیس کا افسر تک نہیں صرف چوکیدار رہتے ہیں مگر چونکہ یہ صرف امارات ہیں اس لئے ان کا فقدان مضر نہیں اور استصحاب کا حکم اس تقدیر پر کیا تھا کہ بعد قریہ کبیرہ ثابت ہونے کے یقینی صغیرہ ہونا متخلل نہ ہوا ہو گو کبیرہ ہونا نہ ہونا مشتبہ ہو سو اگر کبیرہ ہونا منظون بھی نہ ہو، تاہم مشتبہ ضرور ہے اس سے الیقین لایزول بالشک کا یہ محل ہو سکتا ہے باقی اتنی آبادی کا ثبوت شہریت یا کاغذ اہل قریہ کے پاس ہوگا مجھ کو تحقیق نہیں اور اگر نہ بھی ہو تو یہ محض تائید تھی مدار حکم نہیں اور اسلام نگر میں فتویٰ صحت کا افترا ہرگز نہیں حاجی محمد یاسین خان نہایت ثقہ آدمی ہیں اور مولانا کے نہایت جاں نثار اور فرماں بردار و مخصوصین میں سے ہیں ان سے میں نے بھی سنا ہے۔

اور مولانا کا فتویٰ چار ہزار سے کم پر نہ ہونا باعتبار خاص حالات کے ہوگا جہاں دوسرے امارات بھی مرجح قریہ ہونے کے ہوں حاجی جی اب مدینہ طیبہ میں ہیں مگر خط منگایا جاسکتا ہے اور غالباً اسلام نگر میں اور بھی ثقہ راوی اس کے مشاہد موجود ہونگے اور فیض محمد خان مقیم بڑوت سے میں نے مکرر اس حکایت کی تحقیق کو کہا ہے، دوسرے یہ بھی محض تائید تھی اور مفاسد جواز جمعہ فی القرئ کے سب مسلم ہیں مگر جبکہ یقین ہو عدم جواز جمعہ کا اور موضع معبود میں اس میں کلام ہے۔ والسلام مع الاکرام خیر ختام، ۲۵/ صفر ۱۳۲۸ھ اس کے بعد پھر ایک بار مراجعت مکاتبت کی ہوئی جس کی نقل محفوظ نہیں جس کے بعد خود اس احقر کو اپنے جواب میں تردد ہو گیا اور عمل میں مولانا صدیق احمد صاحب کے ساتھ میں نے موافقت کی۔ فقط (ترجیح ثانی ص ۱۷۱)

(۱) عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرئ والمدن، مكتبة زكريا دیوبند ۳۴/۵، رقم: ۸۹۲، مكتبة دار إحياء التراث العربي ۱۸۷/۶۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

